مرکزی دارالعلوم بنارس کا دینی علمی اور ادبی ماہنامہ

برگ و بار

صفحہ

(31)

جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ

جنوری ۱۹۸۵ء

جلد ۴ ... شمارہ ۱

ترتیب

صفی الرحمن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

- سالانہ : ۲۵ روپیے
- ششماہی : ۱۳ روپیے
- فی پرچہ : ۲/۵۰ روپیے
- بیرونِ ملک سے سالانہ : ۱۵ ڈالر

تزئین وکتابت
انیس

- ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس • طابع: عبدالوحید • مطبع: سلفیہ پریس بنارس

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

MAKTABA SALAFIA, REORI TALAB, VARANASI 221010

ٹیلی گرام: "دارالعلوم" وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

تہنیتِ سالِ نو

شوق اعظمی

با عزمِ نو بہ سالِ چہارم قدم نہاد
بر آسمانِ فضلِ محدث علم نہاد

گوئے سبق ربودہ نہ، میدانِ آگہی
پائے سمند را بہ طلب برق دم نہاد

عالم بہ فیضِ او ہمہ سیراب گشتہ است
جذباتِ علم در دلِ عرب و عجم نہاد

اعلانِ حق بہ بانگِ دُہل امتیازِ اوست
عظمت چنانکہ سکّہ بہ دیر و حرم نہاد

تحقیق آنچناں بہ مسائل نمودہ است
ہر صاحبِ نظر سرِ تسلیم خم نہاد

اسرارِ دو جہاں شدہ روشن بہ یک نظر
بیشک بدستِ اہلِ جہاں جامِ جم نہاد

ہر مدعی کہ زورِ کلامش نگاہ کرد
کاغذ دریدہ و ہیچ نہ گفت و قلم نہاد

ہر آنچہ او نوشتہ جہاں گفت آفریں
از آبِ زر بہ صفحۂ کاغذ رقم نہاد،

بیشک ہمہ معانی و الفاظ خوشتر اند
لاریب حسنِ ظاہر و باطن بہم نہاد

ہر ماہ چشمِ شوقؔ را دیدارِ خود نمود
ہر ماہ شوقِ دید بجان و دلم نہاد

مدحِ محدث است کہ مدحِ دیر شوقؔ
محوِ ثنا عقیدتِ آں محترم نہاد

نقش راہ

افتتاحیہ جلد ۴
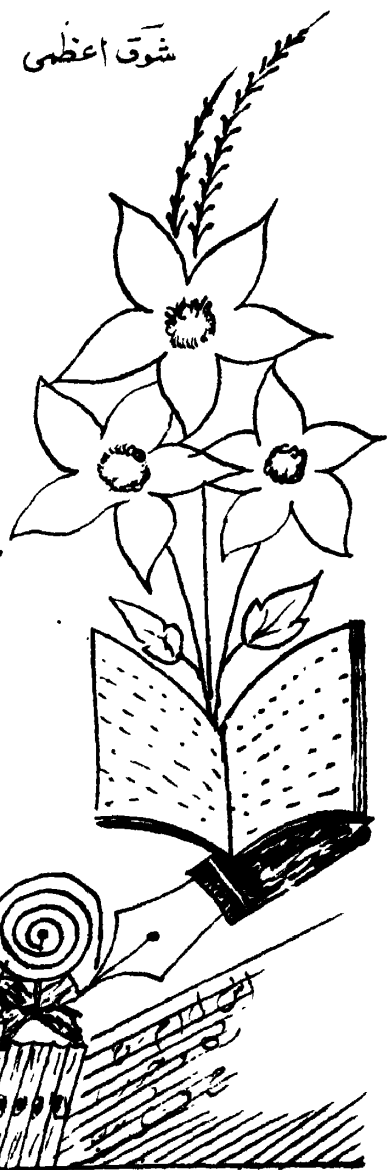
فلاح کا راستہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اما بعد۔

(ذیل کا مضمون اصلاً ایک تقریر ہے جو ۶ دسمبر ۸۴ء کو تقریباً بارہ بجے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے آفتاب ہال میں کی گئی۔ ہم تبرکاً اس سے محدث کی چوتھی جلد کا افتتاح کر رہے ہیں۔)

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کا ایک واقعہ مذکور ہے جو ہمارے لیے اپنے دامن میں عبرت و بصیرت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ جس زمانے میں مسلمانوں پر اہل مکہ کی طرف سے تشدد کا سلسلہ جاری تھا اس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا کام اگرچہ مشرکین کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر فرماتے تھے۔ مگر اپنے ذاتی اعمال کے سلسلے میں آپ اس کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کھلے بندوں نماز پڑھتے اور دیگر اعمال انجام بجا لاتے تھے۔ ایک بار خانہ کعبہ کے شمالی حصہ میں جو حطیم کے نام سے مشہور ہے روساء قریش کی محفل جمی ہوئی تھی اور آپ ہی کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہنے والا کہہ رہا تھا کہ ہم نے اس شخص کے سلسلے میں جتنے صبر سے کام لیا ہے اس کی مثال نہیں۔ درحقیقت ہم نے اس کے معاملے میں ایک بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ اتنے میں آپ ایک جانب سے تشریف لاتے دکھائی پڑے۔ آپ نے آکر حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ اثنائے طواف میں مشرکین کے پاس سے گزرے تو انھوں نے طعنہ زنی کی۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے اثرات ابھرے۔ مگر آپ نے قدم آگے بڑھا دیا۔ دوبارہ پھر مشرکین کے پاس سے گزر ہوا تو آپ پر پھر طعنہ زنی کی گئی۔ آپ کے چہرے پر پھر ناگواری کے اثرات ابھرے مگر آپ آگے بڑھ گئے۔

تیسری بار آپ کا گزر ہوا تو آپ پر پھر طعنہ زنی کی گئی۔ اب کی بار آپ ٹھہر گئے اور فرمایا: قریش سن رہے ہو! اس ذات واحد کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ذبح لے کر آیا ہوں۔ آپ کے ارشاد کا سننا تھا کہ مشرکین پر سکتہ طاری ہو گیا۔ گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد حالت یہ ہوئی کہ جو سخت سے سخت تر آدمی تھا وہ بھی نرم سے نرم الفاظ ڈھونڈ کر طلبگار رحمت ہو رہا تھا، کہتا تھا ابوالقاسم! آپ کبھی نادان نہیں رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کے شدید سے شدید تر مخالفین کو بھی یقین تھا کہ آپ اپنی زبان سے کوئی بیجا بات نہیں بولتے۔

دوسرے دن قریش پھر وہیں جمع تھے اور آپ کا ذکر چل رہا تھا کہ آپ نمودار ہو گئے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کے سب آپ پر یکبارگی پل پڑے۔ آپ کو گھیر لیا اور بدبخت عقبہ بن ابی معیط جس نے ایک بار آپ کی پیٹھ پر سجدے کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑ ڈال دی تھی اور ایک بار حالت سجدہ میں آپ کی گردن پر اس زور سے پاؤں رکھ دیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں باہر آجائیں گی۔ یہی بدبخت آپ کی گردن میں رسی ڈال کر بل دینے لگا تاکہ گلا گھونٹ کر آپ کا کام تمام کر دے۔ اتنے میں کسی نے چیخ کر ابوبکرؓ کو پکارا۔ وہ جھپٹ کر پہنچے۔ اس بدبخت کو دھکے دے کر ہٹایا اور روتے ہوئے فرمایا: اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کیا تم لوگ اس لیے ایک آدمی کو قتل کیے دے رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے، اور انھیں بے تحاشا زدوکوب کیا۔

البدایہ والنہایہ کا بیان ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے دو ٹلے ہوئے جوتوں سے حضرت ابوبکرؓ کے چہرے پر بے تحاشا ضرب لگائی۔ اس کے بعد پیٹ پر چڑھ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ چہرے اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ان کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ ایک کپڑے میں لپیٹ کر انھیں گھر لے گئے۔ انھیں کوئی شک نہیں تھا کہ اب یہ زندہ نہیں بچ سکتے۔ لیکن دن ختم ہوتے ہوتے ان کی زبان کھل گئی۔ پہلی بات جو انھوں نے کہی یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ اس پر بنو تیم نے انھیں سخت سست کہا، ملامت کی اور ان کی ماں ام الخیر سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ انھیں کچھ کھلا پلا دینا۔ سب جا چکے تو ماں نے سخت اصرار کیا کہ کچھ کھا پی لیں، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا۔ ماں نے کہا۔ واللہ مجھے تیرے صاحب کا کچھ علم نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ خطاب کی صاحبزادی ام جمیل کے پاس جاؤ اور آپ کے متعلق دریافت کرو۔ ام الخیر، ام جمیل کے

کے پاس گئیں اور کہا: ابوبکر تم سے محمد بن عبداللہ کے متعلق پوچھ رہے ہیں ۔ ام جمیل نے کہا، میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو۔ ہاں اگر تم چاہو تو میں تمھارے ساتھ تمھارے بیٹے کے پاس چل سکتی ہوں ۔ ام خیر نے کہا، ہاں۔ اس کے بعد ام جمیل ان کے ہمراہ تشریف لے گئیں اور حضرت ابوبکرؓ کی خستہ حالی دیکھ کر چیخ پڑیں کہنے لگیں ۔ واللہ جن لوگوں نے آپ کی یہ درگت بنائی ہے وہ یقیناً فاسق اور کافر ہیں، مجھے امید ہے کہ اللہ ان سے آپ کا بدلہ لے گا حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا ۔؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی ماں سن رہی ہیں ۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، ان سے کوئی خدشہ نہیں ۔ ام جمیل نے کہا آپ صحیح سالم ہیں۔ دریافت کیا کہاں ہیں؟ بتلایا ۔ ابن ارقم کے گھر میں ہیں ۔ فرمایا تو اللہ کے لیے مجھ پر یہ عہد ہے کہ میں نہ کھانا کھاؤں گا، نہ پانی پیوں گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ام خیر اور ام جمیل ٹھہری رہیں، جب آمد و رفت بند ہو گئی اور سناٹا پڑ گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سہارا دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، سیرت نبوی سے تعلق رکھنے والا یہ واقعہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کے بڑے پہلو رکھتا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہمارے لیے فلاح و سعادت کی ضامن ہے ۔ اس لیے ہمیں اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنے مذہب اپنے عقیدے، اپنے مقصد حیات اور اپنے نصب العین کے سلسلے میں عدد رجہ یقین محکم اور پامردی و ثبات قدمی سے متصف ہونا چاہیے ۔ حالات کتنے ہی سنگین ہوں، طوفان حوادث کے کیسے ہی تھپیڑے پڑیں ۔ مگر نہ تو ہمیں اپنے نصب العین سے دستکش ہونا چاہیے اور نہ ہمارے پائے ثبات میں لغزش آنی چاہیے ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنھیں افضل البشر بعد الانبیاء کا مقام حاصل ہوا۔ ان کا اقدام بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (یعنی آج آپ کی ہدایات و تعلیمات) پر فداکاری و جاں نثاری اور اس کی حفاظت کی راہ میں پروانہ وار جاں سپاری ہی ہمارا اصل جوہر ہے ۔ ہمیں اس راہ میں جس قدر تنگ اور تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، اسی قدر ہم عزت و سربلندی سے بہرہ ور ہوں گے ۔ یہی حقیقت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے: یٰایها الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون (آل عمران ۲۰۰)
اے ایمان والو! صبر سے کام لو، پامردی دکھاؤ۔ کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

●●●

"تمھاری امت ایک ہی امت ہے"

مولانا عبد القہار کھاروی

مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی

قیام ملت اور تنظیم باہمی کا عروۃ الوثقیٰ اور اصل ثابت صحت عقیدہ، صحت ملت اور حسن عمل ہے۔ دین کی اصل راہ وحدت الٰہ وحدت، اخوت امت ہے نہ کہ تفرقۂ ملت اور منافرت باہم۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ دین اسلام کی عالمگیر ہدایت صرف ایک ہے اور بلا استثنا، ساری جمعیت بشری کے لیے ہے نسل وقوم زمان ومکان کا کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح امت محمدیہ ایک ہے یہ بھی وحدت تعداد دین کی طرح ہر طرح کے تفرقہ وامتیاز سے پاک ہے، اس امت کے سوا انسان نے جو اہم و ملل بنائے ہیں وہ اس کے بنائے ہوتے ہیں، خدا کی ٹھہرائی ہوئی نہیں۔

بنا رکار وحدت دین اور وحدت امت ہے نہ کہ شخصیتیں۔ شخصیتیں کتنی بڑی کیوں نہ ہوں لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ امت کے افراد ہیں۔ موجد امت نہیں۔ وحدت دین اور وحدت امت کے مقابلہ میں اشخاص کا کوئی فکر، فکر نہیں، کوئی نظریہ، نظریہ نہیں۔ بلکہ اس سے ہٹ کر سب سبل متفرقہ اور ملل باطلہ کے تلے بانے ہیں۔

اے انسانو! اگر بھلائی چاہتے ہو تو وحدت دین اور وحدت ملت میں اکٹھے ہو جاؤ، یہی راستہ سیدھا بھی ہے اور آسان بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی انگلی سے زمین پر سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا مقرر کردہ راستہ ہے، اس کے بعد لکیر کے دونوں طرف بہت سی ٹیڑھی ترچھی لکیریں کھینچ دیں۔ پھر فرمایا یہ سبل متفرقہ ہیں جو بنائے گئے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا بہکا رہا ہے ..... الی آخر الحدیث۔ نبیؐ نے فرمایا تھا: بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے تھے۔ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ مراد لاتعداد فرقے ہیں۔

یہ بنیاد شریعت اسلامیہ کی اولین بنیاد ہے وہ جو کچھ بنانا چاہتی ہے۔ تمام تر اسی پر مبنی ہے۔ اگر اس

بنیاد کو نظر انداز کر دیا جائے تو پورا کارخانۂ وحدتِ ملت پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

مسلمانو! غور کرو کیا حال ہوا جنھیں وحدتِ ملت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی اور جنھیں سبل متفرقہ میں تقسیم ہو جانے سے روکا گیا تھا۔ انھوں نے کتاب و سنت اور وحدتِ ملت کی بجگہ انسانی رایوں اور ان کے ظنون و تخمین کو صحتِ عقیدہ اور صحتِ ملت سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد اور سبل متفرقہ ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن اور نبیؐ نے بند کرنا چاہا تھا۔

احیاء امت کی ضرورت: اسلام، قرآن و حدیث کی شکل میں یعنی اپنی اصولی تعلیم اور اپنے عملی اسوۂ سنہ کی صورتوں میں من و عن محفوظ ہے۔ امتِ مسلمہ بھی موجود ہے، مگر وہ معیاری حالت سے بہت دور چلی گئی ہے۔ لہٰذا ملتِ اسلامیہ کے عقائد اور روحانی اور اخلاقی معاملات کے ساتھ تنظیم امت کی اصولی تعلیم و تصور کو اعتقاداً اور عملاً معیاری اسوۂ سنہ سے شعوری ربط دیا جائے، ورنہ بین الاقوامی ملحدانہ رجحان کے مقابلہ میں امتِ مسلمہ کے گرد و غبار کی طرح اڑ جانے کا امکان ہے۔ دین کا بہت بڑا تقاضا اور وقت کا بہت بڑا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ ملل متفرقہ کو مٹا کر ان کے اندر کلمۂ سواء پر مبنی اتحاد پیدا کیا جائے، یہ ایک بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر امتِ مسلمہ کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔

احیاء امت کا اہم ترین شعبہ: تنظیم ملت اور اس کی وحدت ہے۔ تنظیم یا اجتماعیت بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ وہ دین حق کی تبلیغ، اسلام کے عروج و ظہور، اور ملت و معاشرہ کے متحد و منظم رکھنے کا ایک ذریعہ اور ضرورت ہے۔ تنظیم ملت کے دائرۂ کار میں اصلاح ذات البین کا شعبہ بھی سمٹ کر آ جاتا ہے۔ دینی معاشرہ کے لیے یہ شعبہ ایک خارجی شہر پناہ اور فصیل کی حیثیت رکھتا ہے، نیز یہ شعبہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ معاشرہ انسانی کا وجود۔ آج تنظیم ملت اور اس کی وحدت کا تصور کم از کم معیاری حالات سے بہت پیچھے چلا گیا ہے اور عملاً اس کی اصولی تعلیم و تربیت اور اس کا قیام مفقود نظر آ رہا ہے۔ اس شعبہ کی طرف سے امت اطمینان بخش جامع اور مرکزی نقطۂ نظر معین کرنے سے بالکل قاصر ہے، اور جو کچھ تنظیمات ہیں، ان میں سے بیشتر فرقہ واریت اور انفرادی گروہ بندی پر مبنی ہیں، اور ان پر انتہائی پختہ قسم کی شخصی چھاپ لگی ہوئی ہے۔

لاتعداد امم کی نفسیاتی بنیاد: ہر پیدا ہونے والا انسان جسمانی ساخت میں ایک نیا رنگ و

روپ، شکل و شباہت اور نرالا حسن و جمال لے کر پیدا ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح ہر ذی علم انسان میدان علم و عمل میں فطری طور پر جداگانہ مذاق و شوق مصروفیت پاتا ہے اور جس قدر فنون کی کثرت ہے اسی قدر دماغ اور اذہان کی کثرت ہے۔ غرض ان بے شمار فنون و موضوعات کے جھرمٹ میں سے جس فرد کو احوال و ظروف کے دباؤ کے تحت جس موضوع سے لگاؤ ہوتا ہے وہ اسی موضوع میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی بیک وقت تمام شعبہ جات سے تعلق رکھ بھی نہیں سکتا اور وہ نہ اس کا متحمل ہے اور نہ ذمہ دار۔ اللہ کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان پر اسی قدر ذمہ داری عائد کرتا ہے جتنی کہ اس کے اندر استعداد ہے۔

فطرت انسانی کے اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ ہر آدمی اپنے مذاق و طبیعت کے مطابق اپنے پسندیدہ میدان میں علمی خدمات انجام دے۔ چنانچہ تاریخ انہی حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے نبیﷺ کی پروردہ اور تربیت یافتہ جامع امت پر چند برس گزرے تھے کہ پہلا سا جوش جاتا رہا۔ صحت عقیدہ، صحت ملت اور حسن عمل پر کوتاہی کے پردے پڑنا شروع ہوئے تو وحدانی اور یک رنگی امت میں انتشار پیدا ہونا شروع ہوا۔ جوں جوں یہ حالات بڑھتے گئے، اسلام کا مجموعی شعور اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مصالح مختلف شعبوں میں تقسیم ہو کر معیاری تصور سے دور ہوتے چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک طرف، عیسائی یہودی اور مجوسی ریشہ دوانیاں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہو گئیں۔ دوسری طرف خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد جنگ جمل و صفین نے ملی شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا۔ اہل علم حضرات ان حالات سے دوچار ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے اور اپنے اپنے میدان کار میں انفرادی دینی و تبلیغی کام انجام دیتے رہے۔ میدان مختلف دائرہ کار میں تقسیم ہو گیا۔ اب جس پر جس ذہنیت کا غلبہ ہوا وہ اسی دائرہ میں مصروف عمل رہا۔ جن افراد کی صلاحیتیں، جن جن موضوعات پر زیادہ اجاگر ہوئیں انہوں نے انہی موضوعات کے تقاضوں کو پورا کرنا اپنا شیوہ بنایا، ان حالات میں ایک آدمی فلسفی کی شکل میں رونما ہوا اور اس نے فلسفیانہ تکلفوں کا جال پھیلایا۔ دوسرے پر روحانی اثرات غالب ہوئے اور وہ معاشرہ سے کٹ کر خانقاہیت اور تصوف کی کٹیا میں جا گھسا۔ کسی پر فقہی مسائل کا مذاق سوار ہوا اور وہ ایک فقیہ بن کر منظر عام پر جلوہ افروز ہوا۔ (یہ ایک دو مثالیں فہم مسائل کے لیے ہیں انہی پر ماضی بعید و قریب اور موجودہ دور کی دیگر جملہ تنظیمات اور تحریکات کو قیاس کرنا چاہیے۔)

غرض تاریخ میں شخصی افکار و نظریات کے تسلسل کا پتہ زیادہ سے زیادہ ملتا ہے، جس قدر عناوین و مضامین ہیں اسی قدر شخصیتیں ہیں، جس قدر مذاق و ذوق ہے، اسی قدر مختلف النوع کارناموں کا انبار ہے۔ جس قدر اذہان ہیں اسی قدر نظریات و خیالات۔

ان مختلف الاحوال اور مختلف الانواع خدمات دینی میں گرچہ ذاتی و انفرادی غلطیاں دامن گیر رہیں اور ان کا ہونا بھی فطرت انسانی میں سے ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اسلام کو اور ملت اسلامیہ کو کسی نہ کسی حد تک فائدہ پہنچتا رہا۔ یہی خدمات ماضی میں معاشرہ کی ترقی اور دین اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنی رہیں۔ انتشار احوال اور افراد میں باہمی چشمک و اختلاف کے باوجود اعتقادی اور اخلاقی درستگی کے ساتھ باہمی تال میل، باہمی لگاؤ اتنا ضرور رہا کہ وہ فلیتنافس المتنافسون کے بموجب بر و تقویٰ میں تعاون، مسابقت الی الخیر اور اثم و عدوان میں عدم مساعدت ابھارنے کا کام دیتا رہا۔

مذکورہ احوال و طریقۂ کار کی حد تک مذہب و ملت کی خیر رہتی ہے،

بے شمار امم کا بھرپور آغاز: لیکن جب مرور زمانہ کے ساتھ مجموعی دینی مقاصد اور ملی مصالح کا صحیح شعور غائب ہو جاتا ہے۔ اور انھیں مختلف الاحوال ضرورتوں اور مختلف الانواع شعبہ جات کی نئی نئی تشریحات کی بنیاد پر باقی اجزا دین کی مصلحتوں قدروں اور قیمتوں کی ناپ تول شروع کر دی جاتی ہے۔ جب کسی خاص شخص کے مستنبط مسائل دینیہ یا شخصی تخیلات و نظریات کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے انھی بنیادوں پر جماعت سازی اور ملت جدیدہ تشکیل دی جاتی ہے۔ اور دوسروں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا جاتا ہے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر دوسروں سے معارضہ کیا جاتا ہے۔ اور حق و باطل کے امتیازات قائم کر دیے جاتے ہیں، یعنی ایک کے پاس خالص حق مان لیا جاتا ہے اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے اسے خیال اور ظن و تخمین کہا جاتا ہے اور نوبت اس انداز فکر تک پہنچتی ہے کہ ایک شخص کل دین کا مالک، دوسرا کچھ اجزا دین سے متعلق، ایک کی جملہ توضیحات معصوم عن الخطا، دوسرے کی جملہ کوششیں خطا و نسیان۔ ایک کے افکار و نظریات ماننے پر مسلمان اور نہ ماننے پر کافر، جب معاملات اس درجہ شدت اختیار کر لیتے ہیں تو بنی اسرائیل کی سی فرقہ واریت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

تحزب و تفرقہ کی یہی سنگین منزل ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر حالات میں یہی جزوی اور شخصی تشریحات دین، دعوت عامہ کی شکل اختیار کرتے ہوئے کل حزب بما لدیھم فرحون کی مصداق بن جاتی ہیں۔

اس کا تاریخی ثبوت

ختم نبوت پر چند برس گزرے تھے کہ سیاسی اتھل پتھل شروع ہوئی اور اہل بیت کا مسئلہ کھڑا کر دیا گیا۔ معاملات نے شدت اختیار کی، جس پر بڑی آسانی کے ساتھ شیعیت نے دعوت عامہ کی شکل اختیار کرتے ہوئے عام مسلمانوں سے علیحدہ ایک جدید ملت و جماعت کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ، ابن عباسؓ وغیرہ اس تحریک کے ہیرو بنا لیے گئے۔ اب اس تحریک کے یہاں دین نام ہی شخصیت پرستی کا رہ گیا ہے۔

معاشرتی مسائل نے طول اختیار کیا تو چوتھی صدی گزرتے گزرتے دین کے فقہی مسائل کی بنیاد پر ایک امت کو چار اماموں کی طرف منسوب کرتے ہوئے، حنفی مالکی، شافعی اور حنبلی چار امتوں میں تقسیم کر دیا گیا، جبکہ معاشرتی مسائل تفصیلات شرعیہ سے متعلق ہیں۔ پھر امت نے شرع و منہاج کے فقہی جبر و تشدد اور سیاسی و معاشی کشاکش سے ہٹ کر باطن کی راہ لی اور رہبانیت پیر و سلوک حتیٰ کہ وحدۃ الوجود جیسے مشرکانہ عمل سے دامن گیر ہو کر باطنی امت بن گئی۔ اس امت کے مرجع ابن عربی اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ وغیرہ ٹھہرا لیے گئے۔ جبکہ اول الذکر کے فکر و نظر میں باطنی الحاد اور مشرکانہ طرز جنون واضح طور پر جھلکتا ہے۔ آج اس امت کا یہ خیال ہے کہ بغیر شخصی اطاعت و فرمانبرداری کے باطن کی طرف چشم تصور بھی ناممکن ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایک نہیں بلکہ سیکڑوں شخصیتیں قبلہ و کعبہ بنی ہوئی ہیں۔

انسانی سماج میں معیشت و سیاست کے سوال کو مرکزی حیثیت دے کر ان کے حصول کے لیے عالمی منصوبہ بندی شروع ہوئی، اس دوران اندرون عالم اسلام مسلمانوں کی سیاسی و معاشی مغلوبیت اور مفلوک الحالی کے سبب نئی نسل کمیونزم اور الحاد و دہریت سے متاثر ہونا شروع ہوئی تو ایک صاحب سے ان عالمی حالات میں مسلمانوں کی زوال و پستی دیکھی نہ گئی۔ اور انھوں نے خالص سیاسی و معاشی بنیاد پر باقی اجزاء دین کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے ایک کلی امت یعنی کل دین والی امت بنانے کا اعلان کر دیا، اور وہ بھی اس شد و مد کے ساتھ کہ جو مسلمان اس کلی دین اور امت جدیدہ کا کلمہ صدق دل سے نہ پڑھے گا اس کی حیثیت ان یہود و نصاریٰ کی سی ہوگی جو نبی آخر الزماں کی نبوت پر ایمان نہ لائے تھے۔ بلکہ ان صاحب نے اپنے اس اعلان کے ساتھ اس دھمکی کا بھی اعلان فرمایا کہ چوں کہ خلافت راشدہ کے بعد سے ابتک تاریخ اسلام کے جملہ مجددین و مصلحین کے دینی فہم میں حق و باطل کا امتزاج تھا اس لیے امت ان کی دعوت کے انکار پر عذاب الٰہی سے بچتی چلی آرہی تھی۔

لیکن اب دین کی وہ تعبیر قوم کے سامنے آ چکی ہے جو کل کی کل حق ہے۔ دین کی اس خالص اور بے لاگ صورت کو رد کرنے کے نتیجہ میں اللہ سے مغضوب یہود کی طرح عذاب ذلت و رسوائی کے سپرد کر دے گا۔

ایک اور صاحب نے وقتی نزاکت کے پیش نظر نجی طور تبلیغ اسلام کے چند اصول بنائے، جس پر وہ خود سختی سے عمل پیرا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں انھیں اصولوں کی بنیاد پر موصوف کے ارد گرد اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی۔ پھر موصوف کی وفات کے بعد یہ سلسلہ اور آگے بڑھا۔ اس تحریک نے بھی تبلیغ کے طریقہ کار اور تبلیغ کے خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر ایک الگ اور مستقل فرقہ کی تشکیل مکمل کر لی ہے۔ اس وقت اس جماعت کے رہنما حضرات کے ذہنی اور عملی سانچوں کو سامنے رکھا جائے تو اس تشکیل جدید کا مالہ و ما علیہ واضح ہو جائے گا۔ اس جماعت کے افکار و نظریات ہم پڑھتے اور سنتے ہیں۔ ان کے اعمال ہماری آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ "تبلیغی نصاب" نامی کتاب (جس کی بنیاد پر اس جماعت کی تشکیل ہے) کا قرآن سے زیادہ تلاوت کرنا اس جماعت میں شامل ہونے والوں کے لیے ضروری ہے۔ کیوں کہ عملاً یہی دیکھا جاتا ہے کہ قرآن سے کہیں زیادہ اس کتاب کو پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر اور وسیع ترین اصول تبلیغ کو نظر انداز کرتے ہوئے محدود اور خود ساختہ طریقہ کار اور خود پسند اصولوں کو دینی مقام دیا جا چکا ہے۔ ارکان خمسہ کی جگہ چھ باتیں۔ نبیؐ کی دعاؤں کی جگہ بانی جماعت کی وضع کردہ دعائیں جماعت سے متعلق لوگوں کے لیے لازم ہو چکی ہیں۔ "چلے اور گشت" ان کے لوازمات اور دونوں کا متعین طریقہ کار واجبات دین کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

ایک عالم دین اور مفتی (فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند) سیونی جامع مسجد میں بحیثیت امیر جماعت تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعد نماز مغرب آنجناب نے دوران تقریر بلا سند معجزانہ انداز کے ایک دو واقعات ذکر کیے۔ تقریر کے اختتام پر میں نے موصوف سے کچھ سوالات کیے، انھوں نے سوالات کے جوابات دینے سے گریز کرتے ہوئے کہا: "ہمارے امیر الامراء کا کہنا ہے کہ اس چکر میں نہ پڑنا۔" میں نے کہا: جناب! اگر یہی بات جاہل کہتا تو میں مان لیتا۔ آپ جاہل نہیں ہیں۔ خدا کے فضل سے عالم دین و شریعت اور مفتی بھی ہیں، اس کے باوجود موصوف کان میں تیل ڈال کر پڑے رہے۔ البتہ چلتے چلاتے جوابات کے حصول کے لیے ایک راہ بتا دی۔ فرمایا "آپ نظام الدین دہلی میں تشریف لے جائیں اور وہاں امیر الامراء کے حلقۂ درس میں خاموش بیٹھ جائیں، آپ کے

سوالات عالمانہ طور پر امیر الامرار کے ذہن میں پہنچ جائیں گے، اور آپ کے جملہ سوالات کے جوابات آپ کو دے دیے جائیں گے۔ میں نے کہا جناب بڑے پہنچے ہوئے بزرگ کی طرف آپ نے رہنمائی کی ہے۔ اس پر موصوف نے مزید فرمایا۔ اللہ والے لوگ ہیں، ان کی ساری زندگی اللہ کے لیے وقف ہے، ان سے ایسی باتیں بعید کہاں ہیں۔

اوپر کے سبل متفرقہ، ملل مختلفہ، انفرادی اور شخصی مرکزیتوں کو سامنے رکھو اور خیر القرون کا دینی وحدت اور وحدت ملت کا نقشہ اپنے سامنے لاؤ اور بحیثیت مسلمان محسوس کرو کہ ہم، ہماری قوم اور ہماری لاتعداد تنظیمات کس مقام پر کھڑی ہیں۔ ہم نے اپنی بداندیشیوں سے دین اسلام اور ملت واحدہ کو کس قدر ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے۔

دین اسلام کے مرکزی اصولوں وحدت ملت اور وحدت دین اور ان کے مجموعی مقاصد کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی ایک یا ایک سے زیادہ چند اصولوں کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ تنظیم کی تشکیل کی گئی یا کسی وقتی ذریعہ اور ضرورت کی بنیاد پر باقی اجزاء دین کی تعبیر اور تشریح کی گئی اور اسی کو بنیاد بنا کر ملت جدیدہ کا اعلان کر دیا گیا، یعنی کوئی خود پسند اور خود ساختہ دینی نصب العین مقرر کر لیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی فرد امت کے شخصی کردار و عمل کو اسوۂ حسنہ بنا لیا گیا ہے۔

اس طریقہ کار سے جو مفاسد ظہور میں آئے ہیں ان کی شکل اس طرح بن گئی ہے کہ دین اسلام کے ہر ہر جز کے الگ الگ امام اور ان کی امتیں ہیں۔ فقہی امام الگ اور اس کی امت الگ۔ سیاسی و معاشی امام الگ اور اس کی امت الگ، تبلیغی امام الگ اور اس کی امت الگ۔ — الگ الگ، جدا جدا۔ ملت بیضاء ملت بکدرہ۔ ملت واحدہ، ملت متفرقہ، ملت مواخات، ملت منافرہ، ملت سہلہ، ملت مشکلہ ہوگئی۔ فہل من مدکر۔

کتابوں پر تبصرے: تبصرے کے لیے موصول ہونے والی کتابیں بکثرت ہیں، لہٰذا متعلقہ حضرات اور ادارے صبر سے اپنی باری کا انتظار کریں، تبصرہ نگار اپنی رائے قائم کرنے میں آزاد ہے۔ ادارہ تبصرہ نگار کا لہجہ بدل سکتا ہے رائے تبدیل نہیں کر سکتا۔ تبصرے سے اختلاف رکھنے والوں کی بھی رائے مع دلیل کے شائع کی جا سکتی ہے۔

نظریہ ارتقاء کی ایک نئی شکست

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

مذکورہ بالا عنوان کسی دور میں قارئین کے لیے "جدید و لذیذ" تھا، اور اس لیے لوگ اسے اختیار کرتے تھے، لیکن اب اس میں نہ تو کوئی جدت ہے نہ جاذبیت و لذت۔ کیونکہ ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء اب غلط قرار دیا جا چکا ہے، اس نظریہ کی مخالفت کا ظہور تو خود ڈاروِن کے شاگردوں ہی کے ذریعہ عمل میں آ چکا تھا اور انھی کی تحقیقات کی بنا پر یہ نظریہ اپنا مقام کھو چکا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں یہ مخالفت زیادہ واضح اور قوی صورت میں سامنے آ رہی ہے۔ ہم نے ان سطور کے لیے مذکورہ عنوان محض اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کا مدعا سے تعلق ہے۔ جدت و جاذبیت کا پہلو ہمارے پیش نظر نہیں۔

ان سطور کا نقطۂ ارتکاز سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ڈاروِن کا نظریہ ارتقاء تخلیق انسانی کے سلسلے میں مذہبی تصور اور بالخصوص اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ہمیں وضاحت کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر ان کی بیوی حوا کو ان (کی پسلی) سے پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے انسانی نسل دنیا میں پھیلی۔ قرآن کریم کا یہ بیان بیحد واضح ہے اور کسی طرح کی تاویل و توجیہ کی گنجائش نہیں، اس عقیدے کی تائید دیگر آسمانی کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔

ڈاروِن نے اپنے نظریہ کو جب منظم علمی صورت میں پیش کیا تو مذہب دشمن حلقوں نے اپنے حق میں اسے بہت بڑی فتح تصور کیا، اور اس بنیاد پر اس نظریے کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا۔ چنانچہ آج علم و فن کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ نہیں، اور نہ ہی اس نظریے کے خلاف تحقیقات کو عمومی حیثیت حاصل ہو سکی ہے[1] لیکن جب اس نظریہ کا سقم سامنے آنے لگا تو مذہب دشمن حلقے نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور صہیونیت وغیرہ

---

[1] عبدالرزاق نوفل: بین الدین والعلم ص ۱۲۵، محمد تقی امینی: لامذہب دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۰۔

انسانیت دشمن تحریکوں نے اسے اسلام کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی شروع کردی۔ بہت سے ذہن، بحث وتحقیق اور معروضیت کے نام سے مرعوب ہوکر آج بھی اس نظریہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں، اس لیے ان سطور میں ہم چند ایسی باتوں پر روشنی ڈالنا چاہیں گے جن سے نظریۂ ارتقاء کی غلطی واضح ہوکر یہ ثابت ہو جائے کہ مذہب کے علاوہ اب سائنس بھی ڈارون کے خیال کو غلط قرار دیتی ہے۔

...

انسانی ذہن میں کبھی یہ بات تھی کہ سائنس اور مذہب کے مقاصد آپس میں متضاد ہیں۔ لیکن جب عملی زندگی میں سائنس کے آثار ظاہر ہوئے اور مذہب کے سلسلہ میں بھی لوگ واقعیت پسندی کی راہ پر آئے تو دونوں موضوعات سے متعلق ارباب فکر نے یہ محسوس کیا کہ مذہب اور سائنس کے مقاصد میں باہمی تضاد کی بات بے بنیاد ہے۔

کیونکہ سائنس کا بنیادی مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ دنیا میں انسان کو باعزت وخوشگوار زندگی حاصل ہو، اور انسانوں کی ناتجربہ کاری سے انہیں جو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں ان سے وہ محفوظ رہیں۔ زندگی کے جن میدانوں میں، سائنس کی تگ ودو کا سلسلہ جاری ہے ان میں ہم نتیجہ کے طور پر انسانی مفاد کے پہلو کو محسوس کر سکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق کسی فرد سے ہو یا پورے معاشرے سے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور مذاہب کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ پرسکون وخوشگوار زندگی کو مذاہب کی تعلیمات میں بھی اہمیت دی گئی ہے بلکہ خوشگوار ابدی زندگی کو انسان کی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا گیا ہے۔

...

اب سوال یہ ہے کہ مذہب وسائنس کے مقاصد میں اتحاد یا قربت کے باوجود دونوں کے مابین تضاد وتعارض کی بات کیوں اور کہاں سے مشہور ہوئی ہے؟

اس سوال کے جواب کے لیے دینی تاریخ کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین تضاد کی بات ان لوگوں نے پھیلائی ہے جنھیں مذہب سے دشمنی تھی۔ سائنس کے تجربات وتحقیقات سے جب بہت سی مذہبی حقیقتوں کی صداقت عیاں ہونے لگی اور اس طرح تجربی دور میں بھی مذہب کی بالادستی کا سکہ بیٹھنے لگا تو الحاد پرستوں کو اس سے سخت مایوسی ہوئی اور انھوں نے مذہب پر حملہ کرتے ہوئے یہ مشہور کرنا چاہا کہ اس کے نظریات

تحقیق و تجربہ کی میزان پر پورے نہیں اتر سکتے، اس کے عروج و ترقی کا دور اب ختم ہو چکا ہے۔ آج کا انسان ایسی کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جس کا وہ مشاہدہ و تجربہ نہ کر سکے۔ اہل الحاد مذہب کے خلاف یوں کہ کوئی علمی یا تجربی دلیل نہیں پیش کر سکے، اس لیے اس بات کا سہارا لیا کہ مذہب کو بدنام کیا جائے اور لوگوں کو اس کے سایے تلے آنے سے محروم رکھا جائے۔

مذہب و سائنس کے مابین تضاد کی بات اُن سیاسی حلقوں سے بھی دہرائی گئی جو مذہب کی مخالفت کر کے ظلم و ستم اور انسانی استحصال کی اپنی روش کو برسرِ حق ثابت کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ انسانوں کے ایک طبقہ کی دوسرے طبقہ کے ہاتھوں پامالی کے خلاف آواز سب سے پہلے مذہبی حلقے سے ہی اٹھتی ہے اور مذہب پوری قوت کے ساتھ معاشرتی ناانصافیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح کائنات اور زندگی سے متعلق کچھ ایسے نظریات ظہور پذیر ہوئے جن کے ماننے والوں نے ان نظریات کی عدم صحت کو جانتے ہوئے بھی انھیں مذہبی حقائق کے سامنے لاکھڑا کرنے کی کوشش کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ سائنس اور مذہب کے درمیان تضاد ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقا جو اس مضمون کا بنیادی موضوع ہے اسی قبیل سے ہے۔

سائنس اور مذہب کے مابین تعارض کی بات کبھی کبھی مذہبی حلقہ سے بھی کہی گئی۔ قدیم دور میں جن مدعیانِ مذہب کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ سائنس کی ترویج و ترقی سے ان کے مفاد کو نقصان پہنچے گا انھوں نے اس کی مخالفت عام کرنے کے لیے اسے مذہب کے منافی بتایا۔ مذہبی حلقہ میں اس طرح کے خیالات پیتھاگورس سے پہلے عام تھے، لیکن پانچویں صدی قبل مسیح میں اس نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور مذہب و سائنس دونوں کو ساتھ ساتھ برت کر دکھایا مشہور مورخ سارٹن اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

پیتھاگورس نے بیک وقت مذہب و سائنس کی بنیادیں استوار کیں اور یہ ثابت کیا کہ سائنس کا ایک مقام اور منفعت ہے اور یہ غور و فکر کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اسے سائنسدانوں کا سرخیل اور حامی قرار دیا جاتا ہے۔

ہماری اس توضیح سے یہ خیال نہ پیدا ہونا چاہیے کہ سچا مذہب کسی انسانی تحقیق کی طرف سے تصدیق و تائید کا محتاج ہوتا ہے۔ اس طرح کی بات وہ لوگ سوچ سکتے ہیں جو مذہب کی بنیادی حقیقتوں سے ناواقف اور اپنی علمی کجی کے باعث اس پر معترض ہوتے ہیں۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ انسانی ذہن کی کوئی کاوش جب کسی مذہبی حقیقت کے موافق ہو جاتی ہے تو ضعیف العقیدہ انسان کے لیے یہ امر باعث تقویت ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں تبلیغ و

دعوت کا کام کرنے والے بعض افراد کی طرف سے اشاعت اسلام کی راہ میں دشواریوں اور اندیشوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ لوگ سوچتے ہیں کہ سائنس و ٹکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کے اس دور میں مذہبی حقائق و تصورات (جو قدیم سمجھے جاتے ہیں) کے شکست کھا جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے علماء اسلام کو مذہبی افکار و نظریات کی تائید کے لیے ایسا مادی و تجرباتی انداز اختیار کرنا چاہیے جو آج کی سائنس و ٹکنالوجی کی دنیا سے قریب اور ہم آہنگ ہو۔

لیکن میرے خیال میں سوچنے کا یہ انداز صحیح نہیں۔ اس میں مایوسی و ہراس کا پہلو غالب ہے۔ مادیت و تجربہ پرستی کی ماری ہوئی اس دنیا کے سامنے اسلامی حقائق پیش کرنے کا موثر ترین ذریعہ مادی و تجرباتی نہیں بلکہ علمی و روحانی ہے۔ مذہبی حقائق و اصول کو سیدھے سادے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور ساتھ ہی اس پر سختی سے اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونا اسلامی دعوت کی کامیابی کی اولین ضمانت ہے۔ اس میں زمان و مکان اور عوام و خواص کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں، یہ ہماری مرعوبیت اور کمتری کا احساس ہو سکتا ہے کہ جو دنیا سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں اس قدر آگے بڑھی ہوئی ہے اور جہاں افراد خلانوردی کی تاریخ کا آغاز کر رہے ہیں ان کے سامنے ہم ایمان و یقین، عذاب قبر، بعث بعد الموت اور جزا و سزا کی باتیں کیسے پیش کر سکتے ہیں۔

ممکن ہے یہ تصور و اندیشہ بعض لوگوں کے سلسلہ میں صحیح ہو لیکن ہمارے سامنے تو یورپ و امریکہ کا وہ نوجوان طبقہ ہے جو اطمینان و سکون کی تلاش میں گھر اور وطن کو چھوڑ کر دور دراز مقامات کا سفر کر رہا ہے اور صحیح غلط نظریات کو اپنا رہا ہے۔ اسے مادہ پرست زندگی اور تہذیب سے نفرت ہے۔ تجربات و تحقیقات اس کے دل کو مطمئن کرنے میں ناکام ہیں۔ اسے قلبی سکون کی تلاش ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام بھی قبول کیا ہے۔ اس طبقہ کے سلسلہ میں کیا راہ اختیار کرنا مناسب ہے، یہ الگ مسئلہ ہے، لیکن ان کی اس کیفیت سے یہ ضرور ثابت ہے کہ مغرب کی متمدن و ترقی یافتہ دنیا اس طبقہ کو امن و سکون دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس لیے یہ طبقہ اس تہذیب سے متنفر ہوتا جا رہا ہے۔

دعوت کے میدان میں کام کرنے والے اگر اپنے سامنے صرف یہی پہلو رکھیں تو میرے خیال میں کافی ہے۔ دعوت کے اصول کو کسی لیبارٹری میں لے جانے کی ابھی ضرورت نہیں۔

...   .

صاحب نظریہ : چارلس رابرٹ ڈارون (۱۸۰۹ - ۱۸۸۲ء) نے ایڈن برگ میں بنیادی تعلیم

پر طب کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن طبابت کو بطورِ پیشہ اختیار کرنا اس نے پسند نہ کیا، اس لیے کیمبرج یونیورسٹی میں سائنس کا استاد مقرر ہو گیا۔

انیسویں صدی عیسوی کی اس شخصیت کو اصل شہرت اس نظریہ کے باعث حاصل ہوئی جسے "نظریۂ ارتقاء" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ڈارون کے اس نظریہ تک رسائی حاصل کرنے اور اس کی تائید میں دلائل فراہم کرنے کی داستان طویل ہے۔ اس سلسلہ کی ابتدا ایک سمندری سفر سے ہوئی جس میں ڈارون کو مختلف انکشافات و مشاہدات کے ذریعہ ایسے امور کا پتہ چلا جو آگے چل کر نظریہ ارتقا کی بنیاد ثابت ہوئے۔ اس سفر میں ڈارون نے دیکھا کہ حیوانات کے درمیان جسمانی لحاظ سے غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس ادراک کے بعد اس نے یہ مفروضہ قائم کیا کہ موجودہ حیوانات کی اصل ایک ہے۔ سابقہ کسی شکل سے موجودہ شکل میں حیوانات کا ظہور اصل میں ایک تدریجی تغیر کا نتیجہ ہے جو مختلف مخلوقات کے مابین جاری ہے۔ اس ارتقائی سفر میں حیوانات میں تغیر و تنوع پیدا ہوتا ہے اور اسی میں بعض قسمیں فنا ہو جاتی ہیں۔

ڈارون نے اس نظریہ کی بحث و تحقیق میں تقریباً بیس سال تک مطالعہ و تجربہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس مدت میں اس نے تمام ممکنہ دلائل کو جمع کر کے دنیا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا۔ ۱۸۵۹ء کا زمانہ تھا جبکہ اس کی کتاب "اصل الانواع" کا پہلا ایڈیشن سامنے آیا۔

نظریۂ ارتقار کے تعارف سے پہلے ہم ایک نظر بانیٔ نظریہ کے فکری مراحل اور مذہب سے متعلق متغیر خیالات پر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ نظریہ کی قدر و قیمت اور پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ڈارون پہلے وحی کا قائل تھا اور جب اس کی اہم تصنیف "اصل الانواع" شائع ہوئی اس وقت بھی وہ خدا کا قائل تھا۔ پھر بتدریج اس کے خیالات بدلتے گئے یہاں تک کہ وہ اپنے کو لا ادری کہنے لگا، جس کا مطلب یہ ہے میرا علم اس مسئلہ کے حل کے لیے کافی نہیں ہے۔

"لا ادریت" خود انسان کی بے بسی کا اعتراف ہے اور یہ اس کو علم و معلومات کی ایک ایسی دنیا تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ جس تک رسائی کے بعد موجودہ نظریات میں تبدیلی ناگزیر بن جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ڈارون کو یہ موقع میسر نہ آیا اور وہ اسی اضطراب و الجھاؤ کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ڈارون مذہب کے معاملہ میں برابر مضطرب رہا۔ "لا ادریت" کی پناہ لینے کے بعد بھی وہ مذہب کے

انکار کی جرأت نہ کر سکا۔ اس کی دشواری یہ تھی کہ ایک طرف اس کا فلسفہ روح کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف اس کی فطرت ماورا عقل چیزوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

مذہب کے بارے میں ڈارون کے مذکورہ رویہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا فلسفہ خود اس کی نظر میں بھی زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے میں ناکام رہا تھا اور خود اس کی تشنگی بجھانے کا سامان نہ کر سکا تھا۔

اس کیفیت سے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے کہ مذہب کے بغیر انسانی روح مطمئن نہیں ہو سکتی خواہ ظاہری طور پر زندگی کو کتنا ہی پارعب اور باوثوق کیوں نہ بنا دیا جائے۔ [1]

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ڈارون نے ارتقا کا نظریہ تو قائم کر لیا اور اس کی تائید میں ممکنہ دلائل بھی پیش کر دیئے لیکن فطری رجحانات کے دباؤ نے اس کو بعض ایسے حقائق کے اظہار پر مجبور کیا جس سے مذہب پرستی کے نظریہ کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ ڈارون اس طرح کے خیالات کا (خواہ اخیری عمر میں) اظہار کر کے الحاد اور لاادریت کی سرحدوں سے آگے بڑھ گیا لیکن اس کے نظریہ کو ماننے والے آج بھی تاریکی و گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔

جو لوگ نظریۂ ارتقا کی صحت پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں انھیں ڈارون کے آخری اعترافات اور مذہب کے سلسلہ میں اس کے آخری موقف پر غور کرنا چاہیے۔

ڈارون کے ساتھ فکری تذبذب اور الجھاؤ کا جو معاملہ پیش آیا اس کا تجزیہ کرنے پر ہمارے سامنے ایک بنیادی بات آتی ہے اور وہ یہ کہ ایک محقق بحث و تحقیق کے نتائج کے سلسلہ میں تقریباً مجبور رہتا ہے۔ جہاں تک ماخذ کے مطالعہ، دلائل کی ترتیب اور ابتدائی تجربات کے سلسلہ میں ذہنی محنت و کاوش کا سوال ہے اسے ہر مرحلہ پر اختیار ہوتا ہے کہ جس نوعیت کے جتنے ماخذ کا چاہے مطالعہ کرے اور جس طرح کا چاہے تجربہ کرے، لیکن اس مرحلہ کے بعد نتائج کے مرحلہ میں اس کا مذکورہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ جو محنت اس نے کی ہے اس کا جو نتیجہ سامنے آ رہا ہے اسے قبول کرنے پر وہ مجبور ہوتا ہے۔

البتہ اگر محقق کا کوئی ایسا ذہنی پس منظر ہو جو اس کی رہنمائی کر رہا ہے تو پھر نتائج کی غلطی سے اس کے محفوظ رہنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

بحث و تحقیق کے سلسلہ میں آج اسی لیے یہ ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ علوم و نظریات کو "اسلامیانے"

---

[1] مذہب الدین والعلم ص ۱۲۵ ، لامذہبی دور کا پس منظر ص ۱۳۰

کا عمل شروع کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح انسان وحی الٰہی کی رہنمائی کے باعث تاریخ کی ان غلطیوں سے محفوظ رہے گا جو آگے چل کر اس کی محنت کو رائگاں بنا دیتی ہے۔

ڈارون اپنے بحث تحقیق کے دوران اگر مذہب کی بعض مسلمہ حقیقتوں کو سامنے رکھتا تو یقیناً اپنی تحقیق کو ایسا رخ دیتا جس سے آگے چل کر اس کے نظریہ کو مزید تقویت حاصل ہوتی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، اور مذہبی مسلمات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک نظریہ قائم کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا نظریہ دن بدن کمزور اور ناقابل التفات ہوتا گیا اور اب یہ حال ہے کہ غیر مذہبی حلقے بھی اس کی صحت پر مطمئن نہیں ہیں اور تردیدیں اٹھنے والی آوازیں برابر زیادہ ہوتی جا رہی ہیں۔

نظریہ کا خلاصہ: ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا حاصل کیا ہے اس کو ذیل کے مختصر بیان کے ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

اس نظریہ کے مطابق انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ یعنی انسان پہلے بندر تھا۔ پھر رفتہ رفتہ دس لاکھ سال کی مدت[1] میں بتدریج ترقی ہوئی اور اس ترقی کے نتیجہ میں بندر نے انسان کی شکل اختیار کی۔ جسمانی ترقی کی طرح ذہنی ترقی بھی بتدریج ہوئی۔ چنانچہ تین ہزار سال قبل کے انسان کا دماغ بچوں جیسا تھا اور قوت متخیلہ مفقود تھی، پھر رفتہ رفتہ ذہنی و فکری ترقی ہوئی اور انسان عاقل و ناطق کہلانے کا مستحق قرار پایا۔[2]

یہ پچھلے دنوں پیرس میں ایک بین الاقوامی سائنس کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا کے مختلف حصوں سے سائنس کے شعبہائے وظائف الاعضاء، حیوانیات، نفسیات، اجتماعیات اور انسانیات کے ماہرین نے حصہ لیا، کانفرنس کل پچاس دن تک جاری رہی۔ جس کے بعد مختلف کمیٹیوں کی تشکیل عمل میں آئی۔ یہ کمیٹیاں کانفرنس کے مقالات کو آخری شکل دے کر ۱۹۸۵ء کے شروع میں شائع کر دیں گی۔

کانفرنس کے ترجمان کی حیثیت سے پروفیسر ایف کومبز نے ایک پریس کانفرنس میں وضاحت کی ہے کہ نوع انسانی کو موجودہ شکل تک پہنچنے میں کل چار بڑے مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ جس میں پہلے مرحلہ کی ابتدا آج سے تیس ملین (تین کروڑ) سال قبل ہوئی تھی اور انسان تیسرے مرحلہ میں پہنچنے کے

---

[1] یہ مدت مسلمہ نہیں جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔ [2] لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۰۔

بعد دو پیروں پر چلنے لگا تھا۔ یہ مرحلہ آج سے چھ ملین (۶۰ لاکھ) سال قبل شروع ہوا تھا۔ چوتھا مرحلہ "ماہر انسان" کے وجود پذیر ہونے کے لیے آج سے پچیس لاکھ سال قبل شروع ہوا تھا۔ اس مرحلہ میں انسان اپنی ضرورت کے لیے مختلف قسم کے پتھر کے ہتھیار استعمال کرنے اور آگ جلانے کے طریقہ سے واقف ہوگیا تھا۔[1]

ڈارون کے اس نظریہ کے مطابق وجود میں نہ تو مخلوق کو کوئی دخل ہے نہ ہی کسی دوسری علمی قوت کو۔ بلکہ سب کچھ صرف ماحول کے نتیجہ میں وجود پذیر ہوا ہے۔ ڈارون اپنی کتاب "انسان کا تسلسل" میں کہتا ہے کہ انسان اور حیوان کے مابین صرف کمیت یا درجہ کا فرق ہے۔ ریڑھ کی ہڈی والے کسی ادنیٰ حیوان اور بندروں کی اعلیٰ قسم کے مابین فکری قوتوں میں جو مسافت ہے وہ اس مسافت سے بہت زیادہ ہے جو بندر اور انسان کی فکری قوتوں کے مابین پائی جاتی ہے۔[3]

فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ خلافِ فطرت چیزوں کو بھی آزمائش کا موقع دیتی ہے لیکن زیادہ دنوں اس پر قائم و برقرار نہیں رہتی ہے۔ یہی صورتِ حال نظریۂ ارتقاء کو بھی پیش آئی۔ ابتدا میں چونکہ مروجہ مذہب (تحریف شدہ نصرانیت) شکست کھا چکا تھا اور توانائی پیدا کرنے والے نظریات سے اعتماد اٹھ چکا تھا۔ اس بنا پر مجبوراً اس کو قبول کیا گیا۔ اور علوم و فنون کے شعبوں کو آراستہ کرکے کام نکالا گیا۔ اگرچہ موافقت کی متفقہ آواز کبھی نہ بن سکی۔[3]

(باقی آئندہ)

---

[1] العربی، اکتوبر ۱۹۸۴ء ص ۱۵۱ - ۱۵۵۔ [2] بین الدین والعلم ص ۱۲۵
[3] لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۳۱

کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں

یہ کتابچہ جعلی ہے۔ تفصیل اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں!۔

(دوسری قسط)

دشمنانِ اسلام کے منصوبے

مولانا عبدالرقیب سلفی فاضل مدینہ یونیورسٹی

صلیبی منصوبے: صلیبی جنگیں جب اسلام کو نیست و نابود کرنے میں ناکام ہو گئیں تو ان کی طرف سے مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیر کا سلسلہ، عیارانہ پروگرام اور ناپاک کمینی سازشوں کی شکل میں شروع ہوئی جس کے پروگرام حسب ذیل تھے اور ہیں۔

۱۔ اسلامی خلافت کا خاتمہ: یعنی اس وقت عثمانی حکومت کی صورت میں تمام اسلامی خلافت کو ختم کرنا۔ چنانچہ عثمانی حکومت کی کمزوری اور آپسی اختلافات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی نمائندے، برطانیہ، یونان، اٹلی اور فرانس نے بہت بھاری فوج کے ساتھ ترکی پر حملہ کر کے اس کی تمام سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ جس میں دارالسلطنت استنبول بھی شامل تھا۔ پھر جب صلح وصفائی کے لیے "لوزان" کانفرنس شروع ہوئی تو ترکی کے سب سے بڑے صلیبی ایجنٹ، ملت فروش، خائن "اتاترک" کے سامنے برطانیہ نے یہ بات پیش کی کہ برطانیہ ترکی کی سرزمین اس وقت خالی نہیں کرے گا۔ جب تک کہ درج ذیل شرطیں پوری نہ کر دی جائیں۔

(۱) خلافتِ اسلامیہ کو ختم کر دیا جائے، خلیفہ کا تمام مال چھین کر ان کو ملک بدر کر دیا جائے۔
(۲) ترکی یہ وعدہ کرے کہ خلافت کی حمایت میں جو تحریک بھی چلے گی وہ اس کو کچل دے گا
(۳) ترکی اپنے تعلقات تمام تر اسلام سے منقطع کر لے۔
(۴) ترکی اپنے لیے اسلامی احکام و قوانین کی جگہ مدنی دستور کا انتخاب کرے۔

علاوہ ازیں، شرعی دفاتر، دینی مدارس، دینی اوقات اور میراث کے احکام ختم کر دیے جائیں۔ اذان ترکی زبان میں دی جائے عربی حروف و کلمات کو لاطینی حروف و کلمات سے بدل دیا جائے۔ جمعہ کے بجائے اتوار کو چھٹی کی جائے۔

ملت فروشی اتاترک نے یہ تمام شرطیں منظور کرلیں اور یہ سارا کام جس دخوبی ۱۹۲۰ء تک انجام دیا۔ جس کے بدلے برطانیہ اور فرانس اور اس کی معاون حکومتوں نے ترکی کی آزادی تسلیم کرلی اور خلافت اسلامیہ کے خاتمہ لادینی حکومت کے قیام اور اسلام کی مخالفت پر اتاترک کو مبارکباد دی اور اس کے کارناموں کی تحسین و تعریف کی۔

برطانیہ نے ترکی کی آزادی تسلیم کی اور برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کرزن برطانوی جنرل اسمبلی میں اس ضمن میں ہونے والے معاہدہ کی تفصیل سے ممبران اسمبلی کو آگاہ کرنے کے لیے کھڑا ہوا، تو بعض ممبران اسمبلی نے کرزن پر سخت اعتراض کیا اور اس کے خلاف احتجاج بلند کرتے ہوئے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ برطانیہ نے اس ترکی کی آزادی کس طرح تسلیم کرلی جس کے اردگرد اسلامی حکومتیں جمع ہوسکتی ہیں اور مغرب پر حملہ آور ہوسکتی ہیں۔

مسٹر کرزن نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے اس ترکی کو ختم کردیا ہے اور آج کے بعد یہ پھر کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہم نے اس کی دونوں قوت اسلام اور خلافت کا کام تمام کردیا ہے۔ یہ جواب سن کر تمام انگریز ممبروں نے تالی بجاتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور احتجاج ختم ہوگیا۔

صلیبی محسوس کرتے ہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کی قوت کا بنیادی سرچشمہ اور ان کی کھوئی ہوئی

۲۔ قرآن کا خاتمہ: طاقت و قوت، عزت و شرف اور تہذیب و تمدن کے دوبارہ حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ان کا ایک پروگرام یہ ہے کہ قرآن ختم کردیا جائے اور اس کی تعلیمات مٹادی جائیں، چند حقائق ملاحظہ ہوں۔

(۱) برطانوی جنرل اسمبلی میں ایک بار گلاڈسٹون نے مصحف اٹھا کر حاضرین سے کہا کہ یہ قرآن جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گا، یورپ کا تسلط مشرق پر نہیں ہوسکتا۔ اور نہ خود یورپ محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۲) مسیحی صلیبی مبلغ ولیم جیفرڈ بلگراف کہتا ہے کہ جب قرآن اور مکہ مسلمانوں کی نظر سے غائب ہوجائیں گے، تب ہمیں کسی عربی کو مغربی تہذیب کی راہ پر چلتا ہوا اور محمد اور اس کی کتاب سے دور ہوتا ہوا دیکھنا نصیب ہوگا۔

(۳) کینہ توز مسیحی مبلغ "کالی" کہتا ہے، ضروری ہے کہ قرآن کو ہم اسلام کے خلاف استعمال کریں۔ اس لیے کہ یہ اسلام کا سب سے تیز ہتھیار ہے۔ یہاں تک کہ ہم اسلام کا کام تمام کردیں اور ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم لوگ مسلمانوں کے سامنے یہ بات بیان کریں کہ قرآن میں جو بات صحیح ہے وہ نئی نہیں ہے اور جو بات نئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(۴) فرانس نے الجزائر پر اپنے صد سالہ قبضہ کی خوشی میں ایک جشن مسرت منایا تھا۔ اس موقع پر فرانسیسی

نے کہا تھا، ضروری ہے کہ ہم لوگ عربی قرآن کو عربوں کے وجود سے ختم کردیں اور عربی زبان کو ان کی زبانوں سے
دیں تاکہ ہم لوگ ان پر غالب آجائیں ۔

فرانس میں اس مقصد کی تکمیل کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے ایک عجیب وغریب حادثہ بھی پیش آچکا ہے ۔
کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ الجزائری نوجوانوں کے دل سے قرآن کو مٹانے کے لیے ایک عملی تجربہ شروع ہوا ۔
اس کام کے لیے دس الجزائری مسلم دوشیزائیں منتخب کی گئیں، جن کو فرانسیسی حکومت نے فرانسیسی مدرسے میں
ل کیا، فرانسیسی لباس پہنایا، فرانسیسی تعلیم و تہذیب سکھلائی اور فرانسیسی زبان کی تعلیم دی۔ و اس طرح یہ لڑکیاں
فرانسیسی بن گئیں ۔ گیارہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ان کی فراغت کا وقت آیا اور اس موقع پر ایک شاندار
کا انعقاد ہوا ۔ جس میں وزرا مفکرین اور اخبار نویس مدعو تھے، لیکن جب جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی تو
ہ کر سب حیران رہ گئے کہ وہ لڑکیاں جلسہ کے اندر اپنے اسلامی الجزائری لباس میں آرہی ہیں ۔ اس کے بعد فرانسیسی
ارات نے حکومت کے خلاف ہنگامہ مچایا اور یہ سوال کیا کہ آخر فرانس نے الجزائر میں ایک سو اٹھائیس برس
نے کے بعد کیا کیا ۔ اس کا جواب فرانسیسی وزیر نوآبادیات نے یہ دیا کہ " میں کیا کروں، قرآن فرانس سے زیادہ
وط ہے ۔"

فکرِ اسلامی کا خاتمہ : یعنی مسلمانوں کے درمیان سے اسلامی فکر کو مٹاتے ہوئے ان کا تعلق باللہ ختم کردیا جائے تاکہ اسلامی نظام ختم ہوجائے اور لوگ الحاد اباحیت
اہ پر چل پڑیں، جس سے مسلمانوں کی زندگی اسلام سے خالی ہوجائے گی ۔ اس سلسلے میں چند حقائق ملاحظہ ہوں ۔

(۱) مسیحی مبلغین کی تنظیموں کے صدر صموئیل زویمر نے ۱۹۳۵ء میں مبلغوں کی قدس کانفرنس سے
ب کرتے ہوئے کہا ۔

" مسیحی حکومتوں نے محمدی ملکوں میں جس کام کے لیے مبلغین کو دعوت دی ہے وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانا
ں ہے کیونکہ یہ ان کی ہدایت اور تعظیم ہے بلکہ تم لوگوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے خارج
دو اور ان کو ایسی مخلوق بنادو جس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ ان اخلاق
ادات سے محروم ہوجائیں گے، جن کی بدولت قومیں زندہ رہتی ہیں اور تم لوگ اپنے اس کارنامے کی وجہ سے
ی ملکوں میں نوآبادیاتی فتح کے ہراول دستہ ہوگے، اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگوں نے اسلامی ملکوں میں

ایسے ذہن پیدا کر دیے ہیں جو اس راہ پر چلنا قبول کر لیں گے جس پر تم ان کو گامزن کرنے کی کوشش کر رہے ہو، اور یہ راہ مسلمانوں کو اسلام سے خارج کرنے کی راہ ہے۔ بلا شبہ تم لوگوں نے مسلم ممالک میں ایک ایسی نسل تیار کر دی ہے جو تعلق باللہ سے نہ واقف ہے اور نہ واقف ہونا چاہتی ہے۔ تم لوگوں نے مسلمانوں کو اسلام کی راہ سے ہٹا دیا ہے اور مسیحیت میں ان کو داخل نہیں کیا ہے، جس کی وجہ سے مسلم نسل استعماری ارادے کے مطابق پیدا ہو رہی ہے۔ وہ عظیم الشان کارنامے کا اہتمام نہیں کرتی بلکہ آرام طلبی اور کاہلی کو پسند کرتی ہے۔ ان کے ارادے خواہشات کی تکمیل میں خرچ ہو رہے ہیں، حصول تعلیم اور جمع مال کا مقصد شہوت رانی ہے۔ شہوت کی راہ میں بلند و بالا مراکز کی تعمیر ہو رہی ہے، اور شہوت تک پہنچنے کے لیے ہر چیز اٹھائی جا رہی ہے۔ اے مبلغو! تم لوگوں کے کام بہت ہی کامل طریقے پر ہو رہے ہیں۔

(۲) یہی زویمر اپنی کتاب "دنیائے اسلام پر چھاپہ" میں لکھتا ہے۔ مغربی تہذیب کے تعلق سے مسیحی تبلیغ کی دو خصوصیتیں ہیں۔ (۱) بگاڑ (۲) بناؤ۔ بگاڑ سے میری مراد مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنا اور الحاد کی راہ پر لگانا ہے۔ اور بناؤ سے میری مراد یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے، تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کے خلاف مغربی تہذیب کے دلدادہ بن جائیں۔

(۳) عیسائی مبلغ نکلی کہتا ہے، جو مدارس مغربی لادینی طرز پر کھولے جاتے ہیں ان کی ہمت افزائی ضروری ہے کیوں کہ مسلمان جب مغربی نصاب کی کتابیں پڑھتے ہیں اور اجنبی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو بہتوں کا عقیدہ اسلام اور قرآن سے متزلزل ہو جاتا ہے۔

تاکہ اس قوم کی زندگی عزت و قوت اور مرکز سے محروم ہو کر ذلت و

۴۔ اسلامی اتحاد کا خاتمہ۔ ضعیفی کی زندگی بن جائے۔ اس سلسلے میں بھی چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

(۱) پادری سیمون کہتا ہے۔ اسلامی عربی اتحاد مسلم اقوام کی امیدوں کا مرکز ہے۔ یہ یورپ کے تسلط سے لوگوں کی رہائی میں مدد کرتا ہے۔ عیسائی تبلیغ اس تحریک کو کمزور کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم لوگ تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں کی توجہ اسلامی اتحاد سے کسی دوسری طرف موڑ دیں۔

۲۔ عیسائی مبلغ لورانس براؤن کہتا ہے کہ اگر مسلمان عربی شہنشاہیت کے تحت متحد ہو جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ دنیا کے لیے لعنت اور خطرہ بن جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے لیے نعمت بن جائیں، لیکن جب یہ متفق نہیں

رہیں گے تو اس وقت بے وزن اور بے اثر رہیں گے۔

(۴) ۱۹۷۰ء میں برطانوی وزیر خارجہ کی صدارت میں ایک بڑی یورپی کانفرنس ہوئی، جس میں یورپ کے منتخب مفکرین، سیاسی لیڈران، شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے برطانوی وزیر خارجہ نے کہا۔ یورپی تہذیب کو آج زوال اور فنا کا خطرہ ہے۔ اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم لوگ اس کانفرنس میں ایک متحرک اور فعال ذریعہ تلاش کریں جو ہماری تہذیب کو گرنے سے بچا سکے۔

یہ کانفرنس ایک ماہ تک بحث و مناقشہ کرتی رہی اور کانفرنس میں شریک نمائندے ڈوبتی ہوئی مغربی تہذیب کو مٹانے والے خارجی خطرات کا جائزہ لیتے رہے۔ بالآخر تلاش و جستجو کے بعد سب سے بڑا خطرہ اس تہذیب کے لیے اور خود یورپ کے لیے مسلمانوں کو محسوس کیا گیا، اور اخیر میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ:

"اس بات کی انتہائی کوشش کی جائے کہ شرقِ اوسط کے ممالک کے درمیان اتحاد و اتفاق نہ ہونے پائے اس لیے کہ تنہا مسلم متحدہ اسلامی شرق اوسط یورپ کے مستقبل کے لیے خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔

اخیر میں مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دینے کی غرض سے عربوں اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے والی ایک مغربی یہودی قومیت بنانے کی تجویز منظور ہوئی اور اسی وجہ سے برطانیہ نے اس عالمی صہیونی تنظیم کے ساتھ مدد و تعاون کی بنا ڈالی جو فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھی۔

مسلم عورتوں میں فساد پھیلانے کے لیے آزادیِ نسواں کی تحریکیں چلائی جائیں۔

۵۔ مسلم عورتوں کا بگاڑ: ان کے حقوق و مساوات سے متعلق مسائل پر مناقشہ کیا جائے۔ اسلامی نظام پر تعدد ازدواج اور طلاق کے اسلامی احکامات کے ذریعہ اعتراض کیا جائے، اور یہ تمام امور اس غرض سے انجام دیے جائیں کہ شریعت اسلامیہ مشکوک و مشتبہ بن جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال اور تصور پیدا ہو جائے کہ اسلام رفتار زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۱) مسیحی تبلیغی پارٹی کے صدر زویمر نے "آج کی دنیائے اسلام" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں وہ لکھتا ہے، تاریخ میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جس کی بنیاد توحید پر اتنی عظیم ہو جتنی اسلامی عقیدہ کی ہے۔ جو دو بڑے براعظم ایشیا اور افریقہ میں داخل ہے اور دو سو ملین (بیس کروڑ) انسانوں کے اندر اسلامی عقیدہ و شریعت اور اخلاق پھیلا ہوا ہے۔ جن کے تعلقات کی رسی عربی زبان کی وجہ سے بہت ہی مضبوط اور مستحکم ہے لہٰذا یہ لوگ ایک بلند پیمانہ پر

بھاری چٹان اور مسلسل آثار قدیمہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، یا ان سلسلہ دار پہاڑوں کی طرح بن گئے ہیں، جن سے بدلیاں مقابلہ کرتی ہیں اور بلندی میں آسمان صف آرائی کرتا ہے، ان کی چوٹیاں توحید کے نور سے روشنی حاصل کرتی ہیں اور ان کے غار تعدد ازدواج اور عورت کی پستی کے گڈھوں میں لٹکے ہوئے ہیں۔

پھر یہ دشمنِ اسلام مسیحی مبلغوں کو نصیحت کرتے ہوئے اپنی بات یوں ختم کرتا ہے کہ اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ آزادیٔ نسواں کی تحریک، مسلم معاشرے کی ہڈیوں کو کمزور بنا دے گی۔ مزید کہتا ہے کہ اگر مسیحی مبلغین اپنی تبلیغ کا اثر مسلمانوں کے اندر کمزور دیکھیں تو اس سے ان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یورپین علوم اور آزادیٔ نسواں کی خواہش شدت سے پائی جا رہی ہے۔

(۴) مشہور فرانسیسی ادیب موسیو ٹنگا کی نے ایک مقالہ فرانسیسی رسالہ "العلیمین" کے ۱۵ ستمبر ۱۹۰۱ء کے شمارہ میں شائع کیا ہے، جس میں اس نے اسلام کو گرانے کی بڑی جاندار تجویز پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہے اگرچہ موثر ہے لیکن راہباتوں کے مدرسوں میں لڑکیوں کی تربیت کا جو انتظام ہے، وہ ہمارے حصولِ مقصد کے لیے بہت ہی مفید ہے اور جس غرض کے پیچھے ہم لوگ دوڑ رہے ہیں وہاں تک پہونچانے میں معین و مددگار ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس طریقے پر لڑکیوں کی تربیت واحد راہ ہے جس کے ذریعہ اسلام کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ختم کرایا جا سکتا ہے۔ مسیحی مبلغہ "آن ملیگان" کہتی ہے۔ ہم لوگوں نے قاہرہ کے کلیۃ البنات کے کلاسوں میں ایسی لڑکیاں داخل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، جن کے باپ پاشا اور بیگ ہیں۔ اور کوئی دوسری ایسی جگہ نہیں ہے۔ جہاں عیسائیت کے زیر اثر مسلم لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد داخل ہوئی ہو۔ بلفظ دیگر قلعہ اسلام کو منہدم کرنے کے لیے اس مدرسے سے زیادہ کوئی اور قریبی ادارہ نہیں ہے۔ مسلم نوجوانوں اور مسلم عورتوں کے دل سے اسلامی عقیدہ کو مٹانے کا یہ ہے خوفناک صلیبی پروگرام اور اس کا سب سے بڑا مقصد اپنے اغراض و ضروریات کی تکمیل کے لیے مسلم معاشرہ سے اسلامی وحدت کا خاتمہ ہے۔

(باقی آئندہ)

اعلانات و اطلاعات:

ادارے کو مختلف طرح کے اعلانات بکثرت موصول ہوتے ہیں، لیکن صفحات کی تنگ دامانی کے سبب مختصر کر کے بھی سب کو شائع کرنا ممکن نہیں۔ ادارہ معذرت خواہ ہے

کتاب الحیل

مولانا آزادؒ کی نظر میں

ترتیب: مولانا عبدالنور راغب سلفی

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی گہرائی دینی بصیرت اور سیاسی بصارت سے کون ناواقف ہوگا۔ مولانا نے الہلال و البلاغ نکال کر ہندوستان کی صحافت سیاست اور اسلامی پندار اقتدار میں ایک ہلچل برپا کردی تھی۔ مولانا نے ہر عنوان پر اپنے قلم کے خوب خوب جوہر دکھلائے۔ آپ نے آیات قرآنی سے بالکل وجدانی انداز میں استدلال کیا اور ایک انوکھے انداز سے نکتہ آفرینی کی۔ احادیث کی تشریح بھی سنئے اور اچھوتے انداز میں فرمائی ادب میں بھی آپ کے شہ پاروں کا جواب نہیں۔ آپکے انداز تحریر طرز بیان اور جدید اصطلاحات واستدلالات سے قاری پر ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ سر دھننے لگتا ہے۔

آپ نے دینی اجتہادی اور فقہی مسائل پر جو قلم اٹھایا ہے۔ اس سے آپکے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی گہرائی، ندرت فکر و جودت طبع کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ اور آپ نے جو علمی کام کیے اور کرائے اور جو افراد تیار کیے۔ اس سے آپ کے مشن کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے۔

آپ کتاب وسنت کے دلدادہ تھے اور کتاب وسنت ہی کو لوگوں کی زندگی کا دستور العمل دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے فقہی آرا اور تقلید باطل سے آزاد ہوکر خالص اسلام اور خالص کتاب وسنت کو اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام و خواص میں پیش کرتے رہے اور اسی کی دعوت دیتے رہے۔ جن لوگوں نے دین خالص میں ملاوٹیں کیں اور دین کو اپنی ہوس پرستی کے لیے آڑ اور ذریعہ بنایا نیز جنھوں نے اپنی عقل وقیاس کے ذریعہ دین کو بازیچۂ اطفال بنایا اور جنھوں نے فقہاء کے آراء و اقوال کو یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے والے ان کے مکر و حیل کو دین سمجھ لیا، ان پر آپ نے سخت تنقیدیں فرمائیں۔

قرآن حکیم اور فرامین نبوی وسنن رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی خالص اور مصفٰی چیزیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو دین کو کامل و مکمل چھوڑ گئے، ناقص و نامکمل نہیں۔ اس لیے قرآن حکیم اور صحیح احادیث رسول میں جو تعلیمات ہم کو ملتی ہیں وہ انتہائی سنجیدہ، صاف ستھری، نقائص سے پاک اور بے عیب ہیں۔ ان کی جامعیت اور کمال کا کیا کہنا کہ یہ سب عزیز و حکیم رب العالمین کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔

لیکن فطرت کی کجی کو کیا کیجیے کہ اسے دین مصفٰی کی یہ خالص تعلیمات پسند نہ آئیں کہ یہ جذبۂ حرص و ہوس کے لیے رکاوٹ تھیں۔ لہٰذا فرامین الٰہی اور قرآن حکیم کو گویا ناکافی اور شریعت محمدیہ مطہرہ کاملہ کو ناقص و نامکمل سمجھتے ہوئے درایت و تفقہ کے نام پر عقل و قیاس کے خوب خوب گھوڑے دوڑائے گئے۔ مکر و خدع کے عجیب عجیب حیلے ایجاد کیے گئے اور حلت و حرمت کے لیے من مانے اصول وضع کیے گئے جن کے ذریعہ حرام کو حلال کر لیا گیا اور حلال کو حرام اور اس پر مزید ظلم یہ کہ اس مکر و حیل کو بڑے بڑے ائمہ امت مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کی طرف منسوب کر کے ان کے عقیدت مندوں کو فریب دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تذکرہ میں بہت سے علمی مباحث چھیڑے ہیں، کہیں خاندانی شرافت کا مسئلہ ہے کہیں دعوت عزیمت کی بات ہے، کہیں سیرت نبوی کا تذکرہ ہے، کہیں بعض شخصیات کے کسی مخصوص کردار کا تذکرہ ہے۔ ایک مقام پر مولانا آزاد مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری کا تذکرہ چھیڑ کر کتاب الحیل پر بھر تفصیل سے روشنی ڈالتے چلے گئے ہیں۔ (واضح رہے کہ کتاب الحیل کتب فقہ کا ایک اہم باب ہے جس میں مختلف چیزوں کے لیے حیلے بتائے گئے ہیں) اور مولانا کا یہ مزاج ہے کہ جب کسی عنوان پر ان کو آمد ہوتی ہے تو پھر پوری روانی اور زور کے ساتھ قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے ہیں اور اس وقت تک قلم نہیں روکتے جب تک کہ اس کا مالہ و ماعلیہ بیان نہ کر ڈالیں۔

چنانچہ اس موقع پر مولانا آزاد نے ملا عبداللہ سلطان پوری کے تذکرہ میں ملا عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری کی دولت و تمول کا یہ حال تھا کہ صرف گھر کے صندوقوں ہی میں نہیں، بلکہ خاندانی قبروں میں بھی چاندی سونے کی اینٹیں مدفون تھیں الذین یکنزون الذھب والفضۃ اور یہ تمام مال زمانہ شیخ الاسلامی کے غصب و تصرف واکل اموال بالباطل کا اندوختہ تھا۔ طرح طرح کے نام نہاد

شرعی حیلے تیار رکھے تھے اور ان کی آڑ میں بندگان الٰہی کو لوٹتے کھسوٹتے تھے۔ جب عہد اکبری کا نیا دور شروع ہوا، اور ان کی ہوا اکھڑی تو عجیب عجیب باتیں کھلیں، ازاں جملہ یہ کہ باایں ہمہ دولت و تمول عمر بھر کبھی زکوٰۃ ادا نہ کی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ حیلہ گھڑ لیا تھا کہ ہر سال کے آخر میں اپنا تمام خزانہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے اور وہ ایک سال پورا ہونے سے پہلے ان کے نام بخش دیتی، اس طرح حول کامل دونوں میں سے کسی پر ہرگز نہ ہوتا کہ ادائے زکوٰۃ کی شرط ہے۔"

مولانا آزاد" اسی ضمن میں ایک دوسرے پیرایہ میں اپنے دور کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لکھتے لکھتے بات یاد آ گئی۔ ہمارے زمانے کے بعض مشہور علماؤں کی نسبت بھی خصوصیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ اسی حیلۂ زکوٰۃ پر عمل کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے ایک مولوی صاحب کی نسبت کہ مدرس بھی ہیں۔ واعظ بھی ہیں اور جدل و مکابرات کے بعض رسائل کے مصنف بھی۔ بیان کیا کہ وہ ہر سال اپنا اندوختہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے ہیں اور پھر وہ نیک بخت اسی کارد عمل کرتی ہے۔ ان کے استاد جناب مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے ایسا تو ایسا کرنے سے روکا کہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ تقویٰ تو ایک مزید درجۂ عمل و فضیلت ہے، اس کا یہاں ذکر ہی کیا؟ یوں کہنا چاہیے کہ سرے سے دین و شریعت کے ہی خلاف ہے اور نہایت غلیظ قسم کا باطنی فسق اور کامل قسم کی یہودیت اور اصحاب السبت کے شجرۂ ضلالت سے پورا پورا... استلحاق! خیر دنیا کی زندگی ہے اور دنیا والوں کے احکام و انظار سے مقابلہ۔ جو جی میں آئے کر لیں اور ابلیس خادع کی سرکھولی ہوئی راہ کو صراط مستقیم سمجھ لیں، لیکن ایک دن آنے والا ہے جب نیتوں کے بھیدوں کا جاننے والا اور سرائر و خفایائے قلوب کا دیکھنے والا سامنے ہوگا اور اس وقت یہ ساری مکاریاں اور حیلہ بازیاں جو دنیا والوں کو دھوکا دیتی تھیں دھری کی دھری رہ جائیں گی"

مذکورہ بالا پیرایہ لکھنے کے بعد مولانا آزاد کا ذہن حیل کی طرف منتقل ہو گیا۔ آپ نے لکھا کہ یہ حیلہ ملا عبداللہ سلطانپوری کی ایجاد نہیں بلکہ یہ ان کو بطور علمی وراثت کے ملا ہے۔ پھر آپ اس کی ایجاد اور اس کی قباحتوں اور ملتِ اسلامیہ میں اس کی مذمت اور ناپسندیدگی کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"یہ جو ملا صاحب نے لکھا ہے کہ مخدوم الملک نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایک حیلہ نکال رکھا تھا تو اس حیلہ پر ان کا عمل ضرور ہوگا، لیکن اس کی ایجاد کی نسبت ان کی جانب صحیح نہیں۔ ان لوگوں کو مکر و حیل میں بھی اجتہاد

فکر کہاں نصیب؟ اس میدان میں بھی دوسروں کے مقلد ہی ہوتے ہیں۔ مخدوم الملک نے اور بہت سی چیزوں کی طرح یہ حیلہ بھی اپنے پیشرو رفقار دنیا اور علمار مکرو خدیعہ سے حاصل کیا ہوگا۔"

مولانا لکھتے ہیں: "اگرچہ ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جاسکتا کہ احبار یہود اور اصحاب السبت کے بعد امت اسلامیہ میں سب سے پہلے کن "یہود ہذہ الامہ" نے ان حیلوں کی بنیاد ڈالی اور شریعت الٰہی کو نفس شیطان کا بازیچہ لہو ولعب بنایا۔ مگر یہ معلوم ہے کہ دوسری صدی کے اوائل ہی میں اس امت کے صدوقیوں اور فریسیوں نے کتاب الحیل کو بھی منجملہ ابواب فقہ کے قرار دیدیا تھا۔ اس کا پتہ ان اقوال سے چلتا ہے جو نام نہاد حیل و احتیال شریعت کی نسبت ائمہ اسلام کے منقول ہیں اور جن کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے اپنے بعض فتاویٰ میں جمع کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک رح نے ایک حیلہ کا حال سن کر کہا: احدثوا الحیل فی الاسلام فمن کان امر بھذا فھو کافر" اسلام میں لوگوں نے حیلے پیدا کرنے کی بدعت رائج کی ہے، سو جو شخص ان پر فتویٰ دے وہ کافر ہے۔ شریک بن عبداللہ قاضی کوفہ سے کتاب الحیل کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: من یخادع اللہ یخدعہ" یعنی حیلے نکال کر احکام شریعت کی تعمیل سے بچنا خدا کو دھوکا دینا ہے۔ (مولانا نے یہاں اسی طرح لکھا ہے۔ مرتب)۔

حفص بن غیاث نے کہا۔ "کتاب الحیل پر لکھ دو کہ کتاب الفجور ہے"، یزید بن ہارون نے کہا: لقد افتی اصحاب الحیل لبشئی لوافتی بہ الیہود کان قبیحا"۔ حیلہ تراشوں نے یہودیوں کو بھی مات کردیا، ایوب سختیانی نے کہا: یخادعون اللہ کانما یخادعون الصبیان" یہ لوگ خدا کو اس طرح دھوکہ دے رہے ہیں جیسے بچوں کو فریب دے کر بہلاتے ہیں۔ خدا نے حکم دیا کہ ہر مالدار زکوٰۃ دے تو سال کے آخر میں تمام مال بیوی کے نام ہبہ کردیا۔ کہ خدا دھوکے میں آکر ہم کو مفلس و نادار سمجھ لے گا۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون (حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں)۔ انھی سے یہ بھی منقول ہے: لواتی الامر عیانا کان اھون علی۔ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ صاف صاف بغیر حیلہ کے معصیت کرتے، بہر حال خدا کی شریعت کے ساتھ تلعب و استہزار تو نہ ہوتا، اور یہ بالکل حق ہے، فسق و فجور ان حیلوں پر عمل کرنے سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رح سے بھی طلاق و یمین کے بارے میں چند حیلوں کا ذکر کیا گیا تھا تو فرمایا کہ "ان من افتی بھذہ الحیل فقد قلب الاسلام ظھر البطن ونقض عری الاسلام عروۃ عروۃ":

(جو ان حیلوں کا فتویٰ دے اس نے اسلام کو ایک دم الٹ دیا اور اسلام کی کڑیاں ایک ایک کرکے توڑ ڈالیں)

آگے چل کر مولانا حیلہ سازی کی بنیادی وجوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ دراصل ان لوگوں کی ایجاد ہے جو کتاب وسنت سے دور ہو گئے اور حکومت و دولت کے نشہ میں چور ہو کر عیش و عشرت کی ہر شرعی رکاوٹ کو جو ان کی نفسانی خواہشات کے لیے سدراہ تھی حیلہ سازی کے ذریعہ دور کیا اور اس طرح حیل اور غیر صالح قیاس کے ذریعہ دین کو ایک بازیچۂ لہو ولعب بنا ڈالا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں حیلہ تراشوں کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ یہ کتاب وسنت سے بعد و ہجر اور ترکِ براہین ویقینیات شرعیہ وتشبث بظن وتخمین بحت وتخرص وتلعب بظلمات اوہام واہوار و قیاس غیر صالح وغیر مؤید بالوحی کے شجرۃ الزقوم[1] کے ابتدائی برگ وبار تھے جو آگے چل کر اس قدر پھلے پھولے کہ علم وعمل کا کوئی گوشہ ان کے ثمراتِ ردیہ وخبیثہ سے خالی نہ رہا اور وہ شریعت الٰہیہ جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ "السمحۃ الحنیفیۃ والمحجۃ البیضاء لیلہا کنہارہا"۔[2] طرح طرح کے ظنون فاسدہ وآراء متشتتہ وقیاساتِ متخالفہ وسبلِ متفرقہ وطرائق قددا وقواعدِ متناقضہ وتاویل الجاہلین وانتحال المبطلین وحیل المحتالین واقیسۃ القیاسیین وظلمات بعضہا فوق بعض[3] کا مجموعہ بنا دی گئیں۔ واللہ اکبر کبیراً ان یکون فی شریعتہ الحیل الباطلۃ التی تسقط فرائضہ وتحل محارمہ وتبطل حقوق عبادہ ویفتح للناس ابواب الاحتیال وانواع المکر والخداع۔ بل ھی شریعۃ مؤتلفۃ النظام متعادلۃ الاقسام لا امت فیہا ولا عوج ولا ضیق فیہا ولا حرج، اوامرہا غذاء ودواء ونواہیہا حمیۃ وصیانۃ شعارہا الصدق وقوامہا الحق میزانہا العدل وحکمہا الفصل لا حاجۃ بہا البتۃ الی ان تکمل بسیاسۃ ملک او رائ ذی رائ او قیاس فقیہ او ذوق ذی ریاضۃ، فہی صراطہ المستقیم ودینہ القدیم، ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین"[4]

---

[1] تشبث بظن وتخمین بحت، خالص ظن وتخمین کے ساتھ تمسک کرنا۔ "تخرص وتلعب بظلمات الخ" اٹکل پچو لگانا اور اوہام وخواہشات اور وحی سے تائید نہ پائے ہوئے نادرست قیاس کی تاریکیوں کے ساتھ کھیل کرنا۔ "شجرۃ الزقوم" تھوہر کا درخت۔ [2] آسان ملتِ حنیفیہ (ابراہیمیہ) اور روشن شاہراہ جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے
[3] یعنی طرح طرح کے فاسد گمانوں، پراگندہ رایوں۔ آپس میں ایک دوسرے سے متخالف قیاسات، متفرق راستوں الگ الگ طریقوں، ایک دوسرے سے ٹکرانے والے قواعد، جاہلوں کی تاویل، باطل پرستوں کے جھوٹے دعووں، حیلہ سازوں کے حیلوں، قیاس بازوں کے قیاسات اور تہ در تہ تاریکیوں کا مجموعہ بنا دی گئیں۔ [4] اور اللہ سے

نگے مولانا قرون مشہود لہا بالخیر میں حیل کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دورِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں بھی بعض لوگوں کے ذہنوں میں حیل کے سوالات ابھرے تھے، لیکن اس قرون مشہود لہا بالخیر میں حیل کی کوئی گنجائش نہیں نکلی بلکہ اس کے برعکس ہر طرح سے اس کا سدباب کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"صحابہ کرام کے زمانہ میں نکاح تحلیل (یعنی فرضی طور پر بہ نیت استحلال حلالہ کرا لینے) کا خیال شاید بعض لوگوں کو ہوا تھا کہ "حتی تذوق عسیلتہ ویذوق عسیلتها"[1] اور "لعن اللہ المحلل والمحلل لہ"[2] کی وعید ان تک نہ پہنچی ہوگی۔ جس پر حضرت عمرؓ کو اپنے خطبوں میں اعلان کرنا پڑا۔ "لا اوتی بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتهما" یعنی جس شخص نے بطور حیلہ کے حلالہ کرا کے مطلقہ سے رجعت کی میں اس کو زنا محض کی حد جاری کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ لیکن یہ بات تو اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ گزری ہوگی کہ اللہ کی شریعت میں حیلوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے اور احکام شریعت نفاذ و عمل حقیقی کے لیے نہیں ہیں۔ بلکہ محض دنیاوی ضابطوں اور قاعدوں کی طرح ظواہر و رسم پوری کر دینے کے لیے۔ شارع علیہ السلام کو تو سدباب حیل کا یہاں تک

■ اس سے بہت بڑا ہے کہ اس کی شریعت میں ایسے باطل حیلے ہوں، جو اس کے فرائض کو ساقط کر دیں، اس کے حرام کو حلال کر دیں۔ اس کے بندوں کے حقوق کو باطل کر دیں اور لوگوں کے لیے حیلہ بازی اور طرح طرح کے مکروفریب کا دروازہ کھول دیں۔ بلکہ یہ ایسی شریعت ہے جس کا پورا نظام آپس میں پوری مناسبت کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور اس کی ساری قسمیں ایک دوسرے سے میل کھاتی ہیں، اس میں نہ کوئی ٹیڑھ ہے نہ کوئی کجی۔ نہ کوئی تنگی ہے نہ کوئی حرج، اس کے احکامات غذا اور دوا ہیں۔ اور اس کی منہیات پرہیز اور حفاظت۔ اس کا شعار صدق ہے اور اس کا قوام حق۔ اس کی ترازو عدل ہے اور اس کا حکم دوٹوک۔ اسے اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ وہ کسی بادشاہ کی سیاست، کسی راستہ والے کی رائے۔ کسی فقیہ کے قیاس یا کسی صاحب ریاضت کے ذوق سے مکمل ہو۔ وہ اللہ کی صراط مستقیم اور اس کا دین قویم ہے اور اس سے بڑھ کر بہتر بات کس کی ہوگی۔ جو اللہ کی طرف بلائے نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

[1] یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ جب عورت تیسری بار اپنے شوہر سے طلاق پا جائے اور کسی دوسری جگہ شادی کر لے، پھر دوسری جگہ بھی نہ نبھ سکے اور وہاں سے بھی علیحدگی کی صورت پیدا ہو جائے تو وہ پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے مجامعت نہ ہوئی ہو۔ [2] یہ بھی ایک حدیث ہے

اہتمام تھا کہ عمال اور قضاۃ کو قبول ہدایا سے بھی روک دیا کہ رشوت ستانی کا حیلہ بن سکتا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے ,,ھدایا العمال غلول[1]،، اور ابوداؤد کی روایت بریدہ میں فرمایا۔ ,,من استعملناہ علیٰ عمل و رزقنا رزقاً فما اخذ بعد ذٰلک فھو غلول[2]،، ایک اور روایت میں ہے ,,اخذ الامیر الھدیۃ سحت[3]،، اسی طرح مقروض سے ہدیہ و تحائف کا لینا ناجائز قرار دیا کہ سود کے لیے حیلہ بن سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ابن ماجہ کی روایت انس بن مالک میں فرمایا ,,اذا اقرض احدکم قرضاً فاھدیٰ الیہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبھا و لا یقبلہ الا ان یکون جری بینہ و بینہ قبل ذالک[4]،، اور اسی بنا پر ہدیہ مقترض کی نسبت اجلہ صحابہ مثل عبداللہ و ابی بن کعب وغیرہم نے فتویٰ دیا کہ ربا میں داخل ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بیع خیار کی نسبت تصریح کردی: حتی یتفرقا وَلَا یحل لہ ان یفارقہ خشیۃ ان یستقیلہ[5]،، اس سے بھی یہی مقصود تھا کہ حیلہ کا سد باب ہو اور اسی لیے امام احمد بن حنبلؒ نے ابطال حیل پر اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ اگرچہ بعض کوتاہ بینوں نے اس امام اہل سنت کی دقت نظر اور فقاہت ربانی کو نہ سمجھا اور اس پر اعتراض کیا۔ فلیس لھم بصیرۃ یعرفون بھا اھل العلم و اھل الجھل و یمیزون بھا بین منازلھم[6]۔ تاہم عہد صحابہ میں بعض لوگوں کے سوالات سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی بدعملیوں کے ہاتھوں ضیق و حرج میں مبتلا ہو کر ڈھونڈنے لگے تھے کہ کوئی مخرج و حیلہ نکل آئے لیکن بالاتفاق تمام صحابہ و ارباب افتا صدر اول نے ان کو پاس پھٹکنے نہ دیا اور کہا کہ کوئی حیلہ نہیں۔ حضرت علیؓ سے

✱ ترجمہ یہ ہے ,,حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے اس پر اللہ لعنت کرے،،

[1] حکومت کے کارندے ہدیے اور تحفے لیں تو یہ خیانت ہے۔

[2] جس سے ہم حکومت کا کوئی کام لیں اور اسے تنخواہ دیں تو اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے۔

[3] امیر کے لیے ہدیہ لینا حرام ہے۔ [4] جب تم میں سے کوئی کسی کو قرض دے اور وہ قرضدار اس کو کوئی ہدیہ دے یا جانور پر سوار کرے تو وہ جانور پر سوار نہ ہو اور ہدیہ قبول نہ کرے۔ سوائے اس صورت کے کہ یہ معاملہ ان دونوں میں اس سے پہلے جاری ہو چکا ہو۔

[5] یعنی بیع کے بعد خرید و فروخت کرنے والوں کو علیحدہ علیحدہ ہونے سے پہلے تک بیع فسخ (کینسل) کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ اس ڈر سے دوسرے سے الگ ہو جائے کہ کہیں وہ بیع فسخ نہ کر دے۔ [6] لیکن انھیں بصیرت ہی نہیں کہ عالم و جاہل کو پہچان سکیں اور ان کے درجات میں تمیز کر سکیں۔

ایک شخص نے غالباً مسئلہ یمین کی نسبت پوچھا تھا کہ ما الحیلۃ؟ آپ نے فرمایا۔ اترک الحیلۃ[1] حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے طلاق کے متعلق جب پوچھا کہ اب اس سے بچنے کے لیے مخرج اور حیلہ کیا ہو سکتا ہے؟ تو سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا: " ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا[2]۔ " جب تو نے حکم شریعت سے انحراف کیا تو اب مخرج کہاں؟ وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون[3] اور پھر یہ جو کچھ بھی تھا صرف طلاق و یمین کے بعض احکام کی نسبت، نہ کہ تمام احکام انفاق وزکوٰۃ وعقود و معاملات و تملیک اموال وغیرہا۔ "

(باقی آئندہ)

---

[1] یعنی اس نے پوچھا کہ حیلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا حیلہ چھوڑ دو۔
[2] جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بناتا ہے۔
[3] اللہ ان پر ظلم نہیں لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

بقیہ ص ۳۰ کا:

ہم نے محترم امیر مرکزی جمعیۃ سے ذکر کیا کہ ریاستی جمعیۃ کی ریلیف میں اونی دریاں، ملبوسات اور جوتے کافی تعداد میں موجود ہیں ان کا مستحقین مئو میں تقسیم ہو جانا از حد ضروری ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ ان اشیاء کے علاوہ مزید رقم کے ذریعہ بھی مظلومین مئو کی اشک شوئی کی جائے۔

حسب ارشاد مذکورہ اشیاء کے علاوہ نقد چھ ہزار روپئے ۱۴ر دسمبر کو مظلومین میں تقسیم کیے گئے۔ خدا کا شکر اور احسان عظیم ہے کہ ریاستی جمعیۃ ایسے مواقع پر بلا امتیاز مسلک و مشرب مستحقین میں ریلیف تقسیم کرتی رہی ہے اور ہنوز اسی روش پر قائم ہے۔

ہم اپنے جملہ معاونین اور مشورہ دہندگان بزرگوں کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ایسے نازک موقع پر ہماری رہ نمائی اور ہمت افزائی کی۔

الاز البستوی

ناظم ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی۔

مولانا محمد اللہ سلفی فاضل مدینہ یونیورسٹی

مناظرہ - جو نہ ہو سکا تھا
اس کے اچھے اثرات

مولوی محمد اللہ صاحب رام گنج مغربی دیناج پور کے ایک سلفی عالم ہیں۔ انھوں نے جامعہ سلفیہ سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے تکمیل کی۔ اور اب دارالافتاء ریاض کی طرف سے مبلغ مقرر ہوئے ہیں۔ موصوف کا علاقہ شرک و بدعت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نگران کے چچا قاری ابوالحسن صاحب اور اب ان کی کوششوں سے اس علاقے میں حق کا اجالا پھیل رہا ہے۔ اس کی روداد ہماری طلب پر موصوف نے قلم بند کر کے دی ہے جسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ "ادارہ"

رام گنج ایک بازار ہے جو ضلع مغربی دیناج پور بنگال میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں چھ میل پر بنگلہ دیش کی سرحد ہے اور مغربی جانب تین میل پر بہار کی سرحد ہے۔ جنوب میں ضلع مالدہ ہے اور شمال میں ضلع دارجلنگ۔ علاقہ رام گنج میں مسلم آبادی کم و بیش نوے فی صدی ہے مگر شرک و بدعت یہاں کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ بدعتی علماء نے پیٹ کی خاطر کبھی بھی عوام کو حق بات بتانے کی کوشش نہیں کی۔ مگر اللہ کے فضل سے اس علاقے میں بھی دعوتِ سلفیت پہنچ گئی۔ اس کی تفصیل استاذ محترم مولانا صفی الرحمٰن صاحب ماہنامہ محدث ماہ فروری ۸۴ء کے شمارے (ص۳ تا ص۵) میں لکھ چکے ہیں۔ لہذا یہاں اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مولانا ہمارے علاقے میں ایک مناظرے کے سلسلے میں گئے تھے، اس کی تفصیل بھی مذکورہ شمارے میں موجود ہے۔ چونکہ میں نے مناظرے سے ہفتہ عشرہ قبل استاذ محترم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے مناظر کی حیثیت سے آنے کی تشہیر کردی تھی، اس لیے بدعتیوں کے بڑے بڑے جغادری علماء کو بھی آنے کی ہمت نہ ہوئی اور انھوں نے مناظرہ سے فرار اختیار کرلیا۔ اور مقامی لوگوں نے

حکام کو مناظرہ نہ کرانے پر مجبور کیا ۱۵ جنوری ۱۹۸۴ء کو مناظرہ کی تاریخ تھی۔ اور اس میں ہمارے مناظر موجود تھے مگر علاقہ رام گنج میں ان لوگوں کا کوئی مناظر آیا ہی نہیں، جس سے اچھے لوگوں نے حق پہچان لیا۔ پھر ہمارے علماء کی سادگی اور گفتگو سے بھی لوگ متاثر ہوئے اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں ہماری دعوت سلفیت نے آہستہ آہستہ آگے سفر شروع کیا، جس کو دیکھ کر بدعتی علماء کے قلب وجگر بارے حسد کے سوختہ اور کوفتہ ہونے لگے۔

دعوت حق کا سفر: رام گنج کے پورب جانب ایک گاؤں ہے جس کا نام کھوپہ باڑی ہے۔ یہ کفر وشرک کا مرکز ہے۔ اس گاؤں میں چلّہ خانہ ہے اور لوگ اللہ کو چھوڑ کر چلہ خانہ کو سجدہ اور استعانت واستغاثہ کرتے ہیں[1] اسی گاؤں کے کچھ لوگ بخاری ومسلم کی صحیح حدیثوں کو دیکھ کر مکمل طور سے اہلحدیث ہوگئے ہیں اور وہ باقاعدہ رفع یدین، آمین بالجہر اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کو علماء سوء نے منافقانہ چال سے بہکانا چاہا مگر ان لوگوں نے ایک ہی جواب دیا کہ ہم لوگوں کو صحیح حدیثوں میں مولانا محمد اللہ صاحب، اور قاری ابوالحسن صاحب نے یہ چیزیں دکھائی ہیں، اس لیے ہم ان پر عمل کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ صحیح حدیثوں سے اس کی مخالفت دکھادیں تو پھر ہم لوگ اس سے تائب ہوجائیں گے۔ مگر بدعتی علماء کی روح قرآن وحدیث کا نام سنتے ہی کانپنے لگتی ہے۔ چنانچہ ان بیچاروں کو انھوں نے یہ کہا کہ قرآن وحدیث جنگل ہے۔ حدیث میں حضور نے اونٹ کے پیشاب پینے کا حکم دیا ہے اگر تم اہلحدیث ہوگئے ہو تو پھر اونٹ کا پیشاب کیوں نہیں پیتے؟ بہرحال وہ لوگ دوبارہ ہمارے پاس آئے اور میں نے اونٹ کے پیشاب پینے والی حدیث کے مفہوم کی تشریح کی۔ اور سمجھایا کہ اونٹ کا پیشاب عرینہ والوں کو کسی بیماری کی وجہ سے پینے کا حکم دیا تھا۔ اگر آج بھی کسی کو ایسا مرض ہوجائے اور اونٹ کے پیشاب سے شفا ہو تو پینا جائز ہے۔ حنفی فقہاء نے تو شراب سے بھی علاج کا فتویٰ دیا ہے۔ تو کیا عام حالات میں یہ لوگ شراب کے استعمال کا حکم دیں گے؟۔

بہرحال جب ان کے سارے حیلے اور تدبیریں ناکام ہوگئیں تو پھر ان حق قبول کرنے والوں کا بائیکاٹ کردیا اور ان بیچاروں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اب یہ لوگ پنجوقتہ نماز اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں اور جمعہ کی نماز رام گنج مسجد اہلحدیث میں آکر ادا کرتے ہیں۔

---

[1] چلہ خانہ کے متعلق پوری تفصیل محدث فروری ۱۹۸۴ء ص ۵۲ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

اس گاؤں میں جو گھرانے اہلحدیث ہوئے ان کے مالک خانہ کے نام ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ معیر الدین ۲۔ کثیر الدین ۳۔ چمن علی ۴۔ فرزند علی وغیرہم

رام گنج سے مغربی جانب ایک گاؤں پانچ گچھیا کے نام سے معروف ہے جہاں ایک پیر کا مزار تھا جس پر طرح طرح کے شرک و بدعت کے کام ہوتے تھے۔ تاریخ مناظرہ کے چند دن بعد ہی اس مزار کے قریب کچھ اہل حق نے مجھ ناچیز کو تقریر کے لیے بلایا۔ میں نے قبر پرستی کی تردید میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی تقریر کی۔ لوگوں نے خلاف توقع ہم کر تقریر سنی اور بہت ہی اچھا اثر لیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح ہی کچھ نوجوان اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ مزار کو منہدم کردیں۔ مگر فتنہ کے خوف سے بحز بہ کار لوگوں نے منع کردیا۔ اب بحمد اللہ اس گاؤں میں شرک و بدعت کا امنڈتا ہوا سیلاب بہت حد تک رک گیا ہے۔ اللہ کی ذات سے امید قوی ہے کہ بہت جلد وہاں سے شرک و بدعت کا بازار ختم ہو کر توحید و سنت کا بازار گرم ہوگا۔ اس گاؤں کے قرب وجوار میں سب سے پہلے مولانا محی الدین صاحب نے شرک وبدعت مٹانے کی کوشش کی۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ مولانا کی کوشش بہت حد تک کامیاب ہے۔

مناظرہ کی شہرت سے ایک ایسے گاؤں کا پتہ چلا اور وہاں کے لوگوں سے ہمارا تعلق قائم ہوا، جس کی آبادی پانچ سو گھروں سے زائد ہے۔ یعنی باشندوں کی تعداد کم و بیش ڈھائی تین ہزار ہے۔ یہ گاؤں رام گنج بازار سے قریب قریب بیس کلومیٹر دکھن اور پورب کی جانب بنگلہ دیش کی سرحد پر واقع ہے۔ اس گاؤں میں پرانے زمانے میں کوئی اہلحدیث عالم گزرے تھے مگر اس کے بعد علم اور علماء کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہاں تک کہ لوگ اہلحدیث کے اثرات تقریباً کھو چکے تھے، لیکن اب ہم لوگوں کی کوششوں سے باقاعدہ عامل بالحدیث ہوگئے ہیں۔ اور ہماری مدد کے لیے ہر طرح سے تیار ہیں۔ اب پھر سے وہاں تحریک اہلحدیث کی دعوت شروع ہو چکی ہے۔ اس گاؤں کا نام پانجی ہے۔

اسی گاؤں کے قریب ایک گاؤں بھوجا گاؤں نام سے ہے جس میں ایک بڑے اہلحدیث عالم ربانی گزرے ہیں جن کا نام نامی مولانا تاج الدین صاحب تھا۔ موصوف حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کے شاگرد رشید تھے۔ انھوں نے بدعتیوں کے طرح طرح کے مظالم برداشت کیے اور اپنے یہاں توحید کا ڈنکا بجا کر دنیا سے رخصت ہوئے وہ اپنے لخت جگر مولانا عبدالحلیم کو مصلحت کے تحت اہلحدیث مدارس میں نہ پڑھا سکے، دیوبند میں پڑھایا۔ مولانا فراغت کے بعد سے چند بستیوں کو شرک و بدعت کی گندگیوں سے پاک کر چکے ہیں اور بدعتیوں سے چند مرتبہ مناظرہ کر کے فتح مبین بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کی دینی خدمات کو

قبول فرمائے اور حق کا بول بالا کرے ۔ آمین ثم آمین ۔

اس طریقے سے دعوتِ سلفیت آج اس علاقے میں کم و بیش بیس پچیس گاؤں میں چل رہی ہے ۔ لوگ شرک و بدعت سے تائب ہو کر عامل بالسنۃ ہو رہے ہیں ۔ اب شرک و بدعت کے مقابلے میں جانی و مالی ہر طرح سے قربانی دینے والے چند اشخاص کا تذکرہ کر رہا ہوں ۔

۱۔ قاری ابوالحسن صاحب مالن گچھ ۔
۲۔ مولانا نورالحسن صاحب کوجیلا ۔
۳۔ بہادر حسین صاحب کالی گنج
۴۔ منشی بخش محمد صاحب و منشی مفیض الدین لار کھوا ۔
۵۔ منشی رسم الدین صاحب وھنیا گچھ
۶۔ محمد ادریس و ڈاکٹر اسماعیل صاحب مالن گچھ ۔
۷۔ مولانا نورالحق صاحب سپاہی گچھ
۸۔ رسم الدین پردھان صاحب
۹۔ بشیر الدین صاحب پدم گچھ ۔
۱۰۔ ماسٹر محمد اسماعیل صاحب و حفیظ الدین و بسیر الدین بگلی گچھ ۔
۱۱۔ ماسٹر عبدالرحیم صاحب و پردھان مستری غالو گچھ ۔
۱۲۔ نصر الحق و شمس الحق و ماسٹر رسم الدین ۔ بحر تلہ
۱۳۔ محمد بشیر و محمد یوسف ۔ لکناہار

وغیرہم ۔

مدرسہ گرچہ پہلے سے چلتا تھا مگر پہلے بچے دو ہی گاؤں کے آتے تھے ۔

رام گنج مسجد و مدرسہ : جب سے قاری ابوالحسن صاحب اس مدرسے میں ہیں تب سے علاقے کے بچے چاروں طرف سے جوق در جوق اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے یہاں آتے ہیں ۔ چند طلبہ جو کٹر بدعتی تھے وہ ہمارے مدرسہ میں آکر موحد بنے اور شرک سے تائب ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اہلحدیث کے بڑے مدرسوں میں داخلہ لیا ۔ چنانچہ اس مدرسہ کے حسب ذیل طلبہ امسال جامعہ مظہر العلوم پٹنہ مالدہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔

۱۔ محمد فاروق پدم گچھ (عربی اول)
۲۔ محمد مجید الاسلام رسولا ڈانگی (عربی اول)
۳۔ محمد کبیر ناگنا گچھ (")
۴۔ محمد ہارون لار کھوا ۔ (")
۵۔ محمد ادریس مالن گچھ (ابتدائیہ ثالثہ)
۶۔ عمران مالن گچھ (ابتدائیہ ثالثہ)
۷۔ محمد اشرف کالی گنج "
۸۔ محمد آفاق رسولا ڈانگی "

اس طرح سے کچھ بچے الہ آباد اور قرب و جوار کے دوسرے موحدین کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔

ابھی چاروں طرف سے بچے اتنے زیادہ آتے ہیں کہ یہاں کم از کم تین چار مدرس کی ضرورت ہے ، مگر ابھی تین مدرس

کام کرتے ہیں۔ ۱۔ قاری ابوالحسن ۲۔ منشی رسم الدین ۳۔ منشی جمن علی

ابھی یہ مدرسہ نئے اہلحدیثوں کے تعاون سے چل رہا ہے اور دعوتِ حق کا ایک مرکز بنا ہوا ہے۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

رام گنج جامع مسجد: اس مسجد میں ہر جمعہ کی نماز میں قرآن وحدیث کی روشنی میں قاری ابوالحسن صاحب اہتمام بالکتاب والسنت کی دعوت دیتے ہیں اور شرک وبدعت سے روکتے ہیں اور علاقے کے دور دور کے لوگ مسجد میں جمعہ کی نماز بازار ہونے کی وجہ سے ادا کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ رام گنج بازار ہفتہ میں دو روز لگتا ہے۔ بازار کے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے کثرت سے مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں باتیں ہوتی ہیں۔

مناظرہ کے بعد ایک شر پسند مولوی صاحب نے رفع یدین کے خلاف لوگوں کو بہکایا اور بتلایا کہ رفع یدین صرف اس لیے کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ پہلے حضور کے زمانہ میں لوگ ہاتھوں میں بت رکھا کرتے تھے جمعہ کے روز مسجد میں بندہٗ خاکسار اور محترم جناب قاری صاحب نے ان سے مطالبہ کیا کہ عوام کو آپ یہ سب باتیں سنا کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اگر واقعی یہ حدیث ہے کہ رفع یدین بت رکھنے کی وجہ سے کرتے تھے تو وہ حدیث ہم لوگوں کو بھی دکھا دیں۔ ہم لوگ بھی رفع یدین چھوڑ دیں گے۔ یہ سنتے ہی وہ مولوی مبہوت ہوگیا۔ اس حدیث کو کہاں سے دکھائے۔ افسوس کہ ان کی زبان سے بدعت کے خلاف کچھ نکل نہیں سکتا۔ البتہ سنت کی مخالفت میں ہر قسم کی تدبیر کر سکتے اور جھوٹ سچ بول سکتے ہیں۔

ان مولوی صاحب نے اسی تاریخ سے اپنے کچھ رفقاء کو لے کر ہماری مسجد چھوڑ کر ایک جگہ الگ سے نماز جمعہ قائم کی۔ خدا کی قدرت کچھ دنوں بعد یہ نیا قائم کیا ہوا جمعہ جس کو مولانا موصوف نے اپنی امامت کے بچاؤ کے لیے قائم کیا تھا اجمیری پنڈوں کے ہاتھ میں چلا گیا اور مولانا موصوف مسندِ امامت سے نہایت ذلت وخواری کے ساتھ ہٹا دیے گئے۔ مولانا کے اس کارنامے سے ہماری مسجد میں کچھ دنوں تک مصلیوں کی تعداد میں کافی کمی ہوگئی تھی۔ مگر اب بحمداللہ اللہ تعالیٰ نے رحم وکرم فرمایا۔ لوگ حق وباطل سمجھ گئے۔ اور اب ہماری جامع مسجد میں نمازیوں کی تعداد کافی وافی ہوتی ہے۔

اب تمام قارئین سے اس دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس علاقے میں کتاب وسنت کی

نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

محمد اللہ صابر حسین سلفی مدنی

خاتمہ مضمون پر ہم قارئین محدث کو یہ یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اشاعت حق کی مذکورہ ساری تگ و دو کا مرکز رام گنج کی وہ مسجد اہلحدیث ہے جس میں جناب قاری ابو الحسن صاحب اپنے دو تین رفقاء کو لے کر کوئی دو ڈھائی سو بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور اس میں خاصی تعداد ان بچوں کی ہے جن کے والدین بریلوی ہیں۔ مگر یہ بچے اہلحدیث ہو کر نکلتے ہیں اور گھر میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اتنی بڑی کوشش کے لیے ان لوگوں کے پاس کوئی مالی سہارا نہیں ہے۔ اس لیے اہل خیر کی توجہ کی سخت ضرورت ہے، رقم قاری ابو الحسن صاحب کے نام اس پتہ پر بھیجی جائے۔ مسجد اہلحدیث پورٹ رام گنج بازار۔ ضلع مغربی دیناج پور، مغربی بنگال۔

محدث :

اشکِ مظلوم

(آسام کے حالیہ فساد سے متاثر ہو کر)

شومیٔ بخت کہ یہ حالِ پریشاں اپنا — آج دامن ہے سلامت نہ گریباں اپنا،
چشمِ خوں نابہ فشاں ہے کہ بہار آئی ہے — آج مثلِ سبدِ گل ہوا داماں اپنا
اشکِ مظلوم میں ہے موجۂ سیلاب فنا — رنگ لائے گا کبھی دیدۂ گریاں اپنا
بہرِ اغیار بہار آئی ہے آزادی کی — اور اپنے لیے گھر بن گیا زنداں اپنا
لٹ گئے اہلِ ستم کیا کہیں اور کس سے کہیں — بس کہ اب بے سر و سامانی ہے ساماں اپنا
جس نے تاراج کیا اور ہمیں برباد کیا — وہی قاتل ہے پس پردہ، نگہباں اپنا
ظلم کی آگ میں ظالم کو بھی جلنا ہے ضرور — دے رہا ہے ابھی گوشۂ داماں اپنا
کوئی پہلو بھی نہ چھوڑا ستم آرائی کا — روح زخمی ہے تو بسمل دلِ لرزاں اپنا
ایک دو زخم اگر ہوں تو دکھاؤں ان کو — خون آلود ہے سارا تن بے جاں اپنا
دلِ مظلوم کی بیتاب تڑپ کیا کہیے — تا لبِ عرش گیا نالۂ سوزاں اپنا
خونِ بسمل کی یہ لالی کہ مٹائے نہ مٹے — رنگ لائے گا مگر خونِ شہیداں اپنا
میرے اللہ تجھی سے ہے یہ میری فریاد — کون ہے تیرے سوا درد کا درماں اپنا
کفر کی تیرہ شبی کا مجھے کیا غم تابش
قلبِ مومن پہ ضیا بار ہے قرآں اپنا

(تابش حجازی)

بزمِ طلبہ

مودّت و رحمت، حسرت و نفرت کے شکنجے میں

عبد اللہ محمد اسماعیل مرشد آبادی ف

ابتدائے آفرینش ہی سے ازدواجی تعلق انسانی زندگی کا ایک جزو لاینفک رہا ہے، جو نکاح کی صورت میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ قدرت کی طرف سے اس عقد کے اندر ایک ایسی پرکشش سکینت قلب اور طمانیت روح ودیعت کی گئی ہے کہ ایک انسان بغیر بیوی کے اصلی راحت اور سکھ سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ گرچہ وہ جنت نعیم ہی میں کیوں نہ زندگی گزار رہا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد حضرت حوا کی تخلیق کی گئی۔ اللہ اپنے بندوں کی ہر ہر حرکت و خواہش کو جانتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ جنت میں اقامت کے دوران حضرت آدم کو چین نہ ملے گا، اس لیے ان کی رفیقۂ حیات حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کرکے ان کی بے چینی و اضطراب قلب کی دوری کا انتظام کیا۔

انسان پر اس احسان عظیم کا تذکرہ بطور امتنان قرآن کریم کے اندر جابجا دہرایا گیا ہے، اور اس مقصد کو سورہ روم کے اندر واضح صورت میں بیان کرتے ہوئے ازدواجی تعلق کو مودت و رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے ارشاد ہے: ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ط ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون۔ یعنی اس کی ربوبیت کی علامات میں یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکینت حاصل کرو اور اس نے تمہارے مابین محبت و رحمت پیدا کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل تفکر کے لیے اس میں نشانیاں موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کے نوجوان طبقہ کو اس کار خیر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ اگر تم نان ونفقہ نیز بیوی کے واجبی حقوق کی ادائیگی کی طاقت رکھتے ہو تو ضرور نکاح کرو کیونکہ اس سے تمہاری نگاہیں پست رہیں گی اور یہ شرمگاہوں کے تحفظ کا ذریعہ بھی ہوگا۔ من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج

فانہ اغض للبصر واحسن للفرج (بخاری و مسلم)

اور آپؐ نے فرمایا: لم تر للمتحابین مثل النکاح۔ یعنی تم دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح جیسی کوئی چیز نہیں پاؤگے۔ (مشکوٰۃ ۲۶۷)

اور فرمایا:- من اراد ان یلقی اللہ طاہرا مطہرا فلیتزوج الحرائر۔ یعنی تم میں سے جو شخص اللہ سے طیب و طاہر رہ کر ملاقات کا خواہش مند ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ آزاد عورت سے نکاح کرے (ابن ماجہ)

یہی نہیں بلکہ اس سے اعراض کرنے والے کو طریقہ محمدیہ کا منکر قرار دیا گیا ہے اور اسلام میں رہبانیت و تبتل کی زندگی کی نفی کی گئی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے علاوہ دنیا کے بقیہ سارے مذاہب کے اندر بھی اس کا تصور پایا جاتا ہے اور تمام طبقہ کے لوگ اس کو مقدس رشتہ خیال کرکے اس کے انعقاد کے وقت بے انتہا و بے پایاں خوشی و شادمانی، فرحت و مسرت اور سرور و انبساط کا مظاہرہ اپنی بساط و طاقت کے مطابق کرتے ہیں، البتہ وہ تمام خرافات جو حصول فرح و سرور کے نام سے کی جاتی ہیں اور وہ تمام ہما ہمی، گہما گہمی، رہل پہل، چراغاں و آتش بازی، باجے گاجے ڈھول تاشے اور ناچنے والیوں کا اہتمام و انتظام جو نکاح و شادی کے وقت کرتے ہیں اسلام نے ان کی قطعی طور پر اجازت نہیں دی ہے، بلکہ قرآن نے ان سب کو اعمال شیطانی اور ان کے کرنے والوں کو اخوان الشیاطین کہا ہے۔ کیونکہ خوشی سے زائد جو لغو حرکتیں ہیں وہ انسانی سماج کے لیے نقصان دہ ہیں۔

ہم اس بارے میں زیادہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ جہیز کی صورت میں ایک وبا جو ہمارے ملک میں پھیلی ہے اس کے رحمت کے بجائے نفرت، مودت کے بجائے عداوت اور الفت کے بجائے حسرت و ندامت ہونے میں کوئی شک نہیں اسی طرح وہ تمام خرافات جو حصول فرحت کی خاطر کی جاتی ہیں، ان کے باعث فقر و فاقہ اور غریبی و مسکینی کی صورت میں ظاہر ہونے والے اندوہناک حالات معلوم و معروف ہیں۔ اس لعنت کو روکنے کے لیے اکابرین اسلام، قلم کاران ہند۔ بلا تفریق مذہب و ملت۔ تنظیمات امن و آشتی اور خود حکومت کی طرف سے مختلف مضامین، کارآمد منصوبے، خوش آئند تقریریں اور سخت قوانین جاری و نافذ کیے گئے۔ جس کی وجہ سے اس لعنت کے مہلک اثرات سے سبھی لوگ بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ اور مشاہدہ یہ ہے کہ آئے دن عورتوں کی خود سوزی و خودکشی کی وارداتیں ہوتی ہیں۔

مہر کی فرضیت پر قرآن و حدیث دونوں ناطق ہیں مگر اس کی ادائیگی کے لیے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی

البتہ جہیز کی فرمائش ہے اور اس کے حصول کے لیے ہوس کیش انسان کی طرف سے آشوب محشر بپا ہے۔ دولہا دولھن اور مکان وغیرہ کی آرائش و زیبائش کے سامان دلھن کے والدین کی طرف سے زبردستی لے کر ان کا نشیمن اجاڑ دیا جاتا ہے۔ یہ صریح ظلم و زیادتی کے علاوہ اور کیا ہے۔ نیز یہ بالاتفاق حرام بھی تو ہے۔

ان خرافات کے علاوہ ہمارے معاشرہ میں ایک اور دل شکن اور دلآزار رسم ہے جو شریعت کی رو سے ناروا حرکت معلوم ہوتی ہے مگر اس میں جہلا تو جہلا علم و فضل کے مدعی اور وراثت انبیاء کے دعویدار علماء بھی ملوث نظر آتے ہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرۂ احادیث، صحابہ و تابعین کے تعامل اور اسلاف کے طرز عمل میں اس کا وجود دور دور تک نظر نہیں آتا۔

وہ ہے نکاح کے بعد دھوم دھام سے رخصتی کے لیے غیر ضروری حد تک لڑکیوں کو روکے رکھنا۔ میری معلومات کے مطابق علماء کے علاوہ تمامی حضرات نکاح یعنی عقد مکمل ہونے کے بعد بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کو حرام و گناہ یا کم از کم جرم تصور کرتے ہیں، تا وقتیکہ نہایت آب و تاب کے ساتھ رخصتی نہ ہو جائے۔ اس کو سربرستوں کے ظلم و زیادتی کے علاوہ اور کیا کہا جائے۔

چونکہ حضرت عائشہ نابالغہ تھیں اس لیے شادی کے تین برس بعد ۹ سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی مگر پھر وہ تاحیات آپ کی صحبت میں رہیں۔ ان کے علاوہ دوسری امہات المؤمنین کی رخصتی فوری طور پر ہوئی، یہی معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا بھی رہا اور اسی اسوہ کو صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی اپنایا۔

مگر آج ہمارا ماحول یہ ہے کہ نکاح کے بعد داماد کا سسرال جانا ایک جرم سمجھا جاتا ہے اور چلا جائے تو اسے بے حیا، بدتمیز، رسوا کن اور بے غیرت وغیرہ کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف نکاح کے بعد لمبی مدت گزار کر رخصتی کی جاتی ہے، جس سے غلط کاری، وفحش کاری کے امکانات بڑھتے ہیں۔ اسی طرح رخصتی بھی صرف دو چار روز کے لیے کی جاتی ہے۔ پھر ان کو پر شدت انتظار کی طرف ڈھکیل دیا جاتا ہے، جس کا وقفہ بسا اوقات برسوں کا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک لایعنی اور ظالمانہ حرکت ہے، کیا لوگوں کو یہ احساس نہیں کہ اس جدائی میں میاں بیوی کے دلوں میں آتش فشاں بکنا رہتا ہے اور وہ دل برداشتہ اور شکستہ خاطر رہ کر زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور بدکاری اور اس سے تعلق رکھنے والی سیکڑوں قسم کی خرابیاں وجود میں آجاتی ہیں۔

آیئے ہم آپ کو ایک واقعہ بتائیں جس سے واضح ہوگا کہ اسلاف کا طرز عمل اس بارے میں کیا تھا۔

یہ ہیں سید التابعین، خیر القرون کے عظیم محدث ابو محمد سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے شاگرد رشید ابو وداعہ کا بیان ہے کہ میں اپنے شفیق استاد سعید بن المسیب کے حلقۂ درس میں بیٹھا کرتا تھا۔ میری بیوی انتقال کر گئی جس کی وجہ سے چند روز غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیوں غائب تھے؟ میں نے وجہ بتلائی۔

استاذ محترم نے فرمایا کہ تم نے ہمیں خبر کیوں نہیں کی؟ ہم تمہاری اہلیہ کے جنازہ میں شریک ہوتے۔ پھر خاتمۂ درس کے بعد میں چلنے کو تھا کہ آپ نے فرمایا: تم نے دوسری شادی کرلی ہے؟ میں نے کہا: جی نہیں۔ بھلا مجھ سے کون اپنی لڑکی کی شادی کرے گا جبکہ میری کل ملکیت صرف دو یا تین درہم ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر میں کردوں تو تیار ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے حمد و صلوٰۃ پڑھا اور مجھ سے اپنی لڑکی کی شادی کردی۔

میں رخصت ہونے لگا مجھے مارے خوشی کے کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کیا کروں۔ گھر پہنچا روزے کی حالت میں تھا، مغرب کی نماز کے بعد کھانا لایا گیا، کھانے کو بیٹھا ہی تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

میں نے کہا، کون؟ جواب آیا: سعید۔

سعید نام کے مدینہ میں جتنے آدمی تھے میں نے ہر ایک کے بارے میں سوچا کہ شاید وہ ہوگا، لیکن سعید بن مسیب کی طرف دھیان نہیں گیا۔ (کیونکہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال کے دوران اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ دوسری جگہ دیکھے نہیں گئے۔)

قدرے توقف کے بعد دروازہ کھولا تو سعید بن المسیب کھڑے تھے۔ میرے خیال میں یہ بات آئی کہ ضرور کوئی امر درپیش ہے ورنہ یہ کیوں آتے؟ میں نے عرض کیا: حضور آپ نے کیوں زحمت اٹھائی؟ کسی کو بھیج دیتے میں آپ کی خدمت حاضر ہو جاتا۔

فرمایا: تم اس کے زیادہ حقدار ہو کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ میں نے عرض کیا: آپ کا مجھے کیا حکم ہے؟

فرمایا: مجھے گوارا نہ ہوا کہ تم شادی شدہ آدمی ہو کر تنہا رات گزارو، اس لیے تم تک تمہاری بیوی کو لے آیا۔ دیکھو یہ ادھر ہیں۔ میں نے دیکھا وہ اپنے والد کے پیچھے کھڑی تھیں۔

آپ نے انھیں اندر کرکے دروازہ بند کردیا اور وہ بیچاری مارے حیا کے پانی پانی ہو رہی تھیں۔ ادھر میں نے چھت پر چڑھ کر اپنے پڑوسیوں کو ندا دی وہ لوگ حاضر ہوئے اور پوچھا۔ "ما شانک" کیا بات ہے؟

میں نے کہا: آج سعید بن المسیب نے اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردی تھی اور ابھی اچانک اس کو پہنچا بھی گئے ہیں۔
میں نے اپنی والدہ کے حکم سے تین دن توقف کیا، اس کے بعد اپنی اہلیہ سے متعارف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بڑی خوبصورت حافظ قرآن، سنت کی جید عالمہ اور حقوق شوہر کو بخوبی جاننے والی عورت ہے۔ اس کے بعد ایک ماہ تک نہ میں آپ کے پاس جاتا اور نہ آپ میرے پاس آتے۔ پھر میں نے آپ کی خدمت میں حاضری دے کر سلام کیا، آپ نے اس وقت صرف جواب پر اکتفا فرمایا یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس انسان کو کیسا پایا۔ میں نے کہا جس طرح ایک دوست اپنے دوست کو پاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی ناروا امر درپیش ہو تو ڈنڈے سے کام لینا۔
واضح رہے کہ آپ کی صاحبزادی کے پاس بادشاہ عبدالملک بن مروان نے اپنے لڑکے ولید کے لیے اس وقت پیغام نکاح بھیجا تھا جب وہ ولیعہد تھا۔ مگر آپ نے انکار کردیا تھا، جس کی پاداش میں آپ کو کافی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑی تھیں۔ (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ج ۲ لابن خلکان ۶۰۸-۶۸۱ھ)
دیکھا آپ نے عامل بالحدیث تابعی نے اپنی لڑکی کا نکاح کس سادگی سے کیا اور کس طرح رخصت فرمایا۔ اور ہم نے کیسی کیسی خرافات پال رکھی ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرما کر قرآن و سنت اور اسلاف کے اسوہ کے مطابق اپنے معاملات کو انجام دینے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

کارکن عورت اور دل کی بیماریاں:

امریکہ کی جنوب کارولینا یونیورسٹی نے اپنے ایک اعلام نامے میں اس تحقیق اور دریافت کا انکشاف کیا ہے کہ جو عورتیں گھر کے باہر (شہری دفتری وغیرہ) کاموں میں زیادہ کامیاب ہیں، ان کے شوہر بقیہ عورتوں کے شوہروں سے گیارہ گنا زیادہ دل کے امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیرونی کام کرنے والی عورتوں اور ان کے شوہروں کے تعلقات خوشگوار نہیں ہوتے اور اس قسم کے ۸۰٪ (اسی فیصد) شوہر بدترین نفسیاتی احساسات میں مبتلا رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے اندر قلبی امراض کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔
(التوحید ص ۲۹ صفر ربیع الاول ۱۴۰۵ھ)
نوٹ: جو لوگ انسانی فطرت کو کچل کر عورت کو دفتروں، محفلوں اور بازاروں کی زینت بنانے پر تلے ہوئے ہیں انھیں قدرت کی اس مار سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

جماعت و جامعہ

جامعہ کا امتحان ششماہی :

حسب دستور اس سال بھی ماہ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ میں ۱۰ر سے ۱۷ر ربیع الاول تک جامعہ کا ششماہی امتحان ہوا طلبہ نے پوری سرگرمی سے تیاری کرکے امتحان میں شرکت کی۔ اس کے بعد ۱۸ر ربیع الاول سے ۵ر ربیع الآخر تک سترہ دن تک تعطیل رہی۔ ۶ر ربیع الآخر مطابق ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء سے جامعہ دوبارہ کھل گیا۔ اور حسب معمول تعلیم شروع ہو گئی۔

مدینہ یونیورسٹی کے وفد کی آمد :

اس سال بھی تعلیمی سلسلہ کے آغاز سے ابتک متعدد اہم شخصیات نے جامعہ کا دورہ کیا ہے۔ ان میں خصوصیت سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا وفد قابل ذکر ہے۔ مدینہ یونیورسٹی نے اس سال طلبہ کے داخلہ کے سلسلہ میں یہ اہتمام کیا تھا کہ جن طلبہ کا داخلہ منظور کیا گیا ان سے انٹرویو لے کر ان کے متعلق آخری فیصلہ کرنے کے لیے دو حضرات پر مشتمل ایک وفد دہلی بھیج دیا۔ وفد کے ارکان دارالحدیث مدینہ منورہ کے مدیر (ڈائرکٹر) محترم شیخ علی بن صالح المرشد اور مدینہ یونیورسٹی کے امور طلبہ کے عمید محترم شیخ عبدالعزیز بن محمد بن عیسی القائدی تھے۔ ان دونوں حضرات نے اپنی مہم سے فارغ ہوکر دو روز کے لیے جامعہ سلفیہ کو اپنی تشریف آوری سے مشرف کیا اس دوران تفصیل کے ساتھ تمام شعبہ جات کا معائنہ کیا، طلبہ اور اساتذہ سے تبادلۂ خیال کیا۔ درس گاہوں میں جاکر طریقۂ درس و تدریس ملاحظہ کیا۔ طباعت و تصنیف وغیرہ سے متعلق کاموں کا مشاہدہ کیا۔ اور اپنی بے حد مسرت اور نہایت عمدہ تاثرات و احساسات کا اظہار کیا۔

مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تشریف آوری :

۲۶ر نومبر ۸۴ء کو جناب سید حامد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے جامعہ سلفیہ کو اپنے استقبال کی سعادت

بخشی۔ موصوف نہایت مصروف پروگرام کے تحت بنارس تشریف لائے تھے۔ پھر بھی آپ نے جامعہ سلفیہ کے لیے تھوڑا وقت نکال ہی لیا۔ ان مختصر لمحات میں آپ نے جامعہ کی عمارات، ہال لائبریری، مطبخ وغیرہ کا معائنہ کیا اور مختلف ملی و تعلیمی مسائل پر ذمہ داران جامعہ سے تبادلہ خیال کیا اور مفید مشوروں سے نوازا۔ نیز راقم کو ازراہ ذرہ نوازی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سیرت کے موضوع پر تقریر کرنے کی دعوت دی، جسے بخوشی قبول کیا گیا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

مدنپورہ بنارس میں جلسہ:

سرد موسم کی آمد کے ساتھ جلسے جلوس کے ہنگامے بھی سرد پڑجاتے ہیں مگر اس دفعہ موسم سرما میں بھی اس طرح کے اجتماعات کی گرمی برقرار رہی۔ بنارس کے نوجوانان اہلحدیث کی تنظیم "جمعیۃ الشبان المسلمین" کی تجدید ابھی حال ہی میں ہوئی ہے مولوی جمیل احسن صاحب سلفی اور مولوی محمد یونس صاحب سلفی فاضلان مدینہ یونیورسٹی اس کے خصوصی ذمہ داران و رکن ہیں۔ ان دونوں حضرات نے بنارس اور اطراف بنارس میں تبلیغی کوششوں کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ انھی کی تحریک اور عام نوجوانان اہلحدیث مدنپورہ کی مساعی سے ۲۴ رنومبر ۸۴ء یوم سنیچر کو سعیدیہ لائبریری کے میدان میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ اور امیر جمعیۃ اہلحدیث ہند جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے زیر صدارت ایک اجلاس عام منعقد ہوا۔ شیخ الجامعہ جناب مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، صفی الرحمٰن مبارکپوری اور مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے تقریریں کیں۔ موسم کی سردی کے باوجود اجلاس ہر پہلو سے کامیاب رہا۔ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی نے مقام رسالت اور اس کے تقاضوں کی وضاحت کی۔ راقم صفی الرحمٰن نے تاریخی شواہد کی روشنی میں بتلایا کہ امت نے جب بھی اللہ سے تعلق توڑا یا کمزور کیا، پستی میں گئی۔ اور جب تعلق مضبوط کیا سربلند ہوئی۔ مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب نے اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے، سلجھے ہوئے انداز میں، اس سے کنارہ کش رہنے کی تلقین کی۔

سریاں میں جلسے:

۲۶ رنومبر کو بنارس کے نواحی گاؤں موضع سریاں میں جملہ مکاتب فکر کے نوجوانوں کی جانب سے ایک مشترکہ سیرت کمیٹی کے تحت اجلاس عام ہوا۔ راقم صفی الرحمٰن مبارکپوری نے مقام رسالت کی وضاحت کرتے ہوئے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص اور بے لوث اتباع کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ آپ کی پیروی کے معاملے میں کسی اور کی پیروی کو

ٹھہرانا اور دوسروں کی ایجادات کو دین سمجھنا آپ کے مقام رسالت کی نفی کرنے کے ہم معنی ہے۔ پھر ۱۲ ردسمبر ۸۴ء بروز جمعہ کو بعد عشاء خاص جماعت اہلحدیث کا بھی ایک جلسہ ہوا جسے راقم کے علاوہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی اور مولانا عبدالسلام صاحب مدنی نے خطاب فرمایا۔

صلاح المسلمین پٹنہ کی جدید عمارت کا افتتاح :

۲۷ رنومبر کو مدرسہ اصلاح المسلمین پٹنہ (جس کا نام اب "الجامعۃ الاصلاحیۃ السلفیہ" رکھا گیا ہے) کی جدید عمارت چار کمروں کے افتتاح کی تقریب تھی۔ اس تقریب میں اکابر علماء مدعو اور موجود تھے۔ مثلاً ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منت اللہ رحمانی وغیرہم۔ راقم بھی مدعو تھا۔ مغرب بعد قدرے تاخیر سے کارروائی شروع ہوئی۔ چند علما کی تقریریں ہوئیں۔ راقم نے بھی بیس پچیس منٹ کچھ عرض کیا اور یہ توقع ظاہر کی کہ صادق پور کی راکھ سے، جامعۃ الاصلاحیۃ السلفیہ کی شکل میں ایک شرارے کا نمود ہوگا۔ اخیر میں مولانا علی میاں اپنے قافلے سمیت آپہنچے۔ اس کے بعد رپورٹ، ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب سلفی کی تقریر وغیرہ کے بعد مولانا علی میاں اور مولانا منت اللہ شاہ رحمانی کے خطابات ہوئے اور موقع کی مناسبت سے اہلحدیث کی خدمات کا اعتراف بھی کیا گیا اور مدارس کی کمزوریوں کے مابین ثابت قدمی کی تلقین بھی کی گئی۔

بہار مدارس کنونشن پٹنہ : فضلائے مدارس عربیہ بہار کی تنظیم مدرسہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی جانب سے ۲۸، ۲۹ رنومبر ۱۹۸۴ء کو کرشن میموریل ہال پٹنہ میں کنونشن تھا۔ جہاں تک محسوس ہوا یہ کنونشن گورنمنٹ سے ملحق مدارس کے حقوق و مسائل حل کرنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ انتظامات بڑے سلیقے اور ٹیپ ٹاپ سے کیے گئے تھے۔ میں ۲۸ نومبر کی دو نشستوں میں شریک ہوا۔ پہلی نشست میں رپورٹوں، نظموں وغیرہ کے علاوہ گورنر بہار جناب اخلاق الرحمان صاحب قدوائی اور مولانا علی میاں ندوی کے خصوصی خطابات تھے۔ اول الذکر نے بڑے اچھے انداز میں مدارس اور دینیات کی تعلیم سے متعلق معاملات پر روشنی ڈالی اور مدارس کے فارغین کے لیے ذرائع رزق میں مہارت کے مختلف طریقوں کی نشاندہی کی۔ علی میاں کی تقریر کا بہاؤ تصوف کی بے وسیلگی کی طرف تھا اور اس موقع پر موصوف کو وہ علماء یاد آرہے تھے جنھوں نے دوکان پر پکتی ہوئی روٹی کی خوشبو سونگھ کر معدہ کو قوت پہنچائی اور حصول علم میں لگے رہے۔ موصوف اسی انداز کردار کی تلقین فرماتے رہے مگر انھیں چوٹی کے وہ علماء یاد نہ آئے جنھوں نے نازونعمت میں پرورش پانے کے باوجود لازوال و بے مثال درخشاں کارنامے انجام دیے اور جن کی مثالیں سرزمین

ہار میں قدم قدم پر بکھری پڑی ہیں۔ فقر و مجبوری میں ثبات قدمی اور مقصد سے لگن یقیناً بڑی عزیمت کی چیز ہے۔
بکس فقر و مجبوری اختیار کرنے کی تلقین کرنا حد درجہ تعجب خیز ہے۔ کاش مولانا "برداشت" اور "اختیار" کے فرق
سوس کریں۔

رات کے پروگرام میں میں قدرے تاخیر سے پہنچا۔ اس وقت بہار کے وزیر اعلیٰ تقریر کر رہے تھے اور تلقین فرما
رہے تھے کہ بیساکھی لگا کر چلنے کے بجائے اپنے پاؤں پر چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے، ورنہ ہمیشہ بیساکھی کا سہارا لینا پڑے گا۔
وم نہیں وزیر اعلیٰ صاحب یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی اسی طرح کی بات کہتے ہیں یا انھیں صرف عربی مدارس
فضلا ہی بیساکھی لیتے نظر آتے ہیں۔

منتظمین کنونشن نے گورنمنٹ کے سامنے اپنے مطالبات کی بھی ایک فہرست رکھی تھی۔ وزیر اعلیٰ صاحب نے بیشتر
طالبات کو بڑی فراخدلی کے ساتھ منظور کیا۔ اور ان کی ایک ایک منظوری پر ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔

اناؤنسر نے مجھ سے کہہ رکھا تھا کہ ایک دو مرحلوں کے بعد مجھے تقریر کرنی ہے۔ مگر بعد میں آکر معذرت کی کہ علی میاں
ی تقریر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ موصوف کی تقریر ہوئی اور انداز دوپہر ہی کی تقریر کا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید عبدالحفیظ
احب اور پھر راقم الحروف نے تقریریں کیں۔ میں نے حاضرین کی نوعیت ملحوظ رکھ کر مدارس کی ساری جد و جہد کے
سل مقصود یعنی لوگ اتباع شریعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خرافات سے کنارہ کشی پر زور دیا۔ اور مدارس کی
یت و ضرورت اور اعلیٰ ترین مقصد کی طرف اشارات کیے۔ ایک دو مزید خطابات کے بعد جلسہ ختم ہوگیا۔ اور
لوگ ۲۹ نومبر کے پروگرام میں شرکت کیے بغیر صبح ہی بنارس کے لیے روانہ ہوگئے۔

سلم یونیورسٹی علی گڑھ میں:

جناب سید حامد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے راقم کو یونیورسٹی میں تقریر کی جو دعوت دی تھی،
س کے مطابق ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو راقم نے بمعیت مولانا عبدالرحمان صاحب رحمانی مبارکپوری اور ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب
ہری، علی گڑھ کا سفر کیا۔ ۶ دسمبر کو وہاں پہنچے تو آفتاب ہال میں طلبہ کی جماعت منتظر تھی۔ ہمیں سیدھے
مہمان خانے پہنچایا گیا اور چند ہی لمحوں میں وائس چانسلر صاحب بھی وہاں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد ہم سید
حامد صاحب سے رخصت ہوکر آفتاب ہال پہنچے وہاں وقت کی قلت کے باعث مختصر تقریر ہوئی، جو اداریہ میں دی گئی ہے۔

وہیں محترم ڈاکٹر محمد معین صاحب فاروقی اور مولانا عبدالمنان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جو خاصی دیر سے منتظر تھے، پھر رات گئے تک انکا ساتھ رہا۔ اسی روز مغرب بعد اسٹریچی ہال میں قدرے تفصیل سے تقریر ہوئی۔ اس پروگرام میں میرے علاوہ مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور) اور یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات (سنی) کے ہیڈ نے بھی تقریر کی۔

۷ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو ہم نے مسلم یونیورسٹی میں نہایت مصروف دن گزارا۔ ناشتہ ڈاکٹر محمد معین صاحب کے یہاں کیا گیا۔ پھر کچھ دیر تک مجلس رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختلف قسم کے افادات کے علاوہ اپنے موضوع کی مناسبت سے ایک کتاب دکھلائی جس میں بتلایا گیا تھا کہ انگریز ماہرین کی ایک ٹیم مصر کی ایک تین ہزار برس پرانی ممی پر تحقیق کر رہی ہے۔ اس کے پھیپھڑے یا کلیجے کی قاش کاٹ کر اس کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہر خلیہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ تاہم اس ممی میں استعمال ہونے والے سارے اجزاء دریافت نہ کیے جا سکے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ فرعون موسیٰ کی لاش کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی لاش بہت زیادہ دیر تک پانی میں نہیں رہی تھی۔ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے لیے ایک جدید شہادت ہے جس میں فرمایا گیا ہے: فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ۔ آج ہم تیرے بدن کو خشک زمین پر ڈال دیں گے تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشان عبرت ہو۔ اس طرح کے مزید کئی موضوع بھی زیر گفتگو آئے۔

ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے رخصت ہو کر ہم لوگ شعبۂ دینیات پہنچے۔ پہلے دن کتب سیرت کی نمائش دیکھ چکے تھے۔ آج دینیات کی لائبریری خصوصیت سے دیکھی۔ اس کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ موصوف یرقان کی بیماری کا اس شدت سے شکار تھے کہ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ لیکن موصوف بستر سے اٹھ کر فوراً زینت مجلس بن گئے اور دیر تک مختلف علمی موضوعات پر پوری وسعت علمی کے ساتھ روشنی ڈالتے رہے۔ وہاں سے رخصت ہو کر جناب مولانا قاری ڈاکٹر رضوان اللہ صاحب ازہری ہیڈ شعبۂ دینیات (سنی) کے مکان پر پہنچے۔ موصوف ہمارے خصوصی میزبان تھے اور ابتدا سے ہماری باگ انھی کے ہاتھ میں تھی۔ جمعہ کے بعد مولانا تقی امینی صاحب کے مکان پر کھانا کھایا گیا۔ یہاں تبادلۂ خیال کی مجلس کھانے کی مجلس سے زیادہ طویل اور دلچسپ رہی۔

وہاں سے فارغ ہو کر جناب ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو، جناب حکیم ظل الرحمان صاحب، جناب مولانا محمد یٰسین صاحب مظہر ندوی اور جناب مولانا اشتیاق ظلی کی خدمات میں حاضری ہوئی۔ مظہر صاحب کے گرانمایہ علمی کارناموں کو دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ موصوف نے نقوش لاہور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے نظم کے سلسلے میں ایک نہایت مبسوط مضمون لکھا ہے، جس پر انھیں بیس ہزار روپے کا گرانقدر انعام (نقوش ایوارڈ) بھی ملا ہے۔

۹ رنومبر کی صبح مولانا امینی کے ہمراہ جناب ڈاکٹر عبدالباری صاحب تشریف لائے۔ موصوف مولانا شمس الحق
ب محدث ڈیانوی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ بے حد سنجیدہ، ذہین اور محقق۔ آپ نے مقریزی
اب سیرت امتاع الاسماع کے سلسلے میں اپنی تحقیقی رائے کا اس انداز سے ذکر کیا کہ ہم لوگ بے حد محظوظ ہوئے
موف ہماری روانگی تک ہمارے ساتھ رہے۔ ہماری روانگی کوئی نو بجے صبح عمل میں آئی تھی اس وقت طلبہ ایک
ہڑ اسٹرائک کی تگ و دو میں مصروف تھے اور معلوم ہے کہ اس کے بعد یونیورسٹی بند کردی گئی۔

لم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا مسئلہ:

ہم نے اپنے قیام کے دوران طلبہ سے بھی ملاقاتیں کی تھیں اوران کے درمیان بھی کچھ نہ کچھ وقت گزارنے کا موقع
ا۔ یہ عجیب بات رہی کہ طلبہ ہوں یا اساتذہ اور ذمہ داران تقریباً ہر جگہ (الا ماشاء اللہ) کسی نہ کسی عنوان سے یونیورسٹی
وجودہ وائس چانسلر جناب سید حامد صاحب کا ذکر ضرور آگیا۔ اور ہمارے علم میں یونیورسٹی کے بہت سے ایسے احوال و
ف آئے جنھیں اخباری رپورٹوں کی مدد سے جانا نہیں جاسکتا۔

طلبہ نہایت پرجوش طور پر یہ چاہتے ہیں کہ سید حامد اپنے موجودہ عہدے سے بہرحال رخصت ہوجائیں
ن کی مدت وائس چانسلری جو آئندہ مارچ (۱۹۸۵ء) میں پوری ہورہی ہے، کے ختم ہونے کے بعد ان کو دوسری
قع دیے جانے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ وہ اس سلسلہ میں اس قدر پرجوش ہیں کہ چلتے پھرتے نعرے لگانا ان
ہ بن چکا ہے اور انھوں نے اپنے کسی مجمع میں وائس چانسلر کا چند منٹ بیٹھے رہنا بھی دوبھر کر رکھا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟
چانسلر صاحب کے وہ کون سے "قصور و جرائم" ہیں کہ ان کے ساتھ یہ ناروا سلوک روا رکھا گیا ہے؟ طلبہ سے اس
ئی متعین وجہ نہ معلوم ہوسکی۔ زیادہ سے زیادہ جو معلوم ہوسکا وہ یہ کہ سید صاحب کے ابتدائی دور میں یونیورسٹی کے
پولیس کی آمد اور ایک طالب علم کی شہادت، یونیورسٹی کی روایت اور طلبہ کی سالمیت کے خلاف ایک ایسا
نگین جرم ہے جسے کسی قیمت پر معاف نہیں کیا جاسکتا۔

اساتذہ اور ذمہ داران جنھیں ایسی شخصیتیں بھی تھیں جنھیں اس وقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کا مغز
بجا نہ ہوگا، ان کا تقریباً یہ متفقہ بیان تھا کہ جناب سید حامد صاحب ایک نہایت معقول، دیانت دار اور صحیح
ے منتظم ہیں، ملت کا بے حد درد رکھتے ہیں اور متدین ایسے کہ تہجد گزار ہیں۔ ایک نہایت اہم شخصیت نے

فرمایا کہ سید حامد صاحب اپنی مثال آپ ہیں۔ اور میرے پورے دور میں صرف یہی ایک ایسے وائس چانسلر آئے ہیں جو صحیح معنوں میں وائس چانسلر ہیں۔ پھر ان کے خلاف ہنگامے کیوں؟ اس کا سبب تقریباً سبھی حضرات نے حتیٰ کہ جو لوگ سید حامد صاحب سے کسی قدر مخالفت رکھتے تھے انھوں نے بھی۔ یہ بتایا کہ یونیورسٹی ایک عرصہ سے بدنظمی اور بدانتظامی کا شکار تھی۔ بہت سے افراد نے اسے اپنی جاگیر بنا رکھا تھا اور کسی وجہ جواز کے بغیر اس کے مختلف وسائل کو اپنے مفاد میں استعمال کر رہے تھے۔ کتنے ایسے تھے جو قانون سے بالاتر بن چکے تھے اور نفع و نقصان رسانی کی مسند پر براجمان ہو گئے تھے، جس کے نتیجے میں خویش پروری نے بال و پر نکال رکھے تھے۔ اور صلاحیت و استحقاق کے باوجود کتنوں کے حقوق مارے جا رہے تھے۔ موجودہ وائس چانسلر صاحب نے اپنی آمد کے بعد جب یونیورسٹی کے حالات کا جائزہ لیا تو تطہیر کی ضرورت محسوس کی، اور تطہیر شروع کر دی۔ جو لوگ اس کی زد میں آئے یا جن قانون سے بالاتر حضرات کو ضوابط کا پابند ہونا پڑا انھیں یہ چیز بہت زیادہ کھلی اور وہ موقع کی تاک میں لگ گئے اور بالآخر وہ موقع آ ہی گیا جب ایک غیر متعلق بات کو بنیاد بنا کر شورش اور ہنگامے کو اس درجہ آگے بڑھا دیا گیا کہ ایک طالب علم کی شہادت تک نوبت آ گئی اور وائس چانسلر صاحب طلبہ کے درمیان نکو بن کر رہ گئے۔

کچھ واقف کاران کا یہ بھی کہنا ہے کہ طلبہ کی ہنگامہ آرائیوں کو کچھ مخصوص افراد یا تنظیمات کی پشتیبانی حاصل ہے اور وہ انھیں اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔

اس تجزیہ میں کسی قدر مبالغہ ہے یا یہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے۔ اس بارے میں ہم کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں۔ لیکن یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملت کے اس عظیم سرمایہ کو برباد و ناکارہ بنانا نہایت سنگین خیانت ہے۔ اور حساس افرادِ ملت کو اسے اس کے واقعی مقام پر لانے کے لیے آہنی عزائم اور حکمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

... ...

اہلحدیث منزل دہلی میں :

۸ دسمبر کو ہمارا قافلہ دہلی پہنچا۔ ۹ دسمبر کو مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگ تھی۔ اس میں [illegible] اپریل کے آل انڈیا اہلحدیث کنونشن کی قراردادوں کی تائید کی گئی۔ اور اگلے انتخاب کی تفصیلات طے کی گئیں۔ انتخاب ان شاء اللہ اپریل ۱۹۸۴ء کے نصف اخیر میں ہوگا۔

ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کی جانب سے مظلومینِ مئو کیلیے

نصف لاکھ سے زیادہ کی ریلیف

پچھلے اکتوبر میں مئوناتھ بھنجن میں پولیس اور پی اے سی نے قہر و ظلم کا جو بازار گرم کیا تھا اس کا مختصر ذکر محدث کے گزشتہ شمارے میں آچکا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مظلومین کی دادرسی میں مسلمانوں نے دل کھول کر حصہ لیا اور تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں نے مشترکہ ریلیف کے ذریعہ ان کی مدد کی صرف جماعتِ اسلامی نے اپنا کیمپ الگ لگایا اور اس مصیبت میں بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اشتراک گوارا نہ کیا۔ اس موقع پر جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی نے مظلومین کے لیے ۴۳ ہزار نقد اور ڈھیر ساری اشیائے ضرورت فراہم کی۔ قائم مقام ناظم صاحب کی رپورٹ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جب مئوناتھ بھنجن میں ہونے والے ظلم و تشدد کی خبریں ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کے دفتر کو موصول ہوئیں۔ تو محترم مولانا عبدالوحید صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند، جناب مولانا ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رکن ریاستی جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی اور جناب مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی امیر جمعیۃ اہلحدیث ضلع بنارس نیز مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری استاذ مرکزی دارالعلوم و ایڈیٹر محدث بنارس کے مشوروں کی روشنی میں ریلیف فنڈ جمع کیا گیا۔ اور جمعیۃ کے بیت المال سے ستائیس ہزار (۲۷،۰۰۰) روپئے امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند نے مستحقین میں تقسیم کیے۔ اس مقصد کے لیے امیر محترم کی معیت میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وکیل الجامعہ اور مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ بھی مئو تشریف لے گئے۔

تقسیم ریلیف کے بعد بنارس واپس آکر محترم امیر مرکزی جمعیۃ نے خاکسار انور بستوی کو طلب کیا اور فرمایا کہ مئو کے فساد زدگان اور مظلومین میں جس قدر بھی رقم تقسیم کی جائے، کارِ ثواب ہے لہٰذا فوری طور پر مزید رقموں اور دیگر ساز و سامان کے ذریعہ مئو پہنچکر تعاون کرو۔ اس حکم کے مطابق راقم، مولانا محمد یونس سلفی کے ہمراہ ریڈی میڈ ملبوسات، چادریں اور نقد دس ہزار روپئے لے کر ۴ ردسمبر ۱۹۸۴ء کو مئو پہنچا اور حافظ عبدالعلی انور کے ہمراہ فساد زدہ علاقوں کا سروے کرکے مستحقین میں رقمیں و دیگر سامان تقسیم کرکے ۶ ردسمبر کو دفتر واپس آیا۔ یہاں پہنچتے ہی ہم نے سوچا کہ اس موسم سرما میں خدا جانے مظلومین اپنے شب و روز کیسے بسر کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے آرام دہ اور گرم اشیاء کی ضرورت ہے۔ پر اس بارے میں

(بقیہ ص ۴۳ پر)

ہماری نظر میں

عذاب قبر اور ایہا النبی کا ثبوت :

تالیف : محمد حسین صاحب اسیر   قیمت بطور عطیہ : ایک روپئے پچیس پیسے

معنف سے ملنے کا پتہ : ۶۸۳ گوہر منزل کے پاس مومن تلیا اتر موتی نالہ جبل پور ۴۸۲۰۰۲

یہ ۳۲ صفحات کا ایک مختصر سا کتابچہ ہے جس میں دو الگ الگ مضامین بیان کیے گئے ہیں، پہلا مضمون عذاب قبر سے متعلق ہے اور اس کا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے بڑی وضاحت اور کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ادھر کچھ عرصے سے منکرین حدیث نے بڑے شد و مد سے یہ بات سادہ لوح مسلم عوام میں پھیلا رکھی ہے کہ عذاب قبر کوئی چیز نہیں۔ یہ حصہ در اصل انھی کی تردید پر مشتمل ہے اس میں اصل بحث کے علاوہ ضمناً متعدد قیمتی باتیں بھی آگئی ہیں نزع روح کے باب میں ص ۹، ۱۰ پر ایک بڑا عجیب و غریب انکشاف درج ہے جو یہ ہے۔

سائنسدانوں نے کانچ کا ایک مکان بنایا اور اس میں ایک ایسے شخص کو بند کر دیا جو مرنے کے بالکل قریب تھا۔ پھر اس کے ارد گرد بیٹھ کر اس کا معائنہ کیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ شخص مر گیا لیکن سائنسدانوں کو سوائے اس کے کچھ بھی نظر نہ آیا کہ کانچ کے مکان کا اوپری حصہ بغیر کسی آواز کے ٹوٹ گیا تھا، اور اس طرح یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا تھا۔

لیکن سائنسدانوں نے ہمت نہیں ہاری اور پھر دوسرا تجربہ کیا اور اس بار پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کانچ کا مکان بنایا اور اس میں ایک دوسرے قریب المرگ شخص کو بند کیا اور پھر خود کار کیمرے، دوربین خوردبین[1] وغیرہ غرضیکہ تمام قسم کے جدید آلات سے لیس ہو کر اس کے چاروں طرف بیٹھ کر معائنہ شروع کیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد سائنسدانوں نے خوردبین[1] کی مدد سے دیکھا کہ، قریب المرگ شخص کی ناف سے اور منہ سے انتہائی باریک بنفشی دھوئیں کی لکیریں نکلنا شروع ہو گئیں اور اس شخص پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ بنفشی دھوئیں نے اس شخص کی ناف اور منہ سے نکل کر اسی کے اوپر ایک ہیولا کی شکل اختیار کر لی اور یہ ہیولا بھی تعجب خیز حد تک ہو بہو اسی کا ہم شکل تھا۔ پھر اوپری خلا میں اس کا ہم شکل دھوئیں کا ہیولا مکمل ہوتے ہی نیچے پڑے شخص کی دم ٹوٹ گئی۔

---

[1] اصل کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔ صحیح املا خوردبین ہے۔

بنفشی دھوئیں کا ہیولا کچھ دیر تک نیچے پڑی ہوئی لاش کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، پھر اچانک اس طرح اوپر کو اٹھنے لگا جیسے کوئی کھینچے لیے جارہا ہو۔ اس کے اوپر اٹھتے ہی کانچ کے مکان کا اوپری حصہ اپنے آپ ٹوٹ گیا۔ اور بنفشی دھوئیں کا ہیولا اس میں سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ (اخباری رپورٹ کا خلاصہ)"

افسوس ہے کہ مصنف نے اتنے اہم انکشاف کا کوئی متعین اور مکمل حوالہ نہیں دیا ہے، آئندہ ایڈیشن میں حوالے کی تکمیل کردی جائے۔

کتابچے کا دوسرا مضمون التحیات کے اندر یا یہا النبی پڑھنے سے متعلق ہے۔ مصنف نے متعدد پیرایوں سے یہ سمجھایا ہے کہ التحیات میں یا یہا النبی ہی کہنے کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے ایسے ہی کہنا چاہیے۔ اسے بدل کر "السلام علی النبی" کہنا درست نہیں۔ مصنف ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنی نکتہ آفرینی کے زور سے اس طرح کی تبدیلی کی تلقین کی ہے اور مصنف نے اسی کے رد میں یہ حصہ سپرد قلم کیا ہے۔ مگر یہاں یہ نقص بڑی شدت سے محسوس ہو[تا] ہے کہ مصنف نے شبہے کی اصل بنیاد منہدم نہیں کی، حالانکہ عام لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے اس کی ضرورت تھی تاکہ اس راستے سے انکار حدیث کا دروازہ تلاش کرنے کی گنجائش نہ ملے۔ اس معاملے میں تفسیر قرطبی اخیر سورہ بقرہ سے مدد لی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید اور عذاب قبر:

تالیف: مولانا صفی الرحمن مبارک پوری (ایڈیٹر محدث)

ناشر: ادارہ احیاء الاسلام موضع رہپواہ، پوسٹ پنگوان (ہریانہ) ضلع گوڑگانوہ (ہریانہ)

یہ مضمون اصلاً مولانا کی مشہور تالیف انکار حدیث حق یا باطل کے ضمن میں شائع ہوا تھا اور اس کے ذریعہ مدھوپور (بہار) کے ایک منکر حدیث کی تردید کی گئی تھی بعد میں جب منکرین حدیث اور ان کے ہمنواؤں نے ہندوستان کے مختلف اطراف میں عذاب قبر کے انکار کی بات مسلم عوام میں پھیلانے کی کوشش کی تو مولانا دنیلار خاں نے مولف کی اجازت سے یہ بحث علیحدہ مستقل کتابچہ کی شکل میں شائع کردی اور اشاعت سے پہلے مولف سے نظر ثانی کرالی، جس سے یہ بحث مزید منقح ہوگئی۔ مولانا نے قرآن مجید کے پانچ مقامات سے عذاب قبر کا ثبوت فراہم کیا ہے اور اس کا برحق ہونا اتنی قوت سے ثابت کیا ہے کہ منکرین حدیث کے لیے بھی عذاب قبر

کے انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ کتابچہ ہر اس مقام پر پہنچنا چاہیے جہاں اس طرح کے منکرین موجود ہوں

مسئلہ رفع یدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ :

تالیف : مولانا ارشاد الحق صاحب اثری فیصل آباد قیمت ۴/ روپے

پتہ : دار الدعوۃ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور پاکستان

رفع الیدین کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن کے متعلق خود علمائے احناف کو اس بات کا شدید احساس رہا ہے کہ ان کا موقف صحیح نہیں۔ اس لیے ایمان خالص اور جذبہ اتباع سنت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ جو کچھ سنت سے ثابت ہے اسے بے چون وچرا مان لیتے۔ مگر یہ عجیب ستم ظریفی رہی ہے کہ انھوں نے اس کے برعکس اپنے موقف کی صحت ثابت کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر ڈالی اور اس راہ میں تحریف، دھاندلی، ہیرا پھیری اور جبر وتشدد سے بھی نہ چوکے۔ پیش نظر رسالہ اسی طرح کی ایک تازہ ترین کوشش کے جائزہ پر مبنی ہے۔ مولانا ارشاد الحق نے محدثانہ طرز پر نہایت زور اور قوت کے ساتھ اپنے مخالف کی غلطیوں، غلط بیانیوں، تحریفات اور مغالطات کا پردہ چاک کیا ہے۔ اصل جائزہ سے پہلے تمہید میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ احناف اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے مغالطات اور فریب دہی کے علاوہ حدیثیں بھی وضع کرتے رہے ہیں اور دور حاضر میں ایک صاحب نے رفع یدین کی تردید سے قرآن کی ایک آیت بھی گڑھ ڈالی ہے چنانچہ "ابو حنیفہ اکیڈمی" سے شائع شدہ ایک کتاب "تحقیق رفع یدین" کے ص۶ پر لکھا گیا ہے۔

"نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : یا یھا الذین اٰمنوا قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ۔ اے ایمان والو! اپنے ہاتھوں کو روک رکھو جب تم نماز پڑھو۔"

واقعی اس جرأت پر حیرت ہے کہ اگر کوئی شخص سچ مچ مسلمان ہے تو خدا اور رسول کی بات پر عمل کرنے اور اسے حرز جان بنانے کے بجائے ایک ثابت شدہ سنت کو مٹانے کے لیے اتنی گھناؤنی حرکت پر کیسے اتر آتا ہے کہ ایک آیت گھڑ لیتا ہے اور پھر اس کا معنی ومطلب بھی غلط لکھتا ہے۔

مولانا نے حاشیہ ص۶ پر مولانا انور شاہ کشمیری کا یہ فیصلہ کن اعتراف نقل کیا ہے ان الرفع متواتر اسنادا وعملا لا شک فیہ ولم ینسخ ولا حرف منہ (نیل الفرقدین ص ۲۲) یعنی بلا شبہ رفع الیدین متواتر اسناد اور متواتر عمل سے ثابت ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اس میں ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہے۔ رسالہ قابل دید ہے۔
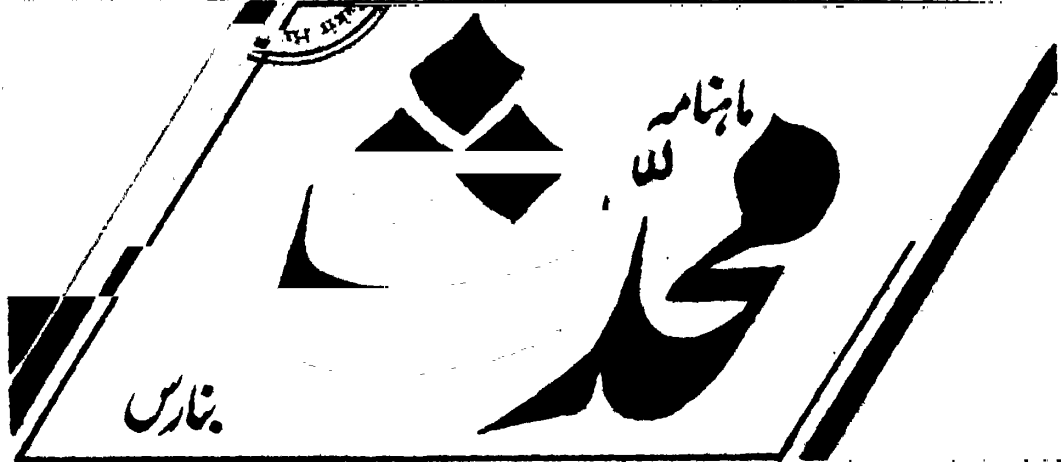
شمارہ: ۲ • فروری ۱۹۸۵ء • جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ • جلد: ۴

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے

ششماہی: ۱۳ روپے

فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

تزئین وکتابت: انور جمال

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB_ VARANASI-221010

ٹیلی گرام: "دارالعلوم" وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

نسیم
پورہ ۔ بنارس

سنا رہا ہوں زمانے کو ایک سچی بات
ہے آب گنگ مقدس، نہ آب نیل و فرات

جہاں میں خالق ہستی کو جس نے پہچانا
ہے اس کے واسطے دنیا کی ساری مخلوقات

جواب رب کو نہ جانے تو کیا کہیں اس کو
اگر ہے شکل میں انساں مگر وہ ہے بدذات

خدا کو چھوڑ کے سجدہ کرے جو غیروں کو
ہزار بار سناتے ہیں ہم اسے ہیہات

اسی کی ذات ہے مضمر ورائے صد جلوہ
تقاضا دید کا موسیٰ کرنے کے کھائی مات

جو دیکھنا ہو خدا کو نگاہِ حق بیں سے
تلاش کر لو کہ بکھری ہیں ہر طرف آیات

حیات آتی ہے سوکھی ہوئی زمینوں میں
خدا کے حکم سے ہوتی ہے جب کبھی برسات

یہ رنگ برنگ کے میوے یہ تہ بہ تہ خوشے
یہ سبزہ زار یہ کھیتی، یہ خوبرو باغات

کیا ہے مالی نے سیراب ایک پانی سے
کرشمہ ہے یہ خدا کا، بزرگ و اعلیٰ صفات

اسی کے حکم سے گردش ہے چاند سورج کی
ہمارے واسطے حق نے بنائے ہیں دن رات

ہے زندگی کی بقا کا اسی پہ دار و مدار
یہ میٹھے پانی کے چشمے ہیں جو ہے آب حیات

ہے جانور میں بھی عبرت ہزار پوشیدہ
لذیذ دودھ کو پیتے ہیں ہم سبھی دن رات

پہاڑ اور یہ انساں سیاہ سرخ و سفید
ہزار قسم کی بولی ہیں مختلف کلمات

سمندروں میں جو پھرتے ہوئے سفینے ہیں
رواں دواں سوئے منزل ہیں بے خطر دن رات

کہیں یہ ڈوب کے تہ سے نکالتے ہیں صدف
بناتی ہے اسے زیور جہاں کی عورت ذات

وسیع تر ہے سمندر میں مچھلیوں کا ہجوم
ہے جس کا تازہ و تر گوشت خوب پُر لذات

ہے دو دلوں میں محبت خدا کی قدرت سے
کسی کا شہر میں گھر ہے کسی کا گھر ہے دیہات

خدا کے واسطے کھولو نظر بصیرت کی
قسم خدا کی نہیں ہیں خدا یہ لات و منات

کرے جو کفر خدا کا وہ ہے شقی بدبخت
یقین ہے جس کا خدا میں اسی کی ہوگی نجات

خدا کی ذات مقدس ہے سب سے بالا ہے
ہے آب گنگ مقدس نہ آب نیل و فرات

خدا ہے ایک سنا دو نسیمؔ دنیا کو
صدائے حق تری پہنچے جہاں میں چار جہات

نقشِ راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں

(یہ کتابچہ جعلی ہے!)

برصغیر ہندوستان و پاکستان کے بریلوی علماء، سیدھے سادے مسلم عوام کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کے لیے جیسی جیسی حرکات کرتے رہتے ہیں ان کی حقیقت اب بہت کچھ واضح ہو چکی ہے۔ نجد میں جب شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رح کی تحریک تجدید و احیائے دین کامیابی سے ہمکنار ہوئی، منکرات و بدعات کا ازالہ ہوا اور ادھر ہندوستان میں شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء اور جانشینوں نے شرک و بدعت پر کاری ضرب لگائی تو ان علمائے بدعت نے ان ہر دو تحریکوں کو بدنام کرنے کے لیے جہاں اور بہت سی الٹی سیدھی چالیں چلیں وہیں ایک کام یہ بھی کیا کہ عربی زبان میں ایک فرضی اور جعلی کتاب التوحید لکھی، جس میں نہایت غلط اور ضلالت و گمراہی اور شانِ رسالت میں گستاخی سے بھری ہوئی باتیں لکھی گئیں۔ پھر اس کو اردو ترجمہ سمیت شائع کر کے شور مچایا گیا کہ دیکھو یہ ہے محمد بن عبد الوہاب کی کتاب التوحید اور یہ ہے اس کی گمراہیاں اور گستاخیاں۔

واضح رہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی تالیفات میں کتاب التوحید کو وہی شہرت و اہمیت حاصل ہے جو ہندوستان میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تقویۃ الایمان کو حاصل ہے، اس لیے اہلِ بدعت کے اس پروپیگنڈے کی کاٹ کے لیے اصل کتاب التوحید حاصل کی گئی۔ اور اس کا ترجمہ حضرت میاں صاحب مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبد الحلیم شرر نے سلیس اردو زبان میں کیا۔ پھر اصل عربی کتاب التوحید اور اس کا ترجمہ دونوں کو بڑے پیمانے پر شائع کیا گیا۔

آجکل بریلوی علماء نے پھر اسی طرح کی ایک چال چلی ہے۔ جس کو ہم اس تحریر کے ذریعہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ احمد رضا خاں صاحب نے قرآن مجید کا ایک ترجمہ کیا ہے، جس کا نام ہے کنز الایمان۔ اس ترجمے پر مولوی محمد نعیم مرادآبادی نے تفسیری حاشیہ لگایا ہے۔ جس کا نام ہے "خزائن العرفان"۔ ترجمہ اور حاشیہ دونوں میں طرح طرح کی تلبیس اور گڑبڑی کرکے بہت سی بدعتوں، بلکہ مشرکانہ عقیدوں کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی تفصیلات جب عرب ممالک کے چوٹی کے علماء کے علم میں آئیں تو ان کے مشورے سے سعودی عرب اور متعدد خلیجی ممالک نے اپنے اپنے ملکوں میں اس رضاخانی ترجمے اور حواشی کا داخلہ ممنوع قرار دیدیا۔ اس پر بریلوی طبقے نے اپنی بڑی ذلت و رسوائی محسوس کی اور جگہ جگہ شور و ہنگامہ مچایا۔ بعض چالاک بریلوی علماء نے اس ترجمے اور تفسیر کے ناقص اور ادھورے اقتباسات پیش کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ مگر اہلحدیث علماء نے اصل حقیقت واضح کرکے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کیا۔

اب اسی سلسلے میں بریلوی حضرات نے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کا نام ہے "کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں"۔ اس کتابچہ کے لکھنے والے کا نام یوں ظاہر کیا گیا ہے۔ "بقلم الاستاذ سعید بن عزیز یوسف زئی" امیر جمعیت برادران اہلحدیث پاکستان"۔ یہ کتابچہ ہمارے پاس بہار کے دیوبندی مکتبِ فکر کے چند بھائیوں نے اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اس کے مندرجات کے سلسلے میں اپنی سخت تشویش اور دلی صدمے کا اظہار کیا کہ ایک اہلحدیث عالم کے قلم سے اس طرح کی باتیں کیسے لکھی گئیں۔ ہم نے کتابچہ پڑھتے ہی یقین کر لیا کہ یہ جعلی ہے۔ پھر کتابچہ کے اندر موجود مختلف قرائن کی روشنی میں انھیں لکھ بھیجا کہ یہ کتابچہ جعلی معلوم ہوتا ہے۔ نیز فوراً ہی ادارہ الاعتصام لاہور کو خط لکھا کہ پوری چھان بین کرکے اس کی حقیقت واضح فرمائیں کیونکہ یہ ادارہ پاکستان کے علمائے اہلحدیث اور ان کی تحریکی سرگرمیوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس ادارے نے ہم کو جو جواب دیا وہ یہ ہے:

"آپ نے جس کتابچے (یعنی کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں) کی بابت استفسار فرمایا ہے وہ سراسر جعلی ہے۔ سعید بن عزیز نام کا کوئی شخص یہاں جماعت اہلحدیث میں معروف نہیں ہے اور نہ جمعیت "برادران اہلحدیث" نامی اہلحدیث کی کوئی تنظیم ہے۔ کوئی اہلحدیث کنز الایمان کی تعریف نہیں کر سکتا، جس میں ترجمۂ قرآن کے نام پر بیہودیانہ دجل و تحریف کا ارتکاب کیا گیا ہے۔"

"(مکتوب: حافظ صلاح الدین یوسف، مورخہ ۲۹/۱۰/۸۴ء)"

اس تضاد سے جہاں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کتابچہ جعلی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احمد رضا خان کے ترجمے کی حیثیت "غیر مقلدین" کی نظر میں کیا ہے۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے بتایا کہ اس کتابچے کے جعلی ہونے کی علامتیں اور شہادتیں خود اس کتابچہ کے اندر بھی موجود ہیں، بطور مثال:

(۱) یہ کتابچہ ۱۶ صفحات کا ہے، جس میں سے ٹائٹل اور چھاپنے والوں کے اپنے اشتہاری تعارف کو الگ کر دیجئے تو اصل مضمون جو موٹے حروف میں لکھا ہے صرف ۱۱ صفحات پر چھپا ہے۔ اس میں سے شروع کے چار صفحات دیوبندی طبقے کو برا بھلا کہنے اور اہلحدیث اور بریلوی میں قربت ثابت کرنے پر صرف کیے گئے ہیں۔ اور باقی ساڑھے ۶ صفحات میں کنزالایمان کی تعریف کی گئی ہے۔ کیفیت یہ ہے کہ مصنف جسے اہلحدیث بتایا گیا ہے، اس کی زبان سے دیوبندی طبقہ کے متعلق ص ۲ پر کہلوایا گیا ہے کہ "ان سے بڑا مشرک اور بدعتی روئے زمین پر کوئی نہیں۔" "ہمارے اور ان کے عقائد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" —— جبکہ بریلوی حضرات کو ہر جگہ "اہلسنت" لکھا گیا ہے۔
پھر ص ۴ پر اہلحدیث اور بریلوی کا موقف ایک ثابت کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ "اہل حدیث اور اہلسنت کے عقیدے میں بظاہر بڑا فرق نظر آتا ہے" مگر —— "ہمیں اہلحدیث اور اہلسنت کے ہاں ایک مقام پر خصوصاً قدر مشترک ملتی ہے۔" "اور وہ مقام ہے جناب محمد مصطفےٰ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ یہاں اطاعت و تابعداری کرنے کے لیے ان کے سوا کسی اور کی اطاعت دلوں کو نہیں بھاتی ہے اور وہاں عشق و محبت کے سلسلے میں جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نگاہوں میں کوئی اور نہیں سماتا ہے اور یہی ایک بات ایسی ہے کہ باوجود اختلافات کثیرہ کے حضرات اہلسنت سے محبت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

اس کے فوراً بعد دیوبندی طبقے پر حملہ کرتے ہوئے ص ۵ پر احمد رضا خان کے ان فتووں سے اتفاق اور ان کی درستگی کا اعلان کیا گیا ہے جس میں احمد رضا خان نے اپنے مخالفین کو کافر کہا ہے۔ اسی طرح ص ۳ پر رضا خانی ترجمے پر پابندی لگانے کے مطالبہ کو بیہودہ اور جاہلانہ مطالبہ کہتے ہوئے مطالبہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔
جبکہ ص ۷ پر ایک ترجمہ کے سلسلے میں احمد رضا خان کے علاوہ باقی تمام مترجمین کو کافر قرار دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

بتلائیے! ایسی تحریریں کسی اہلحدیث عالم کی ہو سکتی ہیں جو کنزالایمان پر تبصرہ کرنے بیٹھا ہو یا کسی ایسے مفسد بریلوی کی ہو سکتی ہیں جو دیوبندی حضرات سے ادھار کھائے بیٹھا ہو اور اہلحدیث اور دیوبندی طبقوں کو باہم لڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اگر خدانخواستہ کوئی اہلحدیث، اتنا متشدد ہو کہ وہ دیوبندی حضرات کو بدعتی یا مشرک سمجھتا ہو تو وہ

بریلوی حضرات کو کیسے بخش دے گا۔ جبکہ بعض ڈھیلے ڈھالے دیوبندی اپنے بزرگوں کی قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں عام بریلوی اس سے کئی گز آگے ہیں۔ پھر بریلویوں کے بجائے وہ دیوبندیوں کو روئے زمین کا سب سے بڑا مشرک کیسے کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں بدعت کی سخت مذمت اور، اہل بدعت پر لعنت وپھٹکار کی گئی ہے اور ان کی تعظیم وتوقیر کو اسلام پر کلہاڑی چلانے کے ہم معنی بتایا گیا ہے اور انہیں پناہ دینے پر لعنت کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو رضاخانی حضرات سر سے پیر تک بدعت میں غرق ہیں ان کا جھوٹا یا سچا عقیدت نبوی کا دعویٰ کسی اہلحدیث عالم کو اتنا متاثر کردے کہ وہ ان کی ساری بدعتوں سے آنکھ بند کرکے ان سے محبت کرنے پر مجبور ہوجائے۔ یہ تو محض کسی بریلوی کی فریب کاری ہوسکتی ہے۔

(۳) احمد رضا خان کا ترجمہ اور مولوی نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر دونوں مل کر ایک مجموعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور عرب ممالک میں اس پورے مجموعے پر پابندی لگی ہے، اس لیے تعریف یا تنقید کے لیے بھی مجموعہ سامنے رکھنا ہوگا یہ بات ذہن میں رکھ کر سنیے۔ کتابچہ کے ص ۵ پر لکھا ہے کہ "الم سے لے کر والناس تک ہم نے کنزالایمان میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کو پایا ہے، نہ ہی کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے۔"

حالانکہ اس ترجمۂ قرآن کے بالکل ابتدائی صفحہ پر سورۂ فاتحہ ہی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ..... یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے۔" اور الم کے پہلے ہی صفحہ پر وممارزقنٰھم ینفقون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "گیارہویں، فاتحہ، تیجہ، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں کہ وہ سب کچھ صدقاتِ نافلہ ہیں۔" یعنی اس ترجمے اور تفسیر کے پہلے ہی صفحہ سے شرک وبدعت کی تعلیم شروع ہوگئی ہے۔ پھر یہ سلسلہ ترجمے اور تفسیر کے اخیر تک چلا گیا ہے۔ پیغمبروں کی بشریت، علم غیب وغیرہ کی آیات کے ترجمے اور تفاسیر میں کیا کیا گل کھلائے گئے ہیں، ان کی تفصیل میں بہت طول ہے، اس لیے ہم آپ کو اخیر میں دی ہوئی فہرست کے چند عنوانات کی سیر کرا دیتے ہیں جس سے اندر کا حال معلوم ہو جائے گا۔ فہرست کے چند عنوانات یہ ہیں:

حضور انور نور ہیں (قرآن کے پانچ مقامات کے حوالے) حضور انور حاضر وناظر ہیں (دس مقامات کے حوالے) حضور انور کو علم غیب دیا گیا ہے۔ (۹ حوالے)۔ بزرگوں کے تبرکات دافع بلا ہیں (پانچ حوالے) مردے سنتے ہیں (تین حوالے) محبوبین بعد وفات مدد کرتے ہیں (چار حوالے) محبوبانِ خدا دور سے سنتے،

دیکھتے اور مدد کرتے ہیں (نو حوالے) اولیاء اللہ مشکل کشا اور صاحب عطا ہیں (نو حوالے) بزرگوں کے قرب میں دعا مقبول ہوتی ہے (تین حوالے)۔ تقلید ائمہ ضروری ہے۔ (۸ حوالے) مُردوں کو پکارنا (تین حوالے) حضور انور مومنوں کے گھروں میں جلوہ گر ہیں (ایک حوالہ)۔ یغوث یعوق وغیرہ گمراہ بت گر تھے نہ کہ اولیاء۔ (۲ حوالے۔ یہ دعویٰ حدیث کے صریح خلاف ہے۔)۔ رب کے بتائے بغیر کسی کو علم غیب نہیں۔ (پانچ مقامات پر آیات غیب کی تحریفانہ تاویل)۔ ذکر میلاد شریف سنت الٰہیہ ہے۔ (۹ حوالے) انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے۔ (پانچ حوالے) وسیلہ اولیاء کرام ضروری ہے (بارہ حوالے)۔

غور فرمایئے کہ جس ترجمہ و تفسیر کے اندر قرآن کی آیتوں کو اس کثرت سے توڑ مروڑ کر اس قسم کی خرافات، بدعقیدگی بدعات اور گمراہیوں کو عین شریعت ثابت کیا گیا ہو اس کے متعلق بھلا کوئی اہلحدیث عالم یہ کہہ سکتا ہے کہ «اس میں نہ کوئی تحریف ہے نہ کسی قسم کی غلط بیانی ہے۔ اور نہ کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز ہے» جبکہ مذکورہ بالا باتیں اہلحدیث کے نزدیک بلا ادنیٰ تردد کے شرک و بدعت و گمراہی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کتابچہ کسی اہلحدیث کا نہیں بلکہ خود بریلوی حضرات کا لکھا ہے۔

(۳) یہاں پر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ترجمہ بہرحال ترجمہ ہوتا ہے، اس میں لمبی چوڑی بحث کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کی تحریف اتنی مختصر اور اشاراتی ہوتی ہے کہ عام آدمی اسے نہیں سمجھ سکتا، جبکہ تفسیر میں وہی بات تفصیلاً کہی جاتی ہے اور ہر آدمی کھلے طور پر اس تحریف کو پکڑ اور سمجھ لیتا ہے۔ غالباً اسی لیے مصنف نے ہر جگہ صرف ترجمہ کا نام لیا ہے، تفسیر کا نام گول کر دیا ہے، تاکہ آسانی سے شرک و بدعت اور تحریف ثابت نہ کی جا سکے۔ حالانکہ ص ۱۰، ۱۱ پر ایک لمبی چوڑی تعریف ترجمہ نہیں بلکہ تفسیر کی بنیاد پر ہوئی ہے اور ان صفحوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو یہ بھی پتہ نہیں یہ تفسیر احمد رضا خاں کی نہیں ہے۔ بہرحال یا بندی ترجمہ و تفسیر دونوں کے مجموعے پر ہے اور یہ مجموعہ شرک و بدعت اور تحریف سے اس طرح بھرا پڑا ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ فرمایئے کہ اگر اس کتابچہ کا مصنف کوئی اہلحدیث ہوتا تو اسے احمد رضا خان کا وکیل صفائی بن کر اس طرح کی ہیرا پھیری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ وہ تو کھرا کھوٹا سامنے رکھ دیتا۔

(۴) احمد رضا خاں نے واستغفر لذنبک کے ترجمہ میں تحریف کی ہے۔ مگر اس کتابچے کے ص ۶ و ۷ پر صرف یہی نہیں کہ اس کی خوب بڑھ چڑھ کر تائید کی گئی ہے بلکہ جن لوگوں نے صحیح ترجمے کیے ہیں انہیں گستاخ رسول بتلاتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ ان کو کافر قرار دیا جائے اور احمد رضا خاں کی اس تکفیر کی بھی تائید کی جائے" جو کہ انھوں نے ایسی ہی

دل برداشتہ اور کافرانہ وگستاخانہ کلمات کے اخراج وصدور پر کی تھی۔

فرمائیے! یہ مطالبہ کسی اہلحدیث کا ہو سکتا ہے جو غیر جانبداری کے ساتھ احمد رضا خان کے ترجمہ کا جائزہ لے رہا ہے، یا خان صاحب کے کسی ایسے گہرے معتقد کا جو ان کی حمایت کے جوش میں دوسروں کو کافر قرار دینے کے لیے بے قرار ہو؟۔

(۵) کتابچے میں احمد رضا خان کے ترجمہ کو دوسروں سے عمدہ اور صحیح ثابت کرنے کے لیے چند مقامات کے نمونے بھی دیے گئے ہیں، یہ وہی مقامات ہیں جنھیں بریلوی علماء ہمیشہ پیش کرتے رہتے ہیں اور جا و بیجا فاختہ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر ایک غیر جانبدار اہلحدیث محقق ان چبائے ہوئے نوالوں کو چبانے کی کوشش کیوں کرے گا۔؟

(۶) اس ضمن میں اس کتابچے کے اندر خان صاحب کی تائید کے لیے ایک واقعے میں تحریف بھی کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تاریخ کا یہ ایک مسلّمہ واقعہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے دوسروں کا مال نفع میں شراکت کی بنیاد پر تجارت کے لیے لے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ حضرت خدیجہ کا بھی مال لے گئے۔ اور پھر انھوں نے آپ کی دیانتداری سے متاثر ہو کر آپ سے شادی کر لی۔ دوسروں کا مال تجارت کے لیے لے جانا ہی اس بات کی علامت ہے کہ آپ مالدار نہ تھے مگر ووجدك عائلاً فاغنی میں مفسرین کی بتائی ہوئی دو تفسیروں میں سے ایک تفسیر پر مولوی نعیم الدین نے جو اکتفا کی ہے، اس کی تعریف میں دوسری تفسیر کو غلط ثابت کرنے کے لیے اس کتابچہ میں لکھا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ پہلے آپ مفلس تھے، حضرت خدیجہ آپ کے نکاح میں آئیں تو اللہ نے آپ کو غنی کر دیا۔ یہ جھوٹ بکواس، حضور پر دروغ و افترا اور آپ کی توہین ہے۔ دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر آپ مفلس ہوتے تو تجارت کیسے کرتے، ہمیں آج اس دور میں کوئی بھی تاجر مفلس نظر نہیں آتا۔ اور اگر آپ اپنی بیوی کا مال اپنے اوپر خرچ کرتے تو مشرکین مکہ آسمان سر پر اٹھا لیتے اور آپ کو بدنام کرتے۔" حالانکہ خود اسی تفسیر میں اسی صفحہ میں چند سطر پہلے آپ کے مفلس ہونے کا دردناک نقشہ کھینچا گیا ہے۔

غور کیجیے کیسا فریب دیا جا رہا ہے اور کس طرح آنکھ میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ آخر کس مفسر نے یہ کہا ہے کہ آپ اپنی بیوی کا مال کھاتے تھے؟۔ مفسرین نے تو یہ کہا ہے کہ آپ نفع میں شرکت کی بنیاد پر حضرت خدیجہ اور دوسروں کا مال تجارت کے لیے لے جاتے تھے اور اس نفع کی وجہ سے آپ غنی ہو گئے۔ یہ نفع پہلے بھی اور آج بھی غیر مسلموں کے نزدیک بھی اور اسلام میں بھی حلال، طیب اور پاکیزہ رہا ہے اور ہے۔ اس کے کھانے پر کوئی آپ کو کیوں

(باقی ص ۲۱ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوفی نذیر احمد کاشمیری ،

ایک خط بنام مجاہد خمینی ، سربراہِ مملکتِ ایران

محترم بھائی خمینی صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

راقم پرانے انداز کا ایک مبلغ صوفی ہے اور جس دن سے آپ نے ایران میں قدم رکھا ہے ۔ اس دن سے کمالِ صدق سے آپ کے لیے حسب ذیل دعا جاری کی تھی اور اپنے احباب کو جس میں بعض بڑے نام بھی ہیں ۔ اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کے حق میں اور آپ کے دشمنوں کے خلاف قنوت نازلہ پڑھنا شروع کریں

میری دعا : " اے اللہ پاک ! تو مجاہد خمینی اور ان کے سب احباب کی ہر پہلو سے حفاظت و تائید کر ۔ تو ان کی ساری ظاہری و باطنی تاریکیوں کو یکسر دور کر دے ۔ ان کے قلوب و صدور کو نورِ ایمانی سے معمور کر دے ۔ قدم قدم پر ان کی رہنمائی کر اور قدم قدم پر ان کی حفاظت کر ۔ "

اور چونکہ آپ نے ساری شیعی روایت کو نظر انداز کر کے امتِ اسلامیہ کے عالمگیر اتحاد کے لیے کم از کم زبانی زبانی کوشش بھی شروع کر رکھی ہے تو یہ بات میرے جیسے لوگوں کے لیے اور بھی امید افزا ہے ۔ اس سلسلے میں راقم آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آپ سر آغا خان مرحوم اور ہندوستان کے جسٹس امیر علی مرحوم کی تحریرات پر اپنی تنظیم کی بنیاد رکھیں اور علامہ جمال الدین افغانی کو گزشتہ صدی کا اپنا پیشرو سمجھیں ۔

علامہ مرحوم گزشتہ صدی کا وہ مجاہد کبیر ہے ، جس نے امتِ اسلامیہ کے ٹوٹتے ہوئے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ساری عمر صرف کر دی ۔ اس مقصد سے اسے کوئی مصیبت روک نہ سکی اور یہ بھی مشہور ہے کہ وہ در پردہ شیعوں کے اسی اعتدال پسند گروہ سے تعلق رکھتا تھا ، جنھیں تفضیلی شیعہ کہا جاتا ہے ۔ میرے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ مرحوم نے شیعہ فرقے سے اسلام کے خلاف ایرانی تعصبات اور یہودی سازشوں کے اثرات کو مٹا کر پھر سے عالمگیر اتحادِ امت کا راستہ ڈھونڈنا شروع

؂ یہ صوفی صاحب کا اپنا حسن ظن ہے ورنہ خمینی صاحب کے جہاد کی حقیقت ہم بارہا بتا چکے ہیں ۔

کر دیا ہے۔

ایک تکلیف دہ خبر: ابھی اسی سال کے حج سے فارغ ہو کر جو لوگ آئے ہیں ان میں سے بعض ثقہ علماء نے مجھے بتایا ہے کہ اس سال ایران کے شیعہ حجاج نے حج کے موسم پر ایک عظیم فساد برپا کرنے کی کوشش کی مگر سعودی حکومت کے حسنِ تدبر اور عزم پختہ نے اسے روک دیا۔

ایک عظیم الحاد: جس مقدس مقام پر صدیوں سے حج کے موقع پر صرف یہ مقدس نعرے بلند ہوئے ہوں، "اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃً واصیلاً"۔ اس مقدس مقام پر امام خمینی زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگانا سوائے الحاد فی الدین کے اور کیا ہے۔ یہ صرف الحاد نہیں بلکہ تاریخ کا الحادِ عظیم ہے۔

لہٰذا اگر اتحادِ امت و دین کی آپ کی کوشش صرف ریاکاری اور تقیہ نہیں ہے تو پھر اس فساد سے اپنے سب احباب کو لے کر ایک عالمگیر توبۃً نصوحا فرمائیے۔

سارے تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے شیعہ ازم نے صحابہ کبار کے متعلق جو رائے قائم کی ہے اسے آپ خالص تاریخی حقائق کی روشنی میں یکسر بدل دیں۔

تاریخی حقائق: رسول پاکؐ نے جس وقت عرب کی بت پرست قوم کے مرکز میں توحید کی آواز بلند کی تو اس وقت اس پر لبیک کہنا سارے عرب کے غضب و انتقام کو دعوت دینے کے مساوی تھا۔ اس لیے کہ اس دعوت پر لبیک کہنے کے ساتھ ہی ایک شخص اپنے اس موقف و عزت و ناموس سے محروم ہو جاتا تھا جو اسے اس وقت حاصل تھا۔ اس کے علاوہ سب خاندان اور کنبے کے تعلقات سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ راقم اس سلسلے میں صرف حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے کیس کو تاریخ کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ: مسلمان ہونے سے پہلے آپ کو قریش میں جو پوزیشن حاصل تھی اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور آپ کی اخلاقی دیانت سے بھی توقع ہے کہ آپ روزِ محشر کے منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اصل حق کا اقرار کر کے عالمگیر اتحادِ امت و دین کی بند شاہراہ کو صاف کھول دیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ مکے کے چند وجیہ و معزز و دیانتدار لوگوں میں شامل تھے اور یہ بات ان کی سعادتِ ابدی کی نشانی ہے کہ جب انھیں پتہ چلا کہ محمدؐ نے خدا کا رسول ہونے کا اعلان کیا ہے تو وہ اس کی تصدیق کرنے کے لیے رسول اللہ سے ملے۔ وہ رسول اللہ کے بچپن کے دوست بھی تھے۔ جب ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ

آپ نے سچ مچ یہ دعویٰ کیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے اعلان کیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا ہو نہیں سکتا اور پھر ہر قسم کے عواقب و نتائج سے بے خوف ہو کر ایمان لے آئے ـــ یہ ہے وہ غیر مشروط تصدیق، جس نے تاریخ میں آپ کو صدیقِ اکبر کا نام دیا۔ والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ....

یہ تصدیق کرنے کے بعد آپ کی وہ عزت و توقیر عرب شرفاء میں سے یکسر جاتی رہی جو انھیں حاصل تھی اور اس کے بجائے وہ اسی حساب سے شرفاء مکہ بلکہ سب ہی کی نگاہ سے گر گئے۔ مگر صدیق اکبر اپنے اعلان پر مستقیم رہے۔ ذرا بھی ان کے پاؤں میں تزلزل نہ آیا اور امتِ محمدیہ میں آیاتِ ذیل کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مصداق قرار پائے:۔

ان الّذین قالوا ربنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ (جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی خوشخبری لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔)

حضرت عمرؓ: آپ اسلام لانے سے پہلے ایک بارعب و سخت گیر شخصیت کے مالک تھے وہ سارے مکے میں اسی حیثیت سے متعارف تھے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت رسول پاک ان کے ایمان لانے کے لیے اللہ پاک سے دعا فرمایا کرتے تھے، لیکن وہ ایمان لائے تو ان کی یہ وجاہت عوام کی نگاہوں میں ختم ہو گئی اور وہ ذلت کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

حضرت عثمانؓ: آپ اپنے وقت کے بہت بڑے تاجر تھے۔ چونکہ نہایت حلیم الطبع انسان تھے، لہذا خاندانی وجاہت اور شخصی وجاہت کے علاوہ آپ کی یہ حیثیت بھی ان کی مقبولیت کا باعث تھی لیکن جب آپ اسلام لائے تو یہ سب اعزاز و امتیاز جاتا رہا اور اس کے بجائے ہمہ جہتی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ان بندگانِ خدا میں سے ہیں جنھیں دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے عقدِ نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی دو صاحبزادیاں آئیں اور جب وہ فوت ہو گئیں تو رسولِ خدا نے یہ تمنا ظاہر کی کہ اگر آپ کی تیسری صاحبزادی بھی ہوتی تو آپ اس کا بھی عقد حضرت عثمان سے کر دیتے۔

حضرت علیؓ: یہ ایک تاریخی حق ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کے مندرجہ صدر تاریخی ریکارڈ کے مقابل حضرت علی کا ریکارڈ بالکل وہی مقام رکھتا ہے جو سلسلۂ خلافت میں انھیں حاصل ہے اور وہ چوتھا درجہ ہے۔ قدرے تفصیل:

جب رسول اللہ عبدالمطلب کے فوت ہونے کے بعد ابوطالب کی تولیت میں آئے تو ابوطالب کی مالی حالت اس درجہ پتلی تھی کہ رسول اللہ کو تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی گزر بسر کرنے کے لیے گھر والوں کی بھیڑیں چرانی پڑیں۔ اس کے کافی عرصہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی طور پر مستحکم کر دیا تو ابوطالب نے حضرت علیؓ کو رسولِ پاکؐ کی کفالت میں دیدیا۔

اس کے بعد جب اللہ پاک نے آپؐ کو رسالت کا منصب عنایت کیا تو حضرت علیؓ بھی ایک عتیق کی طرح ایمان لائے مگر انھیں ان تکالیف و نقصانات کا کوئی سامنا نہیں کرنا پڑا جو اصحابِ ثلاثہ کو کرنا پڑا تھا۔ چونکہ حضرت علیؓ کی کفالت رسولؐ خدا کے ذمہ تھی لہذا انھیں مسلمان ہونے سے کچھ فائدہ ہی ہوا

خلفائے اربعہ کے مراتب کا یہ خلاصہ اس لیے عرض کرنا پڑا کہ شیعہ فرقے نے اسی سارے تاریخی ریکارڈ کو نظر انداز کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل قرار دینا جزوِ ایمان بنا دیا ہے۔

ازواجِ مطہرات : ان کا جو مرتبہ عنداللہ ہے وہ قرآن مجید میں درج ہے، کسی خیانت کار کی خیانت اسے قرآن کے صفحات سے علیحدہ نہیں کر سکی۔ اور وہ مراتب یہ ہیں کہ اللہ پاک نے انھیں تمام امت کی وہ مائیں قرار دیا کہ جن سے کسی مسلمان کے لیے نکاح کرنا حرام قرار پایا۔ ان کے حسنات پر دوہرا اجر مقرر فرمایا۔ اور ان کی غلطی پر دوہری سزا تجویز کی۔ اور دلیل یہ دی کہ اللہ پاک ان کی طہارت و تزکیے کو ساری امتِ محمدیہ کی مستورات کے لیے ایک اسوۂ کاملہ بنا رہا تھا۔ ان تاریخی و قرآنی حقائق کی موجودگی میں آپ لوگوں نے امہات المومنین کے ساتھ ہی قرآن مجید کے ساتھ جو سلوک کیا، ضرورت ہے کہ اسے آپ لوگ اپنے اس لٹریچر میں خود ہی دیکھ لیں جو شیعہ ازم کے نام سے تیار ہوا ہے اور اسے خود ہی مٹا دیں۔

اس کے بعد امتِ اسلامی کی عالمگیری کو دنیا سے ختم کرنے کے لیے شیعہ ازم کی ساری مساعی کو بھی دیکھ لیں۔ عالمگیر سلطنتِ بغداد کو ختم کرنے کے لیے جو کردار ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کا ہے، اسے دیکھ لیں۔ شیعہ فرقے کی ملت کشی کا یہ ریکارڈ تاریخ اسلام کا سب سے بھیانک دھبہ ہے، پھر اسلام نے شرافتِ انسانی کا معیار جس طرح نسل و خون کے بجائے صرف تقویٰ کو قرار دیکر اور ساری دنیا سے نسلی امتیازات کے حیوانی دور کا خاتمہ کر کے اسے اخلاق حسن عمل پر مبنی قرار دیا۔ اس صراطِ مستقیم کو ملیا میٹ کرتے ہوئے آپ لوگوں نے پھر نسلی و خونی شرافت کو اسلام کے نام سے رائج کیا وہ بھی عبرتناک ہے۔

لہذا ایک خیر اندیش بھائی کی طرح آپ سے درخواست ہے کہ تاریخ ملت کے ان سب تاریک دھبوں کو

آپ پڑوں سے دھو کر پھرے ۔ "رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولاً نبیاً"۔ پڑھتے ہوئے ملتِ ابراہیمی کی اسی کامل و جامع تعبیر کا احیاء کریں جو تعبیر اللہ پاک نے حضرت خاتم النبیین کے ذریعہ اس کی کرائی ہے ملتِ محمدیہ ملتِ ابراہیمی کی عالمگیر تجدید کا نام ہے۔

شیعہ ازم جب سے پیدا ہوا ہے اس میں ملتِ ابراہیمی کے ذکر و اعتدال کا نام تک نہیں ہے۔ اس کے مقابل انھوں نے اسلام میں یہود کی نسل پرستی کو رائج کیا ہے یا پھر عیسائیت کی سی اباحیت کو رواج دیا ہے۔

اس دردمندانہ گزارش کے بعد میں پھر اپنی اسی دعا کو دہراتا ہوں جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ " اے اللہ پاک! تو مجاہد خمینی اور ان کے احباب کی ہر پہلو سے تائید کر کہ تو ان کی ساری ظاہری و باطنی تاریکیوں کو دور کر دے، ان کے قلوب و صدور کو نورِ ایمانی سے معمور کر دے۔ قدم قدم پر ان کی رہنمائی و حفاظت کر! آمین "

اصل علاج : ان سب فسادات کا علاج یہ ہے کہ علمائے امت کی ایک عالمگیر اسمبلی بلوا کر اور وحدتِ دین و امت کے واضح نصب العین کے تحت پوری تاریخِ ملت پر نگاہ ڈالی جائے۔ اخوتِ مومنانہ اور شرافتِ اخلاقی سے تصادم کرنے والے سب اثرات کو تاریخِ ملت کے دھارے سے علیحدہ کر دیا جائے اور خاتم الانبیاء کی اس عالمی دعوت کا رخ درست سمت کی طرف پھیرا جائے۔

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون

یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہٗ ملک السموٰت والارض۔

موجودہ دور کے تقاضے : گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد سے جو عالمی فضا پیدا ہوئی ہے، اس نے اضطراری طور پر ان کا نقطۂ نگاہ عالمی کر دیا ہے اور اسی عالمی نقطۂ نگاہ کے تحت گزشتہ بیس پچیس برسوں سے تمام مذاہبِ عالم نے اپنا اپنا تاریخی جائزہ لے کر اپنی صفوں کو عالمی حالات کے مطابق درست کرنے کی کوشش کی ہے۔

بدھ ازم، عیسائیت اور خود برہمن ازم نے عالمی مجلس بلوا کر اپنی تجدید کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور عظیم تغیرات کیے ہیں۔

عیسائیت نے تو ساڑھے چار ہزار پادریوں کی شورائیت سے پندرہ سو برس سے زائد کی اپنی مسیحی پر نظر ڈالی

ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ساری عیسائی دنیا مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو چکی ہے ۔

اس اسمبلی کے بعد پوپ کے بیانات اخبارات میں آچکے ہیں یوں کہ حضرت مسیحؑ کی آمد کی غرض وحدتِ انسانی (یا وحدتِ اہل کتاب) تھا ، اس لیے اس مقصد کے پیش نظر حضرت مسیح کے بجائے حضرت ابراہیمؑ کو اہل کتاب کا مرکزی پیشوا قرار دیا جا سکتا ہے ۔ چونکہ عیسائی چرچ پوپ کے عہدے پر متحد نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے اتحاد کے پیش نظر پوپ کے عہدے کو ختم کیا جا سکتا ہے ۔۔ یہ بیانات عالمی پریس میں آچکے ہیں ۔ اس کے مقابل ہمارے بھائی خمینی بھی تجدید ملت کے نصب العین کو لے کر اٹھے ہیں ، مگر کس شان سے ؟

چند فیصلے :

اوپر اس کا ذکر آچکا ہے ۔ وہ اپنی بے شمار دولت کے ذریعہ لاتعداد سنیوں کو خرید کر اہل سنت کو خمینی صاحب کی امامت پر متحد کرنے میں لگے ہیں ۔

حالانکہ یہ ایک تاریخی اور اٹل حقیقت ہے کہ یہ صرف علمبرداران سنت ہی تھے جنھوں نے خاتم الانبیاء کی عالمگیر دعوت کو جاری رکھا ۔ ورنہ شیعہ گروہ نے تو اسے چنگیزی عالمگیری کا سہارا لے کر سارے عالم سے مٹا دینے کی کوشش کر دی تھی کیا ہمارے بھائی خمینی اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں ۔ ؟

لہٰذا خمینی صاحب امت کشی کے تاریخی گناہ کبیرہ کا کفارہ کرنے کے لیے ایک عالمگیر مجلس بلوا کر اس سارے فن کو تاریخ ملت سے ختم کرنے کا فیصلہ کریں ۔ یہ قطعاً فساد تھا ، فساد ہے اور فساد ہی رہے گا ۔ اور اس کے پس پردہ مذہب دشمن ، اسلام دشمن طاقتیں فساد پر فساد برپا کرتی رہیں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بقیہ ص ۴۰ کا :

علماء اہلحدیث کی خدمت میں پیش کیا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ اس جھگڑے کو ختم کیا جائے ۔ چنانچہ اس کے لیے تین حضرات فیصل مقرر ہوئے (۱) مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری (۲) مولانا شمس الحق صاحب محدث عظیم آبادی (۳) مولانا شاہ محمد عین الحق صاحب پھلواروی رحمہم اللہ ۔ طرفین سے دستخط لے کر ان حضرات نے یہ فیصلہ دیا کہ "ہم حکموں کا اس پر اتفاق ہے کہ "الاربعین" کے کل چالیس اعتراضوں میں سے چودہ اعتراض بلاشبہ صحیح ہیں اور "الکلام المبین" میں ان اعتراضوں سے بچنے کی جس قدر کوشش کی گئی ہے وہ رائگاں ہے ۔ نمبرہائے مذکورہ (یعنی چودہ مقامات) کے سوا بقیہ نمبروں میں محاکمہ نہیں کیا گیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نمبروں میں حق بجانب مولوی ثناء اللہ صاحب کے ہے اور بعض میں اگر جواب ان کا تشفی بخش نہیں ہے تو خلاف میں بھی کوئی دلیل مسکت خصم نہیں ہے اور بغیر اس کے فائدہ مقصود نہیں ہے اور بعض میں بیکار الجھن ہے ۔ "

نظریہ ارتقار کی ایک نئی شکست (۲)

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

ظریہ ارتقار کا تنقیدی جائزہ :

ڈارون کے پیش کردہ نظریہ ارتقار پر متعدد اعتراضات وارد کیے گئے ہیں، جن کا اب تک تشفی بخش جواب نہیں جاسکا ہے۔ موجودہ دور میں حالات و مشاہدات نے اس نظریہ کے خلاف اتنا مواد فراہم کردیا ہے کہ اب یہ نظریہ سودہ سمجھا جانے لگا ہے۔[1]

نظریہ ارتقار کا علمی تجزیہ کرنے والوں نے اس پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

۔ تجربہ سے اس نظریہ کی تائید نہیں ہوتی۔ چنانچہ ڈارون کے نظریہ کے تعارف کے ضمن میں سائنس کی ایک ڈکشنری مصنف لکھتا ہے کہ یہ نظریہ ایسی تفسیر پر قائم ہے جس کی کوئی دلیل نہیں، اس لیے اس نظریہ کو محسوس یا مادی طور پر بت کرنا مشکل ہے۔

۔ انسان اپنے ارتقائی سفر میں بندر سے براہِ راست انسان نہیں بنا۔ بلکہ درمیان میں اس نے کسی اور مخلوق کی کل اختیار کی، لیکن درمیان کی یہ کڑی کہاں ہے؟ اس کا جواب مطلوب ہے۔ اگر بقاء اصلح کا قانون صحیح تھا تو پھر صنف کو معدوم نہ ہونا چاہیے تھا۔ پھر جس طرح انسان سے قبل والی کڑی معدوم ہوگئی، اسی طرح بندروں والی کڑی ں نہ معدوم ہوئی۔

۲۔ جب ارتقائی سفر کے نتیجہ میں انسان کا وجود ہوا ہے، تو پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ ارتقار کا یہ عمل کس قانون کی سے اس وقت موقوف ہوگیا ہے؟ انسان اپنے سے بہتر کسی اور صنف کی طرف کیوں نہیں جاتا؟ فزیالوجی ے ماہرین دقتِ نظر سے انسان کے جسم اور اس کی اندرونی کیفیات کا مطالعہ کر رہے ہیں لیکن اب تک انھوں نے ان کے

[1] لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۰

اندر کسی طرح کی تبدیلی محسوس نہیں کی تو کیا ارتقار کا وہ عمل جو صدیوں سے جاری تھا اب موقوف ہو گیا ہے۔؟

۴۔ نظریۂ ارتقار کے حامیوں کے سامنے جب یہ سوال رکھا جاتا ہے کہ ارتقائی سفر کی ابتدا کہاں سے ہوئی تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ایک تنہا خلیہ آسمان سے اترا تھا اور وہی ارتقائی مدارج طے کر کے مختلف مخلوقات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مخلوقات کے اس عظیم ہجوم کی اولین اصل اگر صرف ایک خلیہ ہی ہے تو پھر مخلوقات کے مابین یہ غیر معمولی اختلاف اور تنوع کہاں سے آیا؟ اور اس خلیہ کو کس نے وجود بخشا اور وہ کس طرح کرہ ارضی تک پہنچ کر یہاں توالد پذیر ہو گیا۔؟ جمادات، نباتات اور حیوانات سب کے سب اگر اسی خلیہ سے وجود میں آئے ہیں تو اس امر کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے کہ ایک ہی جگہ پر اگنے والے دو مختلف درخت ایک ہی زمین سے غذا حاصل کرنے کے بعد رنگ و روپ، پھول اور پھل وغیرہ تمام چیزوں میں مختلف ہوتے ہیں؟ اور اسی طرح انسانوں میں کسی بھی دو شخص کی شکلیں آپس میں نہیں ملتیں، بلکہ ہتھیلی اور انگوٹھے کی باریک لکیروں میں جو نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے اس کا راز معلوم کرنے سے اب تک بڑے بڑے ماہرین قاصر ہیں، اور اس طرح کی نشانیوں کو دیکھ کر انھیں قدرت کاملہ کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ [1]

۵۔ <u>نظریۂ ارتقار اور ماحول</u>: نظریۂ ارتقار کے مطابق انسان ہمہ وجوہ ماحول کے مناسب بننے پر مجبور ہوتا ہے، کیونکہ بقار و ارتقار کی ضمانت انھیں کو حاصل ہوتی ہے جن میں ماحول کے موافق خصوصیات اور صفات کے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔

پھر ماحول سے مراد مادی ماحول ہے کیوں کہ روحانیت نہ انسان کی طلب ہے اور نہ قیام و بقا کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انتخاب فطرت اور بقائے اصلح تنہا مادی طاقت اور فخر و مباہات ہی پر منحصر ہے۔ نیکی و روحانیت، مساوات و بھائی چارگی، شرافت و عدالت وغیرہ اوصاف کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ اس بنا پر طاقت ہی اصلی فضیلت و شرافت کا معیار ہے اور اس معیار کے مطابق صالح وہ ہے جو فتحیاب ہو کر باقی رہے اور غیر صالح وہ ہے جو شکست کھا کر ناکام و نامراد رہے۔

یہ انسانیت کی نئی توجیہ اور صالحیت کی خاص اصطلاح ہے جس میں نہ صرف فضیلت و شرافت کا پیمانہ یکسر بدل گیا ہے۔ بلکہ انسانی اقدار و اخلاق کے پائمال کرنے کا پورا سامان موجود ہے۔

[1] مجلة الامة شماره ۴۸ ص ۴۷

اس نظریہ میں انسان وہ انسان نہیں رہ گیا ہے، جس کی شرافت کو یاد دلایا جاتا تھا اور اس کی حمیت و غیرت کو ابھارا جاتا تھا، بلکہ وہ ایک دوسری نوع میں تبدیل ہوگیا ہے، جس کے اغراض و مقاصد اور مبدأ و منتہا وغیرہ سب مختلف ہیں۔[1]

۶۔ نظریہ ارتقاء اور فطرت: نظریہ ارتقاء کے اثرات صرف حیاتیات تک محدود نہیں، بلکہ اخلاق و کردار اور انسانی نفسیات پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، چنانچہ انسانی فطرت پر اس کے اثرات کی توضیح یہ ہے۔

فطرت قبولِ حق کی اس قوت و استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔ یہ فطرت گویا انسانی زندگی کا اصلی اور مستقل جوہر ہے۔ اس کی موافقت سے انسانیت نشوونما پاتی اور بالیدگی حاصل کرتی ہے اور جس قدر اخلاق و کردار میں اس کی مخالفت ہوتی ہے، اسی قدر انسان انسانیت سے دور اور حیوانیت سے قریب ہوتا ہے۔

لیکن نظریہ ارتقاء میں فطرت کو نہ مستقل حیثیت حاصل ہے اور نہ وہ جوہر کی پوزیشن میں ہے، بلکہ ایک ایسا وصف ہے جو انسان و حیوان میں امتیاز کرنے کے لیے سابقہ حیوانی نفسی کیفیات کی تدریجی ترقی اور تاثیر و تاثر کے عمل کے نتیجہ میں ظاہر ہو گیا ہے۔ جس کی تہ میں لازمی طور سے حیوانی جراثیم سرایت کیے ہوئے ہیں، اور مادی اثرات کی کارفرمائی رہی ہے۔[2]

حیاتِ انسانی میں فطرت کی حیثیت تخم کی ہے جس میں نشوونما اور برگ و باری کی پوری استعداد موجود ہے۔ لیکن نظریہ ارتقاء میں یہ تخم بھی حیوانی و مادی اثرات سے محفوظ نہیں ہے۔ جب انسان فطرت ہی کے مرحلہ سے ان خواص و اثرات میں ملوث ہے تو آگے چل کر کیا توقع ہے کہ اس میں روحانیت کی نمود ہوگی یا وہ انسانی شرافت و فضیلت کو آشکارا کرنے کا اہل قرار پائے گا۔

جس نظام میں روح کی مستقل حیثیت نہ ہو بلکہ وہ مادہ کی کرشمہ سازیوں کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتی ہو اور صرف مادی قوت و طاقت کو معیار بنا کر ارتقاء کی منزلیں طے کرائی جاتی ہوں، اس میں فطرت کی مذکورہ پوزیشن اور اس کی جوہریت کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔[3]

قادرِ تربیت: تربیت میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ انسان کو وراثت کے غلط اثرات سے بچایا جا سکتا ہے۔

---

[1] لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۱ [2] لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۴ [3] ص ۱۲۵

اور ماحول پر قابو پانے کے لیے ہمت پیدا کرائی جاتی ہے۔ نیز مثبت و منفی دونوں قسم کے احکام کے ذریعہ بعض جذبات کو ابھارا اور بعض کو دبایا جاتا ہے تاکہ انسان میں انسانیت کے جوہر نمودار ہوں اور اصلی شرافت و فضیلت کا وہ مستحق بن سکے۔

لیکن تربیت میں جن اثرات سے انسانی زندگی کو پاک و صاف کیا جاتا ہے، نظریۂ ارتقاء میں ان کے مظاہروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ماحول کے جن جرائم سے انسان کو محفوظ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے اس میں وہ بقاء و ارتقاء کے ضامن قرار پاتے ہیں۔

اسی طرح قوتِ ملکیہ کو جلا دے کر جن عقائد و خیالات اور اعمال و اخلاق کی پرورش کی جاتی ہے، انسانیت کی نئی توجیہ میں وہ بے کار ثابت ہوتے ہیں اور انھیں خیالات و اعمال کو فروغ ہوتا ہے جن سے قوت بہیمیہ کی نمو ہوتی ہے۔

غرض انسان کی زندگی جن حدود و خطوط پر ابتک حرکت کرتی رہی ہے اور زندگی کا جو نقشہ اور سانچہ وحی الٰہی نے متعین کیا تھا، نظریۂ ارتقاء کے حدود و نقوش اس سے بالکل مختلف ہیں یہ اختلاف نہ صرف ابتدا میں ہے بلکہ ابتدا و انتہا اور بقاء و ارتقاء سب میں ظاہر ہے۔[1]

۸۔ مقام انسانیت کی پامالی: اس نظریہ میں چونکہ انسان کو خالص مادی اور حیوانی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس بنا پر رصد گاہوں میں جو تجربات چوہوں اور بندروں وغیرہ حیوانات پر کیے جاتے ہیں وہی انسان کے لیے بھی فیصلہ کن قرار پاتے ہیں، چنانچہ انسان کی نفسیات وغیرہ پر جو تحقیقات کی گئی ہیں ان کا بیشتر حصہ انھیں تجربات پر مبنی ہے جو چوہوں اور بندروں وغیرہ حیوانات پر کیے گئے ہیں۔

پہلے عقل و ہوش کی موشگافیوں اور سرمستیوں نے انسان کی ایک دھندلی تصویر تجویز کی، پھر تحقیقات و تنقیحات کے ذریعہ اس کا ثبوت فراہم کیا گیا۔

پہلے ذہن و فکر کا ایک سانچہ متعین ہوا اس کے بعد تائید حاصل کرنے کے لیے مختلف قسم کے تجربات کیے گئے۔[2] اس نظریہ میں کہیں بھی خدا اور روح وغیرہ مذہبی حقائق کا تذکرہ نہیں ملتا اور کائنات کی تاریخ اس انداز پر مبنی قرار پاتی ہے کہ جس میں نہ کسی مافوق ہستی کا تصور رہے اور نہ کسی کی فضیلت و سربراہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔[3]

---

[1] لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ص ۱۲۸ ۔ [2] ایضاً ص ۱۲۶ [3] ایضاً ص ۱۲۹

باطل نظریات سے تقویت: یہاں پر ہم یہ بھی دیکھنا چاہیں گے کہ نام نہاد مذاہب نے ڈارون کے نظریہ کو کس طرح تقویت دی ہے۔

جن مذاہب نے انسان کی تبدیلی عقیدۃً تسلیم کی ہے ان کے یہاں دونوں کی تطبیق میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی ہے۔ محض معمولی رد و بدل سے سمجھوتہ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ نصرانیت میں خدا مسیح (علیہ السلام) میں حلول کیئے ہوئے ہے، اور وہ (نعوذ باللہ) انسان بن گیا ہے یا بدھ مذہب اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے دوسرے مذاہب جن میں تناسخ کی صورت میں انسان کی تبدیلی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ بطور عقیدہ جب یہ بات مسلم ہو کہ انسان دوسری شکل میں تبدیل ہوسکتا ہے، یا خدا انسان میں محدود رہ سکتا ہے تو پھر انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دینے میں نہ کوئی ندرت باقی رہتی ہے اور نہ ماننے والوں کو زیادہ الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ [۱]

نظریہ کا زوال: نظریہ ارتقاء اپنا وقت پورا کرچکا۔ پہلے جس طرح کے دلائل سے اس کی تائید کی گئی تھی اب اسی طرح کے دلائل سے اس کا کھوکھلا پن واضح کیا جارہا ہے۔ پچھلے دنوں امریکہ کے شہر شکاگو میں ڈارون سے متعلق ادارہ نے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی تھی، جس میں دنیا کے چیدہ اہل علم نے زوردار بحثیں کیں، ان بحثوں کے بارے میں محققین کا تاثر یہ ہے کہ فطرت خود ہی ابھر کر سامنے آرہی ہے۔ اور نظریہ ارتقاء کے بطلان کے لیے اب زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں۔

ڈارون کا اعتراف:

ڈارون کے نظریے نے جو سفر طے کیا اور اس سے متعلق جو آثار و تنقیدات سامنے آئیں ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فطری دائرہ کار جو انسان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور کائنات کے سلسلے میں مذہب حقہ نے جو حقائق پیش کیے ہیں ان سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

مختلف افراد نے محنت و مغز پاشی کے ذریعہ جس نظریہ کے تار و پود کو اکٹھا کیا اور مختلف اوقات میں رنگ آمیزی کرکے اسے دنیا کے سامنے ایک علمی حقیقت کے طور پر پیش کیا، اسے بعد کے انسانی ذہن اور انکشافات و واقعات نے کھلے طور پر جھٹلا دیا۔ نہ تو اس سے علمی دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا نہ انسانی معاشرہ کو، البتہ فکری انحراف اور شکوک و شبہات کی فضا میں جینے والے چند عقل پرستوں کو ایک مشغلہ ہاتھ آگیا جس میں وہ تمام تحقیق اپنا وقت ضائع

کرتے رہے۔ اسی لیے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ فکر و فن کی وادی میں وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر قدم رکھنا انتہائی مہلک نتائج کا باعث ہے۔

ڈارون نے انسان کی تخلیق کے سلسلے میں اپنی طویل تحقیقات کے باوجود یہ تسلیم کیا ہے کہ:

"زندگی ایک معمہ ہے اور یہ مسئلہ عقل کے دائرہ سے باہر ہے پھر بھی انسان کو اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔"

اس سلسلہ میں اس کی آخری تحریر قابل غور ہے، کہتا ہے کہ:

"آیات و انفس پر مشتمل اس انوکھے اور وسیع نظام کائنات کو کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ قرار دینا کھلے طور پر محال ہے، عقل سلیم کو اس استحالہ میں کسی طرح کا شبہ نہیں، اتفاق کے ذریعہ ایسا ٹھوس حکیمانہ نظام ہرگز وجود میں نہیں آسکتا اور یہی چیز میری نظر میں اللہ کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔[1]

ڈارون کے اپنے اعتراف کے بعد اب ایک جدید ترین تحقیق کا خلاصہ، جس سے نظریۂ ارتقا کا بطلان ایک سائنسدان ہی کی زبانی سامنے آتا ہے:

ڈارون اور اس کے نظریہ کی ایک نئی شکست:

"برطانیہ کے ایک ماہر فلکیات (سر فریڈ ہویل) نے اپنی ایک کتاب (باشعور مخلوق) کے عنوان سے شائع کی ہے، جسے کائنات اور اس کے نظام سے متعلق جدید دور کے سب سے اہم تحقیقی مطالعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے دس سال تک حیرت و شک کی زندگی بسر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے۔

مذکورہ کتاب ڈارون کے اُس نظریہ کی کھلی تردید ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل بندر ہے، اور جسے اب تک بہت سے تعلیمی اداروں میں پڑھایا جا رہا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مختلف عدالتوں کے سامنے مقدمہ پیش کرکے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ڈارون کے نظریہ کے سلسلہ میں واضح احکام صادر کیے جائیں۔ لیکن اس نظریہ کے حامیوں نے اس کی صحت سے متعلق کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مذکورہ نظریہ فرضی ہے، اور اب تک اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکی ہے۔

۷۶

[1] بین الدین والعلم ص ۱۲۵

لوس انجلس کی اعلیٰ عدالت نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ درسی کتابوں میں اس بات کا اضافہ کرنا چاہیے کہ ڈارون کے نظریہ کی کوئی "علمی حقیقت نہیں ہے" [۱]

سوئٹزرلینڈ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کے شعبۂ سائنس نے بھی ڈارون کے نظریہ کی تردید کی ہے [۲]۔ بحث و تحقیق کی دنیا میں ابھی آئندہ کیا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں نظریۂ ارتقاء پر کیا کچھ گزرے گی، اس کا ہمیں انتظار ہے۔ ●●●

---

[۱] اخبار العالم الاسلامی مکہ شمارہ ۸۸۷ مجریہ ۶ راگست ۱۹۸۴ء۔ [۲] بین الدین والعلم ص ۱۲۵۔

بقیہ ص ۸ سے آگے:

بدنام کرتا ہے اور اس کے ذریعہ غنی ہونے میں آپ کی کیا رسوائی ہے۔ اور اگر آپ شروع ہی سے غنی تھے تو دوسروں کا مال تجارت کے لیے کیوں لے جاتے تھے، اپنا کیوں نہیں لیجاتے تھے۔

خیر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ تاریخی جھوٹ اور فریب کاری احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ اب ذرا غور فرمایئے کہ اگر اس کتابچہ کا لکھنے والا کسی گر محوش بریلوی کے بجائے کوئی غیر جانبدار الحدیث ہوتا تو اسے کیا پڑی تھی کہ وہ احمد رضا خان کی حمایت و تعریف میں اس طرح کی فریب کاری سے کام لیتا۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام قرائن کی بنیاد پر اور خاص اس بنیاد پر کہ نہ تو پاکستان میں الاستاد سعید بن عزیز یوسف زئی نام کا کوئی الحدیث عالم ہے اور نہ وہاں "جمعیۃ برادران الحدیث" نام کی کوئی الحدیث تنظیم ہے، ہم اعلان کرتے ہیں کہ "کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں" نامی کتابچہ بالکل جعلی ہے۔ اس میں کنز الایمان کے متعلق الحدیث کا جو موقف بتایا گیا ہے، بالکل غلط ہے اور جماعت الحدیث کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

جامعہ کے کلنڈر کی قیمت:

جامعہ کے کلنڈر ۱۹۸۵ء کی قیمت (علاوہ محصول ڈاک) چار روپیے ہے۔ اور دفتر سے ہر ایک کو اسی حساب سے کلنڈر دیے گئے ہیں۔ اگر کسی نے اس سے کم قیمت پر بیچا ہے تو اس کی وجہ اسی سے پوچھیں۔

دوسری اور آخری قسط

کتاب الحیل

مولانا آزاد کی نظر میں

ترتیب : مولانا عبدالنور راغب سلفی

مولانا ابوالکلام آزاد حیل کو یہودی ذہنیت کی ایجاد وشیوہ اور یہودیوں کی ضلالت ومغضوبیت وملعونیت کے اعمال خبیثہ کا ایک بڑا فتنہ قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ حیلہ سازی سے مسائل کی اصل شکل اور ہیئت بدل جاتی ہے۔ یہودیوں نے شریعت کو مسخ کر ڈالا تھا اور دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی ہی سزا دی کہ ان کی صورتیں اور شکلیں مسخ کر دیں۔ وجعل منھم القردۃ والخنازیر۔ مولانا لکھتے ہیں:

"ان تمام تصریحات سے بڑھ کر یہ ہے کہ قرآن حکیم نے صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا تھا کہ یہودیوں کی ضلالت ومغضوبیت وملعونیت کے اعمالِ خبیثہ میں سے ایک بڑا فتنہ یہ تھا کہ شریعتِ الٰہی کے احکام قطعیہ منصوصہ سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے حوالے اور بہانے نکالتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ خدا کا معاملہ بھی فریب خوردہ انسان کا سا ہے کہ اگر کسی حیلہ اور مکر سے ظاہر وصورت کو بنا لیا تو قصد ونیت کی اس کو خبر نہ ہوگی۔ ازاں جملہ ایک حیلہ وہ تھا جو یوم السبت میں صید نہ کرنے کے حکم کی نسبت اصحاب حیتان نے نکالا تھا۔" ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت [1]

اور ازاں جملہ وہ حیلہ تھا، جو حرمت اکل شحم کی نسبت عمل میں لایا کرتے تھے اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لعن اللہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فجملوھا واکلوا ثمنھا [2]" اللہ تعالیٰ نے ان حیلہ سازیوں کی وجہ سے ان پر لعنت بھیجی اور غضب الٰہی کے مورد ہوئے انھوں نے اللہ کی شریعت کو مسخ کرنا چاہا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ خود مسخ ہو گئے۔ "وجعل منھم القردۃ والخنازیر [3]" ۔ اور اللہ کا قانون مجازات یہی ہے کہ ثمرہ عمل

---

[1] تم نے ان لوگوں کو جان لیا ہے جنھوں نے تم میں سے سبت (سنیچر) کے دن زیادتی کی تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔

[2] اللہ یہود پر لعنت کرے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اس کو پگھلایا اور اس کی قیمت کھائی۔

[3] اور ان میں سے کچھ کو بندر اور سور بنا دیا۔

ٹھیک ٹھیک عمل کے مطابق اور ٹھیک ٹھیک اس سے اشبہ وا وفق ظاہر ہوتا ہے۔ ہر عمل نیک و بد کے صور و اشکال تمام مثال میں اسی طرح واقع ہو رہے ہیں اور یہی معنیٰ ہیں اس آیت کریمہ کے "فحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون[1]۔"

مولانا اسی ضمن میں مزید فرماتے ہیں: "حیل و احتیال کے متعلق یہ حال تو کتاب اللہ کا ہے۔ اور سنت رسول کو دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واضح اور صریح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار کھول کھول کر امت کو اسی ضلالت یہود اور خباثت اصحاب السبت والحیتان سے روکا تھا۔ "لعن اللہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فجملوھا و اکلوا اثمانھا۔" اللہ کی پھٹکار یہود پر چربی ان پر حرام کر دی گئی تو حیلے بہانے نکال کر اس کو حلال بنا لیا۔ اس سے بھی واضح فرمایا: لا ترتکبوا ما ارتکبت الیھود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل"، وہ کام نہ کرنا جو یہودیوں نے کیا کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ادنیٰ حیلوں بہانوں سے حلال کر لو۔ مگر افسوس کہ وہی ہوا جس کا اس صادق و مصدوق کو اندیشہ تھا اور اس امت میں بھی ایسے صدوقی اور فریسی پیدا ہو گئے۔ جنھوں نے بحکم حذو النعل بالنعل ٹھیک ٹھیک ویسی ہی حیلہ بازیاں اور مکاریاں اسلام میں بھی پیدا کر لیں۔ ضلوا فاضلوا فویل لھم ولاتباعھم[2]۔ حتیٰ کہ یہ فساد عظیم اس درجہ پھیلا کہ اصحاب حیل کے نزدیک حلال و حرام کی تمیز بکلی اٹھ گئی۔ محارم شرعیہ حلال ہو گئے۔ عقود محرمہ کو جائز بنا لیا گیا۔ حدود شرعیہ ساقط کر دیے گئے۔ نور و ظلمت، سیاہ و سفید، فسق و تقویٰ میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ احکام و اوامر اور عبادات و معاملات کی کوئی شاخ بھی اس مصیبت عظمیٰ سے نہ بچی۔ ہر حکم سے بچنے کے لیے حیلے، ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے لیے بہانے ہر امر و نہی کے سقوط و تعطیل کے لیے مکر و فریب۔ شریعت الٰہیہ کے کسی حکم کو بھی سچی تعمیل اور راست بازانہ و صالحانہ اطاعت کے لیے باقی نہ چھوڑا۔ اعمال انسانیت کی وہ اصل عظیم جس کو شریعت نے نیت کے جامع و حاوی لفظ سے تعبیر کیا تھا۔ اور تمام احکام و ثمرات کی بنیاد اس پر رکھی تھی کہ "انما الاعمال بالنیات۔ ولکل امرئ ما نوی[3]" اور اسی لیے فقیہ الامت حضرت امام بخاریؒ نے اس جامع الکلم کو اپنی کتاب کا سرنامہ و عنوان قرار دیا تھا۔ اس طرح تاراج و ہلاک کر دی گئی گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ خدا کے بندوں کو فریب دیتے دیتے اس طائفہ بوالہوس کی جرأتیں یہاں تک بڑھ گئیں کہ عالم السرائر و الخفایا[4] کو بھی دھوکا دینے میں چست و چالاک ہو گئے۔

---

[1] انھیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ [2] خود بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا پس ان کی تباہی ہو اور ان کے ماننے والوں کی بھی۔ [3] اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی نیت کرے۔ [4] چھپی اور پوشیدہ باتوں کا جاننے والا، یعنی اللہ۔

وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون [1]

حیلہ سازی اور مکر و فریب ارباب سیاست کا مشغلہ تو رہتا ہی ہے لیکن جب یہی چیز علماء کا شیوہ ہو جائے تو پھر نہ پوچھیے کہ شریعتِ مصطفیٰ میں کیا کیا تحریف و تنسیخ کی جاتی ہے اور مکر و خدع کے کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں اور کاروبار مکر و حیل میں کتنی ترقی ہوتی ہے۔ مولانا کتنے درد بھرے انداز میں لکھتے ہیں۔

"بدعت حیل منجملہ مصائب عظیمہ اسلام کے ہے، جس نے مسلمانوں کی عملی زندگی کو بالکل بے روح کر دیا اور مقاصدِ شریعت فوت ہو گئے۔ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ عموماً علماء دنیا اور فقہاء دولت کا گروہ تزکیۂ نفس و اخلاق سے بالکل کورا ہوتا ہے اور اصلاح و تصفیۂ باطن کی روح ان کی زندگی کی کسی شاخ میں نظر نہیں آتی۔ دنیا سازی و سخن پروری اور جدل و خلاف و مکر و ریا کو شریعت کا علم و عمل سمجھتے ہیں اور اپنی خشکیٔ دماغ و عبوسیت طبع و یبوست فکر [2] میں ٹھیک ٹھیک ان صدوقیوں اور فریسیوں کا نمونہ ہوتے ہیں، جن کا نقشہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مواعظِ حسنہ میں کھینچا ہے اور جن کی نسبت وہ بار بار کہتے تھے کہ "خمیر مایۂ فریسیاں کی روٹی نہ کھاؤ"، تو اس کا اصلی سبب کیا ہے؟ یہی حیلہ سازی اور بہانہ جوئی، ظاہر آرائی و باطن خرابی۔ اخلاقِ حسنہ اور سچی خدا پرستانہ زندگی کا سارا دارومدار تقسیم نیت و باطن پر ہے جب خود اعمالِ شریعت میں اس کی قید اٹھ گئی اور سمجھ لیا گیا کہ حیلوں بہانوں سے یہاں بھی کام نکل سکتا ہے تو اخلاق کہاں باقی رہا؟ زکوٰۃ کا اصل مقصد شارع تو یہ بتلائے کہ "تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم" جس سے معلوم ہوا کہ محض کوئی ظاہری رسم اور بات پوری کر دینا مطلوب نہیں ہے، بلکہ اغنیاء سے فقراء کو مال دلانا اور ان کی حاجت روائی کرانی، تاکہ قوم کا کوئی طبقہ محتاج نہ رہے۔ مگر یہ دین باز اس کا یہ مطلب بنا لیں کہ اگر صرف دکھلاوے کی بات پوری کر دی تو حکم زکوٰۃ ساقط ہو گیا۔ پھر ایسی حالت میں سچی خدا پرستی اور راست بازی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ یہ لوگ بھی فی الحقیقت ملحد ہیں لیکن ان کا الحاد الحادِ اعتقادی نہیں ہے بلکہ عملی ہے۔ اور دنیا میں ہمیشہ الحاد فی العمل ہی زیادہ رہا ہے۔ اعتقادی ملحد تو ہمیشہ مثل شواذ خلقت و نوادرِ انسانیت کے رہے اور رہیں گے کہ اصل فطرتِ انسانی تصدیق ہے نہ کہ انکار۔ بڑی مصیبت اس سے یہ پیدا ہوئی کہ عوام امت کا سارا معاملہ علماء کے ہاتھوں میں تھا جب خود ان کے عمل کا یہ حال ہوا تو پھر عوام کا کیا پوچھنا۔ ؎

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا ؛ فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص [3]

---

[1] حالانکہ یہ اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں۔ [2] عبوسیت طبع: طبیعت کی ترشی۔ یبوستِ فکر: سوجھ بوجھ کی خشکی۔ [3] جب گھر کا مالک طبلہ بجا رہا ہو تو بچوں کو ناچنے پر ملامت نہ کرو۔

ایک دوسرے پیرائے میں مولانا اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں تنقید فرماتے ہیں ؛ لکھتے ہیں کہ:

" یہ ضلالت اس درجہ سے بھی آگے بڑھی یہاں تک کہ مسائل حیل و احتیال فقہ سوء و مزعومہ کا ایک باقاعدہ باب و مبحث بن گئے اور رفتہ رفتہ فقہاء دنیا کے لیے صرف ذہانت و نمائش فقاہت و اظہار علم و درایت و تسابق عقول و تنافس اذکار و تقابل قوت افکار و قضا کا رب سے بڑا دلچسپ و جالب قلوب میدان یہی حیلہ بازی قرار پائی ۔ کتاب و سنت کی تعلیم و حفظ کا بند تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا اور بنیاد فقاہت محض اٹکل اور ظن و وہم پر قرار پا چکی تھی ۔ پھر کیا تھا ، ہر ذہن نے تیزی دکھائی اور ہر قیاس نے بلند پروازی " بنیاد ظلم در جہاں اندک بود ہر کہ آمد بر آں مزید کرد[1] " نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت الٰہی جو عدل و صداقت کے قیام کے لیے آئی تھی اسی کے نام سے مکر و فریب اور ظلم و غضب اور نہب و سلب کے تمام کاروبار جاری ہو گئے اور دنیا کی تباہی کے لیے اس سے بدتر و قت اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا کا پاک نام لے کر اس کی دنیا میں برائی پھیلائی جائے ۔ کتنی ہی زنا کاریاں ہیں جو حیلے نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں ۔ کتنے ہی غصب و ظلم اور اکل اموال بالباطل کے رذائل ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا ۔ کتنے ہی . . . . . . عقود فاسدہ ہیں جن کو اسی شیطان حیل نے جائز کرا کے بندگان الٰہی کے حقوق تلف کرائے کتنے ہی حج ہیں جو ساقط ہوئے ، کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں ۔ کتنے ہی شارب الخمر اور زانی محصن ہیں جو حدود شرعیہ سے صاف بچا لیے گئے ۔ پھر یہی تخم حیل ہے ، جس کی شاخیں کس قدر دور دور تک پھیلیں ؟ متعدد تفریعات ہیں جو بظاہر اس سے الگ معلوم ہوتی ہیں مگر فی الحقیقت اسی عائلہ فساد کے اخوان و اخوات میں داخل ہیں ۔

آگے چل کر مولانا قیاس غیر صالح اور تفریع غیر مؤید بالوحی پر کاروبار حیل کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ:

" از اں جملہ اجیرہ زانیہ کے اجر مثل کا جزیہ ہے جس کی ابتدا شاید ایک اصولی اور قانونی بحث سے ہوئی تھی یعنی جس عقد کا معقود علیہ کوئی فعل مباح اور ساتھ ہی زنا بھی ہو تو اس صورت میں زنا معقود علیہ میں داخل ہوگا یا ایک شرط زائد اور سبب بعید ؟ اور اس کا شمار عقد باطل میں ہوگا یا فاسد میں ؟ لیکن آگے چل کر یہ بحث عملی ذریعہ حلت مہر بغی[2] و وسیلہ توسیع کاروبار زنا بن گیا ؛ تم نے بعض شروح میں پڑھا ہوگا ۔ " ما اخذ تہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال لان اجر المثل طیب لہ ۔ زانیہ نے اگر عقد اجارہ کے بعد اپنی اجرت لی

---

[1] ظلم کی بنیاد دنیا میں تھوڑی تھی ، جو بھی آیا اس پر اضافہ کیا ۔

[2] مہر بغی : رنڈی کی کمائی ۔

تو وہ حلال ہے کیونکہ اجر مثل کے طیب ہونے میں کلام نہیں۔ جب اس پر لوگوں نے اپنا سر پیٹ لیا کہ جس چیز کو اللہ کے رسولؐ نے خبیث فرمایا، اس کے طیب ہونے کی کون سی نئی وحی اتر آئی ہے؟ مسلم و ترمذی کی حدیث رافع بن خدیج میں ہے: مهر البغي خبيث۔ اور بخاری کی روایت میں ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب ومهر البغي[1] تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک خاص حالت تھی۔ هو ان يؤاجر امته على الزنا وما اخذه من المهر لیکن ان استاجرها ليزني بها ثم اعطاها مهرها او ما شرط لها فلا باس باخذه لانه في اجارة فاسدة فيطيب له وان كان السبب حراماً۔ یعنی اگر ایک عورت کو زنا کے لیے اجارہ پر رکھا اور اس کے بعد اس عورت نے وہ اجرت لی تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں تک تو مسئلہ کی اصل صورت تھی، لیکن جب اس پر بھی لوگوں نے ماتم کیا کہ یہ کیا شریعت کی تباہی اور انسانیت کی ہلاکت ہے کہ محض عقدِ اجارہ کی ایک اصل باطل کی بنا پر اجرت خبث و خباثت کو کھلے بندوں حلال و طیب بنایا جا رہا ہے تو پھر یہ حیلہ سکھایا جاتا ہے: "ان يستاجرها لكنس بيته او لطي ثيابه او طبخ طعامه او لنقل متاع من مكان الى مكان ويشترط بها الزنا ثم يزني"۔ جس کی صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے گھر کا کام کاج کرنے کے لیے یا کھانا پکانے کے لیے یا کسی اور فعل مباح کے لیے ایک عورت سے عقد اجارہ کیا کہ اتنی مزدوری پر میرا کام کر دینا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرائی کہ تجھ سے زنا بھی کروں گا تو چونکہ یہ مشروع باصلہ و غیر مشروع بوصفہ ہے اس لیے اجارہ فاسد ہوا لیکن اجرت حلال ٹھہری۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی فقیہ حیل نے ذرا چشم و ابرو دیکھ کر کسی اچھی سی ماما کو کام کاج کے لیے مزدوری پر رکھ لیا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرالی کہ گاہ گاہ کچھ اور شغلہ بھی جاری رہے گا تو ایسی اجرت اس ماما کے لیے حلال و طیب ہے کہ ان اجر المثل طیب۔ تعالى الله وشريعته عما يقولون ويفعلون علواً كبيراً[2] لطف یہ کہ:

ان اخذه (المهر) بغير عقد بان زنا بامة ثم اعطاها شيئا فهو حرام لانه اخذه بغير حق[3] بھی موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شکل مہر بغی کی حرام ہو بھی سکتی ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ زنا کی اجرت ہے اور ہر اجرت جو فعل خبیث کی ہو خبیث ہے اور ہر عقد جس کا معقود علیہ حرام ہو وہ عقدِ باطل بلکہ صرف اس لیے کہ باضابطہ طریق اجارہ کے مطابق عقد اجارہ نہیں ہوا، جس سے شبہ پڑ جاتا اور جو کچھ اس کو دیا گیا وہ اس کا حسب شرط حق نہیں تھا۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور رنڈی کی کمائی سے منع کیا ہے۔ [2] اللہ کی شریعت ان کے قول و کردار سے بہت بلند ہے۔ [3] یعنی رنڈی اگر طے کیے بغیر اجرت لے مثلاً آدمی کسی لونڈی سے زنا کرے پھر اسے کچھ دیدے تو یہ حرام ہے کیونکہ اسے بغیر حق کے لیا ہے۔

پس گویا ان کے نزدیک اس معاملہ کی حلت و حرمت کا سارا دار و مدار صرف اس ایک اصل معاملات پر ہے کہ عقد اجارہ ہوا یا نہیں؟ اور اس کے شرائط صحیحہ و متعینہ ہیں یا نہیں؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

اس مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ یہی وہ قیاس غیر صالح ہے جس کو شریعت نے رائے اور ہوائے نفس سے تعبیر کیا ہے، نہ کہ قیاس صالح و حکمت نبویہ جو عین شریعت بلکہ منتہائے مرتبۂ علم حق و بصیرت ربانی ہے اور جس قیاس و رائے کا نتیجہ ہے صرف ایک ہی اصل و علت استغراق و استہلاک و اقناع اور دیگر اصول و علل و مقاصد سے بکلی اعراض حالانکہ اکثر احکام شرعیہ معلل بعلل شتی اور اصل امر و نہی متعدد مقاصد و مصالح پر مبنی یہ صرف تمثیل و تقسیم اور حمل نظیر علی النظیر بلا مراعات مقاصد اخریٰ و مہمہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس آفت سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ تھی کہ ہر موقع اور ہر جزئیہ و تفریع پر تقدیم کتاب و سنت اور بہ تعمیل فردوہ الی اللہ والرسول ہر اصل اور ہر فرع کے لیے اہتداء بہ مشکوٰۃ نبوت۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور صرف اپنے چند ساختہ پرداختہ اصول و کلیات پر قناعت کر لی گئی اس چیز نے نہیں معلوم اس کارخانہ کے کتنے کل پرزے درہم برہم کر دیے ہیں۔ اور اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے: حفظت شیئاً وغابت عنك اشياء لہ لطف یہ کہ ۔ لاتصح الاجارة لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی۔" کہتے ہیں۔ یعنی گانے بجانے کیلیے اجارہ صحیح نہیں فیا للہ ویا للعقول! غنا اور ملاہی کی اجرت کا مال تو طیب نہ ہوا حالانکہ اس کی حرمت محتاج دلیل! مگر زنا کی اجرت طیب ہو سکتی ہے۔ لان اجر المثل طیب وان کان السبب حراما۔

یکرہ ان یشرب من فضة ویسرق الفضة ان نا لھا۔ لہ

آگے چل کر مولانا وادی حیل اور اصحاب درایہ و عقول کی داد تحقیق و فقاہت کی دو اور مثالیں بیان کرتے ہیں اور ان پر بہت ہی دلچسپ تبصرہ فرماتے ہیں: مولانا رقمطراز ہیں کہ:

اسی طرح سقوط حد بصورت نکاح محرمات ابدیہ کا مسئلہ ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک دوسری اصل پر مبنی تھا۔ غالباً ترمذی کی حدیث براء بن عازب قدماء مخالفین حد تک نہ پہنچی ہوگی۔ اگر چہ بعد کے لوگوں تک پہنچی اور متشتت تشویش تاویل و متمسک بہ طریق رد سنت بمجرد قیاس و رائے ہوئے اور پھر جن فقہاء نے حد کو بوجہ شبہ ساقط کہا ان کو بھی تعزیر سے انکار نہیں۔

• تم نے ایک چیز کی حفاظت کی اور تم سے بہت سی چیزیں غائب ہو گئیں۔

لہ چاندی سے پینا گوارا نہیں لیکن اگر چاندی مل جائے تو چرا لے جائے۔

والحدید رء بالشبہات والتعزیر یجب مع الشبہات[۱] ۔ انکا قاعدہ مقرر ہے اور اگرچہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک تعزیر انتالیس کوڑے سے زیادہ نہیں (کما صرح بہ الہدایہ) لیکن درمختار وغیرہ میں یہ بھی تو ہے ۔ "ویکون التعزیر بالقتل[۲] ۔ بایں ہمہ یاران حیل نے اس مسئلہ سے بھی جو کام لیا اور جس طرح چند در چند تفریعات پیدا کی گئیں وہ بھی اسی وادی حیل ہی کے معاملات ہیں ۔

اور اسی طرح مسئلہ نفاذ قضا، قاضی ظاہراً و باطناً اگرچہ بظاہر اس سے بے تعلق نظر آتا ہے ۔ مگر اس کے نتائج و ثمرات پر غور کیا جائے تو وہ بھی اسی میدان کا ایک گوشہ بعید ہے ۔ کسی نہ کسی طرح عدالت اور قاضی کے یہاں بات بنالی جائے ۔ پھر اس کے بعد کوئی کھٹکا نہیں ۔ گویا شریعت کے امر و نہی کا سارا دارومدار اور مواخذہ آخرت کی بنا صرف دنیا کے احکام و ظواہر ہیں، حسن و قبح اشیاء، و تفریق سیاہ و سفید و حق و باطل و تعمیم نیت و بطون و جلب محاسن و فضائل فی الاصل و عند اللہ کوئی چیز نہیں ۔

گفتی کہ چہ شد قاعدہ مہر و محبت ؛ رسم کہن بود ۔ بعہد تو برافتاد[۳]

اس پر طرہ یہ کہ ہمارے زمانے کے بعض اصحاب درایہ و عقول نے اس کی تائید میں یوں داد تحقیق و فقاہت دی ہے کہ بحکم خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ۔ تمام بنات آدم محل نکاح ہیں اور نکاح نظیر و مثیل عقد بیع کے ہے ۔ مہر بمنزلہ ثمن اور ایجاب و قبول اور خلوۃ تملیک و تصرف کے لیے اور جب قاضی نے جھوٹے گواہوں سے دھوکا کھا کر یا کسی اور وجہ سے پرائی عورت کو کسی کی منکوحہ قرار دیدیا اور وہ لے کر چلتا بنا تو اس سے بھی یہ ساری باتیں بدرجہ اتم حاصل ہو گئیں ۔ پس وہ عورت گو قضاء قاضی سے پہلے جھوٹے مدعی کے لیے حرام تھی، لیکن اس کے بعد ضرور حلال ہو گئی ۔ عند اللہ بھی کوئی مواخذہ نہیں ہونا چاہیے ۔ سبحان اللہ ! خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ۔ کی کیا عمدہ تفسیر ہے ۔ اور تحلیل زن اجنبیہ اور جواز مکر و خدیعہ کے لیے کیسی عاقلانہ و فلسفیانہ فقاہت ہے ۔

وائے گر در پس امروز بود فردائے !

لطف یہ کہ ان بزرگوں کو اس عجیب المخلوقات استدلال پر بڑا ہی فخر و ناز ہے اور اس کو منجملہ ثمرات حسنہ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین[۴] کے قرار دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اگر یہی تفقہ فی الدین ہے تو نہیں معلوم

---

[۱] شبہات کی وجہ سے حد تو دفع کی جائے گی لیکن شبہات کی وجہ سے تعزیر ضروری ہو گی ۔ [۲] تعزیر کے طور پر قتل کیا جا سکتا ہے ۔ [۳] تم نے کہا کہ مہر و محبت کا قاعدہ کیا ہوا ؟ ایک پرانی رسم تھی جو تمہارے دور میں اٹھ گئی ۔ [۴] جس کے ساتھ اللہ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے ۔

اس کے ضد و مقابل کو کس جگہ ڈھونڈنا چاہیے؟ اور اس کا وجود بھی اب دنیا میں باقی رہا یا علم حق کی طرح آسمانوں پر اٹھالیا گیا ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ ⁂ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم[1]

آخر میں اس پورے عنوان کا گہرا جائزہ لینے کے بعد جب مولانا اس کی نسبتوں پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ باب الحیل کے بہت سے افعال شنیعہ کی نسبت ایسے اکابر ملت اور فقہاء امت کی طرف کی گئی ہے، جن کے متعلق یقین نہیں آتا کہ اس قسم کی مذموم حرکتیں انھوں نے کی ہوں گی۔ مولانا اس مقام پر آکر سخت حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان نسبتوں پر یقین کیا جائے جبکہ پرستاران فقہاء و ائمہ ان نسبتوں کو فخریہ ان سے منسوب کرتے ہیں اور صرف نسبت ہی نہیں بلکہ ان بدعات حیل کو کمالات فقاہت سے شمار کرتے ہیں مولانا کا بیان یہ ہے کہ بعد کے فقہاء حیل اور علماء دجل و فساد نے اپنی بضاعت ردیہ کے رواج دینے کے لیے ان کو ائمہ سلف و فقہاء امصار کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ متعدد نظائر و حوادث حیل و مخادعہ کے ہیں جن کو بعض ائمہ و اعلام کی نسبت سے بیان کیا گیا ہے اور ان کو دیکھ کر طبیعت کو سخت تشویش و حیرانی ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت قاضی ابو یوسف رح کی نسبت اس قسم کے متعدد ناگوار واقعات منقول ہیں۔ ازاں جملہ ہارون الرشید اور جاریہ مہدی کا واقعہ ہے جس کو حافظ سیوطی رح نے تاریخ الخلفاء میں بحوالہ سلفی بسندہ عن عبداللہ بن مبارک نقل کیا ہے۔ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف رح سے ایک بار کہا کہ ایک لونڈی پر میرا جی آگیا ہے۔ مگر وہ کہتی ہے کہ تیرے باپ مہدی کی مدخولہ ہوں۔ "فھل عندک فی ھذا شیئی"۔ یعنی اس بارے میں تمھارے پاس کوئی مفید مقصد فتویٰ ہے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا ہاں یہ کیا ضروری ہے کہ مجرد ایک لونڈی کا بیان سچ سمجھ لیا جائے؟ آپ اس کے دعوے کی تصدیق ہی نہ کریں کہ کذب سے مامون نہیں! حضرت عبداللہ بن مبارک یہ واقعہ نقل کرکے کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا، ان تینوں میں سے کس کے حال پر زیادہ متعجب ہوں؟ ہارون رشید کے حال پر جو اپنے باپ کی حرمت سے باہر ہوا۔ یا اس لونڈی پر جس نے امیر المومنین سے روگردانی کی؟ ۔ "او من ھٰذا فقیہ الارض وقاضیھا قال اھتک حرمۃ ابیک واقض شھوتک وصیرہ فی رقبتی"؟ ۔ دیعنی اس فقیہ ارض و قاضی کے حال پر جس نے ہارون رشید سے کہا کہ اپنے باپ کی حرمت کو پامال کر

---

[1] اگر تم نہیں جانتے تو یہ مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو تو اور بڑی مصیبت ہے۔

اور اپنی خواہش پوری کر اور اس کا بارِ گناہ میری گردن پر ڈال دے۔)

اور از انجملہ وہ واقعہ ہے جو اس کے بعد ہی حافظ سیوطیؒ نے اسحاق بن راہویہ اور عبداللہؒ بن یوسف سے نقل کیا ہے کہ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسفؒ سے کہا میں نے ایک لونڈی خریدی ہے۔ کوئی ایسا حیلہ بتلا سکتے ہو کہ استبراء کے انتظار سے بچ جاؤں اور فوراً اس سے متمتع ہو سکوں؟ انھوں نے کہا ہاں هبها لبعض ولدك ثم تزوجها! اس پر ہارون رشید نے خوش ہو کر ایک لاکھ درہم انعام دینے کا حکم دیا۔ لیکن رات کا وقت تھا خزانے کے دروازے بند تھے۔ کسی نے کہا کہ صبح کو لے لیجیے گا۔ اس پر قاضی ابو یوسف بولے: قد كانت الابواب مغلقة حين دعاني ففتحت۔ یعنی آپ کی حاجت براری کا دروازہ بھی تو اس وقت بند تھا جب آپ نے مجھے بلایا تھا۔ میں نے حیلہ بتا کر کھول دیا۔ اب میرے لیے خزانے کا بند دروازہ کیوں نہ کھولا جائے۔

اس سے بھی بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ یہی اسقاط زکوٰۃ کا مخدوم الملک والا حیلہ ان کی جانب منسوب کیا گیا ہے امام غزالی احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسفؒ ہر سال اپنا تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیتے اور وہ اختتامِ حول سے پہلے ان کے نام پھیر دیتی۔ اس طرح زکوٰۃ ساقط سمجھی جاتی اور اس پر طرہ یہ کہ جب حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا تو انھوں نے بہت داد دی اور فرمایا: هذا من فقهه[1] امام غزالی یہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ جمعِ دنیا کے لیے تو یہ بہت اچھی فقاہت تھی مگر آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان پہنچانے والی نہیں ہو سکتی اور یہی وہ علم ہے جو نافع ہونے کی جگہ ضار و مہلک ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بظاہر ان واقعات کو پڑھ کر طبیعت کو سخت تعجب ہوتا ہے، لیکن دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اور اس طرح کی تمام منسوبات قطعاً ناقابلِ اعتماد بلکہ داخلِ اکاذیب و بہتان ہیں حضرت قاضی ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسے منکرات و شنائع کا ان کی نسبت وہم بھی کیا جا سکے۔ یہ سارے حیلے بعد کے فقہاءِ حیل و علماءِ دجل و فساد کے تراشے ہوئے ہیں۔ اور یقیناً انھوں نے ہی اپنی بضاعت ردیہ کے رواج دینے کے لیے ان کو ائمہ سلف و فقہاء امصار کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ ایسی مکذوب و مصنوع نسبتیں ہمیشہ ہوئی ہیں اور ہر علم و فن میں اس کے بے حد و شمار نظائر موجود ہیں۔[2] ....

---

[1] یہ ان کی فقاہت میں سے ہے۔ [2] مگر مشکل یہ ہے کہ اس طرح کے حیلوں کا رد اور نکیر امام بخاری اور ان سے پہلے کے فقہاء نے بھی کی ہے۔ پھر اس وقت اصحابِ حیل کون لوگ تھے؟

قسط ۱

شیخ الاسلام مولانا امرتسریؒ

اور ان کی تصنیفات (۵)

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی استاذ جامعہ

(۱) **تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن** : (عربی) صفحات ۵۰۰ طبع اول ۱۳۲۰ھ مطبع دبدبۂ ہند امرتسر

اس تفسیر میں اولاً قرآن کی تفسیر آیاتِ قرآن سے کی گئی ہے، ثانیاً سنتِ رسول اللہؐ سے کی گئی ہے۔ آیات کی

۱؎ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے کہ مولانا امرتسری کے ہمیشہ یادگار کاموں میں سے سب سے بڑا کام یہ ان کی عربی تفسیر "القرآن بکلام الرحمٰن" ہے۔ یہ غالباً اسلام میں پہلی تفسیر ہے جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ حالانکہ یہ اصول کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" نظری حیثیت سے علماء میں مدتوں سے مسلم ہے مگر عملی حیثیت سے کر کے ابتک کسی نے نہیں دکھایا تھا۔ یا کسی نے دکھایا بھی ہو تو اس وقت موجود نہیں، اس بنا پر اس تفسیر کی یہ خصوصیت بہت کچھ تعریف و توصیف کی مستحق ہے۔ مصنف ہر آیت کی تفسیر پر دوسری ایسی آیتوں کا حوالہ دیتے جاتے ہیں جن سے پہلی آیتوں کی پوری تشریح ہوتی ہے ان آیتوں کے صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ پارہ اور رکوع کا بھی ساتھ ساتھ نشان دیدیا ہے۔

اس تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جلالین کے اصول پر مختصر لکھی گئی ہے۔ پوری تفسیر چار سو صفحوں کی ایک جلد میں ختم ہو گئی ہے اس لیے وہ طلبا کے لیے اور عربی مدارس کے نصاب تعلیم کے لیے کارآمد ہو سکتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ عربی مدرسوں میں اگر جلالین کی جگہ اس تفسیر کو رواج دیا جائے تو آج کل کی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔ قرآن کے اس طرز کی تفسیر کی ضرورت عوام اور ان سے زیادہ خواص کو روز بروز زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے اور ہوتی جائے گی۔ اور جب کہ ہر مترجم نسخہ قرآن پاک کا مالک اور ہر کس فہرست القرآن کا ناظر ←

شانِ نزول بیان کرنے میں انھیں واقعات پر اکتفا کیا گیا ہے جو صحیح سند سے مروی ہیں جیسا کہ مولانا خود اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں " وما یناسب عندی ان اذکر ما نقل البخاری والترمذی والحاکم فی تفسیرھم من اسباب النزول وتوجیہ المشکل بسند جید الی الصحابۃ والی حضرتہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق التنقیح والاختصار" (میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اسبابِ نزول اور توجیہ مشکل کے سلسلے میں جو روایتیں امام بخاری ترمذی اور حاکم نے اپنی تفاسیر میں صحابہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمدہ سند کے ساتھ نقل کی ہیں، انھیں کو تنقیح واختصار کے طریق پر ذکر کر دوں ۔

مولانا کے دور میں چونکہ ہندوستان میں مختلف الخیال مذاہب ومسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے اور وہ قرآن مجید پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر اور اسلام پر بھرپور اعتراضات کرتے تھے اس لیے اس تفسیر میں ان سب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور جابجا ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے ۔

(۲) تفسیر ثنائی : (اردو ، آٹھ جلدوں میں)

جلد اول : صفحات ۲۳۰ طبع ۱۳۱۳ھ مطبع چشمۂ نور امرتسر (سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ)

جلد دوم : صفحات ۲۲۴ طبع ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء مطبع چشمۂ نور امرتسر (سورہ آل عمران و سورہ نساء)

جلد سوم : صفحات ۱۸۴ طبع رجب ۱۳۴۴ھ مطبع روز بازار امرتسر (سورہ مائدہ، انعام اور اعراف)

جلد چہارم : صفحات ۱۲۸ طبع نومبر ۱۹۰۳ء مطبع لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی (سورۂ انفال، توبہ، یونس ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل)

ماہر قرآن بننے کا مدعی ہے اور کبھی قرآن پاک کی صرف ایک آیت کو لے کر اپنے مجتہدانہ دعویٰ کے اصول وضع کرنے لگا ہے ۔ یہ کتاب اس کی ہدایت کے لیے بیحد مفید اور کارآمد ہو سکتی ہے ۔ ضرورت ہے کہ اہل علم حضرات اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں اور اگر خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کو توفیق دے تو اس اصول کو اور ترقی دے اور اس طرز پر قرآن کی اس سے بہتر خدمت کرے ۔ ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے ۔

(معارف دار المصنفین اعظم گڈھ اکتوبر ۱۹۲۹ء ص ۳۱۵ نمبر ۴ جلد ۲۴)

۱ اس جلد کا پہلا ایڈیشن دستیاب نہ ہو سکا اس لیے تازہ ایڈیشن کا حوالہ دیا گیا ہے۔

جلد پنجم: ۲۱۰ طبع ۱۳۲۵ھ مطبع اہلحدیث امرتسر۔ (سورہ بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان)

جلد ششم: صفحات ۲۰۰ طبع ۱۳۲۹ھ مطبع اہلحدیث امرتسر (سورۂ شعرا، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، احزاب، سبا، اور یٰسین۔)

جلد ہفتم: صفحات ۲۰۲ طبع ۱۳۴۲ھ مطبع روزبازار امرتسر (صافات، صٓ، زمر، مومن، حٰم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، حجرات، ق، ذاریات، طور، اورنجم)

جلد ہشتم: ۱۸۴ طبع مطبع (سورۂ قمر، رحمٰن، واقعہ، حدید، مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم، ملک، ن، حاقہ، معارج، نوح، جن، مزمل، مدثر، قیامہ، دہر، مرسلات، نبا، نازعات، عبس، تکویر، انفطار، مطففین، انشقاق، بروج، طارق، اعلیٰ، غاشیہ، فجر، بلد، شمس، لیل، ضحیٰ، انشراح، تین، علق، قدر، بینہ، زلزال، عادیات، قارعہ، تکاثر، عصر، ہمزہ، فیل، قریش، ماعون، کوثر، کافرون، نصر، لہب، اخلاص، فلق اور ناس کی تفسیر پر مشتمل ہے)

اس تفسیر ثنائی سے پہلے بہت سی تفسیریں معرض وجود میں آئیں جن کی علمی حیثیت مسلم ہے۔ لیکن تفسیر ثنائی بمتعدد وجوہ خاص اہمیت کی حامل ہے۔

(۱) ترجمہ بامحاورہ، سادہ، عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہے (۲) الفاظ قرآن کی نہایت عمدہ اسلوب سے تشریح کی گئی ہے (۳) حصہ تفسیر میں ترجمہ اور تفسیر کو مسلسل عبارت میں ڈھال دیا گیا ہے، لیکن الفاظ ترجمہ پر خطوط کھینچ کر ان کو ممتاز کرتے ہوئے ان کے مطالب کی وضاحت کی گئی ہے (۴) آیات قرآن کا باہم ربط بیان کیا گیا ہے (۵) مخالفین اسلام کے اعتراضات کا عقلی اور نقلی دلائل سے جواب دیا گیا ہے۔ (۶) مولانا کے دور میں برصغیر ہندوپاک میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مختلف الخیال مذاہب و مسالک سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے اور مولانا کا ان سے باقاعدہ سلسلہ بحث ومناظرہ جاری تھا۔ وہ لوگ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور اسلام پر بھرپور اعتراض کرتے تھے، مولانا ان کا مدلل جواب دیتے تھے۔ تفسیر ہذا میں ان سب کو پیش نظر رکھا ہے اور ان کے اعتراضات کے مسکت اور شافی جواب دیے گئے ہیں۔

(۳) "برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر" (اردو)

یہ تفسیر کتابی شکل میں شائع نہ ہوسکی بلکہ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر میں ۸۱ قسطوں میں (از ۶ مئی ۱۹۳۲ء تا ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء) شائع ہوئی ہے۔ اس تفسیر کا طریقہ یہ تھا کہ مولانا پہلے ایک رکوع کی صحیح اور جامع تفسیر رقم فرماتے اس کے بعد دوسرے اصحاب تفسیر خصوصاً عیسائی اور کسی حد تک منکرین اور قادیانی حضرات کی تفاسیر پر جو درحقیقت قرآن کی تحریف ہوتیں، نقد و تبصرہ فرماتے۔

صفحات ۶۰ تاریخ تصنیف ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

(۴) بیان القرآن علیٰ علم البیان (عربی) مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر۔

یہ کتاب سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس میں اولاً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کی تفسیر چار طریقے پر لکھی جاتی ہے (۱) قرآن کی تفسیر آیات قرآن سے (جیسے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن للمصنف) (۲) قرآن کی تفسیر احادیث مرفوعہ و آثار موقوفہ سے (جیسے تفسیر ابن کثیر) (۳) قرآن کی تفسیر حکمائے متکلمین کے طریق پر (جیسے تفسیر کبیر للامام رازی) (۴) قرآن کی تفسیر اسلوب عربیہ، نحو و صرف، لغت اور معانی و بیان وغیرہ کے طریق سے یہ تفسیر (بیان القرآن) اسی چوتھے طریقے کے اعتبار سے لکھ کر ہر آیت کے ماله و ما علیہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے

(۵) مقدمہ تفسیر آیاتِ متشابہات (اردو) صفحات ۵۶

اس کتاب میں صفاتِ باری تعالیٰ اور حروف مقطعات کے معنی و مطالب کو اقوال سلف و لغات عرب سے واضح کرتے ہوئے آیاتِ متشابہات کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر علمائے راسخین اس کے معنی و مطلب کو جانتے ہیں۔

یہ کتاب مولانا کی کل تفسیروں (یعنی تفسیر ثنائی، تفسیر بیان الفرقان علی علم البیان، تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن) کے لیے بطور مقدمہ کے ہے۔

(۶) ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید: (اردو) صفحات ۷۲۰ طبع ہفتم جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ مطبع کوہ نور پرنٹنگ

ب دہلی۔ له

مولانا کا یہ وہی ترجمۂ قرآن ہے جو تفسیر ثنائی میں موجود ہے۔ اسے پہلی بار مرحوم مولانا محمد داؤد صاحب راز نے علیحدہ ، اور خود حواشی بڑھا کر شائع کیا۔ یہ ترجمہ عام مترجمین کے ترجموں سے بہت ممتاز اور قابل تعریف ہے، مثلاً ی زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ ترجمہ ایسے ڈھنگ سے کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے جن بعض مقامات پر م معترضین قرآن نے اعتراضات کیے ہیں اس کے جوابات کی بنیاد وہیں سے نکل آئے۔
ترجمہ کے درمیان میں تفسیری نکات کا عطر نچوڑ کر قوسین میں بند کر دیا گیا ہے۔ (۴) مولانا داؤد راز نے ۔ میں تفسیر ثنائی کی بعض تفصیلات اور دیگر تفاسیر کی تلخیص درج فرما کر ایک جدید تفسیر تیار کر دی ہے۔

) قرآنی قاعدۂ ثنائیہ (عربی) صفحات ۸ طبع دوم ۱۳۴۶ھ مطبع الیکٹرک ہال بازار، امرتسر
اس رسالہ میں بچوں اور جوانوں کو قرآن مجید پڑھنے کا بہت آسان طریقہ بتایا گیا ہے۔

) تعلیم القرآن (اردو) صفحات ۲۴ طبع اول رمضان / مئی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء طبع ثانی ربیع الاول ۱۳۴۹ھ مطبع آفتاب، برقی پریس امرتسر۔
یہ رسالہ ایک ملازمت پیشہ مسلمان کے سوال (قرآن مجید ہم سے کیا چاہتا ہے) پر لکھا گیا ہے۔ اس میں بکے اختلافات سے الگ ہو کر صرف قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ جو خاص طور پر عقائد سے تعلق رکھتے ہیں، بیان ہے۔

، مائۃ ثنائیۃ یعنی صد احادیث نبویہ (اردو) صفحات ۴۸ طبع اول رجب ۱۳۵۷ھ / ستمبر ۱۹۳۸ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر
اس رسالہ میں مختلف ابواب کی دس دس احادیث درج ہیں یعنی دس احادیث، فضائل ایمان، دس

اس ترجمہ قرآن مجید کے شروع میں ۸ صفحات پر مشتمل قرآن کے بعض اہم مضامین کی مختصر فہرست ہے اور صفحات پر مشتمل علمائے عصر کی تعریفات ہیں اور ۱۲ صفحات پر مشتمل بعنوان خصائص قرآن قاضی علامہ محمد سلیمان ن پوری کا ایک مضمون ہے اور اخیر میں، صفحات پر مشتمل آیت ۔ و اذا قری القرآن الخ کی تفسیر درج ہے۔ ان ات کو ملانے کے بعد ۲۱۸ صفحات ہو جاتے ہیں۔

اتباعِ سنت، دس نماز وطریق نماز، دس فضائلِ جماعت، دس زکوٰۃ، دس روزہ، دس حج وجہاد، دس فضائلِ قرآن، دس اخلاق اور دس فضائلِ ذکراللہ سے متعلق۔

(۱۰) عزت کی زندگی (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء طبع ثانی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء مطبع روز بازار امرتسر

اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ توحید باری تعالیٰ کو اس طریق پر مانتے ہیں جو اسلام نے بتایا ہے اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں تو صحیح معنوں میں انھی کے لیے عزت کی زندگی ہے۔

(۱۱) تہذیب (اردو) صفحات ۱۶ طبع ۱۹۰۲ء/۱۳۲۰ھ

اس رسالہ میں تہذیب اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ مہذب جنٹلمین اور عباداللہ وعبادالرحمٰن ہم معنی ہیں، شرٹ پتلون پہننے والا اور داڑھی کو صاف کرنے والا اور اکڑ کر زمین پر چلنے والا حقیقۃً جنٹلمین نہیں ہے۔ اس کے بعد اخیر میں یورپ کے چند گھناونے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے

(۱۲) السلام علیکم (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۹۰۵ء مطبع اہلحدیث امرتسر

اس رسالہ کے شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ عوام الناس "السلام علیکم" کہنا بے ادبی سمجھتے ہیں اور بجائے اس کے ہاتھ کھڑا کرنا اور آداب عرض کہنا مہذب سلام جانتے ہیں اور غیر مذہب کا یہ حال ہے کہ بجائے السلام علیکم کے یا علی المدد وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد سلام کے ان طریقوں کو بالدلائل تردید کرتے ہوئے اسلامی سلام کی خوبی اور صحت ثابت کی گئی ہے۔

(۱۳) حیاتِ مسنونہ (اردو) صفحات ۱۶، طبع اول ۱۹۳۵ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر

اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کی زندگی دو قسم کی ہے (۱) انفرادی (۲) اجتماعی۔ اجتماعی تین طرح کی ہے (الف) عام بنی نوع انسان سے (ب) گھر والوں، رشتہ داروں اور قرابت داروں سے (ج) ماتحتوں اور افسروں سے تعلقات۔ اسی طرح انفرادی زندگی کی بھی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اعتقادِ صحیحہ (۲) اعمالِ صالحہ (۳) اخلاقِ فاضلہ۔

اس کے بعد انسان کی ان مذکورہ ضرورتوں سے متعلق ہدایاتِ مسنونہ مختصراً بیان کی گئی ہیں۔

(۱۴) رسوم اسلامیہ (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۹۰۲ء مطبع اہلحدیث امرتسر۔

اس رسالے میں رسوم قبیحہ متعلقہ شادی بیاہ وغیرہ کی تردید اور اتباع سنت کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ رسالہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہے۔

صفحات ۳۲ طبع اول ۱۹۰۴ء مطبع اہلحدیث امرتسر

(۱۵) اسلامی تاریخ (اردو) اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالاتِ طیبہ بطورِ حکایت لکھے گئے ہیں۔ یہ رسالہ مکتب کے بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔

صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء مطبع کوہ نور دہلی تاریخ تصنیف

(۱۶) اہلحدیث کا مذہب (اردو) ۱۳۲۵ھ۔ اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہلحدیث کا مذہب یہ ہے کہ قرآن پاک اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریعت ہے۔ قرآن مجید اور قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی صحابیٔ رسول، کسی عالم (خواہ وہ علامۂ دہر ہی کیوں نہ ہو) پیر، فقیر، فقیہ، مفسر، محدث، امام ولی وغیرہ کا قول حجت و معتبر نہیں۔

صفحات ۱۶۔ تاریخ تصنیف ۱۳۳۵ھ مطبع برقی پریس دہلی۔

(۱۷) اسلام اور اہلحدیث (اردو) اس رسالہ میں پہلے اسلام کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام وہ دین متین ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سکھایا اور طبقۂ اولیٰ کے مسلمانوں کا جو طریقہ عمل تھا وہی اسلام کا سچا نمونہ تھا۔ اہلحدیث نے اس طرز زندگی میں کوئی اضافہ نہیں کیا نہ کسی طرح کی کوئی حد فاصل قائم کی، نہ کسی غیر کی طرف اپنے کو منسوب کیا اور نہ کسی غیر کے تعلق کو جزو ایمان سمجھا یہ رسالہ ان تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بہت موزوں ہے جو فرقہ بندیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

صفحات ۱۶ طبع ۱۳۵۲ھ مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر۔

(۱۸) التعریفات النحویۃ لافادۃ طلبۃ العربیۃ (عربی) اس رسالہ میں مختصر طور پر نحو کے موٹے موٹے مسائل درج کیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ ابتدائی عربی درجات کے بچوں کے لیے بیحد مفید ہے

صفحات ۱۲۰ طبع پنجم ۱۹۱۸ء مطبع روز بازار ہال امرتسر

(۱۹) ادب العرب (اردو) اس کتاب میں فن صرف کے قواعد مفصل طور پر لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب

ہے کہ اس کے یاد کرنے کے بعد مبتدی دوسری صرف کی کتابوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

وی ثنائیہ (اردو) دو جلدوں میں)

اول: صفحات ۶۴۰ طبع ۱۳۷۲ھ مطبع محبوب المطابع برقی پریس دہلی۔
میں عقائد، صلوٰۃ، جنازہ، زکوٰۃ، روزہ، حج اور دیگر متفرقات کے صدہا اہم ترین مسائل،
تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں اور معاملات کے احکام کو زیادہ سے زیادہ واضح اور قریب الفہم بنانے کی
تاکہ عام و خواص سب کے لیے یکساں ہو۔

دوم: ۵۰۰ طبع ۱۳۷۳ھ مطبع محبوب المطابع برقی پریس دہلی۔
میں نکاح، طلاق، بیوع، آداب، فرائض اور متفرقات کے سیکڑوں مسائل بہت تشریح و
ساتھ [illegible] گئے ہیں اور معاملات کے احکام کو اس جلد میں بھی اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔
ان فتاویٰ کی مزید خوبی یہ ہے کہ شیخ الحدیث مولانا ابوسعید محمد شریف الدین دہلوی رحمۃ اللہ
پر نظر ثانی فرما کر نوٹ لگا کر مزید اضافہ کیا ہے اور کہیں کہیں اختلاف بھی کیا ہے۔

لام الہیین فی جواب الاربعین (اردو)

صفحات ۱۹۶ طبع اول ۱۹۰۴ء مطبع اہلحدیث امرتسر
یہ کتاب خاندانِ غزنویہ خصوصاً مولانا عبدالجبار صاحب
کتاب "الاربعین" کے جواب میں ہے، جس میں غزنوی خاندان نے "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن"
پر چالیس اعتراضات کیے تھے۔

کتاب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاووں کا کچھ حصہ اکٹھا کیا گیا ہے جو اہم سال کی
اخبار اہلحدیث میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کے مرتب مولانا محمد داؤد صاحب راز رحمۃ اللہ علیہ ہیں
جو اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا مرحوم کے ذخائر فتاویٰ کو سامنے رکھ کر ہمیں نے لیے
منتخب کرنا چاہا ہے جو عوام و خواص مسلمین کے لیے دینی امور میں آج کے حالات کے ماتحت بہترین
لیں۔ فروعی اختلافات سے دامن بچا کر بیشتر متفق علیہ مسائل کو لیا گیا ہے۔

(۲۲) **غزنوی نزاع کا فیصلہ** (اردو) صفحات ۴۴ طبع اول ۱۹۰۹ء مطبع روز...
اس کتاب کا دوسرا نام "فیصلہ حقیقۃ الاخوان بذکر تفسیر القرآ..." ہے اس میں خاندانِ غزنویہ کا رسالہ "فیصلہ مکہ" کا جواب مسدقہ سرسٹھ (۶۷) علماء اہلحدیث مع واقعات در...

(۲۳) **اصلاح الاخوان علی ید السلطان** (یعنی امرتسری اور غزنوی نزاع کا فیصلہ) (اردو)

صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۴۷ھ مطبعہ

یہ رسالہ اس صلح کی روئداد ہے جو خاندانِ غزنویہ اور مولانا امرتسری کے مابین سلطان عبدالعزیز بن... ہاتھوں ہوئی تھی۔ فیصلۂ صلح کی نقل یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم[1]، فی المجلس الشریف المنعقد علی ید الامام عبد العزیز بن...
قد حضر الشیخ مولوی ثناء اللہ امرتسری وحضر معہ الشیخ عبد الواحد الغزنوی فطلب...
الی الامام ایدہ اللہ ان ینظر فیما کان من النزاع بحضرۃ جماعۃ من العلماء و قد حصل...
بعد النظر فیما قالوا علی ان الشیخ ثناء اللہ قد رجع عما کان کتبہ فی تفسیر القرآن من...
الاستواء وما فی معنی ذلک من آیات الصفات الذی تبع فیہ المتکلمین واتبع ما قالہ...
فی ھذا الباب واقر بانہ ھو الحق بلاریب والتزم ان یکتب ذلک فی تفسیرہ، واما الشیخ...
عبد الواحد الغزنوی ومن معہ کان قد تکلم فی حق الشیخ ثناء اللہ مما یوجب الطعن علیہ...
یرجعون عنہ وان یحرقوا الاربعین التی کتبوھا فی حقہ ورجع کل منھما الی تجدید عقد...
واجتناب ما ینافی ذلک حصل القرار عن ذلک وتبایعوا علیہ علی ید الامام والعلماء الم...
علیہ والحمد للہ علی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ و...

۲۷ ذی الحجۃ ۱۳۴۴ھ

ترجمہ:- مولوی ثناء اللہ اور شیخ عبدالواحد غزنوی کی نزاع میں امام عبدالعزیز بن سعود کے سامنے ع...
موجودگی میں اس پر اتفاق ہوا کہ مولوی ثناء اللہ نے آیت استواء اور دیگر آیاتِ صفات میں سلف کی...

---

[1] سلطانِ معظم نے یہ فیصلہ شیخ عبداللہ بلیہد قاضی القضاۃ حجاز سے لکھوایا تھا۔

رجوع کیا اور اقرار کیا کہ وہی حق ہے اور اس بات کا التزام کیا کہ اس کو اپنی تفسیر میں لکھیں گے اور شیخ عبدالواحد غزنوی اور ان کے ساتھیوں نے جو مولوی ثناء اللہ کے خلاف طعن وتشنیع لکھے ہوئے ہیں وہ ان سے رجوع کریں اور "اربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب المحدثین" جو انھوں نے لکھی ہے، اس کو جلادیں۔ سب نے تجدید اخوت کا اقرار کیا اور اس پر اتفاق ہوا۔

(۲۴) دکھے دل کی داستان (یعنی روپڑی نزاع کی ابتدا اور انتہا) (اردو)

صفحات ۴۴ طبع اول ۱۹۳۹ء مطبع ثنائی برقی پریس دہلی۔

اس کتاب میں اس نامناسب رویے کی تفصیل بتائی گئی ہے جسے مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے اپنے اخبار "تنظیم" کے ذریعہ عوام میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مطعون کرنے کے لیے ان کے خلاف اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے اخیر میں جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود کا وہ فیصلہ بھی درج ہے جو مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ اللہ کے مابین کتاب "الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب المحدثین" کے سلسلہ میں ہوا تھا۔

(۲۵) مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری (اردو)

صفحات ۶۴ طبع اول ۱۹۴۰ء مطبع ثنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر

مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اخبار "تنظیم" مورخہ ۸ ردسمبر ۱۹۳۹ء سے ۳ رمئی ۱۹۴۰ء تک جو کچھ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد و فتاوے پر تعاقبات کیے تھے، ان سب کے جواب پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

(۲۶) فیصلہ آرہ (اردو)

صفحات ۶۴ طبع اول جون ۱۹۰۵ء / ۱۳۲۳ھ مطبع اہلحدیث امرتسر

خاندانِ غزنویہ امرتسر سے ایک رسالہ بنام "الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب المحدثین" شائع کیا گیا تھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب اہلحدیث نہیں بلکہ معتزلی اور نیچری ہیں۔ اس کا جواب مولانا امرتسری نے "الکلام المبین بجواب الاربعین" سے دیا۔

یہ معاملہ جلسہ مذاکرۂ علمیہ آرہ منعقدہ ۱۳۲۲ھ (جہاں علماء اہلحدیث کا ایک بہت بڑا مجمع تھا) کے موقع پر اکابر

(باقی ص ۴۴ پر)

عربی سے ترجمہ
اختر عظیم بستوی

کانگریس لائبریری

> مکرمی مخدومی مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
> ایک ترجمہ پیش خدمت ہے، اگر قابلِ اشاعت ہو تو قریبی اشاعت میں جگہ دے کر ہمت افزائی فرمائیں۔ اہلِ یورپ اور اہلِ مغرب جدید علوم اور تحقیقات کا انکشاف بھی کرتے ہیں اور ان ایجادات سے کس طرح خدمت لیتے ہیں اور علم وفن کی ترقی، ترویج واشاعت کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔ یہ آپ کو اور ناظرین کو اس ترجمہ سے معلوم ہوگا۔ اسطرح کی اور معلوماتی حیرت انگیز چیزیں میرے پاس ہیں، اگر یہ قابلِ اشاعت ہوا تو اور بھی کوشش کروں گا۔ والسلام
> اختر عظیم بستوی۔ ۱۰/۲/۱۴۰۵ھ

یہ لائبریری امریکی کانگریس کے بالمقابل واقع ہے اور اپنے سینے میں علم ومعرفت کے وہ خزانے سموئے ہوئے ہے جسے انسانی عبقریت کی طویل جدوجہد نے رقم کیا ہے۔ یہ لائبریری فرانس کی عالمی قومی لائبریری اور انگلستان کی سرکاری لائبریری سے قدرے مختلف ہے، فرانس کی اس قومی لائبریری کا سہرا قدیم فرانسیسی شہنشاہ شارلیمان کے سر ہے (مدت حکومت ۷۶۸۔۔۔۸۱۴ء) اس میں شہنشاہ پولس چہاردہم کے عہد میں توسیع ہوئی۔ اس طرح برٹش لائبریری سر جانس سیلون حکیم اور جارج ثانی کے ذاتی کتب خانوں کی شمولیت سے کافی وسیع ہوگئی، بعد میں جارج ثالث کا عظیم کتب خانہ بھی اس میں ضم ہوا۔ (مدت حکومت ۱۷۶۰۔۔۔۱۸۲۰ء)
اس کے برخلاف کانگریس لائبریری ان دونوں سے جداگانہ تاریخ وجود رکھتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اس کے

نام سے ظاہر ہے یہ جمہوری طریقے پر وجود پذیر ہوئی ہے۔ کانگریس کے باذوق افراد کے ہاتھوں اس کی تشکیل ہوئی جو اپنی روزانہ زندگی میں قوانین کی صحت و تاکید، قانون کی نئی تعبیرات و تشریحات اور اس کے نشیب و فراز سے واقف ہونے کے لیے حوالہ کی کتابیں دیکھا کرتے تھے۔ اس پس منظر میں ضروری تھا کہ وہ حوالہ اور مراجعہ کے لیے ایک ایسی لائبریری کی بنیاد ڈالتے جہاں عالمی اور ملکی نظام حکومت اور قانون کی اساسی کتب موجود ہوتیں۔ دوسری طرف اس کے بانیوں میں قبائلی نمائندے، قبائلی قانون کے واضعین اور ان کی حفاظت و بازیافت کرنے والے بھی شامل تھے۔ اس لیے یہ لائبریری ان ممبران یا نمائندوں تک محدود نہیں بلکہ قوم کی ملکیت تھی۔ یہ تنوع اس کے وجود و قیام کے پس منظر میں موجود ہے۔ اس لیے ہر طبقہ کے لوگ اس کی قیادت کرتے ہیں اور دونوں عالمی لائبریریوں کے برخلاف جمہوری طور پر اس کے نمائندے منتخب ہوتے ہیں۔

۱۸۰۰ء میں پہلی کانگریس اور اس لائبریری کا زمانہ وجود ایک ہی ہے۔ اس وقت کانگریس نے پاس کیا کہ یہ لائبریری فیڈرل حکومت کی خدمت کے لیے ہوگی اور نئی حکومت کے لیے ثقافتی، علمی اور تاریخی مرکز بھی ہوگی۔

۱۸۰۰ء میں انگلینڈ سے ۷۴۰ جلدوں میں ۱۵۰ کتابیں درآمد کی گئیں۔ اس مجموعہ میں قانون، سیاست، اقتصادی اور تاریخی مواد نیز بعض اہم نقشے بھی تھے۔ اس زمانہ میں سابق امریکی صدر جیفرسن کی اسکیم سامنے آئی کہ یہ لائبریری امریکی حکومت کی نمائندہ لائبریری ہوگی۔ نیز اس کی سرگرمیاں ممبران کانگریس، قانونی اداروں، دیگر امریکی لائبریریوں محققین علماء و ادباء اور فنکاروں کی خدمت و استفادہ کے لیے ہوگی۔

۱۹۱۴ء امریکی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس سال اہم حادثے وقوع پذیر ہوئے، جبکہ انگریزوں نے واشنگٹن پر یلغار کیا اور صدر ہاؤس کو نذر آتش کر دیا، امریکی دارالشائع کو منہدم کر دیا اور آتش بازی کے نتیجے میں کانگریس لائبریری کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اس عظیم نقصان کی تلافی کے لیے لائبریری نے دوبارہ جیفرسن کے کتب خانہ کو خریدا۔ جس میں ۶۴۸۲ جلدوں میں کتابیں تھیں، ایک اندازے کے مطابق اس کی قیمت ۲۲۶۵۰ ڈالر تھی۔ کہتے ہیں کہ امریکہ میں یہ سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ یہ امریکی صدر ۵۰ برس تک یہ کتابیں جمع کرتا رہا۔ جس سے اس کی سیاسی تاریخ اور فلسفیانہ اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جیفرسن فرانسس بیکون کے طرز پر اپنا کتب خانہ مرتب کرتا تھا، جو تین علوم، حافظہ، سبب اور خیال پر مشتمل تھا۔ لیکن جیفرسن نے ترقی دے کر اسے ۴۴ انواع میں مرتب کیا۔

یہ ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس کی نشو و نما کے بعد کانگریس لائبریری کا ذخیرہ ۸۲ ملین اجزا پر مشتمل تھا۔ اس میں قدیم تمثیلی برتنوں اور مجسموں کے ساتھ جدید آرٹ کے نمونے بھی تھے۔ اس میں ۳۰ ملین مخطوطے تھے۔ جس میں تمام ادبی، تاریخی، سیاسی، علمی ... اور ثقافتی افکار کے نمونے موجود تھے۔ اس میں کلاسیکی موسیقی کے ۲ ملین اجزا کے علاوہ قبائلی سنگیت کے ایک ملین نمائندہ اجزا موجود تھے۔ ایک ملین سے زائد فلمیں، ۶ ملین نقشے اور اٹلس اور ۲۰ ملین کتابیں تھیں۔

عمارتیں:

یہ عظیم لائبریری امریکی دارالحکومت میں واقع چند عمارتوں پر مشتمل ہے۔ بعض شاخیں دوسرے صوبوں میں بھی ہیں۔ تین عمارتیں تو ایک ہی خطہ میں ہیں۔ جن کے درمیان سڑکوں کے ذریعہ رابطہ قائم ہے۔ ان میں سب سے قدیم عمارت ایک علامت کی حیثیت رکھتی ہے اور ثقافت و سیاست کا مرکز ہے، جس کا نام "تھامس جیفرسن" ہے۔ اطالین طرز تعمیر پر ۱۸۹۲ء میں اس کی بنیاد پڑی اور ۸ برس میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کی دیواریں اندر سے سفید اطالین پتھروں سے بنی ہیں۔ بڑے ہال اور دیواریں مختلف تمثیلی آرٹ کے نمونوں سے عبارت ہیں۔ اور مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اسی عمارت میں مرکزی دارالمطالعہ بھی ہے۔ اس دارالمطالعہ میں ۶۰۰۰۰ حوالہ کی کتابیں موجود ہیں۔ اس میں فہرستِ عام بھی ہے۔ جو مولفین کے اسماء، عنوانات اور دیگر مختلف قسم کے ۲۵۰۰۰ کارڈوں پر مشتمل ہے۔ اس دارالمطالعہ میں ۲۰۲ محققین کی جگہ ہے یہ لائبریری کا دل کہلاتا ہے۔

اس پہلی عمارت کی پشت پر "جان ادمز" کی دوسری عمارت ہے۔ ۱۹۳۹ء میں اس کی تعمیر ہوئی۔ ان دونوں کے بازو میں "جیمس میڈیسن" کی عمارت ہے۔ یہ بھی دونوں کے برابر ہے۔ ۲۰ برس تک اس کی تعمیر ہوتی رہی۔ ۱۹۸۰ء میں اس کا افتتاح ہوا۔ ان کے اندر سرنگیں رابطہ کا کام کرتی ہیں جو برقی آلات سے لیس رہتی ہیں۔ پڑھنے والے سڑکوں کے بجائے انہی کے اندر سفر کرتے ہیں۔

شعبہ شرق اوسط:

کانگریس لائبریری کے شرق اوسط کے شعبہ میں ۱۵ ہزار جلدوں میں عربی کتب موجود ہیں جن کا انتخاب عربی اور اسلامی علوم کے ماہرین نے کیا ہے ان کا عملی مرکز قاہرہ میں ہے۔ جہاں کانگریس لائبریری کی شاخ بھی موجود ہے، جس کی اہم ذمہ داری مصر اور عالم اسلامی میں طبع ہونے والی کتابوں کی خریداری ہے۔ اس کا نگراں ایک

ماہر اسلامیات ہے، نیز قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کے اساتذہ میں سے ایک استاذ اس کے معاون ہیں، جو مصر میں کانگریس لائبریری کے مشیر کار بھی ہیں۔ قاہرہ کی یہ لائبریری عربی کتب کا انتخاب کرکے از سرنو اسکو فنی ترتیب دے کر مزید ترتیب، فہرست سازی اور فنی کاموں کے لیے مرکزی لائبریری واشنگٹن بھیج دیتی ہے۔

قاہرہ لائبریری کی ان سرگرمیوں کے علاوہ شرق اوسط کے شعبہ کا سربراہ جو کہ اسلامیات اور عربی علوم کا ماہر ہے۔ ان علوم کے متعلق کتابیں تلاش کرنے کے لیے سال میں ایک مرتبہ عام کا سفر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایسی تلاش کا حاصل شیخ منصوری کا مجموعہ ہے۔ اسی نام سے ان کی ذاتی لائبریری تھی۔ ان کا مجموعہ امریکی دنیا میں سب سے نادر عربی مجموعہ شمار کیا جاتا ہے، ساتھ میں شرق اوسط کا شعبہ عرب و اسلامی تہذیب و تمدن پر مشتمل پروگرام طے کرتا ہے اور ان کانفرنسوں میں شرکت کے لیے عالم عربی کے اہم علماء کو مدعو کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر سہیر القلماوی، لویس عوض زکی نجیب محمود اور مشہور شاعر نزار قبانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

معذورین کے لیے خاص لائبریری:

کانگریس لائبریری کا عظیم انسانی کارنامہ معذورین کے لیے ایک خصوصی شعبہ کا انتظام کرنا ہے۔ معذورین کی اس لائبریری کے لیے عظیم مسنفین اور شخصیتوں کی کتابیں جمع کی جاتی ہیں۔ اس شعبہ میں ...۲۵ موضوعات پر کتابیں موجود ہیں۔ ہر سال ...۱۹ موضوع پر مشتمل کتابیں جاری ہونے کے لیے تیار رہتی ہیں، نیز ...، موضوعات پر کیسیٹس تیار ہوتی ہیں۔ بریل کے طریقے پر ان کا اہتمام ہوتا ہے۔ لائبریری اپنی ذمہ داری پر بغیر ڈاک محصول کے یہ کتابیں اور رسائل اور ان کے استعمال کی چیزیں معذورین تک پہنچاتی ہیں۔

شعبہ تحقیقات برائے کانگریس:

کانگریس لائبریری کا شعبۂ "تحقیقات برائے کانگریس" اہم شعبوں میں سے ہے۔ اس شعبہ کی کارکردگی کی سرعت ہی شاید اس کا ما بہ الامتیاز ہے، چنانچہ ممبران کانگریس کی مطلوبہ تحقیق کو فوری طور پر تیار کرنا ضروری ہے تاکہ میٹنگ کے درمیان ہی اس سے استفادہ ہو سکے۔ اس شعبہ میں مختلف موضوعات پر درک رکھنے والے ۵۹۰ ماہرین مامور ہیں۔ ہر محقق کے سامنے کمپیوٹر فٹ رہتا ہے تاکہ حصول معلومات ان کے مراجعہ اور صحیح جوابات کی فوری تیاری میں معاون ثابت ہو۔ ...

عظیم قانونی ذخیرہ:

شعبہ قانون لائبریری کا سب سے قدیم شعبہ ہے۔ اگرچہ اور مجموعات کی بہ نسبت چھوٹا ہے تاہم اس شعبہ کو امریکہ اور دنیا کا سب سے بڑا قانونی ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں مختلف عالمی قوانین کی کتب حوالہ موجود ہیں۔ اس میں کام کرنے والے دنیا کے مانے ہوئے قانون داں ہیں۔ جن کے لیے امریکی قانون کا سند یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی خاص عالمی قانون کا سند یافتہ ہونا ضروری ہے، جسے قبائلی قانون سے بھی دلچسپی ہو تاکہ جیوری کے ارکان کانگریس کے ممبران اور قانونی ماہرین کے سوالات کا صحیح جواب دے سکے۔ ساتھ ہی یہ ادارہ ممبران کانگریس کو خاص خاص شہروں اور ملکوں کے قوانین سے باخبر رکھتا ہے، جن کے ساتھ ان کے تجارتی، اقتصادی نیز سیاسی معاہدے اور تعلقات ہوتے ہیں۔

تاریخ نویسی کا اہم مرکز:

فن تصویر کشی کی اہمیت ہی کی وجہ سے اس لائبریری میں شعبۂ تصویر کی بنیاد پڑی۔ اس شعبے میں ۱۳ ملین مختلف تصویروں کا خزانہ ہے۔ سیاسی کارٹونوں اور افریقہ، سائبیریا اور جاپان روس جنگ کی تاریخ تصاویر کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں امریکی نوآبادیات کی تصاویر کا ایک نادر مجموعہ بھی ہے۔ اس طرح یہ ادارہ تاریخ نویسی، خاص طور سے ۱۹۳۰ء کے ایام میں امریکی اقتصادیات کی بحرانی کیفیات کی تاریخ رقم کرنے کا ایک اہم مرکز ہو گیا ہے۔ یہ ادارہ مولفین، ناشرین، ٹیلیویژن کے ذمہ داران، مصنفین اور ادبا کو بیش بہا معلومات فراہم کرتا ہے۔ دوسری طرف اس ادارہ میں امریکیوں کی فتح و شکست ضروریات اور روزانہ زندگی میں ان کے احساسات کی تاریخ واقعات کی شکل میں موجود ہے۔ اس ادارہ میں موجود تصاویر امریکہ کی اوائل دریافت کی آئینہ دار ہیں۔

قبائلی سنگیت:

۱۹۲۸ء میں اس لائبریری نے قبائلی سنگیت کا ایک انتخاب تیار کیا، جس میں قبائلی آرٹ کے ماہرین، بطور خاص، "الان لوماکس" اور "رابرٹ جارڈون" نے کام کیا۔ ان دونوں آرٹسٹوں نے قدیم شہروں قصبوں اور گاؤں، غاروں اور وادیوں میں گھوم کر قبائلی گیت جمع کیے اور لائبریری کے شعبہ نے فنی حیثیت سے اس کی ریکارڈنگ کی۔

۱۹۷۸ء میں امریکی صدر فورڈ نے کانگریس لائبریری میں امریکی قبائلی تاریخی ورثہ کے لیے ایک مرکز

قائم کرنے کی قرارداد پاس کی۔ قبائلی تاریخی سرمایہ کی نشر و اشاعت اس مرکز کی ذمہ داری تھی۔ فن موسیقی کی طرف خصوصی
توجہ کے لیے لائبریری نے اونچے پیمانے پر اہتمام کیا، اس مقصد سے ادارے نے دو ہال تیار کرائے تاکہ اس میں
موسیقی، سیمفونی اور آرکسٹرا کے پروگرام پیش کیے جاسکیں، جس طرح امریکہ اور یورپ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن
موسیقی کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ بڑے ہال میں ۵۰۰ کرسیوں کی گنجائش ہے اور ہر جمعہ کی شام موسیقی کے شائقین
بڑے ہال کو رونق بخشتے ہیں۔

تصنیف کی سہولیات :

کانگریس لائبریری میں وسیع تر آراستہ و پیراستہ قیمتی فرنیچر سے مزین کمرے ہیں جن میں لائبریری بڑے
بڑے شاعروں اور ادیبوں کو سال دو سال کے لیے مہمان بناتی ہے۔ ان کی تصنیف و تالیف کے لیے بہترین فضا
ساز گار کرتی ہے، پھر انھی کی آواز میں ریکارڈنگ کا اہتمام کرتی ہے۔ امریکہ کے علاوہ باہر کے شعراء و ادباء کو بھی
مدعو کیا جاتا ہے۔ پھر لائبریری عالمی ریڈیو اسٹیشنوں کو یہ پروگرام سپلائی کرتی ہے۔ ہر دو شنبہ، شام غزل کا اہتمام
کیا جاتا ہے۔ جس میں مشہور ادبا و شعراء اور ان کے مداحین شریک ہوتے ہیں۔ پھر یہ پروگرام نشر کیا جاتا ہے۔

امریکی قوم کی تہذیبی و ثقافتی امور کی ترویج و ترقی کے لیے لائبریری ادباء و ماہرین کی کانفرنس بلاتی ہے، مثال
کے طور پر اس لائبریری نے تین ہفتے تک "آج کا مصر" کے عنوان سے ایک ثقافتی پروگرام پیش کیا۔

ادارۂ لہجات :

کانگریس لائبریری میں مختلف زبانوں اور لہجات کا ادارہ قائم ہے۔ مثال کے طور پر شرق اوسط، لاطینی امریکہ،
بعض یورپ سلافی، اور پرتگالی زبانوں کے شعبے موجود ہیں۔

کمپیوٹر سسٹم :

ادارہ تحقیق و تالیف کے شعبہ نے تمام رائج الوقت قوانین کو کمپیوٹرائز کیا ہے، اس میں کانگریس کے انعقاد
سے لے کر ۳۰۰۰ قانونی دفعات ہر دو سال کے اندر اضافہ کیے جاتے ہیں۔ بڑی آسانی سے ان قوانین کا مراجعہ
ممکن ہے نیز اس ادارے نے اس میں ۳۵۰۰ سرکاری دفعات بھی شامل کی ہیں اور اخبارات میں شائع
شدہ ہزاروں مقالات کو بھی کمپیوٹرائز کیا ہے۔ اس طرح مولف اور عنوان کے ساتھ ان کا حوالہ دیکھنا بہت آسان
ہوگیا ہے۔ اسی طرح ۱۹۶۹ء سے کانگریس لائبریری نے اپنے ذخیرۂ کتب کو بھی کمپیوٹرائز کیا ہے۔ نئے سالوں میں

ای کتابیں مستقل ان مراحل سے گزرتی ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ تمام کتابوں کا نام کمپیوٹر میں موجود ہے
س طرح سے اہلِ علم مطالعہ کرنے والے اور محققین کے لیے دسیوں کمپیوٹر خدمت اور تعاون کی خاطر موجود ہیں
ے لیے ہیں جہاں نوآموزوں کی مشق کے لیے کمپیوٹر رکھے رہتے ہیں اور بہت سے آپریٹر ایک گھنٹہ کے
یں ان کے طریقہ استعمال سے واقف کراتے ہیں۔

ست کارڈوں کی فروخت :

امریکہ میں تقریباً ۲۵۰۰۰ لائبریریاں کانگریس لائبریری کے کارڈوں اور فہرست پر اعتماد کرتی ہیں جنھیں لائبریری
میت پر فروخت کرتی ہے۔ لائبریری ازم، فہرست سازی، مختلف مضامین اور مواد کے انتخاب اور سہولت
کتابوں کے بنیادی موضوع کے اعتبار سے ان کی ترتیب ہوتی ہے۔ اس لیے لائبریری دوسری لائبر
مات بہم پہنچاتی ہے۔

دلِ کتب کے لیے شاخیں:

نگریس لائبریری خرید و فروخت اور تبادلے کے نتیجے میں امریکہ میں شائع ہونے والی ہر کتاب کے پانچ
حاصل کرتی ہے، اس مقصد سے لائبریری نے امریکہ کے باہر مختلف ممالک میں اپنی شاخیں قائم کی ہیں،
دفاتر مشرقِ وسطیٰ، یوگوسلاویہ، جنوبی افریقہ اور نیروبی میں قائم ہیں، جہاں سے وہ ایتھوپیا، کینیا،
صومال، سوڈان، تنزانیہ، یوگنڈا، زمبیا اور اس خطہ کے دوسرے شہروں سے کتابیں خریدتے ہیں۔
ی شاخ، انڈونیشیا، ملائشیا، سنگاپور وغیرہ کی کتابیں حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح قاہرہ کی شاخ عالم عرب
ی افریقہ کی کتابیں جمع کرتی ہے۔ یورپ میں بھی اس لائبریری کی شاخیں موجود ہیں۔ اسی طرح کی ۴۲ شاخیں
یں لائبریری کو خشکی کے راستے کتابیں بھیجتی ہیں۔

کانگریس لائبریری تمام عالمِ انسانیت کی معرفت و تحقیق کا ہدف رکھتی ہے وہ امریکہ کو ایک منفرد
کا حامل سمجھتی ہے جو تمام دنیا سے جداگانہ ہے وہ اس کی انگریزی کو درآمد شدہ زبان کہتی ہے جیسا کہ
سکریٹری کا خیال ہے۔ اس لیے امریکہ تمام دنیا کے مہاجرین کو اپنے یہاں جگہ دینے پر تیار ہے۔ ان مہاجرین
مختلف قسم کے تاریخی، سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی پس منظر ہوتے ہیں۔ سکریٹری کے بقول لائبریری کی
رہی ہے کہ وہ اہلِ وطن کی خواہشات پوری کرے۔ بایں طور کہ لائبریری میں ان کی مادری زبان میں کتابیں ہوتی
اس منطق و فکر کے بعد کوئی تعجب نہیں رہتا کہ ان کی یہ قومی لائبریری ایک عالمی لائبریری ہے۔

عالمِ اسلام

سعودی عرب:

ہمہ گیر خودکفالت کی راہ میں!

سعودی عرب ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۴ء تک ۲۲ برس کی تقریباً مسلسل جنگوں کے بعد موجودہ شکل میں وجود پذیر ہوا ہے۔ جو قومیں طویل عرصے میدانِ جنگ میں گزارتی ہیں وہ عموماً جذباتی ہو جاتی ہیں خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ انہیں مسلسل فتح و کامرانی نصیب ہو۔ لیکن اس کے برعکس سعودی عرب کے حکمرانوں کے ہوش برعین اس وقت بھی ہوش بجا رہا جب وہ توپ و تفنگ لے کر اپنے دشمن سے نبرد آزما تھے اور ان پر فتحیاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ اسی ہوشمندی کا نتیجہ ہے کہ جوں ہی جنگوں کا سلسلہ ختم ہوا، سعودی حکمران اپنے ملک اور قوم کی ہمہ جہتی تعمیر میں اس طرح خاموشی کے ساتھ جٹ گئے کہ گویا پس منظر سے غائب ہو گئے۔ اب بھی اس ملک کا نام خبروں میں کم ہی آتا ہے چونکہ یہ ایک اسلامی ملک ہے، اسلامی معتقدات کی بنیاد پر قائم ہوا ہے۔ مرکزِ اسلام مکہ اور مدینہ کا خادم و پاسبان ہے۔ اسلامی احکام و قوانین کی تنفیذ اس کا مخصوص شعار ہے اور یہاں بین الاقوامی سازشیوں کی دال نہیں گلتی ہے بلکہ وہ پورے عالمِ اسلام میں پھیلی ہوئی اسلام دشمن سازشوں کا قلع قمع کرنے میں نہایت خاموشی کے ساتھ نہایت اہم رول ادا کرتا رہا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ جو یہودیوں کے زیرِ اثر ہیں جب بھی اس ملک کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ گویا یہ بالکل ہی ناکارہ ملک ہے، یہاں عیش و عشرت کے سوا کچھ نہیں۔ مادی طور پر تعمیر و ترقی کے سارے امکانات مفقود ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر حقیقت کہ یہ ہے کہ یہ محض پروپیگنڈہ اور بکواس ہے۔ سعودی عرب نے جنگوں سے نجات کے بعد اپنے ۵۰ سالہ دورِ امن میں ہر پہلو سے نہایت جامع ترقی کی ہے، وہاں کی سڑکیں، عمارتیں، شہر، شہری لوازمات اور

اسباب معیشت پر نظر ڈالیے تو یورپ اور امریکہ جیسے بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک سے کسی طرح پیچھے نظر نہیں آئے گا۔ یہ درست ہے کہ یہ چیزیں باہر سے خریدی گئی ہیں — اور امریکہ سمیت دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں جو بیرونی ممالک کی مصنوعات اور پیداوار درآمد کرنے پر مجبور نہ ہو — لیکن سعودی حکمراں اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی یہ نہ چاہیں گی کہ مسلمان ان کی مصنوعات و پیداوار سے بے نیاز ہو کر ان کے چنگل سے آزاد ہو جائیں۔ اور کسی مسلمان ملک نے ایسی کوشش کی تو اسے سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ حالانکہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اس لیے سعودی عرب ایک طرف تو دنیا بھر کے ممالک سے اشیائے ضرورت درآمد کرتا رہا۔ اور دوسری طرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوششوں میں نہایت خاموشی کے ساتھ مصروف رہا۔ سعودی عرب کے صحرا میں نئے نئے شہر ابھرے۔ دنیا بھر کے دستکاروں نے اپنے جیب و دامن بھرنے کے لیے وہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ اور ریال کے بدلے اپنی اپنی صلاحیتیں اس ملک کو فراہم کیں۔ اس کے بعد کچھ اس ڈھنگ سے خبریں آنا شروع ہوئیں۔

سعودی عرب گیہوں کی پیداوار میں خود کفیل ہو چکا ہے، بلکہ وہاں گیہوں کی پیداوار ضرورت سے فاضل ہے۔ ڈیری فارم، پولٹری فارم وغیرہ وغیرہ کی بدولت سعودی عرب اپنی خوراک کی جملہ ضروریات کا نوے فی صد ۹۰٪ خود پیدا کر رہا ہے یعنی اب وہ خوراک کے میدان میں تقریباً خود کفیل ہے۔

مغرب کا وہ حلقہ جو مختلف حکمتوں سے پٹرول کے دام گرا کر مرحوم شاہ فیصل کے "پٹرول بند" اقدام کا بدلہ لیتے اور سعودی عرب کو محتاجی کی ذلت "چکھانے" کی تدبیریں کر رہا تھا، ان خبروں سے ابھی دم بخود تھا ہی کہ ایک اور دھماکہ ہوا۔ خبر آئی کہ پٹرول سے تیار کی جانے والی پٹروکیمکس اشیاء جس پر مغرب کا اجارہ چلا آ رہا تھا، اب سعودی عرب میں تیار ہو رہی ہیں اور اتنی مقدار میں تیار ہونا شروع ہو گئی ہیں کہ وہ خود یورپ کو یہ اشیاء فراہم کر سکتا ہے۔ یہ خبر یورپی منڈی کے لیڈروں پر — جو غیر ترقی یافتہ ممالک کی دولت لوٹ رہے ہیں — بجلی بن کر گری — اور اس منڈی کے سکریٹریوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے یہاں سعودی عرب کی مصنوعات کی درآمد نہ ہونے دیں گے۔ سعودی عرب نے اس کے جواب میں دھمکی دی ہے کہ اگر اس قرارداد پر عمل ہوا تو ہم بھی یورپین منڈی کے رکن ممالک کی مصنوعات کے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔

بہر حال ابھی یہ صورتحال اسی مرحلے میں تھی کہ خبر آئی کہ سعودی عرب خلائی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے پر تول رہا ہے!

خبر یہ ہے کہ فروری کے آخر تک پہلا عرب مصنوعی سیارہ خلا میں بھیج دیا جائے گا۔ اس سیارچے میں تقریباً آٹھ ہزار ٹیلیفون چینل، ٹی وی کے متعدد چینل اور ایک ایسے چینل کی گنجائش رکھی گئی ہے جس سے ایک کروڑ چالیس لاکھ مربع کلومیٹر کے اندر تمام عرب ممالک کو تعلیمی پروگرام نشر کیے جا سکیں گے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا سیارچہ اگست کے مہینے میں مدار میں پہنچایا جائے گا۔ یہ دونوں سیارچے خط استوا کے اوپر مدار میں رکھے جائیں گے۔ جبکہ ایک تیسرا سیارچہ کسی خرابی کے ازالے کے لیے تیاری کی حالت میں رکھا جائے گا۔

خلا میں بھیجے جانے والے ان دونوں سیارچوں کو کنٹرول میں رکھنے کی غرض سے دو زمینی اسٹیشن قائم کیے گئے ہیں۔ ایک سعودی عرب میں (دیراب کے مقام پر) اور دوسرا تیونس میں۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد عرب سیارچہ کے ٹیلی مواصلاتی نظام سے ٹیلیفون، ٹیلکس مواصلات، الکٹرانک ڈاک سروس۔ ایرلائن ریزرویشن اور اس جیسی دوسری کئی شہری خدمات کی سہولیات حاصل ہوں گی۔

سعودی عرب اس طرف بھی توجہ دے رہا ہے کہ ان ترقیات میں غیر مسلم ہاتھ کے بجائے اسلامی اور سعودی ہاتھ کارفرما ہونا چاہیے، اور اس مقصد کے لیے اس نے تعلیمی اور تربیتی میدان میں ہر ممکن پیش رفت کی کوشش جاری رکھی ہے۔ تاکہ سعودی عرب اپنا قدم وہاں سے آگے بڑھائے جہاں تک دنیا پہنچ چکی ہے۔ اور اسے پچھلی دو صدیوں کے ابتدائی مراحل کے خارزار سے الجھنا پڑے۔

ایک سعودی ڈاکٹر عبداللہ نے حال ہی میں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ گزشتہ چند برس کے دوران سعودی عرب نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا ہے جو دوسرے ممالک کو ایک سو سال کی محنت کے بعد ملا تھا۔

یہ ہے سعودی عرب جس کے متعلق ہمارے ملک کے مسلمان صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہاں ایک سوئی بھی تیار نہیں ہوتی۔

لبنان میں ایک اور قتل عام

۱۹۸۲ء میں بیروت کے دو فلسطینی کیمپوں صبرا اور شاتیلا میں اسرائیل کی یہودی افواج کے زیر حفاظت فلانجسٹ عیسائی ملیشیا نے نہتے فلسطینیوں کا جو قتل عام کیا تھا اور امریکہ سمیت مختلف ممالک کی حفاظتی افواج نے قبل از وقت وہاں سے ہٹ کر قتل عام کا جو موقع فراہم کیا تھا اس کی تفصیل اسی وقت کے ریڈیو اور اخبارات میں اس کثرت سے آگئی تھی کہ محدث جیسے ماہنامے میں اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن اسی طرح کا ایک

قتلِ عام پچھلے مہینوں دسمبر ۱۹۸۴ء میں پیش آیا تھا۔ جس کے متعلق دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے گویا خاموشی اختیار کیے رکھی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

۱۳ دسمبر ۱۹۸۴ء یوم جمعرات کو صبح سویرے جبکہ لوگ بے خبری کے عالم میں میٹھی نیند سو رہے تھے پچاس اسرائیلی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے جنوبی لبنان کے صور ڈویژن کی سات بستیوں کا رخ کیا جن کے یہ نام ہیں:

(۱) معرکہ (۲) برج رحال (۳) طورا (۴) بدیاس (۵) یانوح (۶) طیرایا (۷) عباسیہ

ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سے ان آبادیوں کے باشندوں کی نیند ٹوٹی اور انہیں معلوم ہوا کہ سور اور بندر بنائی جانے والی قوم یہود کے نا خلف پیام اجل بن کر حملہ آور ہیں تو وہ پتھر اور لاٹھیاں لے کر مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ادھر صور میں بیٹھے ہوئے اسرائیلی کمانڈر نے، جو اس کارروائی کی نگرانی کر رہا تھا — حکم دیا کہ عورتوں، بوڑھوں بچوں اور جوانوں پر بلا امتیاز فائرنگ شروع کر دو۔ اس کے بعد ٹینکوں اور مشین گنوں کے دہانے آگ اگلنے لگے، جس کے نتیجے میں ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

یاد رہے کہ جنوبی لبنان میں اقوام متحدہ کی ہنگامی فوج موجود رہی، مگر اقوام متحدہ ہی کی طرح یہ فوج بھی کسی مرض کی دوا نہیں۔ چنانچہ اس فوج کے سرکاری ترجمان تیمور غوکسیل نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ اس علاقے میں اقوام متحدہ کی فوج کے تحت جو فرانسیسی دستہ موجود تھا اسے یہودیوں نے کارروائی کے آغاز کے ساتھ ہی گھیرے میں لے لیا تھا اس لیے معلوم نہ ہو سکا کہ کتنے شہری مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ البتہ اتنا یقین ہے کہ انکی تعداد غیر معمولی تھی۔

بہرحال اس حملے میں زخمی ہونے والوں سے اس علاقے کے اسپتال بھر گئے اور صور کے باشندوں نے گاڑیوں پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کیا کہ لوگ زخمیوں کے لیے خون کا عطیہ دیں۔ تاکہ حتی الامکان لوگوں کی جان بچائی جا سکے۔

غالباً اسلام دشمن طاقتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ان اوچھے حربوں سے مسلمانوں کا وجود ختم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی حرکتیں مسلمانوں کے پنپنے کا سبب بن رہی ہیں۔ چنانچہ جنوبی لبنان کے مسلمان جو اسی طرح کے مظالم سے تنگ آ کر پہلے ہی سے حرکت میں آ چکے ہیں، ان کی مقاومت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس واقعے کے دوسرے ہی دن جمعہ کو اسرائیلی گشتی دستوں پر مسلمانوں نے تین جگہ کامیاب حملے کیے۔ (۱) نبطیہ ڈویژن میں واقع شہر جبشیت کے قریب براہ راست حملہ ہوا۔

(۲) مرجعیون شاہراہ پر ایک یہودی گشتی دستہ گزر رہا تھا کہ ایک سرنگ پھٹی اور جب دوسرے یہودی گشتی دستے تیزی سے جائے حادثہ پر پہنچے تو ایک اسرائیلی گاڑی سے دب کر ایک اور سرنگ پھٹی، جس سے گاڑی اور اس میں موجود سارے اسرائیلی سپاہی جہنم رسید ہو گئے۔

(۳) شہر صور کے قریب ایک اسرائیلی فوجی کیمپ پر میزائلوں سے حملہ کیا گیا۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اسرائیل کے خلاف مسلمانوں کی یہ مقاومت ۱۹۸۲ء کے اسرائیلی حملے کے بعد ہی سے جاری ہے۔ مقاومت کرنے والوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ اپنا کوئی مستقل مرکز بناتے ہیں کہ اسے توڑا جا سکے نہ اپنے لیڈروں کو اخبارات اور ٹیلی ویژن کے سامنے لاتے ہیں کہ ان کے نام اور شکل و صورت سے دشمن واقف ہو سکے اور نہ وہ اپنی صفوں میں کسی مشتبہ آدمی کو گھسنے دیتے ہیں کہ ان کے رازہائے سربستہ کا پتہ لگ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ابتک یہودی فوج کے اتنے سپاہیوں کو جہنم رسید کیا ہے کہ ۸۲ء کی تین مہینے کی جنگ میں بھی اتنے یہودی نہیں مارے گئے تھے۔ لیکن خود ان مسلمانوں کے صرف چند جوان کام آئے جنہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

اب فلسطینی تنظیم الفتح نے اس سے سبق سیکھا ہے، چنانچہ ان کے مقاومتی دستوں نے بھی اسی طرح پس پردہ رہ کر مقاومت شروع کر دی ہے۔ چنانچہ ۷ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو پونے ۶ بجے شام نابلس میں ایک اسرائیلی گاڑی پر آتش گیر بم پھینکا گیا۔ پھر ۸ بجکر پچاس منٹ پر بنی یوسف بلاطہ کی یہودی بستی میں ایک بم پھٹا۔ اس کے بعد ۱۱ بجکر ۲۰ منٹ پر نابلس میں اسرائیلی پیدل فوج کی ایک گاڑی میں آگ لگا دی گئی۔ دوسرے دن ۸ر دسمبر کو صبح ساڑھے گیارہ بجے نابلس کے تجارتی مرکز میں یہودی آبادکاری کی ایک گاڑی میں آگ لگا دی گئی۔ پھر ۹ر دسمبر کو شام آٹھ بجے نابلس کے بیرزیت جیل خانے پر ایک آتش گیر بم پھینکا گیا اور ایک دوسرا بم غرناطہ روڈ پر اسرائیلی گشتی دستے پر پھینکا گیا۔

یقین ہے کہ اگر ایسی کارروائیاں منظم طور پر پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہیں تو یہود کے گھٹنے ٹیکنے کا وقت بہت جلد آجائے گا۔　　(معلومات: المجتمع کویت ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۴ء اور الدعوہ ریاض ۱۷ر دسمبر ۸۴ء سے ماخوذ)

کمیونزم: ایک فرسودہ اور ناقابل عمل نظریہ

چینی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار پیپلز ڈیلی نے اپنے صفحۂ اول کے اوپر لکھا ہے کہ چین ایک جدید حکومت کی تعمیر کے لیے مارکسی نظریات سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ مارکسی نظریات بوسیدہ اور فرسودہ ہو چکے ہیں اور وہ

موجودہ دور کے حالات کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کارل مارکس کا فلسفہ سیکڑوں سال پرانے حالات کو سامنے رکھ کر وجود میں لایا گیا تھا۔ اور مارکس، انجلس اور لینن کو دورِ حاضر کے حالات و کوائف کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ ان کے فلسفے چینی معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

یاد رہے کہ چین نے ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد ہی کمیونزم کا لبادہ اتار پھینکنا شروع کر دیا تھا۔ البتہ ذرا دھیرے دھیرے اور پُر وقار طور پر، اور چینی قوم نے اس کی بڑی زبردست تائید کی تھی۔

(المجتمع کویت ص ۳۸، ۳۹ ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۴ء، الدعوہ ریاض ص ۸ ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء)

پاکستان: ریفرنڈم وغیرہ

پاکستان کی تاریخ میں ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء کا دن بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس دن جہاں ایک طرف اسلامی وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقدہ صنعا میں پاکستانی امیدوار جناب شریف الدین پیرزادہ کو بلا مقابلہ موتمر عالم اسلامی کا سکریٹری جنرل منتخب کر لیا گیا۔ وہیں دوسری طرف پاکستانی عوام نے وہاں کے منعقدہ ریفرنڈم میں ۹۷،۷ فیصد کی بے مثال اکثریت سے پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلے میں جنرل ضیا کے کئے ہوئے اقدامات کی تائید اور آئندہ اس کو جاری رکھنے کی حمایت کر کے پاکستان کو اسلامی ملک بنانے کا ایک مکمل فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت پاکستان مسلسل بین الاقوامی سازشوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ وہاں سے اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لیے صرف یہی نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں نے الذوالفقار جیسی توڑ پھوڑ مچانے والی تنظیم کو وجود بخشا ہے، بلکہ وہاں ایسے ایسے لیڈر بھی تیار کر لیے ہیں جو ببانگِ دہل یہ کہنے لگے ہیں کہ پاکستان اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے نہیں بلکہ سیکولر حکومت قائم کرنے کے لیے بنا ہے۔ حالیہ ریفرنڈم ایسے لیڈروں کا نہایت صحیح، مکمل اور بر وقت جواب ہے۔ ادھر پاکستان میں اسلامی عمل اور اس کی برکات کا برابر ظہور ہو رہا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ملک خوراک میں خود کفیل ہو چکا ہے بلکہ دوسرے ملکوں کو غلہ برآمد کر رہا ہے۔ بینکوں کا نظام سود سے پاک کر دیا گیا ہے تعلیم، صنعت اور دیگر میدانوں میں بھی مسلسل ترقی ہو رہی ہے

افغانستان:

۲۷ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو افغانستان پر روس کی مکارانہ یلغار کا چھٹا سال شروع ہو گیا۔ لیکن جنگِ افغانستان

بدستور جاری ہے۔ بے مثال قہر و جبر، قتل و خونریزی اور ظلم و تشدد کے باوجود روس نے اس جنگ سے کیا حاصل کیا۔ اس کا جواب روسی فوج کے ترجمان اخبار ریڈاسٹار (سرخ ستارہ) سے ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جو روسی فوجی قافلے درہ سالانگ سے گزرتے ہیں وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس علاقہ میں چھاپہ مار موجود ہیں ان سے قصداً چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے اس اخبار نے ایک روسی فوجی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ چھاپہ ماروں کی ایک جنگی حکمتِ عملی یہ ہے کہ وہ سازو سامان اور گولہ بارود سے لدے ہوئے کسی ایک ٹرک پر قبضہ کر کے اسے راستے ہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر روسی افواج قافلے کو چھوڑ کر ٹرک واپس لینا چاہتی ہیں تو چھاپہ ماران کا شکار کر لیتے ہیں۔ اس فوجی نے کہا "چھاپہ ماروں کے لحاظ سے ہماری تعداد بہت کم ہے، جس کے بل بوتے پر اس قسم کی کارروائیوں کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پانچ سال گزر جانے کے باوجود درہ سالانگ سے چھاپہ ماروں کو نکالنے کے لیے روسی فوج کوئی پیش رفت نہیں کر سکی ہے۔

(التوحید، مصر ص ۳۵ ربیع الآخرہ ۱۴۰۵ھ)

ادھر چھاپہ ماروں کے حملوں کی شدت و قوت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور اب انہوں نے کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر روسی افواج اور سامانِ جنگ کی تباہی مچانی شروع کر دی ہے۔ تھوڑے دنوں پہلے خبر آئی تھی کہ روسی حدود سے متصل صوبہ تخار میں ایک ہی معرکہ کے دوران افغان چھاپہ ماروں نے روسی ٹینکوں اور گاڑیوں کی بہت بڑی مقدار تباہ کرنے کے علاوہ ایک ہزار روسیوں کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ چھوٹے پیمانے کارروائیوں میں دس بیس کی تعداد میں مرنے والوں کا تو کوئی شمار نہیں۔

ادھر مشرقی صوبہ کنر کی سرحدی چھاؤنی بری کوٹ میں روسی اور کارمل فوجوں کی ایک بڑی تعداد کا مجاہدین نے کوئی دس مہینے سے کامیاب محاصرہ کر رکھا ہے۔ اور روسیوں کی ہزار کوششوں کے باوجود روسی فوج اُن سے اپنا زمینی رابطہ قائم کرنے میں ناکام ہے۔ ہوائی جہازوں سے غذا اور اسلحہ پہنچایا جا رہا ہے۔ تاہم زمین یا فضا سے رابطے کی ہر کوشش میں روسیوں کو سخت خسارہ اٹھانا پڑ رہا ہے

مجاہدین کے ترجمان "ہجرت" نے اپنے تازہ شمارے میں بتایا ہے کہ اس پانچ سالہ جنگ میں اب تک پچاس ہزار روسی فوجیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ ۸ ہزار ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ناکارہ بنائی جا چکی ہیں اور تین سو جنگی طیارے گرائے جا چکے ہیں۔ اس وقت دو لاکھ سے زیادہ روسی فوجی برسرِ جنگ ہیں مگر ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ افغانستان کو اس سرخ ریچھ کے جبڑے سے جلد رہائی دلائے۔ آمین۔

ہماری نظر میں

تیسیر العزیز الحمید (اردو) شرح کتاب التوحید

تالیف: شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ

ترجمہ: مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی املوی مرحوم

قیمت: ۳۰ روپئے علاوہ محصول ڈاک ، دینی مدارس، مکاتب اور مساجد کے لیے مفت ۔

ملنے کا پتہ: سعید سالم و رفقاء پوسٹ املو (مبارکپور) ضلع اعظم گڈھ ، یوپی ۔

یہ کتاب مشہورِ زمانہ مصلح و مجدد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآرا تالیف
ب التوحید، کی سب سے مشہور اور اہم شرح کا اردو ترجمہ ہے ۔ شارح خود شیخ الاسلام کے پوتے ہیں جو اپنے وقت کے
ڑے عالم اور داعیِ دین تھے ۔ ترجمہ مولانا آزاد رحمانی مرحوم نے کیا ہے ، جو ہندوستان کی دینی اردو صحافت کے افق پر
مدت تک چمکتے رہے ، ۔ کتابت طباعت میں پوری نفاست ملحوظ رکھی گئی ہے ۔ کتاب اس سے بالاتر ہے کہ ہم اس پر
ئی تبصرہ کریں ۔ دنیا جانتی ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ اور مسترشدین نے
ں امت کے اندر پھیلے ہوئے ہر طرح کے چھوٹے بڑے اور جلی و خفی شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا بیڑہ اٹھایا ۔
ر سرزمین عرب پر نہایت کامیابی کے ساتھ اس مہم کو سر کیا ۔ اس مقصد کے لیے ان کی جس کتاب کو اصل الاصول کی
حیثیت حاصل تھی وہ یہی کتاب التوحید تھی ۔ اس کتاب کو جزیرۃ العرب میں وہی شہرت و اہمیت حاصل تھی اور ہے ۔ جو
ہندوستان میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تقویۃ الایمان کو حاصل ہوئی ۔ شرح میں کتاب کے ہر مضمون پر بڑی پر مغز
ر دلآویز بحث کی گئی ہے ۔ اسے درحقیقت توحید رب العالمین کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے ۔ خدا جزا ئے خیر دے
رحوم مولانا محمد ادریس رحمانی کو کہ انھوں نے اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود اس کے نصف سے کچھ زیادہ حصہ کا
رجمہ کر ڈالا اور وقتِ موعود آجانے کے سبب رہوارِ قلم آگے نہ بڑھا سکے ۔ پھر مولانا کے عزیز مولانا سعید سالم نے اسے
یورِ طبع سے آراستہ کرا کر افادۂ عام کا موقع دیا ۔ دینی مدارس، مکاتب اور مساجد کے لیے یہ کتاب مفت ہے ۔ ان کے منتظمین
رف ڈاک خرچ کے چند روپئے مذکورہ بالا پتہ پر بھیج کر کتاب منگا سکتے ہیں ۔ عام شائقین مع ڈاک خرچ ۳۶ روپئے بھیج
منگا سکتے ہیں ۔

ماہنامہ **صراط مستقیم** (برمنگھم برطانیہ) ایڈیٹر محمود احمد میرپوری

ملنے کا پتہ : ۲۰ گرین لین اسمال ہیتھ برمنگھم بی ۹ یو کے

20 Green Lane Small Heath Birmingham B. 9 U.K.

یہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ کی طرف سے شائع ہونے والا نہایت شاندار اردو ماہنامہ ہے جو حالات کے تقاضوں کے مطابق گرانقدر اداریہ، قیمتی مضامین، عالم اسلام اور امت اسلامیہ کے تعلق سے اہم خبروں اور برطانیہ کے اندر جماعت اہلحدیث کی دینی، تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات پر مشتمل ہوتا ہے۔ بیشتر اوقات فتاوے اور مسائل کی تفصیلات بھی موجود رہتی ہیں۔ یہ رسالہ مسلک اہلحدیث کا بہترین ترجمان اور اسلامی حمیت کا نقیب ہے۔ ظاہری حسن وجمال بھی قابل دید ہے۔

ماہنامہ **آموزگار** جلگاؤں مدیر اعلیٰ : ر اکبر رحمانی

قیمت فی شمارہ ۲ روپئے، زر سالانہ (انفرادی خریداروں سے) ۲۰ روپئے۔ (اداروں اور انجمنوں سے ۲۵ روپئے) شرائط ایجنسی اور ترسیل زر کے لیے پتہ :- ماہنامہ آموزگار کاشانہ سہیل، ۲۷ بھوانی پیٹھ جلگاؤں (مہاراشٹر)

یہ رسالہ جدید تعلیمی افکار و نظریات سے واقفیت رسانی • تعلیمی شخصیتوں کے تعارف • مختلف مضامین کے طریقۂ تدریس • درسیات کے تنقیدی جائزہ • ملکی و غیر ملکی نظام تعلیم سے متعلق معلوماتی مضامین • تعلیمی مسائل پر بے لاگ تبصرے • تعلیمی کانفرنسوں کے احوال • نئی کتابوں پر تبصرے • تفہیم نصاب اور ادبی و تنقیدی مقالات جیسے اہم پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت اردو تعلیم کی رفتار سے آگاہی اور اساتذہ کے درمیان رابطے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ ملک کے اندر اردو کے متعلق ہونے والی مختلف سرگرمیوں اور مختلف رسالوں کے اندر شائع ہونے والے مقالات کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک وقیع اور قابل قدر ماہنامہ ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ: ۳ • مارچ ۱۹۸۵ء • جمادی الآخرہ ۱۴۰۵ھ • جلد: ۴

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

ترئین وکتابت: انور جمال

ترتیب
صفی الرحمٰن مبارکپوری

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

پتہ

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010

ٹیلی گرام: "دارالعلوم" وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

ابوالاثر حماد انجم

"حمدِ باری سے ہم دل کا سکوں کرتے رہے"

زندگی اپنی بسر کچھ یوں تو ہم کرتے رہے　　حمدِ باری سے ہم دل کا سکوں کرتے رہے

دم بدم دنیا کے نظارے فسوں کرتے رہے　　ہم تو دیوانے تھے، فرزانے جنوں کرتے رہے

کیا بتائیں اے خدا! تیرا کرم بے انتہا،　　تو زندگی دیتا رہا، ہم اس کا خوں کرتے رہے

عقل و دانش کے اصولوں سے خدا کے راز جو　　تا کہ کر سورج کو، بینائی زبوں کرتے رہے

وہ جلالِ کبریائی ہے حجابِ نور میں　　سرکشاں بر آستانہ، سرنگوں کرتے رہے

اعترافِ ذاتِ حق بے واسطہ، بالواسطہ　　اپنے اپنے طور پر اہلِ فنوں کرتے رہے

پیکرِ محسوس کی خوگر یہ دنیا ہے تو، کیا؟　　ہم تو ایقانِ خدا یوں بھی فزوں کرتے رہے

جانے کب بھڑا اٹھیں گی شمعِ ہستی کی لویں　　آتشِ خوفِ خدا دل میں فزوں کرتے رہے

کیا سزاوارِ ثنا کی حمد ہو اہلِ کمال　　ہاں ثنا اس کی تو سب کہنے کو یوں کرتے رہے

پھیکی پھیکی زندگی کے سادہ سادہ نقش کو

حمد سے حمادِ انجم گونا گوں کرتے رہے

نقش راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرۃً وذکریٰ لکل عبدٍ منیبٍ

(بصیرت افروز اور سبق آموز ہر اطاعت شعار بندے کیلیے)

محدث ماہ مئی ۱۹۸۴ء کے اداریہ ص ۵، ۶ میں جدید سائنسی انکشافات کے مطالعہ کی ضرورت و افادیت بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا:

"موجودہ سائنسی تحقیقات و اکتشافات نے قرآن و حدیث کے بہت سے بیانات کی جس طرح تصدیق کی ہے، بلکہ اس کے خدائی اور الہامی احکامات اور فقروں کے اندر پوشیدہ دنیائے اسرار و رموز کو سائنس نے جس طرح وا انکشاف کیا ہے وہ ہمارے مطالعہ کی خاص مستحق ہے، اس سے صرف یہی نہیں کہ ایمان و یقین کی دنیا میں تازگی و بالیدگی اور بہار آتی ہے، اور عزائم کو غذا ملتی ہے، بلکہ ایسے غیر مسلم اہل فکر و تحقیق کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے ایک اہم بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔" ـــــ

یہ بات انسانی نفسیات، تاریخی واقعات اور خود قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں اتنی درست تھی کہ اسے لکھتے ہوئے ہمیں یہ توقع بھی نہ تھی کہ اس کی صحت اور افادیت کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ مگر فکر و نظر کے پیمانے بہر حال الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں جو زبانی اور تحریری رائیں اور تبصرے موصول ہوئے، ان میں سے بعض بعض کے اندر غیر ضروری اضطراب اور اندیشہ ہائے دور دراز کا ذکر کیا گیا تھا۔

شبہات کا خلاصہ یہ تھا کہ "مذکورہ قسم کی سائنسی تحقیقات و اکتشافات سے محض کمزور عقیدہ و ایمان کے لوگوں کو خوشی اور تقویت پہنچتی ہے۔ اس لیے یہ چنداں لائق توجہ نہیں۔ نیز آج سائنس کی ماری ہوئی دنیا سادہ صداقتوں کی پیاسی ہے۔

سے سائنسی تجربات واکتشافات کی دلیل سے اسلام کا قائل کرنے کی کوشش صرف یہی نہیں کہ ایک غیر موثر اقدام ہے، بلکہ یہ اندازِ فکر مرعوبیت کی دلیل ہے۔ پھر اس طرح کی کوشش کے نتیجے میں جو ایمان حاصل ہوتا ہے اس میں عموماً وہ جوش اور گرمی نہیں ہوتی جو آج کی انسانی دنیا کو مطلوب ہے۔،

ممکن ہے کسی مخصوص ذہنی اور نفسیاتی پس منظر میں یہ شبہات بڑے وزنی اور معقول نظر آتے ہوں، مگر حقیقت یہ ہے کہ خوشنما تعبیر کے سوا ان میں کوئی معقولیت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ منطقیانہ بحث وجدل کے بجائے قرآن کی ابدی حقیقتوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لینا مناسب ہے کہ یہی خدائی کتاب دعوت ہے۔ اب میری گزارشات ملاحظہ فرمائیں۔

اہلِ ایمان کے سرگروہ انبیاء کرام ہیں۔ ان کے ایمان ویقین کی پختگی وبلندی کا کیا پوچھنا۔ انبیاء کے بعد ان کے امتیوں میں درجہ بدرجہ صدیقین، پھر شہدا، پھر صالحین اور ان کے بعد عام مومنین ہیں۔ ان سب کے ایمانی مراتب کو نظر میں رکھیے اور اس کے بعد قرآن مجید کے ارشادات سنیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین۔ (الانعام: ۷۵) اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھائی اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو۔

پھر اس سے آگے کی آیات میں قدرے تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج اور ستاروں کے نظام پر غور کرکے اپنے پروردگار کی عظمت ووحدانیت کی راہ پائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ اور اس پر غور وفکر انبیاء تک کیلئے ایمان ویقین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔

تیسرے پارے کے شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ ذرا مجھے دکھلادے، تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اولم تومن؟ کیا اس پر تیرا ایمان نہیں۔ انھوں نے کہا: بلی ولکن لیطمئن قلبی۔ کیوں نہیں (اس پر ایمان تو ہے) لیکن (میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے یہ صورت بتائی کہ چار چڑیوں کو کاٹ کر ان کے اجزاء مختلف پہاڑوں پر بکھیر دیں، پھر انھیں پکاریں۔ سب دوڑ کر آئیں گی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے مناظر کا مشاہدہ انبیاء تک کے ایمان میں

ایک مزید ذریعہ اطمینان کے اضافے کا ذریعہ ہے۔ (اور وہ بھی اس ایمان میں جو پہلے سے موجود تھا)

نوٹ: اس واقعہ کا تعلق اگرچہ ایک خرق عادت معاملہ سے ہے۔ لیکن خدائی قدرت کی کرشمہ سازیوں کے لحاظ سے اس میں اور سلسلۂ اسباب کے تحت طبعی طور پر پیش آنے والے واقعات میں کوئی فرق نہیں کہ یہ بھی اسی کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہیں اور وہ بھی۔ فرق جو کچھ ہے وہ انسان کے لیے مالوف اور غیر مالوف ہونے کا ہے۔ اور جو منظر یا کسی منظر کا جو حصہ جتنا زیادہ غیر مالوف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اور اسی سے روزمرہ کے مناظر میں کارفرما مخفی حکمتوں اور انتظامات کی نئی نئی دریافت کی اثر انگیزیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انبیاء کے بعد اونچے درجے کے اہل ایمان کو لیجیے۔ اللہ تعالیٰ سورہ ق میں حق کی تکذیب کرنے والوں پر نکیر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

افلم ینظروا الی السّماء فوقھم کیف بنیناھا وزیناھا ومالھا من فروج، والارض مددناھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل زوج بھیج تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب۔

کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کس طرح اسے بنایا اور مزین کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں اٹل پہاڑ جمائے اور اس پر ہر طرح کے بارونق پودے اگائے، یہ سب چیزیں آنکھیں کھول دینے والی اور سبق آموز ہیں، ہر جھکنے والے بندے کے لیے۔

غور کیجیے! کس طرح آسمان و زمین کے مذکورہ نظام کے مشاہدہ اور اس پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، اور اسے ایرے غیرے نہیں بلکہ ہر صاحب انابت بندے کے لیے بصیرت افروز اور سبق آموز قرار دیا گیا ہے۔ انابت، بندگی کا وہ بلند اور خصوصی مقام ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو مقام مدح میں متصف قرار دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاصان خدا کی نگاہیں آسمان و زمین کے بیکراں کارخانے کی طرف بار بار اٹھتی رہتی ہیں اور یہاں کے لیے بصیرت و نصیحت آموزی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لآیات لاولی الالباب،

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کی آمد و رفت میں سوجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا (۱۹۰، ۱۹۱)

جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے، اور پہلو کے بل (لیٹے) یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! تو نے اسے ناحق پیدا نہیں کیا۔

غور کیجیے! ان آیات میں نظام کائنات پر غور و فکر کرنے کا وصف کس درجہ بلند پایہ اہل ایمان اور اصحاب تقویٰ کے لیے مذکور ہے کہ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں۔ آپ قرآن مجید اٹھائیے اور بابِ دل وا کرکے تلاوت فرمائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس مضمون کی صدہا آیات جلوۂ بے حجاب کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ ان آیات میں آسمان و زمین کی پیدائش اور ساخت کو، رات دن کی آمد و رفت کو، پانی پر تیرتی ہوئی کشتیوں اور جہازوں کو، بادل اور بارش کو، اور اس سے اگنے والے پودے اور نباتات کو، زمین کی پشت پر بکھرے ہوئے حیوانات کو، فضا میں اڑتی ہوئی چڑیوں کو، روشنی اور تاریکی کو تاروں اور سیاروں کو، سورج اور چاند کو، انسان کی ابتدائی پیدائش کو، پھر رحم مادر کے اندر اس کی نشو و نما کے مختلف مراحل کو، کھجور، انگور، انار وغیرہ کے باغات کو، موت و حیات کو، بیداری اور خواب کو، سایے اور دھوپ کو، بیوی اور بچوں کو، چوپایوں اور سواریوں کو، غرض ان ساری چیزوں کو جو سائنس کی تلاش و جستجو، یافت و دریافت، تحقیق و تفتیش، تحلیل و تجزیہ اور تنقیب و تنقیح کا خاص محور و موضوع ہیں، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے، اور مختلف پیرایوں سے ان پر غور و فکر کی بار بار دعوت دی گئی ہے۔

پھر مختلف مقامات پر اپنے اپنے مواقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ چیزیں کن لوگوں کے لیے نشانی اور عبرت ہیں۔ چنانچہ کہیں فرمایا لقوم یعقلون (عقل رکھنے والوں کے لیے)، کہیں لاولی الالباب (سوجھ بوجھ والوں کے لیے)، کہیں لقوم یعلمون (علم رکھنے والوں کے لیے) کہیں لقوم یفقھون (گہرائی اور درک رکھنے والوں کے لیے) کہیں لقوم یتفکرون (غور و فکر کرنے والوں کے لیے) کہیں لقوم یذکرون (سبق سیکھنے اور نصیحت پکڑنے والوں کے لیے) کہیں لقوم یشکرون (شکر گزار اور قدر دانوں کے لیے)۔ کہیں لقوم یتقون (متقیوں اور پرہیزگاروں کے لیے) کہیں لقوم یومنون (ایمان لانے والوں کے لیے) کہیں لقوم یسمعون (بات سننے اور ماننے والوں کیلیے) کہیں لکل صبار شکور (ہر صبر کرنے والے شکر گزار کیلیے) اور کہیں ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار

(جو اہلِ نظر ہیں ان کے لیے اس میں عبرت ہے)

ان ارشادات میں ایمان اور ایمان کے مختلف اوصاف و خصائص سے متصف لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس طرح اہلِ ایمان کے جملہ طبقات کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ تاہم جو لوگ ایمان و یقین کے بلند اور خصوصی درجات پر فائز ہیں، ان کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ اوپر کے پیراگراف پر ایک نظر ڈال لینے سے ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دشواری نہیں محسوس ہونی چاہیے کہ سائنس کی نئی نئی دریافتوں سے قدرتِ خداوندی کے جن عجائبات کا ظہور ہوتا ہے وہ اہلِ ایمان کے تمام ہی طبقات کے مطالعہ کے مستحق اور ان کیلئے مفید ہیں۔ صرف ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے لیے باعثِ تقویت سمجھنا صحیح نہیں۔

عالمِ واقعات میں کوئی چیز مذہب کے غیبی معتقدات کے مطابق پیش آجائے تو اس سے ایمان و یقین کی دنیا میں خوشی اور بہار کا آنا بالکل فطری ہے، اور ایمان کے وجود کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ تاثر اور خوشی صرف ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ انبیاء اور خاصانِ خدا سب کو حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو خروجِ دجال کی بار بار خبر دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک بحری سفر کے دوران بھٹک کر ایک جزیرہ میں پہنچنے اور وہاں دجال کو دیکھنے کا واقعہ بیان کیا، تو واقعاتی شہادت کا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اثر ہوا کہ آپ نے اس کے لیے ایک باقاعدہ خطبہ کا اہتمام فرمایا اور صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت تمیم داری کا واقعہ خود اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمایا۔ جنگِ خیبر میں ایک شخص یہود کی زبردست پٹائی کر رہا تھا، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وہ جہنمی ہے۔ ایک صحابی اس کے پیچھے لگ گئے، وہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گیا تو تلوار کے سرے پر سینے کا بوجھ ڈال کر خودکشی کر لی۔ وہ صحابی دوڑ کر خدمتِ اقدس میں پہنچے اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: بات کیا ہے؟ انھوں نے کہا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، اس کا یہ حشر ہوا۔

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ جو بات غیبی طور پر پہلے سے معلوم تھی، امر واقعہ جب اس کے مطابق پیش آگیا تو تاثر کی ایک خاص لہر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی تک میں دوڑ گئی۔ اس لیے اس قسم کے تاثر کو ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص سمجھنا انسانی نفسیات اور ایمانی خصوصیت دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس طرح کی بات کے پیچھے اپنی ایمانی قوت و برتری کا خیال تو کارفرما ہو سکتا ہے، جو کسی

مومن کا شیوہ نہیں ۔ لیکن معقولیت کار فرما نہیں سکتی ، درحقیقت یہ انداز فکر ہی صحیح نہیں کہ جو چیز ضعیف العقیدہ مسلمانوں کی تقویت کا باعث ہو اسے لائق توجہ نہ سمجھا جائے ۔ کیونکہ کسی امت کے کمزور افراد تو کچھ زیادہ ہی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں ۔ باپ اپنے سب سے چھوٹے بچے کو انگلی تھما کر چلاتا ہے ، جبکہ دوسرے بچوں کو زبانی ہدایت دیتا ہے بلکہ ایک خاص مرحلے کے بعد دستگیری کا کام ان کو بھی سونپ دیتا ہے ۔

(بقیہ شبہات پر آئندہ گفتگو کی جائے گی ۔)

●●●

بقیہ ص ۳۲ کا :

اس کو بندوں کی زبان ۔ بصیغہ متکلم جاری کرایا جاتا ہے ، سورۂ فاتحہ بھی اسی قسم اخیر سے ہے ۔

...... ہاں ذبح حیوانات کی طرف بھی موقع پر اشارہ کیا ہے ۔ پنڈت جی واقعی بڑے رحم کی بات ہے کہ بے زبان جانوروں کو ذبح کر کے ان کے ایام زندگی پورے کرائے جائیں ، جس سے دو فائدے متصور ہیں ، ایک تو وہ روحیں جو (بقول آپ کے) برے اعمال سے ان حیوانی قالبوں کی قید میں آکر پھنس رہی ہیں (دیکھو ایڈیشن منجری ص ۶۰) قید سے رہائی پائیں ۔

دوم بتلائیے ! کہ اگر وہ انسان کی طرح بیمار رہ کر اپنی موت مریں تو کتنی تکلیفوں سے ان کی روح قبض ہو ۔ پنڈت جی کا کسی جون میں ہمیں درشن ہو جائے تو ہم ان سے پوچھیں کہ موت کی سختی کیسی کٹھن امر ہے پس اس سختی کے مقابلہ میں ذبح کی سختی کوئی چیز نہیں ۔ انسان کو بیماری اور قبض روح سے جو سختی ہوتی ہے پنڈت جی اس کا اندازہ لگاتے تو کبھی یہ سوال منہ پہ نہ لاتے ، بلکہ سماج کا اصول یہی قرار دیتے کہ صبح اٹھ کر ایک سماجی کا فرض ہے کہ بندوق لے کر دس پانچ چڑیوں کو نہیں تو مکھیوں کو ہی مار سکائے ، حالانکہ انسان اپنی تکلیف کا اظہار او رعلاج بخوبی کر سکتا ہے اور طبیبوں کے مشورے سے ان کی تکلیف میں بسا اوقات کمی بھی ممکن ہے ۔ مگر حیوانات بیچارے بے زبان ، کیا کہیں اور کس کو کہیں ۔

کون سنتا ہے فغانِ درویش قہر درویش بجانِ درویش

(نوٹ) ستیارتھ پرکاش کا جواب پہلے مولانا امرتسری ؒ نے کتاب ہذا (یعنی اظہار الحق) کے ذریعہ دیا تھا پھر بعد میں اس کو منقح کر کے " حق پرکاش " کے نام سے شائع کیا ۔

مرسلہ: محمد یوسف علی محمد صاحب
دینارا۔ گجرات

متاعِ دنیا اور متاعِ آخرت

قال اللہ تعالیٰ: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ (آل عمران: ۱۴، ۱۷)

خوشنما معلوم ہوتی ہے اکثر لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں، بیٹے، اور ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی، اور نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے یا دوسرے مویشی اور زراعت، (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں، دنیوی زندگانی کی۔ اور انجام کار کی خوبی اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان چیزوں سے؟ (سو سنو) ایسے لوگوں کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (ان کے لیے) ایسی بیویاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لیے) خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ خوب دیکھتے (بھالتے) ہیں، بندوں کو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا لیجیے۔ اور جو لوگ صبر کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں اور اللہ کے سامنے فروتنی کرنے والے ہیں اور (مال) خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں (اٹھ اٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سید الاستغفار یعنی سب سے اعلیٰ استغفار یہ ہے کہ بندہ اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے:

"اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ"

"اے اللہ! تو ہی میرا رب یعنی مالک و مولا ہے، تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ عاجز و ناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کیے ہوئے (ایمانی) عہد و میثاق اور اطاعت و فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کیے۔ اے میرے مالک و مولیٰ! تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے۔ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس بندے نے اخلاص و دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصہ میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آگئی تو وہ بلا شبہ جنت میں جائے گا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اسی رات میں وہ چل بسا تو بلا شبہ وہ جنت میں جائے گا۔

اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا اور اس کی ہر فکر اور پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرما دے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا اسے خیال و گمان بھی نہ ہوگا۔
(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

●●●

محمد اسمٰعیل انصاری مئو ناتھ بھنجن

رسولؐ کی اطاعت ومحبت اور اس کے نتائج وفوائد

حبّ رسولؐ جزوِ ایمان ہے، اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔ آپؐ کی محبت یہ ہے کہ آپؐ کی اتباع واطاعت کی جائے۔ آپ کا ادب واحترام کیا جائے اور آپ کے ناموس پر باپ، بیٹے، بھائی بہن اور جان ومال، سب کچھ قربان کردیا جائے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قل ان كان آباءكم و
اخوانكم وازواجكم وعشيرتكم
واموال اقترفتموها وتجارة تخشون
كسادها ومساكن ترضونها
احب اليكم من الله ورسوله
وجهاد في سبيله فتربصوا
حتى ياتي الله بامره، والله
لا يهدي القوم الفاسقين۔

(توبہ: ۲۴)

(اے محمدؐ! مسلمانوں سے) کہدو اگر ایسا ہے کہ تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں تمھاری برادری، تمھارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمھاری تجارت جس کے مندا پڑجانے کا تم کو خوف ہے، تمھارے پسندیدہ مکان جن میں تم رہتے ہو، یہ ساری چیزیں تمھیں اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو (کلمۂ حق تمھارا محتاج نہیں) انتظار کرو یہاں تک کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ تمھارے سامنے لے آئے اور اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب چند اصحاب نے ہجرت نہ کرنے کے لیے یہ عذر

ش کیا کہ اگر ہم ہجرت کریں گے تو ہمیں بیوی بچے اور سوداگری چھوڑنی پڑے گی اور ہم بیکس و لاچار ہو جائیں گے۔ چونکہ قولِ رسول کو نہ ماننا حبِ رسول کے منافی تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ہلاکت کی دھمکی دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت کرنا حبِ الٰہی کی علامت ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (آل عمران: ۳۱) کہدو اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو محبوب رکھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (نساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بجائے پیر و مرشد کی پیروی کرنے والے کا عمل برباد ہے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (محمد: ۳۳) اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور نہ باطل کرو اپنے اعمال کو۔

جو مسلمان خدا اور رسول کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر علماء و مشائخ کی اندھی تقلید کرے یا اپنی خواہشِ نفس پر چلے تو ایسا شخص صریح ضلالت میں ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا (احزاب: ۳۶) کسی مومن مرد یا کسی مومنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے معاملہ میں اختیار رہ جائے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کا نتیجہ دائمی خسران و نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض (نساء: ۴۲) اس دن کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے چاہیں گے کہ کاش زمین ان کے برابر کر دی جائے۔

رسولوں کی بعثت ہی اس لیے ہوتی تھی کہ وہ احکام خدا کو نافذ کریں اور لوگ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ (نساء: ۶۴) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

ہدایت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں منحصر ہے

وان تطیعوہ تھتدوا (نور: ۵۴) اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ دے، اس کو اسی کی طرف دھکا دیدیا جاتا ہے، جدھر وہ جانا چاہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ (نساء۔ ۱۱۵) اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کے خلاف کرے اور مومنین کی راہ کے علاوہ پر چلے تو ہم اسکو اسی پر چلا دیتے ہیں، جس کو اس نے اختیار کیا اور جہنم میں داخل کریں اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ان واضح ارشادات کے باوجود بدقسمتی سے مسلمانوں ہی میں اس بات کی کوئی وقعت نہیں جو قرآن و حدیث کے موافق ہے۔ بعض مسلمان تعلیم یافتہ اور عالم دین ہیں لیکن اس کے باوجود کسی امام کے قول و فعل کے مقابلہ میں بلاتکلف قرآن و حدیث کی دلیل کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اس پر خود نادم ہونے کے بجائے قرآن و حدیث سے دلیل لانے والے کو شرمندہ کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو آج یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ جس بات کو حدیث کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اس کے خلاف فوراً ایک بیجا تعصب اور ہٹ دھرمی پیدا ہو جاتی ہے اور وہی بات اگر عقلی دلیل سے کہی جائے تو قبول کرلی جاتی ہے۔ گویا اب قرآن و حدیث کی دلیل ان لوگوں کی نظر میں کسی بات کو بجائے قوی کرنے کے الٹا کمزور اور مضحکہ خیز بنا دیتی ہے۔

کیا محبت کے ساتھ دشمنی بھی اکٹھا ہو سکتی ہے؟ کیا اطاعت کے ساتھ نافرمانی بھی جمع ہو سکتی ہے، کیا ایمان کے ساتھ انکار بھی جمع ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کا احترام بھی دل میں ہو اور اس کا مذاق بھی اڑایا جائے۔؟ اگر محبت کے ساتھ دشمنی اکٹھا نہیں ہو سکتی، اگر اطاعت کے ساتھ نافرمانی جمع نہیں ہو سکتی، اگر ایمان کے ساتھ انکار جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہے کہ جس کا احترام دل میں ہو، اس کا مذاق نہیں اڑایا جا سکتا تو پھر کیوں اطاعتِ رسول

لے بجائے اقتیان رسول کی تقلید و اتباع کی جاتی ہے؟ کیا سنت رسول کے ہوتے ہوئے ان کے اقوال و افعال
بند بنانا سنت نبوی کا مذاق اڑانا نہیں؟ کیا یہ سنت نبوی سے انحراف نہیں۔؟

مسلمانوں کو یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلام خدا اور رسول کی اطاعت کے سوا کسی چیز کا نام نہیں ہے اور سچی اطاعت ایمان کے بغیر نہیں ہوتی۔ ایمان کا اولین اقتضا اور کامل مومن کی پہچان یہ ہے جب کسی معاملہ میں اللہ و رسول کا حکم پہنچے تو اس کی گردن خم ہو جائے اور پھر وہ اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھائے۔

انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک ھم المفلحون ○ (النور: ۵۱)

(مومنین کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان (مومنین) کا قول بس یہی ہوتا ہے کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور پھر یہ گردن صرف ظاہری طور پر ہی نہیں بلکہ رغبت کے ساتھ خم ہونی چاہیے، حتی کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف تنگی و ناراضگی کا ادنیٰ شائبہ بھی دل میں نہیں ہونا چاہیے۔ جس شخص کی گردن صرف ظاہری طور پر خم ہو جائے مگر وہ اس کے خلاف اپنے قلب میں تنگی کا احساس کر رہا ہو تو وہ منافق ہے، مومن نہیں:

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول، رأیت المنافقین یصدون عنک صدودا۔ (نساء: ۶۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس بات کی طرف جسے اللہ نے رسول کی طرف اتارا ہے تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ وہ تم سے بری طرح اعراض کرتے ہیں۔

جو شخص اپنے اختلافی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نظر انداز کر دیتا ہے، یا اسے قبول کرنے میں چوں چرا کرتا ہے، وہ بھی مومن نہیں ہے:

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (نساء: ۶۵)

پس قسم ہے تمھارے رب کی، لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تمھیں ان جھگڑوں میں مان لیں جو ان کے درمیان پیدا ہوں، پھر اپنے نفسوں میں آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سر بسر تسلیم کر لیں۔

جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ اختلافی مسائل میں خدا اور اس کے

رسول (قرآن وحدیث) کی طرف رجوع کرے ورنہ اس کا ایمان باطل ہے:

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر۔ (نساء: ۵۹)
پس اگر تم لوگ کسی چیز میں نزاع کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

خدا اور رسول کی طرف رجوع نہ کرنے والا اندھا ہے، بہرہ ہے، گونگا ہے۔

صم بکم عمی فھم لا یرجعون (البقرۃ: ۱۸) وہ بہرے ہیں، گونگے اندھے ہیں، پس وہ پلٹ نہیں سکتے۔

قرآن حکیم تو نازل ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ لوگ خدا کی عطا کردہ عقل و فہم سے اس پر غور کریں ورنہ سمجھ لیں کہ دل پر تالا لگا ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا۔ (محمد: ۳۰)
وہ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے، کیا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ افلا یتدبرون القرآن کے تحت ترجمان القرآن جلد دوم ص ۵۰ میں لکھتے ہیں: "اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور و فکر کرے، پس یہ نہ سمجھنا کہ وہ صرف اماموں اور مجتہدوں کے سمجھنے کی چیز ہے۔ صحیح نہیں ہے۔

(۲) غور و فکر وہی کر سکتا ہے جو مطالب سمجھے اور جو اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہو اور دلائل و وجوہ سے نتائج نکال سکے۔ (۳) پس تقلید اعمیٰ (یعنی اندھی تقلید کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ (۴) جو شخص قرآن میں تدبر کرتا ہے اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔"

جن کے پاس عقل ہے مگر وہ اس سے دیکھتے نہیں ہیں، کان ہیں مگر وہ ان سے (حق بات) سنتے نہیں ان کی مثال جانوروں کی سی ہے بلکہ ان سے بھی بدتر (کیونکہ جانور کے پاس تو عقل ہی نہیں، اور ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے کام نہیں لیتے۔) یہی لوگ غفلت میں ہیں۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون
ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور کان ہیں

بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں
اولٰئک ھم الغٰفلون۔ (اعراف: ۱۷۹) بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ غافل ہیں۔

معلوم ہوا کہ تقلید شخصی، اولیاء پرستی اور پیر پرستی اطاعت رسولؐ اور حب نبوی کے منافی ہے، اگر کوئی عامی (جاہل) خود قرآن و حدیث سے مسئلہ اخذ نہ کر سکتا ہو تو وہ علما (مسئلہ جاننے والوں) سے دریافت کرلے اور بس۔
فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (نحل: ۴۳) پس پوچھ لو ذکر والوں سے، اگر تم لوگ نہیں جانتے۔

ارشادات نبوی:

اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی بھی ملاحظہ فرمائیں:

- لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ (بخاری)
  تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت، اس کی ماں، باپ اور اس کی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

- ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ الحدیث۔ (بخاری)
  جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ چکھے گا ایک یہ کہ اللہ ورسول کی محبت سب سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ فقط اللہ کے لیے کسی سے دوستی رکھے، دوسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اس کے لیے اتنا ناگوار ہو جتنا آگ میں جھونکا جانا۔

... ...

- ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال متی الساعۃ یا رسول اللہ قال ما اعددت لھا، قال ما اعددت لھا من کثیر صلوۃ ولا صوم ولا صدقۃ ولکنی احب اللہ ورسولہ۔ قال انت مع من احببت۔ (متفق علیہ)
  ایک صاحب آنحضورؐ کے پاس آئے اور پوچھا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے کہا تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا، میں نے قیامت کے لیے زیادہ نماز روزہ، صدقہ، خیرات کر کے تیاری تو نہیں کی ہے۔ مگر ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔

● عن انسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، جس نے میری سنت سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

خدا اور رسول کی اطاعت کا صلہ: ارشادِ ربانی ہے

ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھٰر خلدین فیھا وذالک الفوز العظیم۔ (نساء ۱۳:)

جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور جن کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں۔) وہ (سرور و راحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے جو ان کو حاصل ہوگی

مفسرین لکھتے ہیں کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم جنت میں آپ کو کس طرح دیکھ سکیں گے، آپ تو جنت کے بلند درجوں میں ہوں گے اور ہم آپ کے نیچے ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین وحسن اولئک رفیقا۔ (نساء ۶۹)

اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور (تمام) راست باز انسان اور ایسے ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

خدا اور رسول کی نافرمانی کی سزا:

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین (نساء: ۱۴)

جس کسی نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی، اس کی ٹھہرائی ہوئی حدبندیوں سے باہر نکل گیا تو وہ جنت کی ابدی رحمتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اطاعتِ رسول کی توفیق عطا فرمائے اور جنت میں جگہ دے۔ آمین۔

●●●

تیسری اور آخری قسط

دشمنانِ اسلام کے منصوبے

مولانا عبدالرقیب سلفی، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔

یہودی اور ماسونی منصوبے : یہودی جو دنیا کی ساری قوموں کے نزدیک ایک ذلیل ترین قوم ہیں، پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور دنیا میں اپنے اس خواب کی صحیح تعبیر دیکھنے کے لیے بہت ہی پرفریب چالیں اور پرپیچ راہیں اختیار کرتے ہیں، اور اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے دو بنیادی باتیں سامنے رکھتے ہیں۔

(۱) اقوام عالم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، بعض کو بعض کے خلاف آمادۂ جنگ کرنا اور ان کے درمیان فتنے کے بیج بونا۔ اور جنگیں بھڑکانا۔

(۲) قوموں کے عقائد کو خراب کرنا، ان کے مقاصد، اخلاق اور تنظیموں کو توڑنا۔ اللہ کی راہ سے لوگوں کو ہٹانا اور ان سب کے پس پردہ جو مقصد کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ قومیں اپنی عزت و قوت کے اسباب و محرکات سے تہی دامن ہو جائیں اور ہمیشہ کے لیے یہود کی ماتحتی قبول کرلیں اور دنیا کی کسی قوم کے پاس اجتماعی قوت کا کوئی سرمایہ باقی نہ رہے۔ یہ ملعون قوم قوموں کی شکست و ریخت کے لیے جو تدبیریں بروئے کار لاتی ہے، ان میں ایک مدبر خفیہ تنظیموں کا قیام ہے، اور غالباً ان تنظیموں میں سب سے اہم اور چوٹی کی تنظیم "ماسونی تنظیم" ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن حسن حبنکہ اپنی کتاب "مکائد یہودیہ" کے صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں، اس تنظیم کی تاریخ نے ثابت کردیا ہے کہ یہ تنظیم عالمی خفیہ تنظیموں میں سب سے خطرناک تنظیم ہے، جو قوموں کی تاریخ میں خطرناک رول ادا کرتی ہے، اور بہت ساری قوموں کے مستقبل پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے، دنیا کی بہتیری حکومتوں کی سیاست میں زبردست عمل دخل رکھتی ہے اور وہ بھی اس طور سے کہ یہ حکومتیں سمجھ بھی نہیں پاتیں کہ یہ اس یہودی گروہ جب

کی شکار ہیں، جو ماسونی تنظیم کے ذریعہ ان کے یہاں آیا ہے، اور جس کے پس پردہ یہود کی مکار خفیہ انگلیاں ان کو نچا رہی ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ان کی فکری، سیاسی، اقتصادی، اجتماعی، جنگی اور دیگر امور کی مدبر حقیقی یہی تنظیم ہوتی ہے۔ جس شہر میں ماسونی تنظیم قائم ہوتی ہے، اگر اس شہر میں یہودی ایجنسی کے لیے ایجنٹوں کی تعداد کم ہوتی ہے تو یہ عالمی یہودی تنظیم کے مقاصد میں کام نہیں کر پاتی ہے۔

ماسونی تنظیم کو چلانے والے دراصل یہود کے بڑے بڑے ماہر علماء اور حکماء ہیں، اور باقی افراد جو اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں وہ بلا قصد و ارادہ اور بغیر سمجھے بوجھے حرکت کرتے رہتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جان پاتے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔

بعض محققین کو بڑی حیرت ہوتی ہے، جب ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے دنیا بھر میں پھیلی ہوئی اپنی ماسونی تنظیم کے ذریعہ بڑی عالمی جنگوں کے شعلے بھڑکائے تھے۔ یہ بات افسوسناک ہے کہ ماسونی تحریک عربی اسلامی سوسائٹی میں بھی چل رہی ہے اور اس کے اصول و ضوابط کو مالدار، صاحب ثروت اور بااثر لوگ قبول کر رہے ہیں۔

ماسونیت نے دین، اخلاق اور انسانیت کی تباہی کے جو منصوبے بنائے ہیں۔ اور لوگوں کے عقائد، ضمائر اور عقلوں کو برباد کرنے کے لیے جو تدبیریں اپنے پروٹوکول میں درج کر رکھی ہیں، ان کا نقشہ کچھ یوں ہے۔

(۱) ماسونیت یہودی اور غیر یہودی شخصیتوں کے افکار کی ایسی تشکیل کر رہی ہے، جو دینی عقائد اور اچھے اخلاق کو ختم کرنے کی ضامن ہو۔ اس مقصد کے لیے یہودیوں نے فرائڈ کے نظریات کو لیا ہے جو انسان کے ہر کام کی تشریح جنسی خواہشات اور اس کی لطف اندوزیوں سے کرتا ہے۔ کارل مارکس کے نظریات کو لیا ہے جس نے بہتوں کے دل، ضمیر اور عقل کو برباد کر دیا ہے۔ دین کو لغو قرار دیا ہے، اور عقیدۂ الوہیت پر حملہ کیا ہے۔ جب کارل مارکس سے سوال کیا گیا کہ عقیدۂ الوہیت کا بدل کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس کا بدل ڈرامہ ہے، لوگوں کو ڈرامہ دکھلاؤ تاکہ اللہ کو بھول جائیں۔

اسی طرح یہودیوں نے نٹشے کے نظریات کو لیا ہے جو اخلاق کو لغو قرار دیتا ہے اور انسان کو اپنے فائدے کے لیے ہر کام کرنے کی اجازت دیتا ہے، خواہ یہ قتل، خون، اور تخریب ہی کیوں نہ ہو۔

پھر یہود نے ڈارون کے نظریات کو لیا ہے جو نظریۂ ارتقاء کا موجد ہے، جسے علم اور سائنس نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے۔

ان نظریات سے یہودیوں نے وہ زہر یلا مادہ تیار کیا ہے جسے ماسونیت کے لبادے میں انسان اور خصوصاً مسلمان کے فکر و عقیدہ تک پہنچا کر اسے مکمل طور پر تباہ و برباد کرنا مقصود ہے۔

(۲) یہودیوں نے انسانیت کو گمراہ اور برباد کرنے کے لیے ایک لعاب تیار کیا ہے، جسے اطلاعات و نشریات کے ذریعہ نافذ کرنا شروع کر دیا ہے، اور اس کو عام کرنے کے لیے ڈراما، سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ماسونی تنظیموں، غدار ایجنٹوں اور وظیفہ خوار ادیبوں سے کام لیا جارہا ہے۔ انھوں نے اپنے مکر و فریب کے ذریعہ، بعنوان معلومات، آرٹ، فن، تفریح اور ناچ گانے کے عنوان سے قوموں کے اخلاق بگاڑنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی عیاری اور چالاکی سے یورپ، امریکہ اور مشرق کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں علم النفس اور علم الاجتماع کی کرسیوں پر قابض ہو گئے ہیں، تاکہ ان دونوں علوم کے ذریعہ لوگوں کے اخلاق اور عقائد کو بگاڑ سکیں۔ اس غلط اور برے منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لیے نوے فیصد کرسیوں پر ان کا قبضہ ہے۔ تاکہ پوری دنیا میں ان کی فکری، نفسی اور سائنسی قیادت مکمل ہو جائے۔

یہ اپنے نویں پروٹوکول میں کہتے ہیں۔ ہم لوگ یہودیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے، ان کے اخلاق بگاڑنے اور غلط اور باطل اصولوں کے ذریعہ لوگوں کو بیوقوفی پر آمادہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں '' اور دوسرے کو ہم ان کی تلقین کرتے ہیں۔

پندرھویں پروٹوکول میں یہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کے علاوہ دوسری قوموں کی اکثریت کو اس قوت سے محروم کرنے کی خاطر جو ہمارے متعلق ان کے لیے عمل کی کوئی نئی راہ پیش کر سکتی ہے ہم ان کو لہو و لعب کی مختلف چیزوں میں پھنسا دیں گے، اخباروں میں یہ اعلان کریں گے کہ لوگ فن، ورزش اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں حصہ لیں۔ اور ان میں مقابلہ کریں، اور اس نئے ساز و سامان کی وجہ سے قوموں کا ذہن ان مسائل سے پھر جائے گا، جنھیں ہمارا اور ان کا اختلاف ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ قومیں بذات خود غور و فکر کی نعمت سے آہستہ آہستہ محروم ہو جائیں گی، اور ہمارے راگ میں راگ ملانے لگیں گی۔ اور ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معاشرے میں ہم ہی لوگ صرف فکر کی نئی راہیں دکھلانے کے لائق رہ جائیں، اور یہ کام ہم اپنے وسائل و ذرائع سے کریں گے۔ یعنی ان لوگوں کو بطور آلہ استعمال کریں گے جن کی مساعدت ہمارے ساتھ یقینی ہے جو جلد ہی ہماری حکومت کا اعتراف کرلیں گے۔ اور وقت آنے پر ہماری اچھی خدمت کریں گے۔

انھی پروٹوکولس کے اندر یہ باتیں بھی مندرج ہیں، ہر جگہ، اخلاقی گراوٹ اور پستی کے لیے کام کرنا ضروری ہے تاکہ تسلط کی راہ آسان ہو، فرائڈ ہمارا ہے۔ یہ جنسی تعلقات کو سورج کی روشنی میں پیش کرتا رہے گا تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی مقدس چیز باقی نہ رہے۔ اور خواہشاتِ نفس کی تسکین امکان بھر بڑا مقصد بن جائے۔ اور جب یہ صورتحال پیدا ہوجائے گی تو ان کے اخلاق بگڑ کر ختم ہوجائیں گے۔

(۳) ۱۹۲۲ء کی بغداد ماسونی کانفرنس کے ضابطے میں ہے۔ ہم لوگوں کو یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہم لوگ ماسونی ہیں، دین کے دشمن ہیں۔ ہم لوگوں پر واجب ہے کہ دین کی تمام شکلوں کو ختم کرنے کے لیے کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہ کریں۔

(۴) ۱۹۱۳ء کے شرقِ اعظم ماسونی ضابطے میں ہے۔ جلد ہی ہم لوگ اللہ کو چھوڑ کر انسانیت کو مقصد بنالیں گے۔

(۵) ۱۹۱۰ء کی عالمی ماسونی کانفرنس کے ضابطے میں ہے، ہم لوگ دینداروں اور ان کی عبادت گاہوں کے غلبہ پر اکتفا نہیں کریں گے، بلکہ ہمارا بنیادی مقصد ان کو وجود سے ختم کرنا ہے۔

(۶) ۱۹۰۳ء کے ماسونی رسالہ "اکاسیا" میں ہے، ادیان کے خلاف ہماری جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک کہ دین، حکومت و سیاست سے جدا نہیں ہوجاتا۔ جلد ہی ماسونیت دین کی جگہ لے لیگی، اور ماسونی تنظیمیں عبادت گاہوں کی قائم مقام ہوں گی۔

یہودی ماسونیت اپنے ان عیارانہ اور مکارانہ منصوبے کے پیچھے جس مقصد کے لیے کام کررہی ہے، وہ بلاشک و شبہ یہودیوں کی کھوئی ہوئی عزت و قوت کو دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ اور نیل سے فرات تک اپنی عظیم حکومت قائم کرنا ہے۔ پھر پوری دنیا پر تسلط اور غلبہ حاصل کرنا ہے، اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے یہ تنظیم جن وسائل و ذرائع کو استعمال کرتی ہے وہ تمام آسمانی دینوں، اخلاقی، اجتماعی اور اقتصادی مذہبوں کو مٹاکر صرف یہودی پرچم بلند کرنا ہے، اور سرزمینِ فلسطین پر جو اسرائیلی حکومت قائم ہے وہ اسی ناپاک منصوبے کا ایک جزو ہے، جسے ماسونی محفلیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

استعماری ارادے: استعماریت جس کا صلیب اور استشراق سے گہرا تعلق ہے، اسلام سے برسرِ پیکار ہے۔ مسلمانوں کو ان کے عظیم مقصد جہاد فی سبیل اللہ سے برگشتہ کرنے اور اسلامی معاشرے کو برائیوں اور بے حیائیوں میں ڈبو دینے کی غرض سے اس کی کوششیں جاری

ہیں، تاکہ مسلمان عقیدۂ اسلام سے باہر ہو جائیں۔ مقدس چیز زندگی میں صرف خواہش نفس کی تسکین بن جائے۔ برائی اور بے حیائی کے اڈے آباد ہوں اور شرافت و کرامت کی محفلیں ویران ہو جائیں۔ قابل قدر عزت و قوت اور بلند مقاصد لیے ہوئے پیغامات سے زندگی کی جد و جہد سونی ہو جائے۔

ایک استعماری قطب کہتا ہے، شراب کا جام اور گانا امت محمدی کو برباد کرنے کے لیے جس قدر موثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اس قدر ہزار توپیں بھی نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا ان کو مال اور خواہشات کی محبت میں ڈبو دو۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ پادری زویمر نے عیسائی مبلغوں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، تم لوگوں نے مسلم ممالک میں ایسی نسل تیار کر دی ہے جو تعلق باللہ سے نہ واقف ہے اور نہ واقف ہونا چاہتی ہے۔ تم لوگوں نے مسلمانوں کو اسلام سے نکال دیا ہے اور مسیحیت میں داخل نہیں کیا ہے، جس کے نتیجہ میں مسلم پود استعماری ارادوں کے سانچے میں ڈھل گئی ہے۔ اب وہ عظیم کارنامے کا اہتمام نہیں کرتی، راحت اور سستی پسند کرتی ہے، دنیا میں اس کی تگ و دو خواہشات و شہوات کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔ تعلیم حاصل کرتی ہے تو شہوات کے لیے بلند و بالا مراکز کی تعمیر ہوتی ہے تو شہوات و جذبات کی تکمیل کے لیے۔ بیت المقدس کی تباہی کے بعد چرچل نے ۱۹۶۷ء میں کہا تھا: بیت المقدس کو اسلام کے تسلط سے نکالنے کا خواب یہودیوں اور عیسائیوں نے یکساں طور پر دیکھا تھا۔ اس لیے یہاں عیسائیوں کی خوشی یہودیوں کی خوشی سے کم نہیں ہے۔ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے سے نکل چکا ہے اور یہودی کونسل نے قدس کو یہودی مملکت میں ضم کر دینے کے لیے تین قراردادیں جاری کر دی ہیں اور آئندہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جو بات چیت ہوگی۔ اس میں یہ طے رہے گا کہ بیت المقدس اب کبھی مسلمانوں کو نہیں ملے گا۔

گزشتہ صفحات میں ہم استعمار پسندوں کے بہت سارے اقوال نقل کر چکے ہیں جو مقصد کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ ان سب کا مقصد ایک ہے، اسلامی مقدسات اور اسلامی اصول و مبادیات کو ختم کرنا، برباد کرنا اور مسلمانوں کو مجبور و لاچار بنانا۔

مذکورہ صفحات کے اندر جن ناپاک اشتراکی، استعماری، صلیبی اور ماسونی عزائم کی نقاب کشائی کی گئی ہے وہ بالکل واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دشمنان اسلام، اسلامی عقائد و افکار اور اخلاق و عادات کو مٹانے کی بھرپور اور مسلسل جد و جہد کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ امت بہت ساری تباہی و بربادی

دوچار ہو چکی ہے، اپنا گرانقدر اخلاقی جوہر گنوا بیٹھی ہے۔ بہت سارے نام نہاد مسلمان اسلامی تعلیمات سے دور ہو چکے ہیں اور ان کو مزید دور کرنے کی کوشش جاری ہے۔ اس بھیانک صورتحال پر اگر درد مندانِ ملت سچائی اور اخلاص کے ساتھ غور و فکر کر کے راہ نجات نہیں ڈھونڈیں گے تو مستقبل اس سے بھی زیادہ خوفناک اور دردناک ہوگا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس طرح کی تخریب پسند قوتوں اور سرگرمیوں کا پوری بیدار مغزی کے ساتھ جائزہ لیا جائے، ان کے کالے کرتوتوں کو طشت از بام کیا جائے، اس کے مقابلہ کے لیے جامع اور موثر پروگرام مرتب کیا جائے اور ملت کے تمام افراد کو اس خطرناک صورتحال سے آگاہ کیا جائے۔ عوام کو یہ سمجھایا جائے کہ انسانیت کے یہ لیٹرے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے پوری انسانیت کے ساتھ کتنے خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں، اور کھیلنا چاہتے ہیں۔ یہ ملت اسلام کی اس وقت سب سے اہم ذمہ داری ہے، جس سے غفلت اور چشم پوشی، تباہی و بربادی کے مترادف ہوگی۔ انسانیت کو بچانا اسلام اور مسلمانوں کا فریضہ ہے، جس سے پہلو تہی کی راہ ڈھونڈنا عنداللہ... مبغوض ہوگا۔

اسی کے ساتھ ساتھ ان افراد کی نگرانی اور نگہبانی بھی ضروری ہے، جو اپنا دین، ایمان اور ضمیر، اشتراکیت استعماریت، صلیبیت اور راسونیت کے ہاتھوں بیچ چکے ہیں، اس طرح کے افراد مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں بڑی تعداد میں موجود ہیں، اونچی کرسیوں پر ہیں اور ان کو بلند رتبے اور مناصب حاصل ہیں، جن سے فائدہ اٹھا کر وہ ملت اسلام کو توڑ رہے ہیں، مسلمانوں کے اندر غلط افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کر رہے ہیں۔ اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما ہال، تھیٹر، ڈرامہ، افسانہ، جھوٹے اور غلط پروپیگنڈے، اس کے اندر بہت ہی موثر اور فعال رول ادا کر رہے ہیں، جسے ختم کرنے کی تدبیریں اور ان ملت فروش ایجنٹوں کی نئے سرے سے ملت میں واپسی کی کوشش نہایت ضروری ہیں۔ ورنہ اصلاح کی جو بھی جد و جہد ہوگی اسے یہ غدارانِ ملت بڑی آسانی کے ساتھ فساد کا رنگ و روپ عطا کر دیں گے۔ ●●●

باقی ص ۵۰ کا:

اللہ کی وحدانیت کا اعلان تھا، بلکہ یہ اعلان تھا کائنات کی سب سے بڑی سچائی کا۔ انسانیت کی حقیقی عظمت و شرف کا، انسانی حریت و آزادی کا، اخوت و مساوات کا، حقیقی عدل و انصاف کا، عالمگیر اصولِ امن کا۔

شیخ عبدالمعید سلفی

نزہتہ الخواطر[1] کے چند معاصر مراجع

مولانا سید عبدالحیؒ (۱۸۶۹ء - ۱۹۲۳ء) کی کتاب "نزہتہ الخواطر" تذکرہ علماء ہند سے متعلق ایک اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ مصنف کی یہ کتاب عربی زبان میں آٹھ جلدوں میں ہے اور ۲۸۹۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ۴۵۰۵ اشخاص کے تراجم ہیں، یہ کتاب مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی دلچسپی کے نتیجے میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر علمی دنیا میں آئی۔ اب تک اس کے سات اجزاء کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور آٹھویں کا صرف ایک۔

اس کتاب کے ادبی و معنوی خصائص کیا ہیں اس کا تعارف اس کثرت سے کرایا جا چکا ہے کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

اس وقت کتاب کے اردو ترجمے کا پروگرام فخر الدین علی احمد اکیڈمی بنا رہی ہے، اس لیے یہ خواہش ضرور رہے گی کہ کوئی "ایوب قادری" محقق کی حیثیت سے . . . متعصب کی حیثیت سے نہیں — اسے ترجمے کے ساتھ ایڈٹ بھی کر دیتا تو کتاب زیادہ مستند بن جاتی۔

اس وقت نزہتہ الخواطر کے چند ہم عصر مراجع کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نزہتہ الخواطر کی ۷ویں و ۸ویں جلدیں جو تقریباً کتاب کا نصف حجم ہیں، تیرہویں اور چودہویں صدی کے علماء پر مشتمل ہیں اور چھٹی جلد کے کچھ اجزاء بھی مصنف کے چند ہمعصر علماء کی ذاتی کوششوں کی بڑی حد تک مرہون منت ہیں اور یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ کیونکہ باحیات علماء یا جن کا تذکرہ مرتب نہ کیا گیا ہو، ان کی تلاش و جستجو اس وسعت و جامعیت کے ساتھ ایک انسان کے بس کی بات نہیں، خاص طور پر ایسے شخص کے لیے ممکن نہیں، جس کی مصروفیات زیادہ اور متنوع ہوں، البتہ معیوب یہ ہے کہ دوسروں کے تعاون کی سپاس گزاری نہ ہو، بلکہ کوشش یہ ہو کہ تمام کوششیں اپنے . . . کھاتے میں جمع کر لی جائیں۔

ہمیں جو چند تاریخی دستاویز دستیاب ہوسکیں ان کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علمی دنیا کا تقاضا ہے کہ "حق بحق دار رسید" پر عمل کیا جائے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب اپنی معروضات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

(الف) مولانا سید عبد الباقی سہسوانی نے حکیم عبدالحی مرحوم (مصنف نزہۃ) کے کہنے پر علماء سہسوان کے حالات تحریر کرکے موصوف کو دیے۔ مولانا سہسوانی مرحوم کا بیان ہے کہ ایک مجلس میں حکیم صاحب نے فرمایا ہم نے علماء ہند کا ایک مبسوط تذکرہ عربی زبان میں لکھنا شروع کیا ہے۔ آپ اپنے وطن کے نامور علماء کے حالات تحریر کردیجیے تاکہ تذکرہ مذکورہ میں درج کیے جائیں۔ سہسوان میں بکثرت علماء و فضلاء وکاملین گزرے ہیں، مگر ان کا ذکر مجھ کہیں تفصیل کے ساتھ نہیں دیکھا گیا[1] سہسوانی مرحوم نے حکیم صاحب کی فرمائش پوری کردی اور علماء سہسوان کے حالات تحریر کرکے انھیں دیدیے۔ یہ تحریر الگ سے ۱۹۲۲ء میں حیوۃ العلماء کے نام سے چھپی ہے، اس میں ۷۰ علماء کے تراجم ہیں۔ نزہۃ الخواطر کے اجزاء ۵، ۶، ۷ اور ۸ میں حیوۃ العلماء کے ۲۱ حوالے ملے ہیں۔ جلد ۷ - ۸ کے وہ تراجم جن میں حوالہ مذکور نہیں ان کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا ماخذ کیا ہے۔ وہ ۲۱ علماء جن کے تراجم حیوۃ العلماء سے ماخوذ ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

مولانا عطاء اللہ (م ۱۰۹۴) ۵/۲۸۳ - مفتی ابو محمد سہسوانی (م ۱۱۵۵) ۶/۱۷ - ۱۸ -

حکیم نور الحسن سہسوانی (م ۱۲۹۷) ۷/۵۲۷	مفتی نور احمد (م ۱۲۸۰) ۷/۵۲۴
مفتی نظر احمد (م ۱۲۳۶) ۷/۵۱۹ - ۵۲۰	شیخ معین الدین (م ۱۲۰۲) ۷/۵۰۰
مولانا عبد العلی (م ۱۲۶۰) ۷/۲۸۶ - ۲۸۷	سید ظہور احمد (م ۱۲۶۳) ۷/۲۳۱
مولانا سراج احمد (م ۱۲۷۹) ۷/۱۹۹	مولانا اولاد احمد (م ۱۲۸۰) ۷/۹۲
سید تاج الدین (م ۱۲۹۲) ۷/۲۹۲	حکیم بدر الدین (م ۱۲۶۰) ۷/۹۷-۹۹
حکیم الٰہی بخش (م ۱۲۹۶) ۷/۷۳	حکیم اسد علی (م ۱۲۸۰) ۷/۵۴
آل محمد (م ۱۲۵۹) ۷/۲-۳	یعقوب بن عبد العلی (م ۱۳۱۳) ۸/۵۲۵
سید نذیر احمد (م ۱۳۰۹) ۸/۴۹۳	حکیم مظہر علی (م ۱۳۱۲) ۸/۴۷۸
سید محمود حسن (م ۱۳۳۹) ۸/۴۶۴	سید عبد الباری (م ۱۳۰۳) ۸/۲۱۴
سید عبد الحسیب (م ۱۳۱۲) ۸/۲۲۰	

[1] حیوۃ العلماء، عبد الباقی سہسوانی : ۲

یہ اعداد و شمار آخری نہیں ہیں، تلاش کرنے پر حیوۃ العلماء کے مزید حوالے مل سکتے ہیں، نیز نزہتہ الخواطر ہفتم و ہشتم میں حوالہ کا التزام نہیں ہے، اس لیے ان کے متعلق فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ ان کے ماخذ کیا ہیں

(ب) شمس المحدثین مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ) نے علماء ہند کے حالات پر مشتمل ایک کتاب تذکرۃ النبلاء کے نام سے فارسی میں تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب تذکرہ علماء ہند پر ہے۔ شمس المحدثین کا بیان ہے۔ "ہمکو جس قدر تذکرہ علماء ہند کے لکھنے کا شوق تھا وہ ہے اس کو بیان نہیں کر سکتے ہیں[۱]" انھوں نے یہ تذکرہ کب لکھا یا لکھنا شروع کیا، اس کی تعیین خود انھی کے الفاظ میں ہوتی ہے۔ "۱۲۹۲ھ میں ہم کو شوق تاریخ علماء ہند کا پیدا ہوا[۲]" مولانا ڈیانوی کی یہ کتاب ناتمام رہی، اور اس کے اجزاء ضائع بھی ہو گئے۔ کیوں؟ مولانا ہی کے الفاظ میں: "اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مولوی عبدالحی صاحب علیہ الرحمہ نے ہم سے تراجم علماء صوبہ بہار وغیرہ طلب کیا۔ . . . . ہم نے بعض اجزاء ان کے پاس روانہ کر دیے مگر باوجود چند بار طلب کرنے کے وفات تک ان کی . . . . (وہ) اجزاء واپس نہیں آئے۔ پھر بعد وفات ان کی مولوی خادم حسین نے بمشکل کچھ اجزاء روانہ کیے[۳]"۔ اس کتاب سے مولانا عبدالغفور داناپوری (۱۳۳۳) نے اپنی کتاب "تاریخ علماء صوبہ بہار" اور تاریخ محدثین ہند" میں استفادہ کیا۔[۴]

اسی طرح مولانا ابو یحییٰ محمد شاہجہانپوری (۱۳۲۴) نے ایک تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا، اس میں بھی اس سے استفادہ کیا۔[۵]

---

[۱] مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات اور خدمات: محمد عزیر: ۹۷ بحوالہ خط نمبر ۱ از مولانا ڈیانوی بنام مولانا عبدالحی۔ واضح رہے کہ مولانا کا یہ خط اور اس کے علاوہ تین اور خط شیخ محمد عزیر نے شائع کیے ہیں۔ چاروں خطوط مولانا عبدالحی حسنی (۱۳۴۱ھ) کے نام لکھے گئے۔ پہلا خط ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ دوسرا ۹ صفر ۱۳۲۸ھ از ڈیانواں، تیسرا ۶ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ از ڈیانواں۔ اور چوتھا ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا۔ مراسلت کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب مولانا حسنی نزہتہ الخواطر کی تالیف میں لگ چکے تھے، اس سلسلے میں انھوں نے شمس المحدثین سے تعاون اور رہنمائی کی درخواست کی تھی، اسی تعاون اور رہنمائی سے متعلق یہ چاروں خطوط لکھے گئے۔ یہ خطوط رائے بریلی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پاس البم میں محفوظ ہیں۔ یہ خطوط محمد عزیر سلفی حال ریسرچ اسکالر شعبہ ادب ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کو اسی البم سے حاصل ہوئے۔ ان کا بیان ہے "راقم الحروف کو یہ خطوط رائے بریلی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے ہاں ملے جو آج بھی ایک البم میں محفوظ ہیں" (کتاب مذکور ص ۹۵)

---

[۲] حوالہ مذکور خط نمبر ۳ ص ۱۰۷ (۳) حوالہ ۹۷-۹۸ خط نمبر ۱ (۴) حوالہ مذکور ۹۸ خط نمبر ۱ (۵) حوالہ مذکور ۹۹ خط نمبر ۳

شمس المحدثین نے مولانا عبدالحیؒ کی تالیف میں ہر طرح معاونت فرمائی اور سرپرست اور استاذ کی حیثیت سے ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے رہے، اور اپنی پوری کتاب کا یسر مسودہ ان کے سپرد کر دیا۔ اس سلسلے میں مولانا ڈیانوی نے مولانا عبدالحی کو جو خطوط لکھے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ڈیانوی نے اپنے مسودہ کا ورق ورق تلاش کرکے انھیں بھیجا۔

چنانچہ پہلے خط میں فرماتے ہیں:

"میرے پاس بعض تراجم بطور مسودہ پھٹے کے موجود ہیں، ان سب کو ہم جمع کرکے بذریعہ پلندہ روانہ کریں گے۔ آپ از راہِ مہربانی دو ایک ماہ میں ان مسودات میں سے جس قدر مضامین مناسب معلوم فرماویں انتخاب کریں اور پھر مسودہ کو ضرور واپس فرمادیں۔"[1]

مزید امید دلاتے ہیں: "اور ہم شاہجہاں پور سے بھی مسودہ واپس طلب کرتے ہیں"[2]۔ اگر یہ واپس ملے ہوں تو یہ بھی سید صاحب کو ملے ہوں گے۔

پھر دوسرے خط میں جو ۹ر صفر ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا مسودہ بھیجنے کا وعدہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "غالباً ربیع الاول میں اوراق تاریخ کے آپ کے پاس پہنچیں گے۔"[3] تیسرے خط مکتوبہ ۶ر ربیع الاول میں فرماتے ہیں: "اجزاء و اوراقِ پریشاں کو مختلف دفتیوں سے تلاش کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے، مگر جس قدر تلاش سے ملاہے سب کو روانہ کرتے ہیں، جب تک آپ چاہیں اپنے پاس رکھیں پھر واپس فرمادیں۔"[4] چوتھے مکتوب ۲۶ر ربیع الاول ۱۳۲۸ھ میں اپنے مذکورہ مرسلہ اوراق کے متعلق دریافت کرتے ہیں "دو ایک ماہ قبل یا اس سے کم و بیش ہوا کہ کچھ اوراق تراجم علماء بذریعہ پولندہ بیرنگ کے روانہ کیا ہے اور مکتوب بھی یقیناً وہ مکتوب اور اوراق آپ کو ملے ہوں گے"[5]

اسی خط کے اخیر میں خوشخبری دیتے ہیں۔ "کچھ اوراق تراجم کے اور بھی ملے ہیں ان کو بھی روانہ کریں گے"[6]

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ

۱۔ شمس المحدثین کی کتاب ضخیم تھی۔

۲۔ جتنا کچھ مسودہ مل سکا اسے ایک بار سید صاحب کو بھیج دیا۔ اور دوسری بار مزید اوراق بھیجنے کا وعدہ بھی کیا۔

---

۱ مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات اور کارنامے: ۹۹ ۲ حوالہ مذکور ص ۱۰۰ ۳ حوالہ مذکورہ ص ۱۰۲
۴ حوالہ مذکور ص ۱۰۵ ۵ حوالہ مذکورہ: ص ۱۱۱ ۶ حوالہ مذکورہ ص ۱۱۲

ڈیانوی اپنی کتاب سونپ دینے کے علاوہ مختلف مشورے بھی دیتے رہے اور بار بار ہر خط میں تذکرہ علماء ہند سے اپنی دلچسپی اور شوق تالیف کا تذکرہ کرتے رہے اور نزہۃ الخواطر کو کامل و مکمل دیکھنے کی آرزو کرتے رہے اور اپنی تالیف کے تشنہ رہ جانے پر افسوس کا اظہار فرماتے رہے۔

تیسرے خط میں سید عبدالحی مرحوم کو لکھا کہ "نزہۃ الخواطر کا مسودہ اوائل ربیع الثانی میں ایک ماہ کے لیے بھیج دیجیے"

وہ ہندوستانی علماء جو حرمین میں جا بسے، جیسے محمد حیات سندی، عابد سندی، ابوالحسن سندی اور وہ علماء جو اصلاً عربی تھے لیکن ہندوستان میں آکر اقامت گزیں ہوگئے، اور ہندوستانی بن گئے۔ جیسے حسین بن محسن یمانی وغیرہ ان کے تراجم نزہۃ الخواطر میں شامل کرنے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا کہ اگر انھیں تاریخ علماء ہند میں شامل نہ کیا گیا تو کتاب ناقص رہے گی۔[1]

اور نزہۃ الخواطر میں اپنے چھوٹے بھائی محمد اشرف (۱۳۲۶) مولانا عبداللہ غزنوی (۱۲۹۸ھ) وغیرہم کے تراجم شامل کرنے کی تاکید کی۔[2]

سید عبدالحی مرحوم کو شمس المحدثین کا مسودہ کتنا ملا اور انھوں نے اس سے کس قدر استفادہ کیا پھر انھوں نے مسودہ کیا کیا؟ یہ سب معلوم نہیں، البتہ خطوط سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شمس المحدثین نے کم از کم دو بار اپنی تالیف کے اجزا سید صاحب کو بھیجے۔

نزہۃ الخواطر ج ۷، ۸ میں مذکور تذکرۃ النبلاء کے جو حوالے ملتے ہیں، ان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس تراجم تذکرۃ النبلاء سے منقول ہیں البتہ ہر جگہ حوالہ مذکور نہیں اس کے بارے میں سید صاحب کے خانوادے کے ذی علم حضرات نے اگر ان کے علمی سرمایوں کو محفوظ رکھا ہوگا اور ان سے باخبر ہوں گے تو وہ جانتے ہوں گے۔

وہ تراجم جو تذکرۃ النبلاء سے منقول ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) شیخ سلیم الدین نگرنہسوی (۱۱۹۱ھ) ۶/۱۰۳ (۲) شیخ ابراہیم نگرنہسوی (۱۲۸۲) ۷/۵-۶
(۳) مولانا ابراہیم بن برکت عظیم آبادی (۱۲۴۶) ۷/۵ (۴) شیخ ابوالحسن السندی عظیم آبادی (۱۲۹۳) ۷/۱۲
(۵) شیخ ابوسعد اسماعیل ویلوری (۱۲۷۶) ۷/۵۷-۵۸ (۶) مولانا امیر حسن سہسوانی (۱۲۹۱) ۷/۸۱، ۸۲
(۷) مولانا امین اللہ عظیم آبادی (۱۳۳۳) ۷/۸۷ (۸) شیخ اوحد الدین بلگرامی (۱۲۵۰) ۷/۹۰-۹۱
(۹) قاضی بشیر الدین قنوجی (۱۲۹۶) ۷/۱۰۲، ۱۰۳ (۱۰) مولانا تصدق حسین عظیم آبادی (۱۲۶۸) ۷/۱۱۱

---

[1] مولانا شمس الحق عظیم آبادی: ۱۰۸ [2] ۱۰۷-۱۰۸ خط نمبر ۳ [3] حوالہ مذکور ۱۰۶، ۱۰۹

(۱۱) مولانا جلال الدین بنارسی (۱۲۷۷) ۷/۱۲۲ (۱۲) مولانا جلال الدین ہروی ۷/۱۲۳

(۱۳) مولانا جمیل احمد بلگرامی (۱۲۹۴) ۷/۱۲۶، ۱۲۷ (۱۴) مولانا حنیف دھمتوری (۱۲۷۹) ۷/۱۵۱

(۱۵) مولانا عبدالحلیم شیخپوری (۱۲۹۵) ۷/۲۵۳ (۱۶) قاضی عبدالصمد افغانی (۱۲۹۶) ۷/۲۷۳-۲۷۴

(۱۷) محدث عبداللہ جھاؤ صدیقی الٰہ آبادی (۱۳۰۰ھ) ۷/۳۱۲-۳۱۴

(۱۸) شیخ عبدالواحد سہسوانی (۱۲۹۸) ۷/۳۲۱ (۱۹) مولانا عبدالہادی ٹھکوی (۱۲۶۵) ۷/۳۲۴-۳۲۵

(۲۰) قاضی عبیداللہ عظیم آبادی (۱۲۲۳) ۷/۳۲۵ (۲۱) شیخ غلام رسول قلعوی (۱۲۹۱) ۸/۳۴۷، ۳۴۸

(۲۲) مولانا گلزار علی عظیم آبادی (۱۲۳۷) ۷/۴۰۹ (۲۳) مولانا لطف علی راجگیری (۱۲۹۶) ۷/۴۱۰-۴۱۱

(۲۴) شیخ محمد محب اللہ غزنوی (۱۲۹۶) ۷/۴۲۷-۴۲۸ (۲۵) مولانا محمد بخش دہلوی ۷/۴۴۲

(۲۶) مولانا محمد وجیہ کلکتوی ۷/۴۷۹ (۲۷) شیخ نجابت احمد نگرنہسوی (۱۲۹۱) ۷/۹ ۵

(۲۸) شاہ محمد اسحق دہلوی (۱۲۶۲) ۷/۵۳ (۲۹) حافظ عبدالمنان وزیرآبادی (۱۳۳۴) ۸/۳۱۱، ۳۱۲

(۳۰) قاضی محمد ابو عبداللہ خانپوری مولود ۱۲۷۰) ۸/۳۹۹ (۳۱) شیخ عبدالغنی لعل پوری (۱۳۹۹ھ) ۸/۲۷۲

ان ۳۱ تراجم میں سے صرف ۴ تراجم ۸ ویں جلد میں مذکور ہیں تراجم کے تنوع سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تذکرۃ النبلاء سے جلد ۷ میں بہت کافی استفادہ کیا گیا اور دوسرے مسودے مثلاً ابناء الخلان مولانا عبدالحیٌ اگر ملے ہوں تو گویا بلا واسطہ علمائے بہار سے متعلق تذکرۃ النبلاء سے ہی استفادہ ہوگا۔

اس کے علاوہ سید عبدالحی مرحوم کو مولانا عبدالغفور داناپوری (۱۳۳۳) کی کتاب (تاریخ محدثین ہند اور تاریخ علماء صوبہ بہار کے مسودے بھی ملے ۔ داناپوری مرحوم جو اپنے زمانے کے مشہور اہلحدیث عالم تھے ۔ کے خط بنام مولانا عبدالحی حسنی مورخہ ۲۴ ر مارچ ۱۹۱۰ سے یہ بات واضح ہے ۔[۱]

شمس المحدثین نے اپنے چاروں خطوط میں بار بار ابناء الخلان ، (خیر العمل فی تراجم علماء فرنجی محل ، النصیب الاوفر فی تراجم علماء المائۃ الثالثۃ عشر ، رسالۃ فی تراجم العلماء السابقین) اور مولانا نعیم فرنگی محلی

(باقی ص ۱۵۶ پر)

---

[۱] مولانا شمس الحق عظیم آبادی : ۹۸ ۔ عزیز صاحب کا بیان ہے " یہ خط (بھی) رائے بریلی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے یہاں البم میں محفوظ ہے " ، عزیز صاحب نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ داناپوری نے اپنی کتاب سید صاحب کو سونپ دی لیکن انھوں نے داناپوری کے ترجمہ نزہۃ الخواطر ۸/۲۷۱-۲۷۲ میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ۔

(چھٹی اور آخری قسط)

شیخ الاسلام مولانا امرتسری اور ان کی تصنیفات (۶)

مولانا مستقیم سلفی استاد جامعہ سلفیہ

میں اپنے مضمون کی گزشتہ پانچ قسطوں میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی تصانیف کا فن وار تعارف پیش کر چکا ہوں۔ لیکن ان کی متعدد کتابیں ان قسطوں کی ترتیب کے وقت دستیاب نہ ہو سکی تھیں، اور بعد میں ملیں، اس لیے انھیں ان کے فن کے تحت درج نہ کر سکا۔ اب اس آخری قسط میں بطور استدراک ان کتابوں کا تعارف پیش کر رہا ہوں۔ اس قسط کو شامل کر کے مولانا کی ۱۲۶ کتابوں کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے، تاہم میں اب بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کی تمام تصانیف کا تعارف مکمل ہو گیا۔ عین ممکن ہے کہ ابھی ان کی متعدد تصانیف میری نظر سے نہ گزری ہوں۔ اس لیے علم دوست حضرات سے عموماً اور مولانا کے عقیدتمندوں سے خصوصاً میری گزارش ہے کہ اس تذکرے کی تکمیل میں ممکنہ تعاون فرمائیں۔ بعد میں دستیاب ہونے والی کتابوں کا تعارف یہ ہے:

(۱) معقولات حنفیہ (اردو) صفحات ۲۴ طبع اول مارچ ۱۹۳۶ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر

اس رسالہ میں فقہ حنفی کے سات مسائل (۱) مفقود الخبر (۲) مرتدہ (۳) حرمت مصاہرت، (۴) خیار بلوغ (۵) دہ دردہ (۶) اقتداء مقیم بالمسافر (۷) تفریق بین الزوجین کو ذکر کر کے اس پر محاکمہ کیا گیا ہے اور ضمناً مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" پر اچھا خاصا تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۲) خطاب مودودی۔ (اردو) صفحات ۶۴ طبع اول ۱۹۴۶ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر۔

اس مختصر رسالہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی فاضلانہ تحریر کے ذریعہ حدیث و اصحاب حدیث کے بارے میں بانی جماعت اسلامی کو اپنے خیالات پر نظر ثانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۳) مباحثۂ ناہن۔ (اردو) صفحات ۸ مطبع اکبری پریس نئی بستی، آگرہ

یہ مختصر رسالہ اس مباحثہ پر مشتمل ہے جو مقام ناہن[1] میں مابین مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پنڈت بھوجدت آریہ مسافر کے ہوا تھا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ "قرآن مجید الہامی کتاب ہے یا وید؟"۔ اس کتاب میں دونوں فریق کے سوال و جواب مع دلائل منقول ہیں۔

(۴) آریوں کے علماء اسلام سے ۲۵ سوالات کے فوری جوابات

(اردو) صفحات ۱۶ طبع مطبع دلکشا فتح گڑھ

مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کے جلسۂ سالانہ انجمن رفیق الاسلام فرخ آباد کے موقع پر منجانب آریہ سماج ایک چار ورقی رسالہ بنام "علمائے اسلام سے سوالات" شائع ہوا جس میں ۲۵ سوالات تھے، یہ کتاب انہیں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک سے تیرہ تک کے جوابات مولانا حافظ ابوالفرح محمد عبدالحمید صاحب پانی پتی کے ہیں اور ۱۴ سے ۲۵ تک کے جوابات مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ہیں، ان سوالات میں سے بیسواں سوال مع جواب درج کیا جارہا ہے۔

سوال نمبر ۲۰:۔ کیا خداوند کریم نے یہ تفریق جو دنیا میں نظر آتی ہے کہ کوئی اندھا پیدا ہوتا ہے کوئی سوجاکھا کوئی غریب کے گھر پیدا ہوکر دکھ اٹھاتا ہے، کوئی بادشاہ کے گھر پیدا ہو کر سکھ پاتا ہے۔ اپنی مرضی سے

---

[1] ناہن ایک پہاڑی ہندو ریاست، شملہ کے قریب ہے اور نہایت سرسبز مقام ہے، جہاں سردی ہے نہ گرمی چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، ہر طرف سبزہ ہی نظر آتا ہے، بہت خوشگوار مقام ہے، صفائی کا انتظام ایسا ہے کہ لاہور، امرتسر بھی شرماتے ہیں۔ (مباحثۂ ناہن ص ۵)

پیدا کیا ہے، یا کوئی سبب سے، اگر اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے تو وہ رحیم اور مشفق نہیں کہلا سکتا، اگر سبب ہے تو کون سا ہے
جواب: خدا نے دنیا میں اپنی حکمت کے تقاضہ سے کیا ہے، کسی پرانی کے سابقہ اعمال کا اثر نہیں، آریہ دھرم کے مطابق یہ اصول ہے کہ انسان کرم جونی ہے اور حیوانات بھوگ جونی۔ یعنی انسانی جون میں انسان کام کر کے دوسرے جون میں سزا پاتا ہے۔ دیکھو رسالہ ثبوت تناسخ مصنفہ پنڈت لیکھرام ص ۹۷۔ پس یہ سوال آریوں پر ہوتا ہے کہ اندھے انسان کو کس جرم کی سزا ہے، جبکہ یہ نہ کہنا کہ پچھلے اعمال کی سزا ہے۔ کیونکہ انسان بھوگ جونی نہیں بلکہ کرم جونی ہے۔

مطبع ڈائمنڈ جوبلی امرتسر

(۵) اظہار الحق بجواب ستیارتھ پرکاش

(اردو) صفحات ۱۶ طبع جنوری ۱۹۰۱ء / رمضان ۱۳۱۸ھ

یہ کتاب پنڈت دیانند جی بانی آریہ سماج کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے جواب میں ہے۔ اس میں پنڈت جی کی جانب سے قرآن مجید پر ایک سو انسٹھ کیے گئے بیہودہ ولایعنی اعتراضات کا عقلی ونقلی دلائل سے بھرپور جواب دیا گیا ہے۔

---

[1] ان سوالات میں سے ایک یہ ہے : (سورہ فاتحہ) شروع ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے (آیت اول) مسلمان لوگ ایسا کہتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے، لیکن اس قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی دوسرا ہے کیونکہ اگر . . . . وہ خدا بخشش اور رحم کرنے والا ہے تو اس نے اپنی مخلوق میں انسانوں کے آرام کے واسطے دوسرے جانوروں کو مار سخت ایذا دلا اور ذبح کرا کر گوشت کھانے کی (انسان کو) اجازت کیوں دی ؟ کیا وے ذی روح، بے گناہ اور خدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔

جواب: پنڈت جی! اگر رگ وید منتر اول ملاحظہ کر لیتے تو یہ اعتراض منہ پر نہ لاتے۔ سماجیو! غور سے سنو! "ہم لوگ اس اگنی کی تعریف کرتے ہیں جو کہ ہمارا پورا ہت کرنے والا یگون کا ہون کرنے والا روشن موسموں کی تبدیلی کرنے والا جملہ جواہرات کا پیدا کرنے والا ہے۔" تبلاؤ! اگر "اگنی" سے (بقول آپ لوگوں کے) خدا مراد ہے اور وید بھی خدا کا کلام ہے تو اس کلام کا قائل کون ہے ؟ خیر یہ تو الزامی جواب ہے، اب تحقیقی سنیئے!

الہامی کتابوں کا محاورہ اور طریق کلام کئی قسم کا ہوتا ہے، کبھی تو خدا خود متکلم کے صیغہ سے ادا مطلب کرتا ہے اور کبھی غائب سے اور کبھی کوئی ایسا مطلب جو بطور دعا یا التماس کے بندوں کو سکھانا منظور ہوا، (باقی ص ۴۰ پر)

مدنپورہ بنارس میں جناب سید حامد صاحب کی ایک تقریر

ملّت کے لیے لمحۂ فکریہ

ہمارے ملک میں دو طرح کا تعلیمی نظام پایا جاتا ہے۔ ایک نظام کے ماتحت سرکاری کالج اور یونیورسٹیاں چلتی ہیں، اور دوسرے کے زیر سایہ دینی و عربی مدارس علمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ سرکاری نظام کے پہلو بہ پہلو کسی پرائیویٹ نظام تعلیم کی کیا ضرورت وافادیت ہے، اس نقطہ پر ان سطور میں اظہار خیال مقصود نہیں، بلکہ عرض یہ کرنا ہے کہ ان دونوں نظاموں کے ماتحت کام کرنے والے افراد کے مابین تعاون و مفاہمت کا منظر بہت کم نظر آتا ہے، حالانکہ حالات اس تعاون کے متقاضی ہیں، کیونکہ دونوں نظاموں کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانیت کے خادم اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ ملک کی آزادی سے پہلے ایسے حالات، ممکن ہے موجود رہے ہوں جن میں دونوں نظاموں کے مابین تعاون مشکل رہا ہو، لیکن آزادی کے بعد عدم تعاون کی فضا کا برقرار رہنا تعجب انگیز ہے۔ آج کی متمدن اور ترقی یافتہ دنیا میں معمولی معمولی بنیادوں پر تنظیمیں قائم ہو جاتی ہیں اور ادنیٰ تعلق کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ علوم خواہ مذہب سے متعلق ہوں یا کائنات کے مظاہر سے، دونوں کا مقصد انسانیت کی بہبود ہے، اور اس مقصد کے حصول کی کوشش اہل علم و دانش سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ مختلف علوم سے تعلق رکھنے والے اہل بصیرت جب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر انسانوں کی بہتری کے لیے کوشش کریں گے تو راہ کی مشکلات ختم ہوں گی اور اخوت و ہمدردی کے جذبات کو تقویت ملے گی۔

ہمیں بے حد مسرت ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سید حامد صاحب مسلمانوں کی اصلاح

د ترقی کے لیے اسی بنیاد پر کوشش فرما رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے ان خطوط پر کام کریں جس سے ملت کی دینی، تعلیمی اور سماجی اصلاح ہو سکے اور مسلمان ایک انتشار، جفاکش اور مہذب قوم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے ابھریں اور اپنی عظمت رفتہ کو ایک بار پھر دنیا کی نگاہوں کے سامنے لے آئیں۔ موصوف اس مقصد کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں، وہ قابل قدر ہیں۔ ان کی کوششوں سے دینی اور سرکاری اداروں کے مخلص اہل فکر و دانش کے اگر تفاہم و تعاون کی فضا قائم ہو گئی تو اس کے بیحد خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے۔

سید حامد صاحب کا تعلق ملت کے اس طبقہ سے ہے جسے "نخبہ" (ELITE) کہا جاتا ہے اور اس وقت وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں جو ہر مسلمان کا مرکز نگاہ اور اہم ترین ملی سرمایہ ہے۔ ان دونوں حیثیتوں کے تقاضے بہت کچھ ہیں، یہاں ان کی جانب اشارہ کا وقت نہیں، البتہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ان حیثیتوں کو مد نظر رکھ کر اگر ملت کی فکری و تعلیمی میدان میں شیرازہ بندی ہو جائے تو یہ وقت کا بڑا کارنامہ ہو گا۔

سید حامد صاحب اپنی تقریروں میں مسلمانوں کی پسماندگی کا ذکر جس دردانگیز لہجہ میں فرماتے ہیں، اور جس بصیرت و عزم کے ساتھ ملت کی بہبود کے وسائل کی نشاندہی کرتے ہیں، اور جس اشتیاق و محویت کے ساتھ ان کو عوام سنتے ہیں، اس سے بہت کچھ امیدیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ مجھے جس بات سے سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ سید حامد صاحب کا طریقۂ ابلاغ ان مصلحین سے مختلف ہے جو اصلاح و قیادت کے میدان میں ظریفانہ انداز و مزاج سے داخل ہوتے ہیں اور کسی سنجیدہ تبدیلی کے بجائے عوام کے لیے تفریح کا سبب بنتے ہیں۔ "ترقی پسندی" کے اس دور میں مسلمانوں یا ان کی معاشرہ کی اصلاح کی بات کی جاتی ہے تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ "مولویوں" کا موضوع ہے، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر اصلاح کا جذبہ سچا ہے تو پھر انھیں خرابیوں کا ذکر کیا جائے گا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے، اور انھیں محاسن کی ترغیب دلائی جائے گی جن سے روگردانی کے بعد ملت روبہ زوال ہوئی ہے۔ ابتک دینی اسٹیج سے یہ باتیں کہی جاتی تھیں تو لوگ ان کو لائق توجہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن اب ایک ایسی شخصیت ان باتوں کو پیش کر رہی ہے جس کی اعلیٰ فکری و علمی حیثیت مسلم ہے۔ لہٰذا ان باتوں پر توجہ اور ان کی روشنی میں اصلاحی اقدام ضروری قرار پاتا ہے۔ بشرطیکہ اصلاح کا جذبہ سچا اور بےغرض ہو۔

یہ سطور طویل ہو گئیں، قارئین کرام سے معذرت کے بعد اب ہم سید حامد صاحب کی وہ تقریر پیش کر رہے ہیں

جو انھوں نے ۲۶ نومبر کو "محمود منزل" مدنپورہ بنارس میں کی تھی۔ تقریر ٹیپ ریکارڈر سے نقل نہیں کی گئی بلکہ جامعہ سلفیہ کے فاضل مولوی ابوالمکرم نے دوران تقریر جو نوٹس لیے تھے، انھیں کی مدد سے ایک خلاصہ تیار کیا گیا ہے، اس لیے سید صاحب کے مدعا کی توضیح میں اگر کوئی سقم ہو تو اس کی ذمہ داری مرتب پر ہے۔
(مقتدی حسن ازھری)

... ...

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سید حامد صاحب نے اپنی فکر انگیز تقریر کے آغاز میں علامہ حالی مرحوم کے درج ذیل اشعار کو بڑے موثر انداز میں پڑھا اور انھیں کو اپنی تقریر کا عنوان قرار دیا:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جو تفرقے اقوام کے، آیا تھا مٹانے — اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

تمہیدی کلمات میں سید صاحب نے فرمایا:
بنارس کے متعدد مدارس اور تعلیمی اداروں کو دیکھنے کا مجھے موقع ملا، ہر جگہ لوگ محبت و گرمجوشی سے پیش آئے، جس سے میں بیحد متاثر ہوا۔ ان مدارس کے لیے میرے دل میں بہت جگہ ہے، میں مسلم یونیورسٹی سے ان مدارس اور ان کے ذمہ داروں نیز جملہ افرادِ ملت کے لیے خیر سگالی کا جذبہ اور ترقی و خوشحالی کے نیک جذبات لے کر آیا ہوں۔ ہمارے ان مدارس اور مسلم تعلیمی اداروں کا ملک کی تاریخ میں ایک اہم مقام ہے۔ دین اور دینی علوم کی اشاعت و تحفظ کے لیے ان مدارس کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، ارتداد کے فتنہ اور دیگر معاندانہ سرگرمیوں کا جس طرح ان مدارس نے مقابلہ کیا، کسی اور کے بس میں نہ تھا۔ یہ ادارے اپنے ماضی کے لحاظ سے اور اسی طرح آزاد ہندوستان میں اپنی سرگرمیوں کے لحاظ سے مبارکباد کے مستحق ہیں اور ان مدارس کی افادیت و اہمیت کا احساس ہی آج اس موضوعِ سخن کو اختیار کرنے کا محرک ہے۔

بنارس کی مختلف مجالس کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوا کہ ملت کے اندر احساسِ زیاں پیدا ہو چکا ہے، اور ہم اب یہ سوچ رہے ہیں کہ ہماری موجودہ حالت قابلِ اصلاح ہے۔ یہ ایک خوش آئند امر ہے۔ اقبال مرحوم کی زبان میں

"متاعِ کارواں" ہم میں موجود ہے۔ اور چونکہ ہم "احساسِ زیاں" رکھتے ہیں، اس لیے مستقبل سے پرامید ہو سکتے ہیں۔ انسان کو اگر اپنی کمی اور خرابی کا احساس ہو جائے تو یہ اس کی ترقی کی ابتدا ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ہر اصلاحی تحریک کا نقطۂ آغاز یہی احساس ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس احساس کے بعد عمل اور حرکت پیدا ہو۔ انسان اگر صرف احساس پر اکتفا کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو پھر یہ احساس ناسور بن جاتا ہے اور عمل کی ساری قوتیں شل ہو جاتی ہیں۔ زمانہ اپنی تیز رفتاری میں بے رحم ہے، وہ ٹھہر کر کسی کا انتظار نہیں کرے گا۔ اگر ہم کو یہ احساس ہے کہ ہم تنزل پذیر ہیں اور اس تنزل کو ہمیں روکنا ہے، تو پھر اس کے لیے زمانہ کی رفتار کے مطابق کوشش کرنا ہوگی۔ اور یہ کوشش پوری قوم کا فرض ہے، کسی ایک فرد کا کام نہیں، اصلاحی کاموں میں اجتماعیت کا لحاظ ہوتا ہے، انفرادی کوشش کا وزن نہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

چند افراد کی خوشحالی سے یہ تصور کرنا کہ پوری ملت کا یہی حال ہے، صحیح تصور نہیں۔

... ...

ان تمہیدی کلمات کے بعد سید صاحب نے اصل موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے سب سے پہلے تعلیمی مسئلہ کا ذکر کیا، اور بڑے دلنشیں انداز میں تعلیم کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے امتِ اسلامیہ کے شاندار ماضی کی جانب اشارہ کیا۔ اور فرمایا:

صنعت و حرفت میں کامیابی اور اس کے باعث حاصل ہونے والی خوشحالی کی اہمیت و افادیت کا انکار نہیں۔ لیکن یہ کسی قوم کی ترقی کا معیار نہیں، بلکہ ترقی و خوشحالی کا اصل پیمانہ اور معتبر معیار صرف علم ہے۔ اگر کوئی قوم علمی میدان میں آگے ہے تو یقیناً وہ ترقی یافتہ اور مضبوط قوم ہے، علم کے بغیر ترقی کا کوئی بھی تصور بے معنی ہے۔ ہمارے اسلاف نے اپنی ترقی کی بنیاد اسی علم کو بنایا تھا، اور اسی لیے آج بھی ان کی کامیابیاں ہمارے لیے باعثِ فخر ہیں۔ اسلام کے صرف سو سال بعد وہ علم کے کارواں سالار تھے۔ ہر طرح کے علوم میں ان کو قیادت و برتری حاصل تھی۔ پھر علم کے ساتھ ان کے اندر ایمان کی دولت تھی۔ اور ان دونوں خوبیوں کے باعث انھوں نے پوری دنیا پر اپنا سکہ جمالیا۔ ہم پچھلی صدیوں میں علمی حیثیت سے ممتاز تھے اور اس طرح کی کوئی چیز ہمارے لیے سدِ راہ

نہ بن سکی۔

ماضی کی اس عظیم علمی میراث کے باوجود آج علمی میدان میں ہمارا حال کسی سے پوشیدہ نہیں، ہندوستان کے ہر حصہ میں علمی حیثیت سے ہم دوسروں سے پیچھے رہتے ہیں، علم سے ہم نے منہ موڑلیا اور اس سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا ہے۔ اور یہی ہماری پسماندگی کا اصل سبب ہے۔ علم کی راہ میں ترقی کے لیے دین و دنیا کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارا دین دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا، ہمارے اسلاف نے علمی میدان میں جو کارنامے انجام دیے ہیں ان میں بھی اس طرح کی کوئی تقسیم و تفریق نظر نہیں آتی۔

علم کے لیے تو حقیقت میں کوئی عمر یا وقت نہیں، انسان ہر عمر میں علم حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن جب علم کا تذکرہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے ذہن بچوں کی طرف منتقل ہوتا ہے، کیونکہ تعلیم ان کا بنیادی حق اور فطری ضرورت ہے۔ والدین کے اندر اولاد کی محبت فطری ہے۔ ہر شخص اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت رکھتا ہے، اور یہ محبت بے غرض ہوتی ہے۔ والدین کو کبھی بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اولاد سے ہماری کوئی غرض پوری ہوگی، اور ان سے ہمیں کچھ ملے گا، بلکہ بے لوث محبت کی بنیاد پر والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ اور اسی محبت کا تقاضا ہے کہ اولاد کو اچھی سے اچھی تعلیم و تربیت کا موقع فراہم کیا جائے اور معاشرہ میں ایسے وسائل مہیا کیے جائیں کہ وہ خود کو مناسب تعلیم و تربیت سے آراستہ کرکے زندگی کے میدان میں اتریں، اور اپنے آپ کو ایک اچھا شہری اور مہذب انسان ثابت کریں۔ مرادآباد وغیرہ مقامات پر مجھے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آٹھ دس سال کی عمر سے بچوں کو کاروبار اور صنعت میں لگادیتے ہیں، معلوم نہیں بنارس کا کیا حال ہے، لیکن یہ چیز بڑی افسوسناک اور مضر ہے۔ بچوں کے لیے بیس سال تک کی عمر ایسی نہیں کہ ان کے اوپر کمائی کا بوجھ ڈالا جائے، بلکہ یہ عمر تعلیم و تربیت کی ہے۔ اس مرحلہ میں بچہ جب اپنے آپ کو اچھی تعلیم اور اچھی تربیت سے آراستہ کرے گا تو زندگی کے آئندہ مرحلہ میں وہ اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کرسکے گا۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ بچوں کو اس عمر میں ہم کاروبار کی بھٹی میں جھونک دیں، اور معمولی مادی فائدہ کے لیے ان کے مستقبل کو داؤ پر لگادیں۔ یہ عمر کاروبار اور محنت کی متحمل نہیں، بلکہ یہ سیکھنے اور شخصیت کو تعمیر کرنے کا مرحلہ ہے۔ بچے ہمارے پاس امانت ہیں، اور ان کی مناسب تعلیم و تربیت ہمارا فرض ہے۔ ہم سے اس فرض کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس لیے ہم کو اس سوال کے جواب کی تیاری ابھی سے کرنا ہے، اور اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم اولاد کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو

صحیح طور پر انجام دیں اور انھیں علم کے زیور سے آراستہ کریں ۔ علم ایک بڑی نعمت اور ہماری طرف سے اولا
کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے ۔ اس طرح اصل میں ہماری بچوں سے محبت کا امتحان ہے کہ ہم ان کو اس نعمت :
محروم رکھتے ہیں یا اس کے حصول کا موقع فراہم کرتے ہیں ۔

انسان اور حیوان کے مابین فرق صرف یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے اور اس سے اپنے فا
کے کام کرتا ہے ۔ اور حیوان اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتا اور اس سے اپنے فائدہ کا کام نہیں لیتا ۔ اگر ہم اپنی او
کو علم کی دولت سے محروم کر رہے ہیں تو گویا ہم انھیں جانوروں کی صف میں رکھنا چاہتے ہیں ۔ اور ان کی امتیاز ی
صفت کو ان سے سلب کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لیے والدین سے میری درخواست ہے کہ وہ خود غرضی چھوڑ کر او لا
کو اعلیٰ تعلیم دلائیں ، دینی تعلیم دلائیں ، دنیوی تعلیم دلائیں ، اور ان کو اچھی زندگی کے لیے تیاری کا موقع فراہم کر
اور چند پیسوں کے لالچ میں ان کو کاروبار کی بھٹی میں جھونکنے سے گریز کریں ۔

یہ ہمارا فرض منصبی ہے کہ دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں حاصل کریں اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق حاصل کر
علم کا میدان بے حد وسیع ہے ، علم کی کوئی حد نہیں ۔ اس سلسلہ میں صرف ہمارے حوصلہ اور محنت کا سوال ہے اور ہ
اسلاف کی زندگی میں ہمارے لیے بہترین روشنی ہے ۔ انھوں نے علوم کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا ۔ ہر طرح
علوم ان کی دسترس میں تھے ۔ افریقہ اور اسپین میں ان کی علمی کوشش ، ان کی محنت اور علمی اخلاص کے واضح ثـ
ہیں ۔ ان کی ذہنی کاوشوں اور ان کے علمی سرمایہ سے بعد کی دنیا نے استفادہ کیا ، اور اس کا اعتراف اس وقت
بھی کیا جاتا ہے ۔ ہمیں اسلاف کی عظمت کو تازہ کرنے کے لیے اپنے تعلیمی انحطاط کو دور کرنا ہو گا ، اور یہی ہمارا
پسماندگی کو ختم کرنے کا بھی ذریعہ ہے ۔ آج علم کی برکتیں آپ کے سامنے ہیں ، بجلی کے سامان ، مختلف طرح کی مشینیں
ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ تمام مفید ایجارات و اختراعات اسی علم کی دین اور ان کی محنت کا کرشمہ ہیں ۔ اور
یہ کہنا صحیح ہے کہ آج کی ان ترقیات کا پیش خیمہ ہمارے اسلاف ہیں ۔ انھی کی استوار کی ہوئی بنیادوں پر یہ فلک
بوس عمارت کھڑی ہے ۔ ہم کو اگر اسلاف کی عظمت کا احساس ہے تو اس کی بازیابی کی کوشش بھی ضروری ہے ،
اور اس کا ذریعہ صرف تعلیم ہے ۔

... ...

سید صاحب کی تقریر کا دوسرا مسئلہ " ملت کا اتحاد " تھا ، اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے

فرمایا:

ہم موحد ہیں، ایک خدا کو مانتے ہیں، اور ہمیں اس پر فخر ہے، ہمارا نبی ایک ہے، ہماری کتاب ایک ہے، اور ہمارا قبلہ ایک ہے، اس لیے ہمیں آپس میں اس طرح متحد ہونا چاہیے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔

لیکن افسوس کہ ہم آج متحد نہیں ہیں۔ میں نے کل کے اجتماع میں ایک غیر مسلم فاضل کی اس بات کو بڑے دکھ اور افسوس سے سنا کہ جب مسلمانوں کی کتاب، ان کا خدا، اور ان کا نبی، سب ایک ہیں تو پھر ان میں یہ بہتر فرقے کہاں سے پیدا ہوئے؟ جن کا ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ پھر ہر فرقہ میں بھی اندرونی تفریق ہے، ایک دوسرے کا دشمن ہے، آپس میں مخالفت اور عداوت ہے۔ ایک کی ترقی و خوشحالی دوسرے کے لیے خوشی کی بات نہیں، بلکہ تکلیف اور جلن کا سبب ہے۔ مسجدیں الگ الگ ہیں، مسلک جدا جدا ہے۔ غیر مسلم فاضل کی یہ بات اخلاص پر مبنی ہے۔ اس نے واقعہ کی تصویر پیش کی ہے جو دردناک ضرور ہے لیکن اس کی صحت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہر ہوشمند انسان مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یہی سوال کرے گا۔

ہم تفریق و عداوت پیدا کرنے کے معاملہ میں بجد چست ہیں۔ سر سید مرحوم نے جب مسلمانوں میں عصری تعلیم کو رواج دینے کی کوشش کی اور چاہا کہ مسلمانوں سے جہالت کو دور کریں تو ہمارے علماء کا ایک طبقہ کھڑا ہوگیا اور اس نے سرسید کو کافر کہنا شروع کیا۔ ان کے خلاف کفر کے فتاوے جمع کیے جانے لگے۔ جب ہندوستان کے علماء کا سلسلہ ختم ہوا تو اس سے تسلی نہ ہوئی اور لوگ مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے بھی سرسید کے خلاف فتاوے لے آئے۔

سید والا گہر نے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کے خلاف کوشش شروع کی تھی۔ لیکن ملت کے بعض افراد نے اس پاکیزہ کوشش کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور نیتوں پر شبہہ کر بیٹھے۔ کسی کو کافر کہنے اور اس کی نیت پر حملہ کرنے کا حق ہم کو نہیں حاصل ہے۔ یہ خدا کا حصہ ہے، وہ عالم الغیب ہے، وہی جانتا ہے کہ کس کا ایمان صحیح ہے اور کس کا غلط، کون مسلمان ہے اور کون کافر، اور وہی حشر کے دن ہم سب کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرے گا۔ ہمارا آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح مطعون کرنا اور الزام تراشی کرنا بڑی بے دانشی ہے۔ بندے کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی بندے کے دل میں جھانک کر دیکھے اور اس طرح کے نفرت انگیز فیصلے صادر کرے۔ ہم کو پستی میں لے جانیوالی چیز جس طرح جہالت ہے، اسی طرح ہمارا تفرقہ اور انتشار بھی ہے جو ہمیں پستی کی طرف لے جارہا ہے۔ یہ ہمارا عیب ہے کہ جب ہم میں سے کوئی کسی کام کے لیے اٹھتا ہے تو ہم اس کی نیت پر شبہ کرتے ہیں، اس کو غرض مند گردانتے ہیں۔

اور یہ کہتے ہیں کہ شہرت کے لیے یا اپنی کسی غرض کے لیے یہ کام کر رہا ہے، کسی کو مطعون کرنے اور اس پر انگشت نمائی کرنے کی یہ عادت بے حد بری ہے، یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ خدمت کرنیوالوں کا ہم اس طرح استقبال کرتے ہیں۔

ہم میں یہ مرض بھی ہے کہ بھلا کام کرنے کے بعد ہم ستائش کی طلب رکھتے ہیں۔ یہ ہمارے نیک کام کے لیے بڑی مضر چیز ہے۔ نیک عمل کا مقصود صرف خدا کی رضامندی کے حصول کو بنانا چاہیے، نیک نامی اور شہرت کی طلب کو نہیں۔ اگر کسی عمل سے دوسروں کی خوشنودی مقصود ہو تو اصل میں یہ شرک ہے۔

ہمارے انتشار و تفرقہ کا ایک سبب غیبت بھی ہے۔ اسلام میں اس عادتِ بد کی بڑی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے باہمی تعلقات متاثر ہوتے ہیں اور نفرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ قرآن میں غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ غیبت کرنے والا جس بات کو کہہ رہا ہے وہ اگر اس آدمی میں موجود ہو تو یہ غیبت ہے ورنہ پھر وہ بہتان کا مرتکب ہے، جو اور زیادہ سنگین جرم ہے۔ ہم غور کریں کہ کس قدر سختی سے اس بری عادت سے روکا گیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اس کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے۔ ہم کو ہمارے مذہب نے یہ تعلیم دی تھی کہ دشمنی کی بنا پر تین دن سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ بند رکھنے کی اجازت نہیں۔ لیکن ہم نے اس پاکیزہ تعلیم کو فراموش کر دیا اور ایسی راہ پر چل پڑے جس سے ہمارے اتفاق و اتحاد کو ٹھیس لگتی ہے اور آپس میں نفرت و عداوت پھیلتی ہے۔

اگر ہم اسلام کی سچی تصویر پیش کرتے، اور اخوت و محبت کی اسلامی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عام کرتے تو اس سے دوست اور دشمن، ہر ایک متاثر ہوتا، اسلام کی اشاعت کا بڑا سبب یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے بزرگوں نے اپنے عمل سے بھی اسلام کو پھیلایا اور اپنی اخلاقی قوت سے دوسروں کو متاثر کیا۔ اسلام کی اشاعت وعظ و تقریر سے کم ہوئی ہے اور اخلاق و عمل سے زیادہ۔ مگر افسوس! آج ہم اپنے تفرقہ اور بدعملی سے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ ہم اگر یہ سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ عبادتوں کو ادا کر کے ہم اسلام کا حق ادا کر رہے ہیں، اور اب ہماری دوسری کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو یہ غلط ہے۔ اگر ہمارے اخلاق خراب ہیں تو ہماری دوسری نیکیاں بے اثر ہو جائیں گی۔

اسلام نے ہمیں دوسروں کی عیب جوئی سے اور ان پر طعن و تشنیع سے روکا ہے اور عیب پوشی کی تعلیم دی ہے۔ جب ہم کسی کی عیب جوئی کرتے ہیں تو اصل میں اپنی برائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ آدمی تو اس وقت

برا ہوگا جب وہ عیب حقیقت میں اس کے اندر موجود ہو۔ لیکن اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو پھر وہ برا نہیں، البتہ ہمارے لیے برائی دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائے گی کہ ہم نے ایک بھائی کی عیب جوئی کی، اس پر الزام لگایا اور اس کو تکلیف پہنچائی۔ اس لیے ہمیں اس پہلو پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ بندوں کے حقوق کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اپنے حقوق کو وہ معاف کر سکتا ہے۔

عقیدہ کی ہمارے مذہب میں بڑی اہمیت ہے۔ لیکن جس عقیدہ پر ہمارا ایمان ہے، اس کی جھلک ہمارے عمل میں ہونی چاہیے، اور ہمارے اخلاق و کردار کو عقیدہ کا ترجمان ہونا چاہیے۔

ہمیں ہر ایسے کام سے گریز کرنا ضروری ہے جس سے ہماری وحدت کو ٹھیس پہنچتی ہو اور ملت کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہو۔ جب ہم کسی کی شکایت کرتے ہیں اور اس پر الزام عائد کرتے ہیں تو اس سے اس کے دل کو چوٹ لگتی ہے اور زبان کا زخم تلوار کے زخم سے بھی کاری اور گہرا ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہماری باتوں سے کسی کو ٹھیس نہ لگے، تکلیف نہ پہنچے، دلآزاری نہ ہو۔ ہمارا الفت و محبت کا ماحول اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ ہم دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے عمل سے دور رہیں، اور عیوب کے بجائے محاسن پر نظر رکھیں، تاکہ الفت و محبت کے ماحول کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

علم اور تعلیم کا مسئلہ زیر غور آتا ہے تو عام طور پر ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ تعلیم کے بعد روزگار ملنا چاہیے۔ اگر تعلیم سے روزگار نہ حاصل ہو تو پھر تعلیم کا فائدہ نہیں۔ لیکن یہ تصور صحیح نہیں، کیونکہ مسلمان صرف روزگار کے لیے تعلیم نہیں حاصل کرتا، بلکہ تعلیم کو وہ مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ علم کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ ہمارے اسلاف کا ورثہ ہے، ہم اگر اس پر توجہ دیں گے تو اس سے ہماری تاریخ اور روایت زندہ ہوگی۔ ساتھ ہی دوسرے فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ حکومت کی کارکردگی میں شرکت کا موقع ملے گا۔ کچھ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ حکومت کی ملازمت کے بغیر ہم اس سے زیادہ پیسے کما لیتے ہیں، لیکن سوال پیسے کمانے کا نہیں بلکہ مختلف شعبوں میں اپنی نمائندگی کا ہے، اور یہ نمائندگی اعلیٰ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ آزادی کے بعد سے ملک میں بہت سے ترقیاتی منصوبوں کی تنفیذ ہوئی ہے۔ ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ان منصوبوں سے ہم نے کس حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ ہم اگر کسی منصوبہ میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس منصوبہ میں ہمارے نمائندے ہوں جو ضروری ضوابط سے آگاہی کے بعد مسلمانوں کے اس منصوبہ سے استفادہ کی راہ کو آسان بنا سکیں۔

۱۹۵۱ء سے ملک میں منصوبہ بند ترقی کا آغاز ہوا ہے، لیکن ہم نے تعلیم کے ذریعہ ایسے افراد تیار نہیں کیے جو ان منصوبوں میں حصہ لے سکیں، اور ان پر خرچ ہونے والے لاکھوں کروڑوں روپیوں میں سے ہمیں ہمارا حصہ مل سکے۔

مسلمانوں کو ملازمت نہ ملنے کی عام شکایت ہے۔ لیکن اعداد و شمار یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمان ان ملازمتوں کے حصول کے لیے میدان میں نہیں آتے۔ مقابلہ کے امتحانات میں شرکت نہیں کرتے۔ اور مناسب ملازمتوں کے لیے درخواستیں نہیں دیتے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہم نے اپنے بچوں کو محنت کا خوگر نہیں بنایا اور ان کو اسلام کے اس اصول سے آگاہ نہیں کیا کہ "لیس للانسان الا ما سعیٰ" یعنی انسان کو ہمیشہ اس کی کوشش کے مطابق حصہ ملتا ہے۔

مقابلہ میں ہمارے بچوں کی شرکت اور اس کے لیے تیاری کے سلسلہ میں مجھے ایک تجربہ ہے۔ دلی میں کچھ مسلمان بچے تھے جو امتحان مقابلہ میں شرکت کے خواہشمند تھے۔ لیکن کمزوری کے احساس سے ہمت نہیں کرتے تھے۔ ہم نے ان کے لیے تربیت کا انتظام کیا اور ان کوششوں کی وجہ سے پہلی بار تقریباً چونتیس لڑکے سول سروس میں منتخب ہو گئے۔ اس نوعیت کے تربیتی اسکول ہم دیگر مقامات پر بھی کھولنا چاہتے ہیں، اور آج اس ضرورت کا احساس بہت زیادہ ہے، کیونکہ ہمارے بچوں کو تربیت کی سخت ضرورت ہے۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ تعلیمی اداروں کی مہم کو کامیاب بنانے کی کوشش کیجیے! کسی ادارہ میں اگر کوئی نقص ہے تو اس کو گوارا کرتے ہوئے اس مہم میں ہاتھ بٹائیے۔ خامیوں کی وجہ سے تعلیمی کام میں روڑا اٹکانا مناسب نہیں، اس سے ہم کو صرف نقصان ہی ہوگا، فائدہ نہیں۔

تعلیم دلانے کی ذمہ داری صرف مسلم یونیورسٹی پر نہیں ہے، بلکہ اس نوعیت کی ہر مہم کے ساتھ تعاون فرض ہے، اگر کوئی نیا ادارہ وجود میں آتا ہے تو یہ الجھن کی چیز نہیں، بلکہ ہمیں اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے، کیونکہ ہمیں اسکولوں کی ضرورت ہے۔ ایک نہیں، دس نہیں، بلکہ سیکڑوں اسکول کھولنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان اداروں کو ہم آپس کے تعاون اور مشورہ سے چلائیں۔ تعاون اور مشورہ کی تعلیم ہم کو اسلام نے دی ہے۔ موجودہ دور میں ہمارا کوئی کام اس تعاون اور مشورہ کے بغیر خیر و خوبی کے ساتھ انجام نہیں پا سکتا۔ اداروں کے ذمہ داروں کے درمیان مسلک کا اختلاف بھی ہو تو اس کا اثر تعلیمی امور میں ظاہر نہ ہونا چاہیے، بلکہ

تمام اداروں کو ایک زنجیر وابستگی سے مربوط رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے، اوران میں دینی و دنیوی تعلیم کو باہم جذب کر دینا چاہیے۔

...   .

جہالت اور انتشار و تفرقہ کے موضوعات پر اظہارِ خیال کے بعد سید حامد صاحب نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ایک مہلک رسم یعنی شادی بیاہ میں اسراف و فضول خرچی کا ذکر کیا اور اس پہلو پر بڑے مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور اس رسم بد کے مہلک اثرات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ شادی اور خوشی کے دیگر مواقع پر مسلم گھرانوں میں عام طور پر جو صورتحال پیش آتی ہے، اس کی تصویر پیش کرتے ہوئے سید صاحب نے فرمایا:

مسلمان اس وقت نمود و نمائش کا شکار ہیں، معاشرہ میں ناموری کے لیے وہ شادی کے موقع پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں، اور اس فضول خرچی کو عزت تصور کرتے ہیں۔ شمالی ہند میں ابھی یہ بیماری ہلکی اور صرف بعض بعض علاقوں میں ہے، لیکن جنوبی ہند کے مسلمانوں میں یہ مرض زیادہ عام اور ہمہ گیر ہے۔ لوگ لاکھ، ڈیڑھ لاکھ روپے ایک لڑکی یا لڑکے کی شادی میں خرچ کر دیتے ہیں، یا اس کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہمارے پیسوں کا یہ صحیح مصرف نہیں اور نہ اسراف میں ہمارے لیے کوئی نیک نامی ہے۔ لوگ عام طور پر معاشرہ کی رسم سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے ریت کا ساتھ نہ دیا تو ہم پر انگلیاں اٹھیں گی اور دنیا ہم کو بخیل کہے گی لیکن سوال یہ ہے کہ ملت جس موڑ سے گزر رہی ہے، اس میں اسراف مہلک ہے یا بخل؟ اس نقطہ پر ہمکو غور کرنا ہے۔

اس وقت جو صورتحال سامنے ہے، اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ لڑکیوں کی شادی کے موقع پر باقاعدہ سودا طے ہوتا ہے، اور یہ پوچھا جاتا ہے کہ لڑکی والے کتنا دیں گے؟ اور لڑکے والے کتنی رقم پر راضی ہوں گے؟۔ ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر اس رسم بد کو اختیار کرنے میں اپنے برادرانِ وطن سے متاثر ہوئے ہیں، ان کے یہاں بھی یہ مرض بڑی بھیانک صورت میں موجود ہے، اور اس وقت اس کے بڑے ناخوشگوار اثرات نمایاں ہو رہے ہیں۔ ہم اگر تدبر سے کام لیں تو ان اثرات ہی سے عبرت اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان کے یہاں تلک اور جہیز کی رسم کے باعث عورتوں پر جو کچھ گزر رہا ہے، وہ مخفی نہیں، ہمیں اپنا قدم سوچ سمجھ کر آگے بڑھانا چاہیے، اور اس بات کا اچھی طرح اندازہ کر لینا چاہیے کہ فضول خرچی کی جس راہ پر ہم چل رہے ہیں، اس کی منزل کون ہے؟۔

آج ہمارے تعلیمی اداروں کی ضرورتیں ہم سے مخفی نہیں، ملت کے نوجوانوں اور بچوں کو نئے تعلیمی اداروں کی

کی جس قدر ضرورت ہے، اس کو بھی ہم جانتے ہیں۔ ہر قدم پر حالات ہم سے فکر و تدبر اور ایثار و قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں، پھر ہم کیسے یہ گوارا کر رہے ہیں کہ بیجا رسم و رواج پر اپنی قیمتی دولت صرف کریں۔ یہ ادارے ہمارے مستقبل کی تعمیر کا اہم ذریعہ ہیں، ان پر جو دولت صرف ہوگی وہ ہمارے لیے مفید ہوگی اور اس سے ہماری اولاد کا مستقبل بہتر ہوگا۔
ایک مبصر کا قول ہے کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو برباد کرنا چاہتا ہے تو اس سے ادارہ چلانے کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔"

اور یہ بات حقیقت میں بالکل سچی ہے، کیوں کہ اداروں ہی کے ذریعہ ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں ادارے نہ ہوں گے تو ترقی کا ذریعہ کس چیز کو بنایا جائے گا؟ آج ہمارے ادارے مفلسی و بدحالی کا شکار ہیں، اور ہم ہزاروں لاکھوں روپئے فضول خرچی میں اڑا دیتے ہیں، ہمیں قرآن مجید کا وہ حکم بھی یاد نہیں جو اسراف پر اس نے لگایا ہے، ارشاد ہے کہ: "فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔" اس جملہ میں اسراف کی کس قدر سخت اسلوب میں مذمت کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ ہم کو کرنا چاہیے اور فضول خرچی کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ جس نظر سے دیکھتا ہے، اس کا بھی تصور کرنا چاہیے۔

آج ہم مادیت کے پرستار بنے ہیں، لیکن ہم کو غور کرنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانیت اور سادگی کا کیا درس دیا تھا۔ اور کس طرح روحانیت کی بنیاد پر علم و تہذیب سے دنیا کو سنوارا تھا۔ آپ کے انسانیت پر جو احسانات ہیں، ان سے آج ہر شخص گرانبار ہے۔ لیکن آج عرب قوم روحانیت کے اس سبق کو بھول کر مادیت کی راہ پر چل پڑی ہے، اور مادیت کے غلبہ کے نتیجہ میں اخلاق و عادات میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں بھی نام و نمائش کے لیے دولت کو بیجا خرچ کرنے کا مرض گھس آیا ہے۔ اسی لیے مختلف سماجی انجمنیں وہاں بھی سر اٹھا رہی ہیں۔

تیل کی دولت سے جس طرح عرب قوم پر برا اثر پڑا ہے، اسی طرح جہاں اس دولت کا اثر پہنچا ہے وہاں کے لوگ بھی بہت سی خرابیوں کا شکار بنے ہیں۔ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں اس دولت کی فتنہ سامانی کا اندازہ مشکل ہے۔

شادی کے موقع پر اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کی جاتی کہ لڑکی کے عادات و اخلاق اور اس کی تعلیم و تہذیب کیسی ہے، اور زندگی کے آئندہ مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اس میں کس حد تک موجود ہے، بلکہ اس کے بجائے ہماری نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ کتنی دولت لے کر آئی ہے، اور اس کے گھر سے ہمیں کیا ملنے کی توقع ہے۔

اسراف کی عادت بعض مسلمانوں میں جنون کی شکل اختیار کر جاتی ہے، چنانچہ سنا جاتا ہے کہ کسی نے نوٹوں کا ہار بنا کر پیش کیا اور کسی نے نوٹوں کو نذرِ آتش کیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان یہ کام ناموری اور نمائش کے لیے کرتا ہے۔ لیکن اس کے مہلک نتائج اس کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور قوم کی زبوں حالی سے وہ آنکھیں بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

... ...

تقریر کے آخری مرحلہ پر سید صاحب نے فرمایا:

مسلمانوں سے اپنے خطاب میں ایک بات میں ضرور کہتا ہوں، اسے یہاں بھی دہرا رہا ہوں۔ مسلمانوں کو ایک اقلیت کی حیثیت سے اپنی ترقی کے لیے تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

ایک بات یہ کہ وہ اپنے دین و ایمان، تہذیب و تمدن، اعمال و کردار اور اسلاف کی روایات پر سختی سے کاربند رہیں۔

دوم یہ کہ اکثریت کے مقابلہ میں زیادہ محنت و کوشش کریں تاکہ ان کے برابر درجہ و مرتبہ حاصل کر سکیں، بلکہ ان کے مقابلہ میں اپنی فوقیت ثابت کریں تاکہ اکثریت ہمیں نظر انداز نہ کر سکے۔

سوم یہ کہ اکثریت کے ساتھ ہمارے تعلقات شگفتہ و خوشگوار ہوں۔ اور ہم ان کے ساتھ معاملات کی بنیاد رواداری و وسعتِ قلب پر استوار کریں۔ ہماری ترقی کے لیے ایک مضبوط بنیاد ہمارے کردار کی قوت بھی ہے۔ ہمارے اخلاق و کردار میں اگر دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو ہماری بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

سید صاحب نے تقریر کے اختتامی جملوں میں ایک پتے کی بات سننے پرخلوص و موثر انداز میں کہی کہ پوری مجلس سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ:۔

دل سے نکلنے والی بات کا اثر ہوتا ہے، میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، اگر اس کی بنیاد اخلاص و صداقت پر ہوگی تو یقیناً آپ کے دلوں پر اس کا اثر ہوگا۔ اور آپ اس پر عمل کی کوشش کریں گے، اور اگر ان باتوں میں خلوص نہ ہوگا تو کسی دل میں ان کی کوئی جگہ بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے حالات کی اصلاح کی توفیق بخشے، اور ہماری مشکلات کو حل فرمائے۔ آمین۔

●●●

توحید اور تعمیرِ انسانیت

مشتاق احمد عبدالحنان تخصص سالِ آخر

اللہ کی ہستی اور اس کی توحید کے عقیدے کو انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت حاصل ہے، دنیا نے اسے سمجھنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ اور اب مسلمان بھی بڑی حد تک اس حقیقت کی طرف سے غفلت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ کی ہستی سے انکار، انسان کو انسانیت سے دور کر دیتا ہے۔ اور یہی نتیجہ شرک کا ہوتا ہے۔ سچی انسانیت اللہ کی ہستی کو ماننے اور اس کی توحید کے عقیدے میں مضمر ہے۔

دین اسلام میں توحید کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو جسم انسانی میں دل کو حاصل ہے۔ دل بیمار ہو جائے تو سارا وجود بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ یہی راز ہے کہ توحید کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں۔ توحید سارے دین کو محیط ہے کیونکہ رسالت اور معاد توحید کے لازمی مقتضیات ہیں۔ نیز بلا خوفِ تردید دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ توحید سے باہر دینِ اسلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ توحید کی اس عظمت کا راز صرف یہ ہے کہ توحید سب سے بڑے حق یعنی اللہ کے حق کا اقرار ہے۔ یہی عدل و قسط کی بنیاد ہے،۔ جو آدمی اس حق کو نہیں پہچانتا وہ کسی کے حق کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کے حق کو بھی نہیں جان سکتا۔

توحید کی اسی اہمیت کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جتنے انبیاء کرام آئے سب نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا، اور اس نقطہ پر اس طرح جمے رہے کہ کسی حال میں اس سے بال برابر سرکنے پر راضی نہ ہوئے۔ بلکہ ان کی ساری جدوجہد کا مقصودِ اصلی توحیدِ خالص کا قیام تھا۔ وہ دنیا میں آتے ہی اس لیے تھے کہ اللہ کے بندوں کو دوسروں کی بندگی سے چھڑا کر خالص اللہ کا بندہ بنا دیں، وہ اسی کو خالق مانیں اسی کو حاکم و مالک کہیں۔ اسی کی بندگی و اطاعت کریں، اسی پر اعتماد و توکل کریں۔ اسی سے طالبِ مدد ہوں، نعمت ملے تو اسی کا شکر ادا کریں، مصیبت آئے تو اسی سے استغاثہ کریں۔ طمع، خوف اور امید و بیم، ہر حال میں ان کی نظر

اسی کی طرف ہو، ان کی محبت اسی کی محبت کے تابع، ان کی پسند اس کی پسند کے ماتحت ہو۔ اس کی ذات صفات اور تمام حقوق میں اس کی یکتائی تسلیم کریں اور کسی بھی پہلو سے ان چیزوں میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ نہ کسی فرشتے کو نہ جن کو نہ کسی نبی کو نہ کسی ولی کو نہ کسی اور کو نہ ہی اپنی ذات کو۔

عقیدۂ توحید کے ذریعہ انفرادی زندگی میں انسانیت کی تعمیر: توحید مجرد ایک علمی حقیقت ہی نہیں بلکہ نہایت اہم عملی حقیقت بھی ہے۔ انسانی زندگی کی تعمیر میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، توحید کا زبردست حصہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا سنوارنا صرف عقیدۂ توحید پر موقوف ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہم دونوں زندگی میں توحید کے اثرات کا مختصر سا تجزیہ کر کے یہ حقیقت واضح کریں گے کہ تمام برائیوں اور مفاسد کا استیصال کس طرح عقیدۂ توحید میں پنہاں ہے۔

انفرادی زندگی پر توحید کا سب سے زیادہ نمایاں اثر یہ ہوتا ہے کہ یہی عقیدہ انسان کو آزادی و حریت کا وہ بلند مقام عطا کرتا ہے، جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے مستحق ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں لیکن جب تک انسان توحید سے آشنا نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کی حقارت و رذالت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔ انسانوں نے انسانوں ہی کو نہیں پوجا ہے۔ انسانوں کے قدموں کے نقوش ہی نہیں پوجے بلکہ مردوں اور عورتوں کی شرمگاہوں کی شکلیں بنا کر بھی پوج ڈالی ہیں۔ یہ اس تصور کے تحت کہ یہی تخلیق انسانی کے مخرج ہیں۔ انکار الٰہی، انسان کو آوارہ مزاج بنا دیتا ہے اللہ کی توحید کا منکر سماج میں کوئی مرکزیت باقی نہیں رکھ پاتا۔ انسان اپنے ہی جیسے انسان کو اپنا رب اور اپنا آقا بنا لیتا ہے، غلاموں کی طرح ان کے آگے جھکتا ہے، ان کے لیے ہر طرح کے امر و نہی کا حق تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ زندہ تو زندہ مردوں کی قبروں پر بھی اپنی درخواستیں اور التجائیں پیش کرنے لگتا ہے۔ ان کو امور کائنات میں متصرف عالم الغیب اور نافع و ضار سمجھتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ ہر چکنے پتھر، ہر اونچے درخت کو وہ اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ اور ہر گھنی جھاڑی، ہر سنسان مقام، ہر بہتا دریا، ہر اونچا پہاڑ اور ہر ضرر رساں قوت اور نفع بخش طاقت اس کو بندگی کی دعوت دینے لگتی ہے۔ اور ان میں سے کسی کے سامنے بھی اپنے نفس کو ذلیل کرنے میں کوئی غیرت نہیں محسوس کرتا۔ اس طرح وہ اپنے مقام عزت سے گرتا ہی چلا جاتا ہے اور اس شرف کو یکسر

کھو دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو سرفراز کیا تھا۔ یہی حقیقت اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج ۱۱)

(جو شخص اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ گویا آسمان سے گر پڑا، اس کو چڑیا اچک لے گئی یا ہوا اڑا لے گئی کسی دور دراز گوشہ میں۔)

ان ارضی اور فرضی معبودوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی بندگی کے طریقے بھی بدلتے رہتے ہیں، اور پوری انسانیت اسی طرح بھٹکتی، پستی اور پامال ہوتی رہتی ہے، اس کو نہ کبھی سچا شرف اور عزت نصیب ہوتی ہے اور نہ سچا امن و اطمینان میسر آتا ہے۔ کبھی کوئی شریر انسان نمرود و فرعون کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، کبھی ہلاکو اور چنگیز کے روپ میں اور کبھی مسولینی، ہٹلر اور اسٹالن کی شکل میں۔ اور ان کے ہاتھوں ملکوں اور قوموں میں ہمیشہ تباہی و بربادی اور ہلاکت و خونریزی کا بازار گرم رہتا ہے۔

لیکن توحید کا عقیدہ اپناتے ہی دفعۃً اس کی حالت میں ایک انقلاب عظیم رونما ہو جاتا ہے کہ وہی انسان جس کو دنیا نے ہر چیز سے نیچے اور نہایت ذلت کی حالت میں دیکھا تھا، اس قدر بلند ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز اس کی خدمت کرنے لگتی ہے۔ اس تغیر کی وجہ یہ ہے کہ ایک موحد پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ دکھ ہو یا سکھ، زندگی ہو یا موت ہر ایک کے آنے جانے کی راہ ایک ہی ہے۔ پس امید و بیم ہر حال میں صرف ایک ہی ذات سے امید رکھتا اور اسی سے ڈرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک ہی عزیز و حکیم ہے جو اپنی قدرت و حکمت سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے اور جس پر یہ راز کھل گیا، اس نے دونوں جہان کی دولت پالی۔ اس کا خزانہ لازوال، اس کی زندگی غیر فانی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کا دماغ مصیبت و راحت ہر حال میں متوازن رہتا ہے۔ جس خندہ پیشانی کے ساتھ وہ آرام کی گھڑیوں کا استقبال کرتے ہیں، اسی شادمانی کے ساتھ آزمائشوں اور مصیبتوں کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں۔ یہی انسان کا اصلی شرف ہے، یہی اختیاری انقیاد و اطاعت، توحید کی اصلی روح ہے۔

اسی طرح توحید کا اجتماعی اثر بھی نہایت گہرا ہے۔

تعمیر انسانیت اجتماعی زندگی میں: انسانی معاشرت کی بنیاد کامل عدل اور صحیح مساوات پر قائم ہے۔ اور کامل عدل اور صحیح مساوات وحدت الٰہ اور وحدت آدم کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر سچی انسانیت کی دنیا کو حاجت ہے تو سچی انسانیت کا دار و مدار صرف عقیدۂ توحید پر ہے۔ صرف خدا کو

خدا ماننا اور اسی کی بندگی کرنا سچی انسانیت کی راہ ہے۔ سچی انسانیت یہ نہیں کہ کچھ انسان معبود ہوں اور باقی بندے، کچھ انسان فرمانروا ہوں اور باقی فرمانبردار، کچھ انسان اپنے احکام جاری کریں اور باقی انسان بندوں کی طرح ان کے احکام و قوانین کی پابندی کریں۔ بلکہ سچی انسانیت یہ ہے کہ ایک حاکم و فرمانروا ہو، اسی کے احکام و قوانین چلیں اور تمام انسان ان احکام و قوانین کے یکساں پابند ہوں، کسی انسان کو دوسرے انسان پر فوقیت و برتری حاصل نہ ہو۔ بلکہ تفوق و برتری اور عزت و شرف کا ایک ہی معیار ہو۔ وہ معیار ہو اللہ کے ساتھ وفاداری، اس کے احکام و قوانین کی پابندی، خدا ترسی اور اس کی رضا جوئی۔ اسی کا نام ہے حقیقی انسانیت۔

اگر انسان کو حقیقی آزادی درکار ہے تو حقیقی آزادی اسی صورت میں دستیاب ہو سکتی ہے، کہ صرف اللہ کو معبود مانا جائے۔ انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت نہ ہو، تمام انسان بالاتفاق یہ تسلیم کریں کہ انسان پر انسانوں کے نہیں اللہ ہی کے احکام و قوانین نافذ ہونے چاہئیں۔ جب تک یہ اصول تسلیم نہ کیے جائیں گے روئے زمین پر سچی آزادی قائم نہیں ہو سکتی۔ انسان پر انسانی احکام و قوانین کی حکومت اور سچی آزادی دونوں میں تضاد ہے۔

سچا انصاف عقیدۂ توحید پر موقوف ہے: دنیا میں آئین و قوانین کے بڑے بڑے دفاتر بڑی بڑی عدالتیں قائم ہیں، جن میں آئین و قانون کے بڑے بڑے ماہرین اونچی اونچی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں، لیکن حقیقی انصاف مفقود ہے۔ اس لیے کہ انصاف کی بنیاد ہی ناانصافی پر قائم ہے۔ اس سے بڑھ کر ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان انسانوں کے الٰہ ہو جائیں۔ انسان اللہ ہی کے معاملہ میں غیر منصف بن جائے تو وہ انسان کے معاملہ میں کیسے منصف ہو سکتا ہے؟

انسانیت کے ساتھ سچا انصاف ایسے ہی آئین و قوانین کے ذریعہ ممکن ہے، جن میں انسانی خود غرضی افادیت پسندی، اقتدار پسندی کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو اور وہی حاکم اور منصف سچا انصاف کر سکتے ہیں جو اللہ اور اس کی بازپرس پر ایمان رکھتے ہوں۔

عقیدۂ توحید مساوات کا علمبردار ہے: حکومت اور اقتدار کے زور سے مساواتِ انسانی کا ڈھنڈورا تو پیٹا جا سکتا ہے، لیکن اس طرح اصلی

مساوات کو روبہ عمل نہیں لایا جاسکتا، بلکہ سچی مساوات سے انسانیت اسی وقت بہرہ ور ہوسکتی ہے جب اس تصور کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دیا جائے کہ انسانوں کا کوئی فرد یا گروہ انسانوں پر اپنے قوانین کے ذریعہ فرمانروائی کرے اور اسی کو انسانی زندگی کا بنیادی عقیدہ قرار دیا جائے کہ سچی حریت و مساوات کی واحد راہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ یہ صرف عقیدہ کی بات نہیں ہے، ایک عقلی اور تجرباتی حقیقت بھی ہے۔ انسان جب خود انسانوں کے لیے دستور اور قوانین بنائے گا تو مساوات عامہ کی رعایت کے احساس کے باوجود عدم مساوات سے کامل طور پر دستور و قوانین کو پاک رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہ عوام کے مقابلہ میں حکومت کے اہل مناصب طبقے کے حقوق و اختیار کی رعایت ملحوظ رکھ کر ترجیحی قانون ضرور بنائے گا، چنانچہ ہر ملک ہر قوم کے دستور و قوانین اس کے شاہد عدل ہیں۔

سچے امن کا ضامن عقیدۂ توحید ہے: آج ہر ظالم، ہر مفسد اور ہر امن شکن ملک اور قوم کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں وہی امن کی واحد علمبردار ہے۔ لیکن امن و انصاف کی سب سے بڑی دشمن وہی قومیں ہیں جو امن و سلامتی کا پروپیگنڈہ کر رہی ہیں، ان بدامن قوموں کے ہاتھوں ساری دنیا کا امن تباہ و برباد ہے۔ دنیا میں حقیقی امن و سلامتی اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب دنیا کی قومیں اللہ کو مانیں، اسی کے آئین و قانون کو انسانی زندگی کا دستور اور ضابطہ تسلیم کرلیں، اور اللہ کی بازپرس اور اس کی جزا و سزا کے عقیدہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیں۔ ایسی صورت میں کوئی قوم کسی قوم کے ساتھ زیادتی و بےانصافی نہیں کرسکے گی، اور دنیا میں سچے امن و انصاف کی بنیاد قائم ہوجائیگی۔

مجلس اقوام متحدہ کو ایک بے لاگ اور منصفانہ آئین و دستور کی اشد ضرورت ہے، جس میں کسی کو غیر منصفانہ طور پر دبانے کی گنجائش نہ ہو، ایسا آئین و دستور صرف آسمانی آئین و دستور ہوسکتا ہے، جو اللہ کی الوہیت اور وحدانیت پر مبنی ہو، اس اساس پر بلاشبہ ایک عالمگیر قومیت اور ایک عالمگیر سیاسی تنظیم کی عمارت قائم ہوسکتی ہے اور دنیا کے موجودہ مصائب کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی لیے ہوئی تھی۔ آپ نے دنیا کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا بنیادی کلمہ لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کتنا مختصر اور سادہ پیغام تھا، یہ انسانیت کا شاہ کلید تھا۔ یہی چند لفظوں کا چھوٹا سا کلمہ انسانیت کے سارے دکھوں، دردوں کا نسخۂ شفا تھا، یہ صرف

(باقی ص ۴۳ پر)

فضا ابن فیضی

زہر کی کاشت

مرحوم نواب صدیق حسن خان کی یادگار علمی ریاست عروس البلاد بھوپال کے زہر پاش المیے کے پس منظر میں

●

محبتوں کی وہ بستی ، صداقتوں کا وہ شہر
وہ اگلی قدروں کا مسکن ، شرافتوں کا وہ شہر

نگار خانۂ تہذیب میں دمکتا ہوا
نگینے جیسا ، پرانی ثقافتوں کا وہ شہر

وہ چشمِ نرگس و شاخِ گلاب و کوزۂ قند
خمارِ شوق کی منزل ، لطافتوں کا وہ شہر

شراب و شہد کا آمیزۂ نفس پرور
وہ لذتوں کا جزیرہ ، نفاستوں کا وہ شہر

وہ عشوہ کاری و دلداریٔ نظر کا دیار
گلاب رنگ و سمن گوں طبیعتوں کا وہ شہر

دماغ و ذہن کی آسودگی ، شعور کا عیش
دل و نظر کی مقدس امانتوں کا وہ شہر

جوارِ عشق و سیاست . نواحِ فکر و عمل
مری زمیں پہ تمدن کی رفعتوں کا وہ شہر

وہ دین و دانش و علم و وقوف کا مرکز
وہ خوابِ زارِ معارف ، حقیقتوں کا وہ شہر

وہ تربیت کدہ ، شیخ حسین یمنیؔ کا
وہ تکیہ گاہِ ملائک ، بشارتوں کا وہ شہر

رہا جو خوشۂ صدیقؔ سے چمن بہ کنار
فراستوں کا وہ گلبن ، بصیرتوں کا وہ شہر

وہ نافہ زار وہ "مسک الختام" کا بازار
وہ برکتوں کا شبستاں ، سعادتوں کا وہ شہر

روش روش وہ "سراج وہاج" کی قندیل
وہ مشتری صفتوں ، ماہ طلعتوں کا وہ شہر

افق افق سے "بدور الاہلہ" جلوہ طراز
جہت جہت سے درخشاں فقاہتوں کا وہ شہر

کبھی جو فیضِ حمید اللہی سے تھا تر دست
وہ ابر پارۂ گیتی ، طراوتوں کا وہ شہر

جہاں بہم تھی سلیمانی و زلیخائی — بہت حسین تھا علمی رفاقتوں کا وہ شہر

نشانِ علم و طریقت تھے کاخ و کو جس کے
ہنر کے فیضِ قلم کی سخاوتوں کا وہ شہر

وہ شہر، تھا جو کبھی چشمہ آبِ حیواں کا — جہاں کی خاک تھی تریاق دردِ انساں کا
وہ جوئے شیر، گلاب اور انگبیں کا غدیر — وہ نغمۂ لبِ قمری، وہ خوشۂ انجیر
شجر سے تابہ حجر تھے تمام منظر سبز — وہ جس کی آب و ہوا میں تھی زندگی سرسبز
وہ باغِ بوستاں "قطف الثمر" کی ارزانی — وہ باغبانیِ طائف کی لطف سامانی
وہ فر "تاجِ مکلل" وہ فرقِ اہلِ سیر — وہ "ترجمانیِ قرآنِ پاک" کے محضر
وہ آہوانِ حرم کی پناہ گاہِ جمیل — حرا میں جیسے ہوں استادہ صف بہ صف جبریل
چھلک کے مے، جہاں کوثر کے جام سے آئی — نویدِ جاں یمن و نجد و شام سے آئی
کہیں ستارہ و سنبل، کہیں شگوفہ و شمع — وہ جس کے برج میں تھے "زہرہ و عطارد" جمع
وہ قدر دانیاں، شاہجہان بیگم کی — عجب تھیں برکتیں اس ایک اسم اعظم کی
یہ راز کھول گئی بادِ مشکبو اندیش — جو سبز ہوں، وہی پتے ہیں تحفۂ درویش
وہ کہکشانی و گل برگیِ مزاج کہ تھی — وہ سنگ سنگ، نم و نرمیِ زجاج کہ تھی
گہر کی موج بنا، اور صدف صدف برسا — کوئی سحابِ کرم تھا، طرف طرف برسا
وہ کیسے شام و سحر تھے وہ کیا زمانہ تھا — کہ گوشہ گوشہ "لطائف" کا توشہ خانہ تھا
ہزار معجزے دستِ خضر میں رہتے تھے — جہاں ہمیشہ سمندر سفر میں رہتے تھے
ہر ایک ذرہ کواکب شکار تھا جس کا، — "ریاستِ علماء" میں شمار تھا جس کا

حرم کا آئینہ تھا، خلد کا جواب جو تھا
وہ ایک شہر، کہ عالم میں انتخاب جو تھا

وہ ارضِ طور کا گلخانہ وہ مرا بھوپال — وہ کوہِ نور، وہ آئینۂ جمال و جلال
یہ کیسا مادی سائنس نے دکھایا کھیل — کہ اس چراغ میں باقی فتیلہ اب ہے نہ تیل

یہ ٹکنالوجی کی برکت، یہ تجربات کا کسب — قدم قدم پہ ہوئے خونی کارخانے نصب

خدنگ زہر کے، اکسیر کی کمان میں بھی — شگاف پڑ گئے چاندی کی اس چٹان میں بھی

سنا ہے، اب وہاں زہروں کی کاشت ہوتی ہے — ہوا، زمیں میں عذابوں کے تخم بوتی ہے

زمیں سے زندہ جنازوں کی فصلیں اگتی ہیں — ابھرتی کوکھ سے بیمار نسلیں اگتی ہیں

یہ زرد نسلوں کے خرمن کہاں لگاؤں میں — لہو رگوں میں نہیں، شمع کیا جلاؤں میں

وہ سلسلہ ہے ہلاکت کی تخم ریزی کا — کہ ٹوٹتا ہی نہیں تار مرگ خیزی کا

سفینے موجوں سے ٹکرائے، بادبان گرا — زمیں پہ چیخ اٹھی، سر پہ آسمان گرا

وہ حشر اٹھا، کہ سنبھلنے کی مہلتیں نہ ملیں — کسی کو سانس بھی لینے کی فرصتیں نہ ملیں

پھر اپنے رشتوں میں کوئی گھر پہ رہ نہ سکا — جو شب کو سوئے تو اٹھنا نصیب ہو نہ سکا

گلے سے موت کو ناخواستہ لگائے ہوئے
ہر ایک اپنی ہی میت ہے خود اٹھائے ہوئے

کرشمہ کس کا ہے یہ مرگِ صد ہزار نفوس — یہ ارتقا، یہ عروجِ ترقیِ معکوس

خرد کی جھوٹی خدائی، یہ مادّے کا فتور — نئے لباس میں باطل فراعنہ کا ظہور

فساد ذہن کا، سائنسی تجربوں کی یہ دھوم — یہاں ہے ایک کا خنجر، ہزار کے حلقوم

یہ میٹھے زہر کی بارش میں بھیگتا ہوا شہر — خود اپنے ہاتھوں اچھالا ہوا یہ وقت کا قہر

برا نہیں جو ترقی کا حوصلہ ہے بہت — کرو لہو کی تجارت، کہ فائدہ ہے بہت

بجائے گندم و تریاق زہر کاشت کرو — سنہرے کھیتوں میں بجلی کی لہر کاشت کرو

ترقیوں کا جنوں بھی ہے کس قدر شاطر — بنے وطن کے محافظ بھی موت کے تاجر

یہ عزم ہے مادّی سائنس کے کمال کے ہیں — کہ زخم سب کی جبیں پر کسی زوال کے ہیں

یہ دستِ ناز، جراثیم کش دواؤں کا — گلا نہ گھونٹ دے جاں آفریں ہواؤں کا

یہ "فیکٹری" ہے کہ مدفن ہے آدمیت کا — کرے گا کون بھلا احتساب نیت کا؟

اس اک سوال پہ کیوں سب کا ذائقہ ہے ترش — یہ "کیمیکل" ہیں "جراثیم کش" کہ "انساں کش"؟

غبارِ مرگ کو بادل بنا کے چھوڑ دیا دلھن سے شہر کو جنگل بنا کے چھوڑ د
ہوا طبیب کا زانو بھی بالشِ چنگیز یہ آفتوں کی حویلی، عذاب کی دہلیہ
یہ روندتے ہوئے لاشوں کو موت کے عفریت
بتائے کوئی یہ سائنس کی ہے ہار کہ جیت؟

نوٹ: بھوپال کی علمی تاریخ نواب صدیق حسن خاں کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ نواب صاحب مر
تین سو اٹھتر کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصانیف کی یہ کثرت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، جو مختلف و متنو
موضوعات و مسائل سے متعلق ہیں۔ ریاستی فرائض و امور کے جھمیلوں کے باوجود، انھوں نے جس شوق
سے تصنیف و تالیف کی طرف اپنی بہترین صلاحیتیں مرتکز رکھیں، وہ ان کے غیر معمولی علمی و دینی شغف کا
ہے۔ نواب صاحب کے دور میں عروس البلاد بھوپال نہ صرف غیر منقسم ہندوستان، بلکہ عرب ممالک کے
و محدثین کا مرجع و مرکز رہا۔ علامہ شیخ حسین عرب جو اپنے عہد کے ایک معروف و مستند عالم و محدث
نواب صاحب کی دعوت پر بھوپال تشریف لائے۔ مسند درس حدیث کو رونق بخشی۔ اس طرح ہندو اکناف
کے طلبہ و علماء نے اس جلیل القدر محدث سے استفادہ کیا۔ اس عہد زریں میں، واعظین، مناظرین، او
اکابر علماء کے لیے جس فراخدلی اور جذبۂ دینی کے ساتھ، گرانقدر علمی وظائف منظور و مقرر کیے گئے، اور
و طلبہ نیز دوسرے مستحقین کی جس انداز میں کفالت کی گئی وہ نواب صاحب اور ان کی صاحبدل بیگم، وا
شاہجہاں بیگم کی علم دوستی اور فیاضی کا ایک روشن اور قابلِ قدر نمونہ ہے۔
"ترجمان القرآن" (تفسیر) "السراج الوہاج" (شرح مسلم شریف) "مسک الختام" (شرح بل
"قطف الثمر" (عقیدہ) "التاج المکلل" (سیرت) "بدور الاہلہ" (فقہ)۔ میں نے اس نظم
میں بہ طور تلمیح جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے، وہ مشتے نمونہ از خروارے، نواب صاحب مرحوم و مغفور
تصانیف کے ہیں۔ یہاں تمام تصانیف کا احاطہ ممکن نہیں۔

فضا ابن فیضی

• • •

جمعیۃ اہلحدیث ضلع جونپور کا مثالی اقدام

مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے ایک اہم پروگرام کے تحت ۲۵ر جنوری ۰۵ء یوم جمعہ کو مولانا عبدالوحید
حب رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری، مولانا احسن جمیل صاحب سلفی اور مولانا انور بستوی پر مشتمل
۔ وفد موضع انجنی کلاں ضلع جونپور میں جناب ماسٹر حمید اللہ صاحب جنرل کارکن جامعہ سلفیہ کے مکان پر مدعو کیا گیا۔
ع کی جماعت اہلحدیث کے سربرآوردہ حضرات بھی مدعو تھے۔ خطبہ جمعہ مولانا صفی الرحمٰن صاحب نے دیا اور نماز مولانا
الوحید صاحب رحمانی نے پڑھائی۔ خطبہ میں نکاح اور شادی کے آداب بیان کیے گئے، اور یہ حدیث سنائی گئی کہ جس
ح میں سب سے کم خرچ کیا جائے وہ سب سے زیادہ بابرکت ہے۔ پھر اسراف و فضول خرچی کے نقصانات بتاتے ہوئے جہیز کا
صوصیت سے چھیڑا گیا۔ اور اس حیرت انگیز حالت پر توجہ دلائی گئی کہ لوگ بہن اور بیٹیوں کا وہ حق نہیں دیتے
یراث کی صورت میں اللہ نے فرض کیا ہے۔ شوہر مہر ادا نہیں کرتا جو بڑی معصیت کا کام ہے۔ لیکن جہیز جو اللہ
کم نہیں بندوں کی ایجاد ہے اس کی پابندی ہر فرض سے بڑھ کر کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

جمعہ کے بعد سربرآوردگان جماعت کی میٹنگ ہوئی اور طے کیا گیا کہ جہیز کے لین دین کا سلسلہ جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔
حمد للہ عام افراد جماعت اس پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ ہیں۔ متعدد افراد نے یہ بھی عہد کر لیا ہے کہ وہ اپنے گھر انے کی
رتوں کے حقوق میراث ادا کریں گے۔ فللہ الحمد (نصر اللہ جونپوری مدرس جامعہ رحمانیہ)

تقریروں کا انعامی مقابلہ: حسب دستور اس سال ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کے زیر اہتمام اردو تقریروں کا سالانہ انعامی مقابلہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۵ء کو اور عربی
قریروں کا انعامی مقابلہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۵ء کو دارالحدیث ہال میں منعقد ہوا۔ منتخب عناوین پر مختلف گروپ کے اول، دوم
سوم، آنے والوں کی تفصیل یہ ہے۔

(اردو) گروپ الف۔ عنوان: "اسلام میں خواتین کا دائرہ کار اور اس کی معقولیت"

(۱) مولوی ارشد فہیم الدین، تخصص سال آخر (اول) (۲) مولوی عبدالسلام تخصص سال آخر (دوم)

(۳) مولوی محمد حسین تخصص سال اول (سوم)

گروپ (ب) "عصر حاضر میں علم دین کی ضرورت اور علماء کی ذمہ داریاں"

(۱) مولوی محمد فرخ عالمیت ثالث (اول) (۲) مولوی عبدالجلیل عالمیت رابع (دوم)

(۳) مولوی غیاث الدین عالمیت رابع (سوم)

گروپ (ج) "جمہوری نظام اور اسلام"

(۱) مولوی عبدالمتین بنارسی عالمیت ثانی (اول) (۲) مولوی ظفر عدیل عالمیت ثانی (دوم)

(۳) مولوی محمد رضا عالمیت اول (سوم)

(عربی) گروپ (الف) "تصور العبادة في الاسلام"

(۱) مولوی ذبیح اللہ عالمیت سال آخر (اول) (۲) مولوی حیدر علی عالمیت سال آخر (دوم)

(۳) مولوی رضی الدین عالمیت ثالث (سوم)

گروپ (ب) "اهمية مكارم الاخلاق في نظر الاسلام"

(۱) مولوی عبداللہ بنارسی عالمیت ثانی (اول) (۲) مولوی عبدالمتین بنارسی عالمیت ثانی (دوم)

(۳) مولوی اشفاق احمد عالمیت ثانی (سوم)

(محمود الحسن)
ناظم ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس

بقیہ: نزہۃ الخواطر

صاحب (۱۳۱۸ھ) کی کتاب کا مسودہ ان کے ورثاء سے حاصل کر دینے کو لکھا، پتہ نہیں یہ کتابیں ملیں یا نہیں مولانا نعیم کی کتاب کا ان کے ترجمہ (۸/۴۵۹-۴۶۰) میں کوئی ذکر نہیں۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نزہۃ الخواطر کی تالیف میں سید عبدالحی مرحوم کے معاصر علماء کا کتنا تعاون رہا۔ بہت سے مسودات ان کو سونپ دیے گئے تاکہ ان سے حسب منشاء استفادہ کریں، لیکن حیرت ہے دانستہ یا نادانستہ ان مخلصین کے عظیم تعاون کو تاریخ سے محو کرنے کی کوشش کی گئی۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ
ماہنامہ
محدث
بنارس
شمارہ: ۴ • اپریل ۱۹۸۵ء • رجب المرجب ۱۴۰۵ھ • جلد: ۳
ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی
تزئین و کتابت: انور جمال
ترتیب
صفی الرحمٰن مبارکپوری
بدل اشتراک
سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر
پتہ
خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010
ٹیلی گرام: دارالسلام وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

محمد مصطفیٰ انصاری ارمان
متعلم، جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئوناتھ بھنجن

جاگ اے مردِ مسلمان!

دستِ دہر نے دیکھا ہے مقدر تیرا
چشمِ افلاک میں بجھتا ہوا نشتر تیرا
لوحِ گیتی پہ درخشندہ ہے جوہر تیرا
لائقِ فخر ترا کل کا نسب نامہ ہے
آج تاریخ کا لیکن یہ الم نامہ ہے

جاگ اے مردِ مسلماں تو کہاں سویا ہے؟
تو کہاں گم ہے، ضمیر اپنا کہاں کھویا ہے؟
حُسنِ اخلاق حریفوں کے لیے گویا ہے؟
توڑ دے حلقۂ خواب، عالم بیدار میں آ!
تنگیٔ فکر سے تو وسعتِ کردار میں آ!

حسنِ اخلاص میں رفعت کا لگا دے شہپر
اپنی جرأت کا وہ پہلا سا دکھا دے جوہر
عزتِ دین بچا بن کے ابوبکرؓ و عمرؓ
پرچمِ دین کی عظمت کو دوبالا کر دے!
تیرہ و تار فضا ہے، تو اجالا کر دے!

اپنے ایمان و امانت کا محافظ بن کر
بزمِ توحید و رسالت کا محافظ بن کر
پاسباں دیں کا، دیانت کا محافظ بن کر
دل کے سوئے ہوئے ارماں کو جگانا ہوگا
اک نئی صبح کا خورشید اُگانا ہوگا

نقش راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبۡصِرَةً وَّذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ۝

(بصیرت افروز اور سبق آموز ہر اطاعت شعار بندے کیلیے)

(۲)

ایمانی سعادت سے انسان کے بہرہ ور ہونیکا کوئی ایک معین اور مستقل سبب اور ذریعہ نہیں - بلکہ جس طرح مختلف انسانوں کے طبعی رجحانات اور دلچسپی کے میدان الگ الگ ہوا کرتے ہیں ، اسی طرح ان کے نزدیک حق کو جانچنے اور پرکھنے کے معیار اور قبولِ حق کی سعادت سے ہمکنار ہونے کے اسباب بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے کسی سبب اور ذریعہ کے متعلق یہ فیصلہ صادر کردینا کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں یہی مفید اور موثر ہے اور دوسرے ذرائع یا فلاں ذریعہ مفید یا موثر نہیں تصور فکر و نظر کی علامت اور فطرتِ انسانی سے ناواقفیت کی دلیل ہے ۔ آپ صحابہ کرام کے قبولِ اسلام کے واقعات پر نظر ڈال لیں - آپ دیکھیں گے کہ کسی پر قرآن کی بلاغت کا اثر ہوا تو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا اسیر ہوا - کسی کو آسمان و زمین کی ساخت کے حوالے نے حق تک پہنچایا ، تو کسی نے آپ کے امانتدار ہونے کو صداقت کی دلیل مانا - کسی نے آپ سے قسم لی کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گیا تو کسی نے آپ کے چہرے سے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا - کسی نے چند باتوں میں آپ کا امتحان لیا اور صحیح جواب پاکر نقد دل دے دیا تو کسی نے کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں سے آپ کا تقابل کرکے آپ کے برحق ہونے کا یقین کرلیا ، کسی نے کشتی لڑنے کی دعوت دی ، اور آپ نے پچھاڑ دیا تو آپ کو نبی برحق مان لیا - اور کسی نے ۔ بلکہ قوم کی قوم نے

فتح مکہ کو آپ کی رسالت کی دلیل مانا ۔ غرض سیکڑوں وجہیں تھیں جو مختلف افراد کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب بنیں ۔

عبدالمجید قریشی صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے " اسلام زندہ باد " ، اس میں انھوں نے کچھ اہم افراد اور قوموں کے مسلمان ہونے کے واقعات لکھے ہیں ، اس کے مطالعہ سے بڑی عجیب عجیب حقیقتیں سامنے آئیں گی ۔ ایک بلند پایہ انگریز نے ایک مسلمان کے یہاں پلاؤ کھائی تو اس پلاؤ کی لذت نے اسے اسلام کی حقانیت تک پہنچا دیا ۔ ایک اور انگریز نے ایک ہی ملک میں ہندوؤں کے اندر چھوت چھات اور مسلمانوں کے اندر میل جول دیکھ کر اسلام کی حقانیت پہچانی ۔ ایک صاحب پر ایک مسلمان مزدور کی دیانت و امانت اثر انداز ہو گئی ۔ ایک صاحب ایک معمولی مسلمان کے اندر اہل خانہ کی موت پر استقامت اور تقدیر سے رضا کا حال دیکھ کر مسلمان ہو گئے ۔

اس لیے کسی ایک ذریعۂ دعوت و تبلیغ کو مفید و موثر سمجھ لینا اور دوسرے ذریعہ یا ذرائع کی افادیت کا انکار کرنا معقولیت سے خالی ہے ۔ معقولیت اس میں ہے کہ افراد اور مواقع کے لحاظ سے جو چیز جس جگہ مفید محسوس ہو رہی ہو ، اس جگہ وہی چیز اختیار کی جائے ۔ راہِ پروردگار کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا مفہوم یہی ہے ۔

اس توضیح کے بعد بیجا نہ ہوگا کہ ہم قرآن مجید سے اس بات کی شہادت پیش کر دیں کہ سائنسی یافت و دریافت کو غیر مسلم اہل فکر و تحقیق کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے ایک اہم بنیاد بنانا صحیح اور معقول اندازِ فکر ہے ۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کے اسلوب کو دیکھیے کہ اس نے کس طرح کفار کو اس کائنات کی اشیاء پر غور و فکر کی دعوت دی ہے ۔ اور اس کائنات کی جو چیزیں ان کے علم و یافت میں تھیں ان پر متوجہ کر کے اپنے دین کی حقانیت کی طرف ان کے رہوارِ فکر کو موڑا ہے ۔ ارشاد ہے :

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ، والی السماء کیف رفعت . والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت ۔	کیا وہ نہیں دیکھتے اونٹ کو کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ، اور آسمان کو کہ اسے کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑ کو کہ اسے کس طرح نصب کیا گیا ، اور زمین کو کہ اسے کس طرح بچھایا گیا ۔

اور اس کے معاً بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا :

فذکر انما انت مذکر

تم نصیحت کرو، تم تو نصیحت ہی کرنیوالے ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

أَوَ لَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ، وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُونَ، وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔

(الانبیاء: ۳۰، ۳۳)

کیا کفر کرنیوالوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان دونوں کو پھاڑا۔ اور پانی سے ہر زندہ چیز بنائی۔ کیا یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور زمین میں اٹل پہاڑ بنائے کہ وہ انھیں لے کر ڈگمگائے اور اس میں کشادہ راستے بنائے کہ یہ لوگ ہدایت پائیں اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اور یہ لوگ ہیں کہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے۔ سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:

أَوَ لَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ، وَأَنْ عَسٰى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ، فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ،

(الاعراف: ۱۸۵)

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے نظام سلطنت پر اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے، اس پر غور نہیں کیا۔ اور یہ نہیں سوچا کہ ممکن ہے کہ ان کی مہلت عمل قریب آلگی ہو۔ اب آخر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

اس طرح کی صدہا آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود کفار کو کبھی غائب کے صیغہ سے اور کبھی حاضر کے صیغہ سے مخاطب کر کے اس نظام کائنات پر غور کرنے کی دعوت دی ہے، اور اس دعوت کا مقصد و منشا بھی واضح فرمایا ہے۔ کہیں کہا ہے: ثم انتم تمترون (پھر بھی تم لوگ شک و شبہ کرتے ہو) کہیں فرمایا: فانی تؤفکون (تو اب کہاں بہکائے جا رہے ہو۔) کہیں فرمایا: فانی

تصرفون ۔ (اب کہاں پھرائے جارہے ہو۔) کہیں فرمایا: لعلکم تذکرون (تاکہ تم لوگ نصیحت پکڑو) اور کہیں کہا: افلا تذکرون (آخر اب نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟) کہیں ارشاد ہوا: لعلکم بلقاء ربکم توقنون (تاکہ تمھیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین آجائے۔) کہیں فرمایا: لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ۔) اور کہیں فرمایا: لعلکم تھتدون (تاکہ تم لوگ ہدایت کا راستہ پاؤ) کہیں ارشاد ہوا: لعلکم تسلمون (تاکہ تم لوگ اسلام لاؤ) کہیں ارشاد ہوا: افلا تسمعون (کیا اب تم لوگ سنتے نہیں ہو؟) اور کہیں کہا گیا: افلا تبصرون (کیا تم لوگ دیکھتے نہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا کہ کفار کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے یہ اسلوب اختیار فرمائیں: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

قل انظروا ماذا فی السمٰوات والارض ۔ — آپ کہدیں کہ تم لوگ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا وَقَدَّرَ فِیْھَا اَقْوَاتَھَا فِیْ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔

آپ کہدیں! کیا تم لوگ اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو، جس نے دو دن میں زمین پیدا کی، وہی تو ساری دنیا کا پروردگار ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ بنائے اور اس میں برکت دی ۔ اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق روزیاں مقدر کیں ۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے ۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے آسمان وزمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی وجود میں آجاؤ۔ ان دونوں نے کہا، ہم فرمانبردار ہو کر آگئے۔ پس اللہ نے ان کو دو دن میں سات آسمان بنایا۔

اور ہر آسمان میں اس کے قانون کی وحی کی۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا۔ یہ غالب وعلیم خدا کا مقررہ اندازہ ہے۔

(حم السجدہ: ۹ - ۱۲)

انبیاء سابقین کی دعوت میں بھی یہ عنصر بہت نمایاں طور پر ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے جو باتیں کہیں، ان میں یہ بھی کہا:

مالکم لا ترجون للہ وقارا وقد خلقکم أطوارا، ألم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا، وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا۔ واللہ انبتکم من الارض نباتا، ثم یعیدکم فیھا ویخرجکم اخراجا۔ واللہ جعل لکم الارض بساطا لتسلکوا منھا سبلا فجاجا۔

(النوح: ۱۳ - ۲۰)

تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ کے لیے وقار کی امید نہیں کرتے، حالانکہ اس نے تمھیں کئی اطوار میں پیدا کیا کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح طبق در طبق سات آسمان پیدا کیے، اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔ اور اللہ نے تمھیں زمین سے اگایا ہے، پھر تم کو اسی میں پلٹائے گا اور یکایک نکالے گا۔ اور اللہ نے تمھارے لیے زمین کو بچھی ہوئی بنایا، تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو۔

حضرت ابراہیم اور ان کے ملک کے حکمراں میں جو گفتگو ہوئی، اسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی ویمیت، قال انا احیی وامیت۔ قال فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر

(البقرہ: ۲۵۸)

تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا، جس نے ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارے میں حجت کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے بادشاہت دی تھی۔ جبکہ ابراہیم نے کہا میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ (ابراہیم نے) کہا اچھا تو اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے، ذرا تم اسے مغرب سے لاؤ تو وہ کافر بھونچکا رہ گیا۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے۔ آغاز گفتگو ہی میں فرعون نے پوچھا: فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ؟ اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟۔ حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا:

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ۔ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت عطا کی پھر راستہ بتایا۔

اس کے بعد فرعون نے پچھلی اقوام کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ کہتے ہوئے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کی تعریف اس طرح کی۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ۔ (طٰہٰ: ۵۳-۵۴)

جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کی راہیں بنائیں، اور آسمان سے پانی اتارا، پس اس کے ذریعہ ہم نے مختلف نباتات کے جوڑے نکالے، کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ یقیناً اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ان آیات و واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو حق بات سمجھانے اور انھیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے ملکوت السموات والارض کا حوالہ دینا انبیاء کرام کا ایک معروف طریقہ رہا ہے۔ اور اس کو اللہ نے کفار کے سامنے حق کی وضاحت کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ ہم عنقریب انھیں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے، آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی، یہاں تک کہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حق ہے

یہ آیت پیش نظر رہے تو یہ بات سمجھنے میں کچھ دشواری نہ ہوگی کہ اس کائنات میں اور خود انسان کے اپنے نفس میں موجود نشانیاں حق کی طرف رہنمائی کے لیے کسی دور کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ وہ بنیاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق کی وضاحت کرتا رہے گا۔ اسی لیے اسے ہم نے غیر مسلم اہل فکر و تحقیق کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کی ایک اہم بنیاد کہا ہے، تو یہ کوئی بیجا بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسلوب

الٰہی، سنت انبیاء اور آیتِ قرآن کی ترجمانی ہے

...

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مختلف انسانوں کو مختلف کی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، اسی طرح مختلف انسانوں کی افتادِ طبع بھی الگ الگ رکھی ہے۔ اسلام لانے کے بعد نہ یہ صلاحیتیں تبدیل ہوتی ہیں اور نہ افتادِ طبع۔ البتہ ان میں شائستگی آجاتی ہے۔ اور ان کا استعمال باطل کے بجائے حق کی حمایت میں ہونے لگتا ہے۔ جو شخص اسلام لانے سے پہلے بہادر اور جری ہوتا ہے، وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہادر اور جری ہی رہتا ہے۔ البتہ اب اس کی بہادری خونِ ناحق بہانے کے لیے استعمال نہیں ہوتی۔ جس شخص کی دلچسپی کا میدان غور و فکر اور تحقیق و یافت کی دنیا ہوتی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد بھی اپنی جولانی کے لیے اسی میدان کا انتخاب کرتا ہے۔ جس میں سنجیدگی اور متانت ہوتی ہے، اس میں مزید گہرائی اور توازن آجاتا ہے۔ سیکڑوں افراد سجو ڈھیلے ڈھالے، سست اور مری مری طبیعت کے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی یہ خصوصیت اسلام لانے کے بعد بھی مشکل ہی سے بدلتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسے لوگ ہوا کرتے تھے جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ ومن الناس من لا یاتی الصلوٰۃ الا دبرا کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نماز میں پیچھے ہی آتے ہیں، اس کے علاوہ کمزور قوتِ ارادی سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کے واقعات بھی معروف ہیں۔

یہ درحقیقت انسان کی افتادِ طبع ہے۔ اسلام لانے کے اسباب سے اس کا تعلق نہیں ہے کہ فلاں سبب سے کوئی اسلام لے آئے گا تو بڑا پرجوش اور چست ہوگا اور فلاں سبب سے اسلام لائے گا تو گرمیِ طبع سے محروم اور سست ہوگا۔ یا یہ کہ کوئی "آنکھ بند" کر کے اسلام لائے گا تو بڑا جوشیلا ہوگا اور سوچ سمجھ کر طویل عرصے کے تجربے کے بعد اسلام لائے گا تو اس میں مطلوبہ گرمی نہ ہوگی۔ یہ محض خیالی مفروضے ہیں سردی اور گرمی کا تعلق ان باتوں سے نہیں۔ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کتنے متاخر الاسلام تھے۔ اور انھوں نے مسلمانوں اور ان کے رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کا کتنا طویل مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کیا تھا، لیکن جوش و سرگرمی میں بہت سے قدیم الاسلام مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ فتوحاتِ شام میں حضرت ابو عبیدہؓ جو نہایت قدیم الاسلام تھے، ان کی سنجیدگی اور حضرت

خالد بن ولید کا جوش کون نہیں جانتا۔ مصر فتح کرنے کے لیے عمرو بن عاص امیر المومنین کی مخالفت کے دائرے میں نہ آنے کے لیے جس رفتار سے بڑھے اس کا تقابل فتح عراق میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سنجیدگی سے کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جوش و سرگرمی اس سبب کا نتیجہ نہیں ہے جو کسی کے اسلام لانے کے پیچھے کارفرما ہوا کرتا ہے۔ بلکہ اس کا زیادہ تر دار و مدار انسان کی افتادِ طبع پر ہے۔

... ...

پچھلے مباحث سے یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ ملکوت السّموات والارض کا مشاہدہ و مطالعہ ایمان و یقین کی منزل تک رسائی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ مگر کچھ لوگ ذرائع کی صحت کو اس پیمانے پر ناپتے ہیں کہ ان کے نتیجے میں کتنے لوگ اسلام لاتے ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس راہ سے حجت تمام کر دینے کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے تو صرف یہی نہیں کہ انہیں مایوسی ہوتی ہے، بلکہ وہ ان ذرائع کی صحت ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اندازِ فکر صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین۔ اکثر لوگ باوجودیکہ آپ حرص کریں ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کوشش اور دوڑ دھوپ کے بعد بھی اکثریت ان کی ہوگی جو ایمان نہیں لائیں گے۔ تو کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اکثریت کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کا جو ذریعہ اختیار کیا تھا وہ نعوذ باللہ صحیح نہ تھا؟ صحیح بخاری اور مسلم کی بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پچھلے انبیاء اور ان کی امتیں پیش کی گئیں۔ کیفیت یہ تھی کہ ایک نبی گزر رہا ہے تو اس کے ساتھ دو تین آدمی ہیں۔ ایک اور نبی گزر رہا ہے، تو اس کے ساتھ آٹھ دس آدمی ہیں۔ کوئی اور نبی گزر رہا ہے تو اس کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں۔ الخ　　کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان انبیاء نے جو طریقۂ تبلیغ اختیار کیا تھا، وہ نعوذ باللہ صحیح نہ تھا؟

درحقیقت انبیاء کی بعثت یا اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہی ایک مقصد سمجھ لینا کہ آدمی اسلام قبول ہی کر لے۔ ورنہ یہ سمجھنا کہ تبلیغ صحیح طور سے نہیں کی گئی، ایک غلط اندازِ فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بھی بتایا ہے کہ: لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (النساء: ۱۶۵) تاکہ پیغمبروں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔ پس اتمامِ حجت بھی تبلیغ و دعوتِ اسلام کا ایک خاص مقصد ہے۔ اس لیے کسی مایوسی کے بغیر ان ذرائع سے تبلیغ و دعوت کا کام انجام دینا چاہیے

(باقی ص ۱۴ پر)

العلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ

غیراللہ کو پکارنا یا اس سے استغاثہ کرنا کیسا ہے ؟

مرسلہ: محمد یوسف علی محمد دینارا گجرات

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (یونس: ۱۰۶) اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تمھیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ۔ اگر تم ایسا کروگے تو ظالموں میں سے ہوگے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ! " استغاثہ مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں ۔ یعنی کسی سختی سے نجات چاہنا۔ جیسے استنصار کے معنی ہیں نصرت طلب کرنا ، اور استعانت کے معنی ہیں مدد طلب کرنا۔ " دعا خاص ہو یا عام آیت مذکورہ میں اللہ نے ہر دو صورتوں کی ممانعت فرمائی ہے ۔ پس ہر وہ چیز جس پر غیراللہ کو قدرت نہیں ، وہ غیراللہ سے مانگی جائے تو یہ شرک ہے ، جسے معاف نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے ۔ جیسے فوت شدہ یا کسی دور دراز شخص کو پکارنا ۔ اس کے شرک ہونے پر قرآن و سنت میں بیشمار دلائل ہیں ، جن کا شمار مشکل ہے ۔ سورہ یونس کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنے کی نفی اور تردید کی گئی ہے نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ تکلیف ۔ آیت مذکورہ میں ظلم سے شرک مراد ہے ، جیسا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے کہا : ان الشرک لظلم عظیم ۔ یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ، وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ (یونس : ۱۰۷) اگر اللہ تمھیں کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تمھارے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے ۔

ر وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ دنیا ہے جو سوال کرنیوالوں کو اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے
ر جس پر وہ اپنا فضل و کرم کرے اسے روکنے کی طاقت کسی میں نہیں، وہی عطا کرتا ہے اور وہی روکتا ہے،
ے عطا کردے اسے روکنے والا اور جس سے روک لے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی
للہ عنہ سے مروی حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے، جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واعلم ان الامة لو اجتمعوا علی ان ینفعوك بشئ لا ینفعوك إلا
بشئ قد کتبہ اللہ لك ۔ یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر ساری کائنات تمھیں کوئی فائدہ
پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی، مگر جتنا اللہ کریم نے تمھارے مقدر میں لکھ دیا ہے''

زیر نظر آیت کریمہ کے مفہوم پر غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت غیر اللہ
کو پکارنا ہی ظلم عظیم ہے، جس میں امت مسلمہ کی اکثریت گرفتار ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف
نہیں کرے گا۔ کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے، اس نے ایسی چیز ثابت کرنے کی کوشش کی جس کی لا الٰہ الا اللہ
نفی اور تردید کرتا ہے، جس کو شرک فی الالوہیت کہتے ہیں، اور ایسی چیز کی نفی اور تردید کرنے کی جسارت کی
جس کو لا الٰہ الا اللہ ثابت کرتا ہے، اور وہ ہے اخلاص، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فاعبد اللہ
مخلصاً لہ الدین ۔ الا للہ الدین الخالص۔ یعنی تم اللہ ہی کی بندگی کرو دین کو اسی کے لیے
خالص کرتے ہوئے خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کا نام دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے
عظیم ترین حکم یہ ہے کہ انسان توحید کو اپنائے اور اپنے تمام اعمال میں رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھے، کیونکہ انسان کی
تخلیق ہی اس لیے ہوئی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے، اس عظیم مقصد کے پیش نظر انبیاء کرام
علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کی وضاحت کے لیے کتابیں نازل کی گئیں اور سب سے عظیم تر
ظلم جس کے چھوڑنے کی انسان کو تلقین کی گئی ہے، وہ شرک فی الربوبیت اور شرک فی الالوہیت ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا
عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون (العنکبوت، ۱۷) درحقیقت اللہ

کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو، اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم پلٹائے جانیوالے ہو۔

نیز ارشاد باری ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ اَعْدَاءً وَّ كَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِينَ۔ (الاحقاف ۵، ۶)۔ یعنی اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے ان کو پکار رہے ہیں، اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

نیز ارشاد فرمایا: اَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ۔ (النمل: ۶۲) کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے، جبکہ وہ اسے پکارے اور کون تکلیف دور کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔

حدیث: طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیف دیا کرتا تھا چنانچہ چند صحابہ نے مشورہ کیا کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق سے گلو خلاصی کے لیے استغاثہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دیکھو مجھ سے استغاثہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔

اس باب میں مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں

(۱) دعا کا عطف استغاثہ پر عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے۔ (۲) سورہ یونس کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر (۳) غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر ہے۔ (۴) اگر صلاح و تقویٰ کی معراج پر فائز شخص بھی غیر اللہ کی رضا کے لیے اس کو پکارے گا تو وہ بھی ظالموں میں سے ہوگا۔ (۵) مذکورہ آیت کے بعد آنیوالی آیت کی تفسیر (۶) یہ کفر ہونے کے علاوہ لوگوں کو دنیا میں کوئی نفع بھی نہیں پہنچائے گا۔ (۷) تیسری آیت کی تفسیر (۸) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے طالب رزق نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ اس کے سوا کسی سے طالب جنت نہیں ہونا چاہیے (۹) چوتھی آیت کی تفسیر

(۱۰) جو شخص غیر اللہ کو پکارتا ہے، اس سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں ہے۔ (۱۱) اللہ کے سوا جس کو بھی پکارا جاتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اسے کوئی پکار رہا ہے (۱۲) غیر اللہ کو پکارنا گویا مدعو کے دل میں داعی کے خلاف بغض و عداوت پیدا کرنے کے مترادف ہے (۱۳) غیر اللہ کو پکارنا حقیقت میں اس کی عبادت کرنا ہے۔ (۱۴) خود غیر اللہ کا ان کی اس عبادت سے انکار کرنا۔ (۱۵) غیر اللہ کو پکارنا ہی گمراہی کا سبب ہے (۱۶) پانچویں آیت کی تفسیر (۱۷) سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مشکلات سے نجات دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی بنا پر وہ مصائب و مشکلات کے وقت خالص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں (۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے معنی توحید کی پناہ گاہ میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تادب کے اظہار کے ہیں۔

بقیہ اداریہ:

جو کتاب و سنت سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔ اور اس راہ میں "محرومی و ناکامی" بلکہ "مظلومی" پر بھی صبر کرنا چاہیے کہ اسی کی وصیت فرمائی ہے رب ذوالجلال نے اس آیت کریمہ میں و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر، یعنی ناکامی و نامرادی سے وہ لوگ مستثنا ہیں جنھوں نے حق کی وصیت کی، اور صبر کی وصیت کی۔ اللہ ہم سب کو قبولِ حق اور دعوت الی الحق کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔

جہیز کا بقیہ:

ان رسوم کی مخالفت کے ساتھ خود اپنے گھروں اور خاندانوں سے اٹھانے میں پہل کریں اور ساتھ ہی ہر برادری کے سربرآوردہ، بااثر لوگ اور گاؤں کے سرداران اپنے گھروں میں سے ان رسموں کو ختم کریں۔ ان کی دیکھی دیکھا ان شاء اللہ عوام بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس لیے کہ چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کے تابع ہوتے ہیں اور اگر عوام ان فضول رسموں کو ترک کرنے میں ان کی اتباع کریں تو پھر علماء اور خواص ان کی ایسی تقاریب میں جہاں غیر شرعی رسمیں برتی جائیں شریک نہ ہوں، ان رسموں کے انسداد کا ایک اور ممکن طریقہ بھی ہے، وہ یہ کہ علماء مصلحین کچھ اصلاح پسند نوجوانوں کی ذہنی تربیت کریں اور ان کو ساتھ لے کر عوام پر ہر ممکن دباؤ ڈال کر پیدائش سے لے کر شادی تک کی تقاریب کی غلط رسموں کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور ان رسموں کے انسداد کے لیے کوئی چور دروازہ نہ چھوڑیں۔

مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانی حفظہ اللہ

جہیز: اسلامی شریعت میں

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے جواب میں کہ شادی سے قبل دولہا کی جانب سے دلہن کے سرپرستوں سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟ کہ ہماری مانگ کی ادائیگی پر آپ کی لڑکی سے ہم اپنے لڑکے کی شادی کر سکتے ہیں ورنہ رشتہ ہمیں منظور نہیں، کہیں اس مطالبہ کا نام تحفہ ہے، کہیں جوڑ، کہیں تلک، کہیں کنیم، کہیں ڈیمانڈ، کہیں سلامی، بہرحال مرض ایک ہی ہے، نام مختلف۔

کہیں اس کے برعکس بھی ہوا کرتا ہے، یعنی لڑکی کے سرپرستوں کی جانب سے لڑکے کے سرپرستوں کو یہ لالچ دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے لڑکے کے ساتھ ہماری لڑکی کا نکاح ہو جائے تو ہم بخوشی اپنی جانب سے فلاں فلاں چیزیں بطور تحفہ دیں گے، کیا اس قسم کے مطالبات اور پیش قدمی کرنا شریعتِ محمدی میں روا ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو از روئے کتاب اللہ، حدیث رسول اور افعالِ صحابہ ثبوت دیں۔

اگر مذکورہ شدہ تینوں مقامات پر کوئی ثبوت نہ ہو تو ایسی صورت میں خلاف ورزی کرنے والوں پر کیا وعید ہے؟ مطلع فرمادیں، تاکہ عوام کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہو، اور اس قسم کی گمراہی سے حتی الوسع بچیں۔"

سائل : خالد العربی

جواب : شادی سے قبل رشتہ کی بات چیت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ کرنا اور رشتہ کی نامنظوری کو اس پر معلق اور موقوف کرنا، اور یہ کہنا کہ ہماری یہ مانگیں پوری کر دی... جائیں تب ہمیں یہ رشتہ منظور ہوگا اور ہم اپنے لڑکے کی شادی کریں گے، اور اگر یہ ہماری مانگیں پوری نہیں کی گئیں تو ہم شادی نہیں کریں گے۔ لڑکے والوں کی طرف سے یہ مانگ اور مطالبہ کرنا اور اس کی

ادائیگی کی شرط خواہ وہ مانگ نقد کی ہو یا مختلف سامانوں کی یا جائیداد غیر منقولہ (مکان یا زمین) کی ہو بہرحال اس قسم کا مطالبہ اور اس کی ادائیگی پر شادی کو معلق اور موقوف کرنا عقلاً اور شرعاً ناجائز ہے۔ اور اس قسم کی شرطیں لگانے والے شرعاً گنہ گار ہیں۔

لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی بات چیت کے وقت پیش قدمی کرتے ہوئے لڑکے والوں سے یہ کہنا کہ اگر یہ رشتہ آپ منظور کرلیں اور اپنے لڑکے سے ہماری لڑکی کی شادی کردیں تو ہم جہیز میں نقد اور فلاں فلاں از قسم ملبوسات اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دیں گے، ان کا یہ وعدہ کرنا بھی شرعاً غلط اور غیر صحیح ہے، لیکن اس بنا پر کہ ان کو اپنی لڑکی کے رشتہ کی ضرورت اور طلب ہے اور عام طور پر لڑکے بغیر اس کے رشتہ منظور نہیں کرتے اور لڑکیوں کی شادی مشکل سے ہوتی ہے، بنا بریں وہ ترغیباً اور تحریصاً مختلف وجوہ سے جہیز کا وعدہ کرتے ہیں۔

اس مجبوری کی وجہ سے ان کا جرم فی الجملہ ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن لینے اور دینے کی یہ رسم چاہے، اس کا جو بھی نام رکھ دیا جائے شرعاً ناجائز اور واجب الترک ہے۔

پہلی وجہ: ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے بعد صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ عملی نمونہ ہے جس کی پیروی اور اتباع و اقتدار سب کے لیے ضروری ہے، پس ہمیں پیدائش، ختنہ، عقیقہ، منگنی اور شادی وغیرہ کی تقریب اور زندگی کے تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور ان تقاریب کو اسی طرح انجام دینا اور گزارنا چاہیے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے انجام دیا ہے۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں سوال میں ذکر کیے گئے مطالبات یا پیش قدمی کا وجود بالکل نہیں تھا، غرض یہ کہ شریعت میں اس رسم کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔

دوسری وجہ: ہر مسلمان کے لیے شریعت مطہرہ میں شادی کے موقع پر رشتہ طے کرنے کے وقت یا شادی کے بعد لڑکی والوں پر کسی قسم کا خرچ اور بوجھ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ سارا بوجھ لڑکی کا لڑکے پر رکھا گیا ہے۔ اسی بنا پر شوہر کو قوام کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (قرآن) پس لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے سرپرستوں سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا شریعت کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔"

تیسری وجہ: ہندوؤں وغیرہ میں لڑکیوں کو والدین سے میراث نہیں ملتی خواہ اس وجہ سے کہ ان کے مذہب

میں یہ چیز ہے ہی نہیں یا اس وجہ سے کہ ان کے یہاں لڑکیوں کو میراث نہ دینے کا رواج اور دستور ہو گیا ہے، اس لیے لڑکے والے چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو اور جس شکل میں بھی ہو لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ مال فتنہ حاصل کیا جائے، اسی لیے وہ شادی کے موقع پر مذکورہ مطالبہ اور مانگ کرتے ہیں، اور لڑکی والے ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہیں، انھیں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اکثر جگہوں میں اپنی لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں۔ اور عام طور پر مسلمانوں میں شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے جہیز وغیرہ کا مطالبہ کرتے ہیں جو ایک خاص رواج ہو گیا ہے، پہلی بات یعنی لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا اسلامی قانون کے خلاف ہے اور غیر مسلموں کی پیروی کرنی ہے اور دوسری بات یعنی جہیز کا جبری مطالبہ یا اس کی پیش کش بے اصل ہونے کے ساتھ غیر مسلموں کی نقالی ہے بنا بریں واجب الترک ہے۔

چوتھی وجہ: لڑکے والوں کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے بسا اوقات لڑکی والوں کو سودی قرض لینا پڑتا ہے یا زمین گروی رکھنی پڑتی ہے، اگر کسی کی کئی لڑکیاں ہوں تو اس کو ہر مرتبہ یہی کچھ کرنا پڑتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو ہمیشہ مالی پریشانی، نیز معاشی اور اقتصادی تباہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی اس تباہی اور پریشانی کا سبب یہی مطالبہ اور پیشکش ہوتی ہے۔

پانچویں وجہ: جہیز وغیرہ مہیا کرنے میں بالعموم اسراف و تبذیر ہوتی ہے اور اسراف و تبذیر شرعاً ممنوع ہے۔

چھٹی وجہ: جہیز وغیرہ کے معاملہ میں عام طور پر ریا اور نام و نمود و فخر و مباہات اور شہرت طلبی و نمائش ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں شرعاً ممنوع ہیں۔

ساتویں وجہ: لڑکی والے لڑکے والوں کا مطالبہ بالکل با دل ناخواستہ جبراً اور قہراً پورا کرتے ہیں، ان کا دل شاید ہی اس پر راضی ہوتا ہے اور کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی اور دلی رضامندی کے دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے، ارشاد ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ"، (الحدیث) (کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی دلی خوشی سے)

آٹھویں وجہ: جہیز میں بسا اوقات بے ضرورت کی چیزیں دی جاتی ہیں اور یہ مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ بے ضرورت اور فضول چیزوں میں اپنا پیسہ خرچ کرے۔

مرد کی مردانگی اور شہامت اور غیرت اور قوامیت کے بالکل خلاف ہے کہ وہ اپنی بیوی

نویں وجہ: اور اس کے سرپرستوں کے مال کی طرف تکے اور اس پر بھروسہ کرے اور اپنی تعلیم وغیرہ یا کسی بھی ضرورت میں اپنی ہونیوالی بیوی اور اس کے سرپرستوں کا زیر بار، احسانمند اور ممنون کرم ہو۔

دسویں وجہ: جو لڑکی والے مالدار اور پیسے والے ہوتے ہیں وہ تو لڑکے والوں کے مطالبات کسی طرح پورا کرتے ہیں یا جہیز کی مروجہ ملعون رسم پوری کر لیتے ہیں، لیکن جو لوگ کم حیثیت یا غریب ہوتے ہیں اور ان کے ایک یا ایک سے زیادہ لڑکیاں ہوتی ہیں، ان کے لیے لڑکے والوں کا مطالبہ پورا کرنا یا جہیز کی رسم پوری کرنا سخت مشکل ہوتا ہے اور لڑکی اس کے لیے ایک عذاب اور مصیبت بن جاتی ہے۔ عدم استطاعت کی بنا پر کہیں رشتہ طے نہیں ہوتا جس کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی معاشرہ کی خرابی کی وجہ سے غلط کاری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جو بھیانک نقشہ پیش آتا ہے، اس کو زبان و قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ لڑکی کے ولی اور سرپرست اور ذمہ دار نے لڑکی کے رشتہ سے مایوس ہو کر اور اس کی وجہ سے پریشانی اور رنج و غم کے غلبہ کے باعث خودکشی کر لی ہے یا خود لڑکی ہی نے والدین کے رنج و غم اور فکر و پریشانی کو دیکھ کر خودکشی کر لی ہے

گیارہویں وجہ: جو چیز شرعاً لازم نہ ہو، بلکہ محض مباح یا مستحب ہو، اس کو اعتقاداً اور عملاً یا صرف عملاً اپنے اوپر لازم کر لینا اور اس کو پابندی کے ساتھ انجام دینا اور کبھی اس کے خلاف نہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے بلکہ یک گونہ شیطان کا اتباع کرنا ہے، اور اگر وہ کام مباح کے درجہ میں نہ ہو اور اس میں طرح طرح کے مفاسد ہوں تو اس کا التزام بلاشبہ شیطانی کام ہے۔ بنا بریں لڑکے والوں کی طرف سے شادی کے وقت مذکورہ مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیش قدمی اور جہیز کا وعدہ اور اس کی ادائیگی اور جہیز کی رسم پوری کرنے کا التزام بلاشبہ التزام مالایلزم، غیر ضروری کو ضروری کر لینے کا مصداق ہونے کی وجہ سے شیطان کا اتباع ہے۔

بارہویں وجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سرپرست اور ولی ہونے کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی سرپرست اور ولی تھے، اور ہر ولی اور سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کے ساتھ اس کے لیے گھر اور ضروری گھریلو سامان کا انتظام کرے، جبکہ اس کے لیے اپنے ساتھ

رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔ بنا بریں حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند گھریلو سامان (چمڑے کا گدا، پانی کا گھڑا، چکی، شوشی کی چادر) دیا تھا اور ان دونوں کے رہنے سہنے کے لیے گھر کا انتظام کسی طرح کیا تھا، لیکن یہ جہیز کی مروجہ رسم کے طور پر ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس لیے تھا کہ حضرت علیؓ کے بھی آپ ہی ولی اور سرپرست تھے، اور ان کا گھر بسانے کی صورت میں مکان اور مذکورہ چیزوں کا مہیا کرنا بحیثیت ولی کے آپ کے ذمہ آتا تھا۔ جیسا کہ ہر باپ اپنے لڑکے کے لیے اس قسم کا انتظام کیا کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس صورتحال کو جہیز کی مروجہ رسم سے کوئی ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں۔ پس حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر آپ کی طرف سے دونوں کو جو کچھ دیا گیا اس کو جہیز کی مروجہ ملعون رسم کے ثبوت میں پیش کرنا بالکل غلط اور نادرست ہے۔

تیرہویں وجہ: لڑکی والوں کی طرف سے پیشکش اور وعدہ کرنے کی صورت میں لڑکے والے ان کے وعدہ پر اعتماد کرکے رشتہ منظور کر لیتے ہیں اور شادی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ قصداً باوجود استطاعت کے وعدہ پورا نہیں کرتے یا بوجہ عدم استطاعت وعدہ پورا نہیں کر پاتے، جس کے نتیجہ میں فریقین کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور باہمی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے لڑکی کی زندگی خراب اور اجیرن ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس قسم کی پیشکش اور اس پر اعتماد کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

شادی کی نسبت کے وقت لڑکے والوں کی طرف سے ہونے والا مطالبہ یا لڑکی والوں کی طرف سے پیشکش اور وعدہ اور مروجہ جہیز کا لین دین یہ ایسی سماجی برائی اور معاشرہ کی خرابی ہے کہ اس پر پابندی عائد کرنے کے لیے ہندوستان کی مختلف ریاستیں، بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال، ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش وغیرہ بہت پہلے قانون بنا چکی ہیں اور مرکزی حکومت نے بھی ایک مبسوط اور جامع قانون بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ سماجی برائی کم نہیں ہو رہی ہے بلکہ ہندوستان کے تقریباً تمام فرقوں میں بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس قسم کی برائیاں محض قانون بنا لینے سے ختم نہیں ہو سکتیں جب تک کہ قانون پر عمل کرنے میں سختی سے کام نہ لیا جائے، اور قانون پر عمل کرانے والے دیانتدار اور مخلص نہ ہوں۔

ہمارے نزدیک مسلمانوں سے جہیز کی لین دین کی لعنت ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی دوسری غیر شرعی رسم اس کو دور کرنے اور اٹھانے کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ علماء اپنے وعظ و تقاریر و خطبات جمعہ و عیدین میں

(بقیہ صفحہ ۱۴۱ پر)

صوفی نذیر احمد کاشمیری

اصحابِ عزیمت کی ناقدری

"امام احمد بن حنبلؒ، ابن تیمیہؒ اور ابوالکلام آزادؒ پر بعض اشتہاری طالع آزماؤں کی تنقید"

مولوی وحید الدین خان مدیر "الرسالہ" نے حضرت امام احمد بن حنبل کے خلق قرآن کے خلاف موقف کو غیراہم اور غیر ضروری قرار دے کر نہایت غیر موزوں لب ولہجہ میں ان پر حملہ کیا ہے، اس لیے ذیل کی سطور قلم بند کی گئیں۔

جب عربی زبان میں یونانی و ہندی علوم ترجمہ ہو کر رائج ہوئے تو نبی امی کی امتِ امیہ میں ان سے انتشار پیدا ہوا، جس سے امت میں فرقہ معتزلہ کا ظہور ہوا۔ اور انھوں نے وحی الٰہی کے سادہ اور فطری استدلال کو منطقی استدلال سے بدلنا شروع کیا اور علمائے حق نے اس کی مخالفت کی۔ معتزلہ کی اس نئی اختراع میں سب سے خطرناک مسئلہ خلقِ قرآن کا تھا۔ وہ دراصل ذاتِ باری کو صفاتِ باری سے علیحدہ کر کے منطقیانہ انداز پر پیش کرتے ہوئے عبودیت کی ساری یقینی کائنات کو منطقیانہ گورکھ دھندا بنا رہے تھے اور حقیقت میں عبد و معبود کے قلبی رابطے کو منقطع کرتے ہوئے یونانی تہذیب و تمدن کے مطابق ملتِ اسلامیہ کی تعمیر جدید کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ چونکہ حکومتِ وقت معتزلہ کے زیراثر آچکی تھی لہٰذا اس کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے انھوں نے علمائے اسلام کو ہمنوا کرنے کی کوشش کی مگر امام احمد بن حنبلؒ نے اس ہم آہنگی سے صاف انکار کر دیا۔

اصل سوال: اللہ پاک اپنی ذات کو اپنی صفات کے ساتھ لیے ہوئے ازل و ابد پر محیط ہے، لہٰذا صفاتِ الٰہی قطعاً غیر مخلوق ہیں۔ معتزلہ ایک شیطانی چکر کاٹ کر اور ذات و صفات کو دو خانوں میں بانٹ کر صفات کو حادث بتا رہے تھے۔ مگر جو خدا صفات کمال سے مجرد ہے وہ مخلوقات کے کیا کام آسکتا ہے، اس لیے کہ مخلوق

کا ذرہ ذرہ لاتعداد حاجات میں گھرا ہوا ہے اور انھیں ہر آن ایک حاجت روا کی ضرورت ہے اور اس مقام پر مذہبی تعلیم یہ ہے کہ "ولله الاسماء الحسنی فادعوہ بھا" اللہ کے بے شمار صفاتی نام ہیں لہذا اپنی حاجت روائی کے لیے اُسے انھیں اسمائے حسنی کے ذریعہ پکارو۔ اور اگر نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمال سے مجرد محض ہے تو اسے پوچھنے اور پکارنے کا کیا مطلب ہوا؟ لہذا معتزلہ وغیرہ کے اس اعتقاد کی رو سے عبودیت کی شہ رگ ہی کٹ جاتی ہے اور مذہب ایک خشک منطقی گورکھ دھندا رہ جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے معتزلہ کے اس خدع و مکر کا تار و پود اپنے انکار مجرد سے بکھیر دیا۔ انھوں نے منطقیانہ دلیل کے خارزار میں جانے سے صاف انکار کر دیا اور صرف اس بات پہ ثبات دکھایا کہ: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ قرآن اللہ کا کلام ہے (جو اس کی صفت ہے) لہذا وہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔

حق کو ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ منطقیانہ استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے لیے صرف استقامت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر خدا استقامت بخش دے تو وقت آنے پر باطل کے قدم خود بخود اکھڑ جاتے ہیں احمد بن حنبل نے یہی استقامت دکھائی اور تا ابد اہلِ حق کا امام احمد بن حنبل بن گیا۔

کیوں مولوی وحید الدین صاحب! امام احمد کا یہ موقف غیر ضروری ہے؟ جیسا کہ آپ کا اعلان ہے۔ یا کہ یہ وہ استقامت علی الحق تھی جس نے تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔ میرا مشورہ ہے کہ آئندہ کے لیے دائیانِ حق میں شمولیت کے دعوے سے قطعاً دست بردار ہو جائیے اور توبہ کیجیے اور اپنی اصل حیثیت پر قانع ہو جائیے ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ابن تیمیہ: تاتاری حملے نے نصف یا کم از کم تیسرے حصۂ دنیا کو تہ و بالا کرتے ہوئے بالآخر عباسی خلافت کو بھی پامال کر دیا اور جب ان کی فوجوں نے شام و مصر کا رخ کیا تو ابن تیمیہ نے تجدید دین کی قلمی شکل کو ملتوی کر کے تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مصر کے حکمراں ملک ظاہر کو آمادہ کرنے کی کوشش۔ اکثر علماء اور ذی اثر لوگوں نے ان سے کہا کہ کس طوفان کا سامنا کرنا چاہتے ہو تو اس بندۂ خدا کے لیے یہ آسان تھا کہ وہ یہ جواب دیتا کہ ہم کو اس موقع پر راہِ شہادت اختیار کرنی چاہیے مگر ابن تیمیہ کی زبان سے اللہ پاک نے یہ بات کہلائی کہ اس ظالم ہجوم کو شکست دی جائے گی بعض علماء نے کہا کہ اے امام! انشاء اللہ ہو!

مگر اس مجاہد فی سبیل اللہ نے ان کا عزم بڑھاتے ہوئے کہا۔ " انشاء اللہ تبرکا لا تعلیقاً " انشاء اللہ تبرکاً کہتا ہوں، بطور شرط نہیں۔" اس لیے کہ جب حق و باطل کا سامنا ہوتا ہے تو حق ہی " باذن اللہ " باطل پر غالب آتا ہے۔

کیوں مولوی وحید الدین صاحب! ایسے عاشقان پاک طینت کی گرد سرراہ بننا آپ لوگوں کے لیے باعث عزت و افتخار ہے یا کہ ان کے ذکر خیر کے بجائے ان کی تحقیر کرنا؟ جو عنداللہ رسوائی کی دلیل ہے۔

آزاد: جب پہلی جنگ عظیم کے بعد عبائے خلافت تار تار ہوگئی اور اسلامی ممالک کو اتحادیوں نے باہم بانٹ لیا تو مجاہدین حق کے ایک بڑے گروہ نے فیصلہ کیا کہ جب تک برطانوی شہنشاہیت کا خاتمہ نہیں ہوتا اس وقت تک اسلامی دنیا کے اتحاد کا کوئی امکان نہیں ہے لہذا مشرق کی نوآبادیاتی بستیوں میں مغربی استعماریت کو ختم کرنا ان سب مسلمانوں کے جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک صورت تھی۔ یہ جہاد کی ایک ناقص اور خطرناک شکل تھی مگر پامردی و جانبازی اس کی روح تھی۔ ابوالکلام آزاد انھیں لوگوں کا ایک نمایاں فرد تھا

دینی انقلاب: ابوالکلام نے جہاد آزادی میں پوری طرح شمولیت کی مگر پہلے کلکتہ میں " انجمن حزب اللہ " کا قیام کیا جہاں آئندہ نسل کو دینی خدمات کے لیے ٹریننڈ کرنے کا سامان کیا جاتا تھا۔ وقت کے قابل ترین افراد سے درپردہ بیعت جہاد بھی لی جاتی تھی۔ ملک سے اسلام کے تعارف کے سلسلے میں ابوالکلام کا یہ کام تھا۔ میرے واقفوں میں سے مولوی سبحان اللہ گورکھپوری، قاضی احمد حسین ایم پی گیاوی، مولوی عبدالمجید حریری بناری، اسی سلسلۂ بیعت کے تین نمایاں شریک تھے۔ لیکن قدامت پسند علماء نے پورے ملک میں اس تنظیم کے خلاف ایک سازش شروع کردی۔ اور ابوالکلام نے صرف تفرقہ فی الملۃ سے بچنے کے لیے اس وقت حزب اللہ کے پروگرام کو بند کر دیا۔ اور ان قدامت پسندوں سے کہدیا کہ اب مخالفت ترک کردو، اس لیے کہ جس چیز کی تم مخالفت کرتے تھے وہی ختم کی جارہی ہے۔

کہیے وحید الدین صاحب! ابوالکلام کا یہ کام تعارف اسلام نہ تھا۔؟
شبلی نعمانی کی صرف سیرت نبوی کو پڑھ لو اور اندازہ کرلو کہ کیا وہ اپنے وقت کے لحاظ سے اسلام کے تعارف کی انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے؟۔ پھر دارالمصنفین کے ادارے نے جس طرح ساری تاریخ اسلام سے ہندوستان کو روشناس کرایا اور خود ندوۃ العلماء کو جو نیا رنگ دیا، وہ تعارف اسلام نہیں ہے؟ معلوم نہیں کہ تعارف کے

(باقی ص ۵۶ پر)

تحریکات

جمعیۃ الشبان المسلمین اور اس کی سرگرمیاں

جمعیۃ الشبان المسلمین، نوجوانانِ اہلحدیث بنارس کی قدیم تنظیم ہے جو ۱۹۳۹ء میں قائم ہوئی۔ اس کے اولین معماروں میں جناب مولانا عبدالمجید صاحب الحریری، جناب مولانا عبدالمتین صاحب اور دوسرے اعیانِ جماعت مرحومین و مغفورین تھے۔ اس تنظیم کا اولین مقصد نوجوانانِ اسلام کے اندر دینی بیداری اور حمیت پیدا کرنا، ان کو دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے آمادہ کرنا اور مسلمانوں کو عموماً کتاب و سنت کی دعوت دینا اور رسوم قبیحہ کی بیخ کنی کرنا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے جمعیۃ مختلف پروگراموں پر عمل کرتی رہی، حسبِ ضرورت شہر کے مختلف مقامات پر دینی جلسوں اور تبلیغی اجتماعات کو منعقد کیا جاتا۔ لوگوں سے ان کے گھروں پر جاکر ملاقات کی جاتی اور ان کو اسلامی شعائر کی پابندی کرنے پر ابھارا جاتا اس کے علاوہ دینی و اصلاحی پمفلٹ اور کتابچوں کو شائع کر کے عوام میں مفت تقسیم کیا جاتا۔

بفضلہ تعالیٰ یہ پروگرام چلتا رہا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ حالات کا شکار ہوکر کبھی کبھی جمعیت پر جمود اور تعطل بھی طاری ہو جاتا، لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا بندہ پیدا کر دیتا جو اس جمود کو توڑ کر جمعیت میں نئی روح پھونکتا اور تبلیغی کام دوبارہ مستعدی اور تیزی سے انجام پانے لگتا۔ اور دینی جلسوں کی ہر طرف دھوم مچ جاتی۔

گزشتہ چند سالوں سے جمعیت دوبارہ تعطل کا شکار ہوگئی تھی، لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نوجوانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہوا اور جماعت کے سربرآوردہ و ذمہ دار افراد کی سرپرستی میں مورخہ بعد نماز جمعہ جمعیت کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور اس کے پروگراموں کو مستحکم اور تیز تر کرنے کے لیے نیا انتخاب عمل میں آیا اور مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکین قرار پائے۔

۱۔ مولانا محمد یونس صاحب مدنی : صدر ۲۔ مولانا سعید میسور صاحب مدنی : نائب صدر
۳۔ مولانا احسن جمیل صاحب مدنی : سکریٹری ۴۔ مولانا عبدالعزیز صاحب سلفی (دوارتی) نائب سکریٹری
۵۔ جناب عبدالظاہر صاحب : خازن ۶۔ جناب اعظم رشدی صاحب : محاسب
۷۔ مولانا عبیداللہ ناصر صاحب : سکریٹری برائے نشر و اشاعت ۸۔ مولانا محمد زبیر صاحب سلفی معاون سکریٹری نشر و اشاعت
۹۔ مولانا زید احمد صاحب سلفی معاون سکریٹری برائے نشر و اشاعت ۱۰۔ مولانا عبدالرحمن صاحب : معاون سکریٹری برائے نشر و اشاعت
۱۱۔ مولانا ریاض الدین صاحب : معاون سکریٹری برائے نشر و اشاعت ، ۱۲۔ مولانا عبیداللہ طاہر صاحب : رکن
۱۳۔ حافظ راشد جمال صاحب : رکن ۱۴۔ حافظ عبیداللہ صاحب : رکن
۱۵۔ جناب عبدالحق صاحب : رکن ۱۶۔ جناب ابوالقاسم صاحب : رکن
۱۷۔ جناب ارشاد احمد صاحب : رکن ۱۸۔ فضل الرحمن صاحب : رکن
۱۹۔ جناب عبداللہ شاہد صاحب : رکن ۲۰۔ جناب عبدالباسط صاحب : رکن
۲۱۔ حبیب الرحمن صاحب : رکن

الحمد للہ اب جمعیۃ اپنی نشاۃ ثانیہ کے بعد پورے جوش و خروش اور مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دے رہی ہے۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :

اغراض و مقاصد :

۱۔ مسلمانوں کو توحید خالص اور سنت صحیحہ کی پابندی پر آمادہ کرنا۔
۲۔ شرک و بدعات اور رسوم قبیحہ کی بیخ کنی کرنا۔
۳۔ غیر مسلموں کو قرآنی حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام کی دعوت دینا۔
۴۔ نوجوانان اسلام کے اندر صحیح دینی اسپرٹ پیدا کرنا اور ان کو اسلامی تعلیمات کی طرف مائل کرنا۔
۵۔ ایسے صالح مبلغین تیار کرنا جو وعظ و ارشاد کے فرائض انجام دیں اور لوگوں کو خالص اسلامی تعلیمات کی طرف دعوت دیں۔
۶۔ پوری ملت اسلامیہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں دعوت اتحاد دینا۔
۷۔ علوم دینیہ بالخصوص علوم کتاب و سنت کی خدمت اور ان کی ترویج و اشاعت کرنا۔

۸۔ دینی و اصلاحی پمفلٹ اور کتاب کی اشاعت کے ذریعہ عوام کی اصلاح کی کوشش کرنا۔

سرگرمیاں: مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے جمعیۃ جن پروگراموں کو چلا رہی ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: روزانہ نمازِ فجر کے بعد مسجد اہلحدیث طیب شاہ میں درس قرآن ہوتا ہے۔

۲۔ درسِ حدیث: شہر کی مختلف مسجدوں میں درس حدیث کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے جو ہفتہ میں ایک روز (بعض مساجد میں اتوار کو اور بعض میں منگل کو) بعد نمازِ عصر یا بعد نماز مغرب ہوا کرتا ہے۔

۳۔ سالانہ اجلاس عام: جمعیۃ نے یہ طے کیا ہے کہ سال میں چار اجلاس عام منعقد کیے جائیں۔ چنانچہ اس کا پہلا اجلاس عام ۲۴ ؍نومبر ۱۹۸ کو بمقام میدان سعیدیہ لائبریری مدنپورہ منعقد ہوا، جس کی مختصر رپورٹ ماہ جنوری کے ماہنامہ محدث میں شائع ہو چکی ہے، اور دوسرا اجلاس عام ان شاء اللہ عنقریب منعقد ہوگا۔

۴۔ تبلیغی اجتماعات: جمعیۃ کی طرف سے ہر ماہ ہم تبلیغی اجتماعات منعقد ہوتے رہیں۔ دو شہر کے اندر اور دو اطرافِ شہر میں کسی مناسب مقام پر ان اجتماعات میں جمعیت کے اراکین پورے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا دائرۂ عمل ابھی ضلع بنارس کے اندر محدود رہے، لیکن اب ہماری کوشش ہے کہ اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کیا جائے اور ضلع کے باہر بھی اپنے اجتماعات منعقد کیے جائیں۔

۵۔ طلبہ کا تقریری پروگرام: جو مقامی طلبہ تقریر کا شوق رکھتے ہیں ان کی تقریری مشق کے لیے طلبہ کا ایک تقریری پروگرام ہوتا ہے۔ جو ہر پندرہ روز پر جمعہ کے روز بعد نمازِ عشاء شہر کی کسی مسجد میں منعقد ہوتا ہے۔ جس میں طلبہ اپنے منتخب کردہ موضوع پر دینی اور اصلاحی تقریریں کرتے ہیں اور پھر اثنائے تقریر جو کچھ ان سے غلطیاں ہوتی ہیں، پروگرام کے اختتام پر صدر جمعیۃ مولانا محمد یونس صاحب مدنی ان کی نشاندہی کرتے ہیں اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

۶۔ دینی و اصلاحی پمفلٹ کی نشر و اشاعت: جمعیۃ نے نشر و اشاعت کے لیے ایک سب کمیٹی تشکیل دی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً دینی و اصلاحی پمفلٹ اور کتاب شائع کر کے لوگوں میں مفت تقسیم کرائے۔ چنانچہ اب تک محفل میلاد سے متعلق ایک پمفلٹ، جہیز پر ایک پمفلٹ اور نماز کی اہمیت پر ایک ہینڈبل منظرِ عام پر آ چکی ہے، اور کچھ دوسرے پمفلٹ جلد ہی منظرِ عام پر آنے والے ہیں۔

(بقیہ ص ۵۶ پر)

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

مولانا محمد سعید بنارسی کی مزید تصنیفات

اس سے قبل ماہنامہ محدث کے شمارہ "۲" جلد "۳" بابت ماہ جون وجولائی ۸۴ء میں مولانا محمد سعید صاحب بنارسی کی ۲۵ تصانیف کا تعارف پیش کیا جاچکا ہے۔ مزید تحقیق وتلاش کے بعد جو کتابیں دستیاب ہوئیں انھیں بطور استدراک پیش کیا جارہا ہے۔

(۲۶) صیانۃ المقتصدین عن تلبیسات نصرۃ المجتہدین: (اردو) صفحات ۲۳۶ طبع اول ۱۳۰۸ھ مطبع صدیقی محلہ سادھوان لاہور

شیخ محی الدین صاحب لاہوری نے ایک کتاب مسمی بہ "الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین" لکھ کر شائع کی، جس میں انھوں نے ایک سو مسائل فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے نقل کرکے قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کیا، اس کا جواب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے "نصرۃ المجتہدین" کے نام سے لکھ کر وکیل احمد سکندر پوری کے نام سے شائع کیا، صیانۃ المقتصدین اسی (نصرۃ المجتہدین) کے جواب میں ہے۔

(۲۷) الشبع والری بالرد علی عبدالحی: (اردو) صفحات ۲۴ طبع اول ۱۳۰۲ھ مطبع سعید المطابع، بنارس

یہ رسالہ "خاتمۃ الطبع میزان الاعتدال" اور "الرفع والتکمیل" مولفہ مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی کے جوابات پر مشتمل ہے۔ مولانا لکھنوی نے "میزان الاعتدال" للذہبی کو نئے سرے سے طبع کرانے کے بعد اس کی صحت وتکمیل کا دعوی کرتے ہوئے ان دونوں رسالوں کو لکھا، حالانکہ انھوں نے اپنی حد بھر اس (میزان الاعتدال) میں کتر بیونت کردی تھی جس کی نشاندہی مولانا بنارسی نے اپنے اس رسالہ کے ذریعہ کی۔

(۲۸) کیفیت مناظرۂ جونا گڈھ[1]: (اردو) صفحات ۸ طبع اول ۱۳۰۲ھ مطبع سعید المطابع، بنارس

---

[1] اس رسالہ کو مولانا لکھنوی نے مصلحۃً مولوی محمد عثمان کے نام سے شائع کیا تھا۔

یہ مختصر رسالہ اس مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی اور مولوی ولی محمد صاحب کے مابین بمقام جوناگڈھ ہوا تھا۔ موضوع مناظرہ "وجوب تقلید شخصی" تھا۔ مولانا بنارسی کی سخت گرفت سے عاجز آکر مولوی ولی محمد صاحب نے یہ کہہ کر چھٹی لی کہ "ہم نے اپنی رائے اور استقراء سے اپنے مذہب کو قرآن و حدیث کے موافق پاکر پکڑا۔"

(۲۹) جواب الجواب سوالات خمسہ : (اردو) صفحات ۱۴ طبع اول ۱۳۰۵ھ
مطبع سعید المطابع بنارس

مولانا محدث بنارسی نے اپنے پرچہ "نصرۃ السنۃ" ۱/۱۲ جلد ۱/۱ و ۱/۱ جلد ۱/۲ میں آیت اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرّسول واولی الامر منکم کی نسبت مفصل بحث کرتے ہوئے براہین ساطعہ سے ثابت کیا تھا کہ اس آیت کو تقلید شخصی سے کچھ علاقہ نہیں ہے اور رسالہ ہی "اولی الامر" کے متعلق مندرجہ ذیل پانچ سوالات علماء مقلدین سے کیے تھے، جس کا جواب مولوی احمد صاحب نے ضمیمہ اخبار شحنۂ ہند مطبوعہ ۱۶ راگست ۱۸۸۰ء میں شائع کیا۔ مذکورہ رسالہ اسی کا جواب الجواب ہے۔

سوال ۱/۱: اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں (۲) خلفاء اربعہ مجتہد مستقل تھے یا نہ تھے۔ اگر تھے تو ان کی تقلید کیوں نہ کی گئی، لوگ بکری، عثمانی، علوی کیوں نہ کہلائے (۳) یہ آیت جس میں "اولی الامر" کا ذکر ہے، جب نازل ہوئی تو اس وقت بھی اس پر عمل کرنا ضروری تھا یا ائمۂ اربعہ کے بعد ہوا۔ اگر اس وقت بھی عمل ضروری تھا تو ائمۂ اربعہ کے زمانہ کے قبل کون "اولی الامر" تھے، جنکی تقلید ضروری تھی۔ اور اب ان کی تقلید کیوں جاتی رہی۔
(۴)[1] پہلے اولی الامروں کی تقلید چھوڑ کر پچھلوں کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو پہلے اولی الامر حضرت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان و علی، شریح وغیرہم، صحابہ و تابعین میں سے جو اولی الامر تھے ان کی تقلید

---

[1] اس چوتھے سوال کا جواب منجانب حنفیہ یہ ہے "پہلے اولی الامر کی تقلید ترک کرنا جائز نہیں ..... علمائے حنفیہ نے نہ تقلید خلفاء و صحابہ ترک کی نہ بخاری و مسلم کی، سب کے مقلد ہیں"۔ مولانا بنارسی جواباً لکھتے ہیں "آپ ہی انصاف سے کہیے، جب آپ ہزار ہا کے مقلد ٹھہرے تو تقلید شخصی کہاں رہی، جو لوگ ائمۂ اربعہ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں وہ تو غیر مقلد کہلائیں اور آپ باوجود ہزاروں کی تقلید کے مقلد بنے ہیں اور نیز یہ آپ کا کہنا بھی سراسر خلاف ہے امام ابو حنیفہ نے صدہا جگہ خلفاء و صحابہ و بخاری و مسلم کا بغیر دلیل خلاف کیا ہے۔

کیوں ترک کرکے ائمۂ اربعہ کی جو متاخرین میں سے ہیں کی گئی۔ (۵) لفظ اولی الامر سے ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کا حصر ہے یا نہیں اگر ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کا حصر ہے تو پھر امام محمد و ابو یوسف وغیرہما کی تقلید کیوں کی جاتی ہے اور اگر ائمۂ اربعہ کی تقلید کا حصر نہیں ہے تو پھر اوروں کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی اور اگر کوئی اور کی تقلید کرے تو اس کو کیوں لامذہب بتایا جاتا ہے۔

(۳۰) اکرام اہل الایمان : مطبع سعید المطابع بنارس (اردو) صفحات ۶۳ طبع اول ۱۳۰۵ھ

"اخبار شحنۂ ہند" یکم جولائی ۱۸۸۸ء میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے ایک مضمون شائع کیا، جس میں انتقال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کو جائز نہ ہونے پر زور دیتے ہوئے مولانا بنارسی کی ذات اور ان کے مدرسہ پر اعتراض کیا تھا، یہ کتاب اسی کے جواب پر مشتمل ہے۔

(۳۱) جوابِ توبہ نامہ : مطبع پبلک اوپینین صفحات ۱۲ طبع اول ۱۸۸۳ء

یہ کتاب ایک چورقی رسالہ "توبہ نامہ" مصنفہ مولوی عبدالصمد بنارسی اور دوسرا رسالہ "کشف الاخبار" کے جواب پر مشتمل ہے۔ ان دونوں رسالوں میں یہ لکھا گیا تھا کہ سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی نے مکہ میں توبہ کی اور کہا کہ "میں توبہ کرتا ہوں عقیدۂ وہابیہ سے اور میں حنفی المذہب ہوں۔" تب ان کو چھٹکارا ملا۔

(۳۲) اعلام اہل الانصاف عما صدر من مؤلف تحفۃ الاحناف : مطبع ہتکاری پریس لکھنؤ (اردو) صفحات ۲۰ طبع اول ۱۲۹۸ھ

حافظ عبدالشکور ساکن ٹانڈہ ضلع فیض آباد نے ایک رسالہ "تحفۃ الاحناف" لکھا جس میں انھوں نے شادی بیاہ میں بدعات کی اباحت کا فتویٰ دیتے ہوئے تقلید شخصی پر زور دیا ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ کبھی ایک کبھی تین کبھی پانچ رکعت وتر پڑھنا شرعاً جائز نہیں۔ ساتھ ہی بیس رکعت تراویح پڑھنے پر موضوع روایات پیش کرکے لے میم کیا، مولانا بنارسی نے ان تمام دلائل کا اچھی طرح قلع قمع کیا ہے۔

اس کتاب کی تاریخ طبع پر چند اشعار کہے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے ؎

سر فرد ہو کر پڑھو تاریخ سال کو ہوگئی ذبوح بدعت واہ واہ
۹۸ ۲۰۰ ۱۲

(۳۳) کیفیت مقدمات مسجد برڈتلے (واقع دارانگر بنارس) (اردو) صفحات ۳۶ طبع اول ۱۸۸۶ء/۱۳۰۳ھ
مطبع سعید المطابع بنارس

مسجد اہلحدیث دارانگر کے سلسلہ میں جو مقدمات و پریشانیاں مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی کو لاحق ہوئی تھیں اس رسالہ میں اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وہ مسجد ہے جس میں نماز کے لیے وضو کرتے وقت اور اسی طرح کچہری کے اندر حنفیوں نے آپ کو اتنا مارا تھا کہ آپ لہولہان ہوگئے تھے۔ مزید برآں آپ پر حکومت کے باغی ہونے کا الزام لگا کر آپ کو سزا دلوانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ یہ تمام واقعات الگ الگ عنوان سے اس رسالہ میں درج کیے گئے ہیں۔ اخیر میں چھ صفحات کا ایک ضمیمہ ہے جو مقدمات مساجد کے سلسلہ میں ہے۔ اسے ملا کر اس رسالہ کے صفحات ۴۲ ہوتے ہیں۔

(۳۴) خلاصۃ المعتقد المنتقد (اردو) صفحات ۱۳۲ طبع اول ۱۳۰۶ھ
مطبع سعید المطابع، بنارس

یہ کتاب نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المعتقد المنتقد" کی تلخیص ہے، اس میں ہر فریق اہلسنت کے سترہ مذاہب کے عقائد کو جمع کیا گیا ہے۔ جیسے عقائد امام ابوحنیفہ، عقائد اشعری، عقائد بیہقی، عقائد امام غزالی، عقائد امام تستری، عقائد امام صابونی وغیرہ

مولانا محدث بنارسی نے صرف اس کتاب کی تلخیص پر اکتفا کیا ہے۔ اپنی جانب سے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے ص ا پر لکھتے ہیں کہ: "نواب صاحب نے ایک رسالہ مسمی المعتقد المنتقد لکھا ہے جس میں تمام فرق سنت جماعت کے عقائد کو تفصیل سے لکھ کر اس پر انتقاد بھی کیا ہے، چونکہ یہ رسالہ بالفعل عنقا الوجود ہے، اہلحدیث اس پر مطلع نہیں ہوئے، اس لیے اس عاجز خیر خواہ اہلحدیث نے مناسب جانا کہ اس رسالہ کا خلاصہ کیا جائے ...... اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور نواب صاحب بہادر کی نظروں میں بھی اس کو جگہ دے۔"
(مقدمہ کتاب خلاصۃ المعتقد المنتقد) ●●●

ارشد فہیم۔ فضیلت سال دوم

اسلام میں خواتین کا دائرۂ کار اور اس کی معقولیت

وہ تقریر جسے ندوۃ الطلبہ کے انعامی مقابلہ گروپ الف (اردو) میں پہلی پوزیشن حاصل ہوئی

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

قال اللہ تعالیٰ: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الآیۃ) وجاء فی الحدیث النبوی: الا کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ ..... فالمرأۃ راعیۃ علیٰ اہل بیت زوجہا وولدہ وہی مسئولۃ عنہم

ایک صالح تمدن اور صحت مند معاشرہ کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ نظام معاشرت میں مرد اور عورت کے تعلقات کی صحیح نوعیت متعین کی جائے، ان کے حقوق ٹھیک ٹھیک اور عدل کے ساتھ مقرر کیے جائیں۔ ان کے درمیان ذمہ داریاں پوری مناسبت کے ساتھ تقسیم کی جائیں اور خاندان میں ان کے مراتب اور وظائف کا تقرر اس طور پر ہو کہ اعتدال و توازن میں کوئی فرق نہ آئے، اور یہ تقسیم معقول بھی ہو۔ تمدن کے جملہ مسائل میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہے اور انسان کو اس گتھی کے سلجھانے میں اکثر ناکامی بھی ہوئی ہے۔

آئیے ہم عورتوں کے دائرۂ کار کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے سے پہلے چند قدیم مذاہب میں عورتوں کے دائرۂ کار کا مختصر جائزہ لیں۔

قدیم تاریخ میں یونانیوں اور رومیوں کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں ملتی ہیں، انھوں نے تہذیب و تمدن میں اتنی ترقی کی تھی کہ اس کی بنیاد پر بہت سے علوم و فنون وجود میں آئے، لیکن اس کے باوجود

وہ لوگ عورت کو انسانیت پر ایک بار سمجھتے تھے، اس کو خاندان میں ایک ادنیٰ خدمتگار اور مرد کے لیے آلۂ شہوت رانی خیال کرتے تھے۔ ایک یونانی ادیب کہتا ہے "دو مواقع پر عورت مرد کے لیے باعث مسرت ہوتی ہے، ایک تو شادی کے دن اور دوسرے انتقال کے دن"۔ افلاطون نے مساوات مرد وزن کا دعوی ضرور کیا تھا۔ لیکن اس کی یہ تعلیم صرف زبانی تھی جو عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

ہندوستانی تہذیب میں عورت کو شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں تھا، اس لیے عورت شوہر کی چتا کے ساتھ جل کر ستی ہو جاتی تھی۔

ایرانی تہذیب میں عورت کو عام ساز و سامان کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا اور اس خرید و فروخت کو قانونی حیثیت بھی حاصل تھی۔

چینی تہذیب میں عورت کی حیثیت ایک لونڈی اور خادمہ سے زیادہ نہ تھی۔ چینی مصلح کنفیوشس کا قول ہے کہ "عورت مرد کی تابع ہے اور اس کا کام مرد کی حکم برداری ہے۔"

یورپ جو اس وقت مساوات مرد وزن کا سب سے بڑا دعویدار ہے، اسی یورپ میں ایک صدی قبل تک عورت مرد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

غرضیکہ یونان ہو یا روم، عرب ہو یا عجم، یورپ ہو یا ایشیا، ہر جگہ عورت مظلوم ہی رہی، اس کی پوری تاریخ مظلومیت کی داستان ہے

افراط و تفریط کی اس بھول بھلیاں میں بھٹکنے والی دنیا کو اگر عدل و مساوات کا راستہ دکھانے والا کوئی مذہب ہو سکتا تھا تو وہ مذہب اسلام تھا، جس کے پاس انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ساری گتھیوں کے صحیح حل موجود ہیں اگر آپ عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا لب لباب دریافت کرنا چاہیں تو اس کا جواب صرف ایک جملہ میں دیا جا سکتا ہے کہ انسان کی عظمت و سربلندی کی دعوت دیتا ہے وہ انسان کو زوال و ادبار کی پستیوں سے اٹھا کر رفعت و بلندی کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچانا چاہتا ہے جو مہ او راک سے بھی بہت آگے ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان من حیث الانسان اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے خامۂ فطرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ قرآن مجید کا بیان ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔" (ہم نے بنی آدم کو بزرگی بخشی اور

انھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں۔ اور صاف ستھری چیزوں کی روزی دی اور انھیں اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر فضیلت دی۔)

اسلام کا یہ اصول ہے کہ مرد اور عورت عزت واحترام کے لحاظ سے برابر ہیں، اخلاقی معیار کے لحاظ سے برابر ہیں، آخرت میں اپنے اجر کے لحاظ سے برابر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ جس مرد اور عورت نے بھی اچھا کام کیا اگر وہ مومن ہے تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہتر اعمال کا جنھیں وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔)

لیکن اس کے باوجود اسلام کی نظر میں مرد اور عورت کا دائرہ کار یکساں نہیں ہے۔ بلکہ قدرت نے خود ہی نظام تمدن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک فرائض منزلی اور دوسرے فرائض تمدنی، فرائض منزلی کا کام عورت کے ذمہ قرار دیا۔ اور فرائض تمدنی کا کام مرد سے متعلق کیا، چنانچہ اسی فرائض منزلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں کہا گیا: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔» (اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے دور جاہلیت کی طرح زیب وزینت کا اظہار نہ کرتی پھرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔»)

علامہ ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فیھا الدلالۃ علی ان النساء مامورات بلزوم البیوت ومنھیات عن الخروج۔» (اس آیت کریمہ میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔)

اس سے بھی صاف اور صریح حکم یہ دیا گیا ہے: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔ (اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کو ڈال لیں۔)

اس طرح اسلام نے عورتوں کو ایک محدود دائرہ سے باہر اظہار زینت سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، ان آیات کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے ریاست اور معاشرہ کے تحفظ کی ذمہ داری

اصلاً مرد کے سر ڈالی ہے ، اور عورت کی جدوجہد کا رُخ گھر کی طرف موڑ دیا ہے ، اس کی حقیقی پوزیشن یہ نہیں کہ وہ بازار کی تاجر ، دفتر کی کلرک ، عدالت کی جج اور فوج کی سپاہی بنی رہے ۔ بلکہ اس کے عمل کا حقیقی دائرۂ کار گھر ہے ۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کے فکری نشوونما کا لحاظ کیے بغیر اس کو گھر کی چہار دیواری میں محبوس کر کے رکھ دیا ہے ، بلکہ اسلام نے اس کے پرواز عمل کے لیے لیے وسیع تر فضا مہیا کی ہے ۔ ایک عورت جس طرح علم و ادب کی راہ میں پیش قدمی کر سکتی ہے ، اسی طرح زراعت و تجارت میں بھی ترقی کا حق رکھتی ہے ایک مرد اگر اپنے وقت کا مجدد الف ثانیؒ بن سکتا ہے تو عورت کو عائشہ صدیقہ بننے سے اسلام کبھی نہیں روکتا ایک مرد اگر امام ابن تیمیہ کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے تو عورت کو رابعہ بصری کا روپ دھارنے سے اسلام کبھی بھی ممانعت نہیں کرتا ، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسلامی آداب و اخلاق اور احکام و قوانین کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے ۔ چنانچہ اسلام نے زندگی کی تعمیر کا جو بھی نقشہ تیار کیا ہے ، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو ، یا معاملات سے ، خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے ، اقتصادی قوانین سے ہو یا اصول تہذیب سے ، اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کی اس حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے ۔

اسلام نے عورت کی حقیقی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے اس کو معاشی تگ و دو سے نجات دی ہے تاکہ اسے اپنا یا دوسروں کا پیٹ بھرنے کے لیے گھر کے حدود کو توڑنا نہ پڑے ۔ لیکن اگر اس کو کسی اقتصادی مجبوری کی بنا پر گھر سے باہر ملازمت یا کام کاج کا مسئلہ درپیش ہے تو ایسی صورت میں تقریباً متفقہ طور پر اسے اسلامی احکام و قوانین کی رعایت کرتے ہوئے کام کرنے کی اجازت ہے ۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری خالہ اپنے کھجور کے پھل توڑنے اور اس کو فروخت کرنے کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لیے گئیں تو آپ نے فرمایا : " اخرجی فجدی نخلک لعلک ان تصدقی او تفعلی خیرا ، (جاؤ اور اپنے کھجور توڑو ہو سکتا ہے کہ تم اس سے صدقہ کرو یا کوئی نیک کام انجام دو ۔ ")

امام بخاری رحمہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب " صحیح بخاری " کے اندر اسی سلسلے کا ایک باب باندھا ہے :

" باب خروج النساء لحوائجھن " یعنی عورتوں کو اپنی ضروریات سے نکلنے کا باب ۔

لیکن اگر عورت کو کوئی اقتصادی مجبوری نہ ہو اور اس کے اخراجات برداشت کرنے والا کوئی آدمی موجود ہو

تو ایسی عورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو باہر جانے کی اجازت نہیں بلکہ اس کا باپ، شوہر یا بھائی وغیرہ اس کے جملہ اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

اسی طرح سیاست، ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اس طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرۂ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام میں اگر جنگ کے مواقع پر بعض عورتوں سے مرہم پٹی کا کام لیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ امن و امان کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں، کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے۔

البتہ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی قیادت کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو سیاست میں نمائندگی کے اختیارات تک دیے ہیں. لیکن یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم کسی استثنائی شکل کو اصول کی حیثیت دیدیں، حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی کی ذاتی رائے تھی، جسے شرعی حیثیت نہیں دی جا سکتی بلکہ بعد میں وہ خود اپنے اس اقدام پر افسوس اور گریہ وزاری فرمایا کرتی تھیں۔ ورنہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ عورت کو ملت کی قیادت سونپنے کا قائل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: « لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ » (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے معاملات کا والی کسی عورت کو بنا لیا۔) اسکی تشریح میں امام شوکانی فرماتے ہیں: فیہ دلیل علی ان المرأۃ لیست من اھل الولایات ولا یحل لقوم تولیتھا، (اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت ولایت کی اہل نہیں اور کسی قوم کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو ولی بنائے۔ (اسی حدیث کے متعلق علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: جمیع اھل القبلۃ لیس منھم احد یجیز امامۃ امرأۃ » (یعنی تمام اہلِ قبلہ اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کی ولایت جائز نہیں۔)

اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست میں عورتوں کا یہ رول فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ ان کاموں کے لیے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ عورتوں کے اندر پیدا ہی نہیں کیے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں گنتی کی چند خواتین کو کامیابی کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے کہ مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں جو بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں، عرب کا ایک قدیم مقولہ ہے: «المرأۃ ریحانۃ لیست بقھرمانۃ» (عورت پھول ہے،

تہران یا کنٹرولر نہیں ہے۔

جہاں تک عورتوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی صحیح تعلیم و تربیت یہ ہے کہ ان کو ایک بہترین بیوی اور بہترین ماں بنایا جائے ان کا دائرۂ عمل چونکہ گھر ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان علوم و فنون کی تعلیم دینی چاہیے جو اس دائرے میں مفید ہو سکتے ہوں۔ قرآن مجید، ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے کہتا ہے: "واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ" "تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد کرو"۔

اس کے علاوہ اسلام دوسرے علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیمات دلوانے سے بھی نہیں روکتا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آ چکے ہیں کہ عقل کے اندھے ہی ان کا انکار کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ تعلیم و تربیت کا میدان ہو یا تہذیب و ثقافت کا عبادات و معاملات کا مسئلہ ہو یا دفاع و سیاست کا اسلام کی نظر میں دونوں صنفوں کا عدم اختلاط ناگزیر ہے۔ اسلام میں نہ کسی مشترک کلچرل پروگرام کی گنجائش ہے نہ مخلوط تعلیم کی۔ بازار اور منڈی سے لے کر ایوان و اسمبلی تک کسی بھی مقام پر دونوں کی آمیزش اور باہمی اتصال قطعاً ناروا اور جرم عظیم ہے۔

نظام معاشرت میں مرد اور عورت کے دائرۂ کار سے متعلق جتنے احکام و قوانین اسلام کے اندر وضع کیے گئے ہیں، مشاہدات و تجربات اور سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہیں۔ خاص طور سے اس زمانے میں ان کی معقولیت اب ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قدرت نے عورت کو دنیا میں جس غرض کے لیے پیدا کیا ہے وہ غرض نوع انسانی کی تکثیر اور اس کی حفاظت و تربیت ہے۔ اور جب بھی اس طبعی غرض کو چھوڑ کر کسی غیر طبعی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو تمدن اور معاشرت کی بنیادوں میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یورپ کی موجودہ حالت اس کے لیے کافی ہے۔ ایک یورپی مصنف جارج رائیلی اسکاٹ اپنی کتاب (A History of Prostitution) میں لکھتا ہے:

"گزشتہ چند سالوں میں لڑکیوں سے والدین کی حفاظت و نگرانی اس حد تک کم ہو گئی ہے کہ تیس چالیس سال

قبل لڑکوں کو بھی اتنی آزادی حاصل نہیں تھی، جتنی اب لڑکیوں کو حاصل ہے۔ سوسائٹی میں وسیع پیمانے پر جنسی آوارگی پھیلنے کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ عورتیں روز افزوں تعداد میں تجارتی کاروبار، دفتری ملازمتوں اور مختلف پیشوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ جہاں شب و روز ان کو مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے کا موقع ملتا ہے، اس چیز نے عورتوں اور مردوں کے اخلاق کو بہت گرا دیا ہے۔"

ان تجرباتی حقائق سے نکل کر آپ جب تحقیقاتی دنیا میں آئیں گے تو معلوم ہو گا کہ علم الحیات کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت اپنی شکل و صورت اور ظاہری اعضاء سے لے کر اپنے جسم کے ذرات اور نسیجی خلایا تک ہر چیز میں مرد سے مختلف ہے، پوری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ نوعِ انسانی کی تکثیر اور حفاظت کے لیے قدرت نے عورت کے مسلسل چار دور قرار دیے ہیں۔ حمل، وضع، رضاعت اور تربیت۔ محققین کا کہنا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دور عورت کی زندگی کا نہایت اہم اور دشوار زمانہ ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس گروہ کا قدرتی فرض ایسے اہم اور دشوار مرحلوں کا طے کرنا ہو، کیا وہ دنیا کی تمدنی کشمکش میں شریک ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی شرکت اس کے قدرتی فرائض میں حارج نہ ہو گی۔

فرض کیجیے کہ ایک عورت اعلیٰ تعلیم کو بدرجہ کمال حاصل کر کے ایک کامیاب بیرسٹر بن جاتی ہے اور اس کی گود میں ایک ننھا سا بچہ ہے۔ جب بیرسٹر ماں عدالت میں فریق مخالف پر جرح کر رہی ہو گی تو اس کا شیر خوار بچہ اس کے پیار و محبت کا منتظر جھولے میں پڑا ہو گا۔ سوچیے! اس بدنصیب بچہ کی صحت و زندگی کس حالت میں ہو گی، جو صالح اور مفید دودھ کا محتاج ہو گا۔ مگر اس کی بیرسٹر ماں نے لبرل پارٹی کی حمایت کے خیال میں رات دن مستغرق ہونے کی وجہ سے ناکامی کے انفعال اور افسوس سے دودھ میں فساد پیدا کر کے بچہ کی طبعی غذا کو اس کے لیے مضر اور خطرناک بنا دیا ہو گا۔

ان سائنسی اور عقلی تحقیقات و تجربات سے قطع نظر خود مغربی ممالک میں بد اخلاقی، نفس پرستی، لذت جسمانی اور شہوت رانی کا امڈتا ہوا بے پناہ طوفان، خاندانی زندگی سے نفرت اور ازدواجی تعلقات کی ناپائیداری نے مغربی مفکرین، فلاسفہ اور اہلِ قلم کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ اسلام کے الٰہی پندرہ سو سالہ پرانے احکام و قوانین کی حمایت کر کے اپنی شخصیت اور اپنے مقام و مرتبہ کو برقرار رکھیں، اور اپنی پاکبازی اور شرم و حیا کی لٹی پٹی متاعِ عزیز کو حاصل کرنے کی فکر کریں۔ یہ بات اسلام میں خواتین کے دائرۂ کار اور اس کی معقولیت

کی بہت بڑی دلیل ہے، یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ آج کی مغربی دنیا نے اس کے لیے سیکڑوں دلائل فراہم کردیے ہیں ریاستہائے متحدہ میں ریاست جارجیا اور ٹیکساس نے ایسے قوانین نافذ کیے ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ عورت اپنے حسن اور زیوروں کی نمائش کی روش چھوڑدے، اور ایک پاکباز اور حیادار خاتون کی طرح چراغ خانہ بن کر رہے۔

بلغاریہ کی راجدھانی صوفیہ کے گرلس کالج کی پرنسپل نے طالبات کو نوٹس دیا ہے کہ ایسی تمام طالبات کو کالج سے نکال باہر کیا جائے گا جو ہونٹوں کی لالی اور ناخن کی سرخی استعمال کریں گی اور بال ترشوائیں گی۔

انگلینڈ میں لندن کے ایک سرکاری نرس کالج کی طالبات نے کالج کی مجلس انتظامیہ سے یہ شکایت کی ہے کہ کالج میں شوق و رغبت دلانے کے لیے لڑکیوں کی دلکش اور پرکشش تصویروں کے ساتھ جو اعلانات شائع کیے جاتے ہیں، ان کی طرف مردوں کی حریص نگاہیں اٹھتی ہیں، اور اس سے فتنے کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے اعلان کا یہ طریقہ ترک کردیا جائے۔

روس میں اخلاقی خرابیوں کو روکنے کے لیے جو قانونی اقدامات کیے گئے ہیں ان میں کہا گیا ہے کہ عورتیں چھوٹے لباس نہ پہنیں اور آگے پیچھے سے کھلے ہوئے جوتے استعمال نہ کریں، جن سے انگلیاں اور ایڑیاں نظر آتی ہوں۔

واٹیکان کی کلیسائی انتظامیہ نے پوری دنیا کے گرجاگھروں کے لیے اعلان عام کے ذریعہ ضروری ٹھہرادیا ہے کہ وہ ایسے عادات و اطوار کا مقابلہ کریں جن سے وقار، شرم و حیا اور فضائلِ اخلاق باقی نہیں رہ گئے ہیں۔

سماج کو اس عریانی اور بے حیائی سے پاک کرنے کا بیڑہ یہ کن لوگوں نے اٹھایا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس دورِ جدید کے آغاز میں اسلامی آداب و اخلاق اور احکام و قوانین کو فرسودہ اور دقیانوسی ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، جنھوں نے صنفِ نازک کو پستی سے اٹھاکر اعلیٰ اور صحیح مقام دینے کا دعویٰ کیا تھا۔ آج یہی لوگ صنفی آوارگی اور معاشرتی بے حیائی سے تنگ آکر اسلامی آداب و اخلاق کی حمایت کررہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلامی نقطۂ نظر کی معقولیت کی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔

"الفضل ما شهدت به الاعداء"

(کمال وہ ہے جس کی شہادت دشمن دیں)

●●●

غیاث الدین اصغر علی بستوی

آفتابِ رسالت کا طلوع جزیرۂ عرب میں کیوں؟

گیا وہ دورِ ظلمت اب طلوعِ صبحِ صادق ہے
محمد آئے کیا عالم میں عہدِ زر نگار آیا،

چھٹی صدی کا دور انتہائی تنگ و تاریک دور کہا جاتا ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ پوری دنیا عموماً اور عرب خصوصاً ضلالت و جہالت کی چار دیواریوں میں بھٹک رہا تھا۔ اخلاق سے عاری، اخوت و محبت سے ناواقف، تہذیب و تمدن سے کوسوں دور۔

صاحب رحمۃ للعالمین رقمطراز ہیں: "آپؐ کی ولادت کے وقت عرب کی ملکی حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب میں سلطنتِ حبش کا، اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا، شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔" (رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۲۹)

مذہب کے نام پر بت پرستی عام تھی۔ اسلام کا کنول کھلنے سے پہلے عرب کے تماشائی اس گلشنِ رنگ و بو کے مالکِ حقیقی کے قائل نہ تھے اور نہ جزا و سزا کا گمان رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ جو تمام مسلمانوں کا قبلہ اور محور و مرکز ہے، مرکزِ اصنام و اوثان تھا، حالت یہ تھی کہ اس کے اردگرد ہر ہر قبیلے کے جدا جدا معبود تھے۔ ستارہ پرستی اور کہانت کا خوب رواج تھا۔ ان برائیوں نے ان کے ذہن و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ فطرت کی ہر ایک چیز، پتھر، درخت، چاند، سورج، پہاڑ اور دریا کو وہ اپنا معبود سمجھنے لگے تھے۔ خدا فراموشی سے تجاوز کر کے خود اپنی قدر و منزلت بھلا چکے تھے، قتل رہزنی، جلسِ بیجا، تصرفِ ناجائز، مداخلتِ بیجا، عورتوں کو جبراً یا پھسلاہٹ سے بھگا لے جانا، بیٹیوں کو زندہ پیوندِ خاک کر دینا، ان کا سامانِ تفریح تھا۔ بت پرستی نے سب سے زیادہ حقیر ہستی ان کی نگاہ میں انسان کو بنا دیا تھا، دین و مذہب کی بربادی

بت پرستی و ستارہ پرستی، کہانت و جنگ جوئی، عشق بازی و شاعری، غارت گری و حملہ آوری، تکبر و غرور، رسم ماتم کی ادائیگی، توہم پرستی و ضعیف الاعتقادی، دختر کشی و قمار بازی، عربوں کی زندگی کے لیے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ حالت صرف عرب ہی کی نہیں تھی بلکہ روم و یونان اور مصر و ہندوستان بھی مختلف قسم کی آلائشوں میں مبتلا تھے۔

ان جملہ عیوب کی وجہ سے گویا عرب مذاہب باطلہ اور تخیلات کی برائیوں کا مجموعہ تھا۔ حالت یہ تھی کہ موت انسان کی زندگی سے ٹکرا رہی تھی۔ ظلم کا دیوتا انسان کی خودداری کو کچل رہا تھا۔ اہرمن کے پجاری انسانیت کی سوکھی ہوئی ہڈیوں سے چپکا ہوا گوشت نوچ رہے تھے۔ شیطان کے بیٹے اپنے خونخوار ہونٹوں سے انسانیت کا خون چوس رہے تھے۔ سرمایہ دار محنت کشوں کی ہڈیاں چبا رہے تھے۔ بے رحمی کا بھوت زمین کھود کر گود کی پالی ہوئی لڑکیوں کو دفن کر رہا تھا، ستم کا کوڑا غلام انسانوں کی کھال ادھیڑ رہا تھا، اندھیرا روشنی پر غالب آرہا تھا۔ باطل نے حق و صداقت کو مغلوب کر دیا تھا، عزت کا احساس مر چکا تھا۔ محبت و مروت، شفقت و شرافت کا دم نکل رہا تھا۔ انسانیت اپنے سینے میں پڑے ہوئے ناسور کی پیپ میں لتھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور ایک ایسے مقام پر ایک ایسے چراغ کو روشن کیا جس سے پورے گھر کی تاریکی چھٹ گئی اور ظلم کا سینہ چاک ہو گیا۔ کفر و طغیان کے زخم سے کراہتا ہوا انسان صحتمند ہو گیا اور ظلم کے دیوتاؤں کا منہ کالا ہو گیا۔ شیطان کے بیٹوں اور اہرمن کے پجاریوں کے دانت ٹوٹ گئے اور سرمایہ داروں کے خونخوار ہونٹ پھٹ گئے۔ ظلمت و تاریکی چھٹ گئی اور ایوانِ باطل لرز کر گر گیا۔ شرافت و محبت کا بول بالا ہو گیا۔ فراعنہ وقت عتاب عذاب ہو گئے۔ ابوجہل و ابولہب کے سینے چاک ہو گئے یہ مقام مکہ مکرمہ ہے جسے نافِ زمین کہتے ہیں، کیونکہ یہ مشرق و مغرب کے وسط میں واقع ہے جہاں سے چراغ رشد و ہدایت کی لو ہر طرف بآسانی پہنچ سکتی ہے۔

قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمۃ للعالمین کے اندر فرماتے ہیں کہ "آفتاب رسالت کا طلوع جزیرۂ عرب میں اس لیے ہوا کیونکہ مکہ کا تمام زمین میں وہی مقام ہے جو ناف کا جسم میں ہے"۔ (ملخص از رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۳)

کرۂ ارض آباد دنیا کی دیکھیے کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ ارض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہوا اور جب ۶۰ کو ۸۰ درجے شمالی سے

تفریق کریں تب ۲۰ رہ جاتے ہیں۔ اور جب ۶۰ میں سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تب بھی ۲۰ درجہ شمالی رہ جاتے ہیں اور المکۃ المکرمہ ۲۱ درجے پر آباد ہے۔ اس لیے کل کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔" (حاشیہ رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۳۱)

اور خدا کا فرمان: "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء" (اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ قوموں پر گواہ بن سکو) اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ مکہ وسط میں واقع ہے۔ نیز اگر دنیا والوں کے سامنے دعوت و تبلیغ کا کام پیش کرنا ہو تو سب سے زیادہ موزوں و مناسب مقام مکہ ہی پڑے گا۔ اور آپ کی ولادت کے زمانہ پر نظر ڈالنے سے یہ بات اور ظاہر و باہر ہو جاتی ہے کہ آپ کیوں مکہ میں پیدا کیے گئے، اس لیے کہ افریقہ و یورپ اور ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب ہی سے تھا۔ اور عرب کی آواز ان براعظموں میں پہنچنے کے لیے بہت ذرائع موجود تھے۔

اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ "آفتاب رسالت کا طلوع جزیرۂ عرب میں کیوں؟ اس کا نہایت مسکت و معقول جواب یہ ہے کہ نبی آخرالزماں چاہے جہاں پیدا ہوتے۔ یہی اعتراض پیش آتا، کیوں کہ ان کا وجود کہیں نہ کہیں ضروری تھا۔ جب یہ بات شدنی تھی تو معترض کو اعتراض کا حق حاصل نہیں۔ دوسرا خیال اس سلسلے میں ان کا یہ ہے کہ عرب کے علاوہ دوسری قومیں ایک دوسرے پر غالب آچکی تھیں، تسلط و تغلب کی وبا ان میں خوب پھیلی ہوئی تھی، لیکن عرب والوں میں اس قسم کی بات نہیں پائی جاتی تھی۔ عربوں کے نزدیک ہر ایک قوم و جماعت اور تمام اقالیم و ممالک کے لوگ یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ بخلاف دوسری قوموں کے۔ اسی لیے جب وہ اسلام کو لے کر نکلے تو ہسپانیہ یعنی بحر اطلانتک کے ساحل مشرق سے لے کر چین یعنی بحیرہ چین کے مغربی ساحل تک ساری آباد متمدن دنیا کے ملک اور قومیں ان کی نظر میں یکساں تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جزیرۂ عرب کا انتخاب فرمایا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ اسلام ج ۱ : اکبر شاہ نجیب آبادی)

مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی اپنی تصنیف "نبی رحمت" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے لیے جزیرۂ عرب کا انتخاب اس لیے کیا "کیونکہ ان کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی، اس میں پہلے سے کچھ نقوش تحریر اور نقش و نگار موجود نہ تھے، جن کو مٹانا مشکل ہوتا۔ برخلاف رومیوں، ایرانیوں، یا ہندوستانیوں کے، جن کو اپنی ترقی، علوم و فنون اور اپنے تہذیب و تمدن اور فلسفہ و حکمت پر بڑا ناز تھا اور اس کی وجہ سے

ان کے اندر کچھ ایسی نفسیاتی گرہیں اور ذہنی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں، جن کا دور ہونا آسان نہ تھا۔
یہ عرب اپنی اصل فطرت پر تھے، مضبوط اور آہنی ارادہ کے مالک تھے۔ اگر حق بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اس کے خلاف شمشیر اٹھانے میں کوئی تکلف نہ کرتے اور اگر حق کھل کر سامنے آجاتا تو وہ اس سے دل وجان سے زیادہ محبت کرتے۔

یہ عرب بڑے حقیقت پسند، سنجیدہ وسلیم الطبع، صاف گو، سخت کوش وسخت جان تھے وہ نہ دوسروں کو فریب دیتے تھے نہ اپنے آپ کو فریب میں رکھنا پسند کرتے تھے، سچے اور پکے بات کے عادی ، بات کی لاج رکھنے والے اور پختہ ارادہ کے مالک تھے۔

عرب تہذیب وتمدن اور تعیش وآرام طلبی کی پیدا کی ہوئی ان تمام بیماریوں وخرابیوں سے محفوظ تھے جن کا علاج بہت دشوار ہوتا ہے۔ ان کے اندر صداقت بھی تھی، دیانت بھی اور شجاعت بھی، منافقت اور سازش ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھی، ان کی فکری وعملی قوتیں اور فطری صلاحیتیں محفوظ تھیں۔ اور خیالی فلسفوں، بے فائدہ منطقی بحثوں اور موشگافیوں، علم کلام کے دقیق ونازک مضامین یا مقامی وعلاقائی خانہ جنگیوں میں ضائع نہیں ہوتی تھیں، آزادی ومساوات فطرت اور مناظر فطرت سے محبت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ یہ آزادی وخودنگری، بلندیٔ نفس، اور شرافت وحوصلہ مندی عوام کے سب کے طبقوں میں موجود تھیں ، ان تمام خصوصیات کے حامل صرف عرب تھے، ان کے علاوہ کوئی دوسری قوم نہیں تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جزیرۂ عرب کا انتخاب فرمایا۔

جزیرۃ العرب میں آخری نبی کی بعثت کا سب سے اہم سبب یہی تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ موجود تھا۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ " الایۃ " جس کو حضرت ابراہیم واسماعیل نے تعمیر کیا تھا تاکہ خدا کی تحمید وتمجید کی جائے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آفتابِ رسالت کا طلوع وہیں پر فرمایا تاکہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا کا اتمام بھی ہوجائے " اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ " (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "نبی رحمت")
مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "الرحیق المختوم" میں رقمطراز ہیں
"طبیعی اور جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ عرب کی خاص اہمیت ہے، چنانچہ یہ اپنی داخلی وضع کے اعتبار

سے ہر چہار جانب سے ریگستانوں اور صحراؤں سے گھرا ہوا ہے اور اس کی بنا پر جزیرہ عرب ایک مضبوط محفوظ قلعہ کا مقام رکھتا ہے اور اغیار کے قبضے سے مانع ہے، اسی لیے ہم قدیم زمانے سے باشندگان عرب کو آزاد دیکھتے چلے آرہے ہیں حالانکہ وہ دو بڑی سلطنتوں کے پڑوس میں تھے۔ اگر ان کے پاس یہ آہنی دیوار نہ ہوتی تو ان کے حملوں کو روکنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی۔

خارجی اعتبار سے جزیرۃ العرب قدیم دنیا کے بڑے اور مشہور براعظم کے وسط میں واقع ہے اور بری وبحری دونوں راستوں سے ان سے جڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا شمال مغربی گوشہ براعظم افریقہ کا راستہ ہے اور اس کا شمال مشرقی حصہ براعظم یورپ سے ملا ہے اور مشرقی سرحد عجم وشرق ادنیٰ ایشیا چین وہندوستان کا دروازہ ہے۔ نیز تمام براعظموں کے بحری راستے جزیرۂ عرب سے آکر ملتے ہیں، ان کے بحری جہاز جزیرۂ عرب کے بندرگاہ پر ڈائرکیٹ لنگر انداز ہوتے ہیں۔

اس اعتبار سے جزیرۂ عرب دنیا کے اور تمام ملکوں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور ضرورت تھی کہ جو دین ساری دنیا کے لیے بھیجا جائے وہ ایسے ہی ملک میں بھیجا جائے غالباً اسی لیے یہ امتیازی خصوصیت بھی جزیرۂ عرب میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی ایک وجہ ہوئی "

اسی طرح جب ہم دور جاہلیت کے عربوں کے سماجی، اقتصادی، معاشی خانگی اور باہمی تعلقات اخلاق وکردار پر نظر ڈالتے ہیں تو جاہلیت کی صدہا خرابیوں کے باوجود ان کے اندر کچھ ایسے شمائل وخصائل نظر آتے ہیں جو غیروں میں مفقود تھے۔ اس کی تحقیق کے لیے الرحیق المختوم کی آنیوالی عبارت پر نگاہ مرکوز کیجیے۔ استاذ محترم مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری اس تالیف "الرحیق المختوم" میں رقمطراز ہیں کہ " ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ اہل جاہلیت کے اندر کچھ ایسی خرابیاں و برائیاں اور کچھ ایسے امور پائے جاتے تھے جن کو عقل سلیم ناپسند کرتی ہے اور وجدان وشعور ابار کرتے ہیں، تاہم ان کے اندر کچھ ایسے اخلاق فاضلہ اور عادات محمودہ بھی تھے جن سے انسان حیرت وتعجب میں پڑ جاتا ہے۔ انھیں اخلاق میں سے کچھ یہ ہیں۔

جود وسخاوت: اہل جاہلیت اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس کو ذریعۂ فخر بناتے تھے۔ انھوں نے اپنے نصف اشعار اسی کام پر اپنی اور دوسروں کی تعریف میں ختم کر دیے۔ چنانچہ آدمی کے پاس سخت سردی وفاقہ کشی کے عالم میں مہمان آتا اور اس کے پاس سوائے

اس کی اونٹنی کے جو اس کا اور اس کے خاندان کا واحد سامانِ حیات ہوتی، کچھ اور نہ ہوتا تو ایسے وقت میں بھی اس کے اندر کرم و سخاوت کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا، اور وہ اٹھ کر اسے اپنے مہمان کے لیے ذبح کر دیتا۔
ان کے جود و سخاوت ہی کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ بھیانک و وحشتناک تاوان و دیت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے اور انسانیت کا خون ہونے سے بچا لیتے جس کی وجہ سے دوسرے رؤسا اور سربراہوں پر فخر کرتے ہوئے اپنی تعریفیں کرتے۔

ان کے جود و سخاوت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی کے ثنا خواں تھے۔ یہ مدح اس لیے نہیں ہوتی تھی کہ شراب فی نفسہٖ باعثِ افتخار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس کو جود و کرم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔
اسی وجہ سے وہ انگور کے درخت کو کرم کے نام سے موسوم کرتے تھے، اور انگور کی شراب کو بنت کرم کہتے تھے۔
آپ جاہلیت کے اشعار کے دیوان کی طرف توجہ مبذول کریں گے تو آپ کو یہ مدح و فخر کا ایک مستقل باب نظر آئے گا
عنترہ بن شداد عبسی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

ولقد شربت من المدامة بعد ما ركد الهواجر بالمشوف المعلم

بزجاجة صفراء ذات أسرّة قرنت بازهر بالشمال مفدم

فاذا شربت فانني مستهلك مالي وعرضي وافر لم يكلم

واذا صحوت فما اقصر عن ندى وكما علمت شمائلي وتكرمي

۱۔ درحقیقت میں نے شراب نوشی کی جبکہ دوپہر کی گرمی پھیلا رہی تھی، صاف و شفاف اور ڈھلے ہوئے دینار کے عوض۔ ۲۔ اور شراب میں نے ایک ایسے آبگینہ میں پی جو زرد رنگ کا، خوبصورت، دھار دار تھا اور بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔ ۳۔ جب میں شراب نوشی کرتا ہوں تو بغیر کسی پرواہ کے اپنا مال خرچ کرتا ہوں اور میری عزت اسی طرح برقرار رہتی مجروح نہیں ہونے پاتی۔ ۴۔ اور جب میرا نشہ اتر جاتا ہے تب بھی میں مال و منال خرچ کرنے میں کمی نہیں کرتا، جیسا کہ تم میرے اخلاق اور جود و کرم کو جانتی ہو۔

قمار بازی سے اشتغال بھی ان کے جود و کرم کا نتیجہ تھا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ جود و کرم کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، اس لیے کہ وہ اس کا حاصل نفع یا جتنا کچھ نفع پانے والوں کے حصے سے بچ جاتا تھا، مساکین کو دیدیتے تھے۔ اسی لیے آپ قرآن میں دیکھیں گے کہ وہ شراب اور جوئے کی افادیت کا یکسر منکر نہیں ہے

بلکہ یہ کہتا ہے کہ: "واثمهما اكبر من نفعهما" (الآیۃ) یعنی شراب وجوئے کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔)

اہل جاہلیت کے انھیں اخلاق میں سے ایک ایفائے عہد بھی تھا، ان کے نزدیک عہد وپیمان کا ایفاء ایک ایسا مذہبی اصول تھا، جس پر وہ شدت سے کاربند تھے اور اس کی راہ میں اپنی اولاد کے قتل اور اپنے دیار کے ویران کو ہیچ سمجھتے تھے۔

پھر انھیں اخلاق میں سے ایک خودداری وعزتِ نفس یعنی ظلم وجور اور زیادتی وتشدد سے ابا ربھی تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ نہایت جری وبہادر اور سخت غیرتمند وزود حساس تھے، کسی بات میں ذلت واہانت کی بو بھی پا جاتے تو شمشیر وسنان لے کر اٹھ کھڑے ہوتے، اور گھمسان کی جنگ چھیڑ دیتے۔ اور اس راہ میں اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

ان ہی اخلاق میں سے نفاذِ عزم بھی تھا، جب وہ کسی سلسلہ میں عزم مصمم کر لیتے اور اس میں شرافت و افتخار سمجھتے تو کوئی بھی شی ان کو ان کے عزم کی تنفیذ سے روک نہیں سکتی تھی، حتیٰ کہ وہ اس راستہ میں جان جوکھوں میں ڈال دیتے تھے۔

پھر انھیں اخلاق میں سے ایک حلم وبردباری اور دور اندیشی بھی تھی، اسے وہ باعثِ فخر تو سمجھتے تھے مگر حد سے بڑھی ہوئی شجاعت وبہادری اور ذرا ذرا سی بات پہ قتال کے اقدام کی وجہ سے یہ خوبی ان کے اندر نادر الوجود تھی۔

پھر انھیں اخلاق میں سے ایک بدوی سادگی بھی تھی، وہ شہری رذالت وخباثت میں ملوث نہیں ہوتے تھے، جس کا نتیجہ صدق وامانت کا التزام اور عہد شکنی وبیوفائی سے تنفر تھا۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے کہ جزیرۃ العرب کے جغرافیائی محل ووقوع اور اس کی اسٹراٹیجی کے علاوہ یہی قیمتی اخلاق تھے، جن کی وجہ سے اہل عرب کو انسانی سوسائٹی اور بشری امت کی جانب سالتِ عامہ کی بار برداری کے لیے منتخب کیا گیا۔ اگرچہ ان کے بعض کیرکٹر اور اخلاق وعادات شر کا باعث بن جاتے تھے اور ان کی وجہ سے خوفناک ودردناک حوادث وجود میں آجاتے تھے۔ مگر پھر بھی یہ اخلاق فی نفسہٖ قیمتی اخلاق تھے جو قدرے اصلاح کے بعد انسانی سوسائٹی کے لیے نہایت نفع بخش ثابت ہو سکتے، اور یہی کام اسلام نے کیا۔ (دیکھیے "الرحیق المختوم": مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری)

●●●

ادارہ شمام اعظمی

قرآن مجید کی عظمت کے ساتھ عبرتناک کھیل

گھناؤنی سازش اور گندے کردار

الدار السلفیہ بمبئی، ملک کا ایک معروف دینی ادارہ ہے جس نے مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ العالی کی قیادت و رہنمائی میں وقت کے اہم موضوعات پر بلندپایہ کتابوں کی اعلیٰ اور معیاری کتابت وطباعت اور اشاعت کا ریکارڈ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس ادارے کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی طرف سے بیشتر کتابیں عامۃ المسلمین میں مفت تقسیم کی گئی اور کی جارہی ہیں، جس کی بدولت ایسے لوگ بھی ایک مختصر سی لائبریری کے مالک ہوگئے ہیں جو کتابیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

اس ادارہ نے اسی خدمتِ دین کے جذبہ کے تحت کوئی چار سال پہلے ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی کی وساطت سے پندرہ ہزار قرآن مجید چھپوا کر مسلمانوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی کام ابتدائی مرحلہ ہی میں تھا کہ معلوم ہوا اس میں کہیں کہیں طباعت کی غلطیاں ہیں۔ ادارے نے فوراً تقسیم کیے ہوئے تمام قرآن مجید واپس منگائے۔ اور انھیں شرعی حدود کے مطابق ضائع کردیا۔ اور اس کی جگہ ایک دوسرا صاف، عمدہ اور اعلیٰ معیار کا قرآن مجید چھپواکر تقسیم کیا۔

قرآن مجید کے لیے اس احتیاط اور قربانی پر ادارہ یقیناً مستحق ستائش ہے۔ مگر حیرت ہے بعض طبائع کی کجی پر کہ انھوں نے دعوائے اسلام کے باوجود اس صاف ستھرے معاملے کو نہ صرف یہ کہ فسادبین المسلمین کا ذریعہ بنایا اور اسے بین الاقوامی رنگ دینے کی کوشش کی، بلکہ اس گھناؤنے مقصد کے لیے قرآن مجید کی حرمت بھی پوری بے دردی کے ساتھ پامال کی۔ آجکل یہ معاملہ بمبئی اور گجرات سے لے کر دہلی تک کشاکش کا موضوع بنا ہوا ہے۔

اور اس کی صدائے بازگشت ملک کے سارے اطراف واکناف میں سنائی پڑ رہی ہے۔ راقم الحروف مارچ کے
سرے ہفتے بمبئی گیا تو مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ نے اس معاملے سے متعلق پوری فائل میرے سامنے رکھ
دی جس کے مطالعے کے بعد ابتک کے سارے اتار چڑھاؤ کا نقشہ سامنے آگیا۔ میں نے تمام ضروری دستاویز
کی نقل یا فوٹو کاپی اپنے ساتھ لے لی اور اسی کی روشنی میں اس واقعے کی حقیقی کیفیت پیش کی جارہی ہے۔

الدار السلفیہ نے کون سا قرآن طبع کرایا تھا: دینی کتابیں بیچنے والوں کے یہاں، مختلف سائز اور کتابت کے جو قرآن مجید پائے جاتے
ہیں وہ مختلف نمبروں سے معروف ہیں۔ انھیں میں ایک قرآن مجید حوالہ نمبر ۱۳۵ ہے، جو ہندوستان، پاکستان
اور بنگلہ دیش کے تقریباً تمام کتب فروشوں کے یہاں ملتا ہے، اور عرصہ دراز سے رائج ہے۔ چھاپنے والے انھیں
نسخوں کا فوٹو لے کر چھاپتے رہتے ہیں اور عام طور سے چھاپہ خانوں میں اس کی پلیٹیں بھی پائی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے
دوسرے سائز اور نمبروں کی طرح حوالہ ۱۳۵ میں بھی کہیں کوئی غلطی نہیں ہے۔

۲۶ اگست ۲۰۰۰ء کو ادارہ الدار السلفیہ بمبئی نے ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی کو اسی قرآن مجید حوالہ ۱۳۵ کے پندرہ
ہزار نسخے چھاپنے کا آرڈر دیا۔ یہ آرڈر زبانی نہ تھا بلکہ باقاعدہ ایک عہدنامہ لکھا گیا، اور اس عہدنامہ پر فریق اول کی
حیثیت سے ناز پبلشنگ ہاؤس کے مالک عبدالصمد صاحب نے، اور فریق ثانی کی حیثیت سے مولانا مختار احمد ندوی کے
صاحبزادے اسلم صاحب نے دستخط کیے۔ گواہی کی حیثیت سے اس دستاویز پر منظور عالم صاحب کا دستخط ثبت ہے۔

غلطی کی نوعیت: اس معاہدہ کے بعد عبدالصمد صاحب نے جو قرآن چھپوا کر الدار السلفیہ کے حوالے کیا وہ تھا تو حوالہ ۱۳۵ ہی کا فوٹو مگر اس میں (شاید اپنے تجارتی فائدے کے لیے)
معاہدے کی بعض خلاف ورزیاں کیں یعنی کاغذ اور روشنائی معیاری استعمال نہیں کی اور غالباً زیادہ
پرانی پلیٹوں سے انھیں چیک کیے بغیر قرآن مجید چھپوا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد جگہ چھپائی خراب آئی۔ کہیں
کوئی حرف صاف آیا تو کہیں کوئی حرف اڑ گیا اور کہیں روشنائی پھیل گئی، اور حروف پچ مچ ہوگئے۔ بلکہ ایسا
بھی ہوا کہ ایک ہی لفظ کسی نسخے میں بالکل صاف اور واضح آیا تو کسی نسخے میں ناصاف ہوگیا۔ لیکن ایسا نہیں
ہوا کہ لفظ یا حرف یا زیر زبر وغیرہ کی غلطی ہوئی ہو بلکہ یہ سطر بہ سطر لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف اسی قرآن کے مطابق
ہے جو مسلمانوں کے گھر گھر میں موجود ہے۔ البتہ ناصاف چھپائی کی وجہ سے کہیں کہیں پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔

بہرحال چھپائی کی خرابی پر مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جلد ساز نے چھپے ہوئے فرمے کہیں کہیں الٹے موڑ دیے یا انھیں صحیح ترتیب کے ساتھ نہ رکھا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ کہیں کہیں صفحات کی ترتیب بھی صحیح نہ رہی۔

کوتاہی کس کی تھی؟

یہ قرآن چونکہ چند دینی اداروں کے ذریعہ مفت تقسیم کرانا تھا، اس لیے دہلی سے براہِ راست ان اداروں کو بھیج دیا گیا مگر تقسیم شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس میں طباعت کی غلطیاں ہیں۔ اس کا علم ہوتے ہی الدار السلفیہ نے فوراً دو اقدام کیے۔

پہلا اقدام یہ کیا کہ عبدالصمد صاحب مالک ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی سے بازپرس کی۔ انھوں نے پہلے ۹ مارچ اور پھر ۱۵ مارچ ۸۲ء کو نہایت انکسار کے ساتھ تحریری طور پر معذرت کی اور معافی مانگتے ہوئے اپنی غلطی کا بار بار اعتراف کیا۔ انھوں نے لکھا کہ "یہ غلطی ہوگئی ہے۔ اس سے آپ کی طرح مجھے بھی بہت تکلیف اور شرمندگی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر قرآن پاک میں غلطی نہیں کر سکتا، اللہ معاف کرے سہواً ہو گیا ہے۔ .... غلطی تو بہرحال غلطی ہے، اس کا اعتراف کر رہا ہوں اور شرمندہ ہوں۔ اور جو کچھ آپ لوگ تصحیح وغیرہ کا خرچ لگائیں گے قبول کروں گا۔" اس سے قطعی طور پر واضح ہے کہ طباعت کی جو غلطیاں مذکورہ قرآن مجید میں ہوئیں وہ الدار السلفیہ نہیں بلکہ ناز پبلشنگ ہاؤس کی کوتاہی کا نتیجہ تھیں۔

قرآن کی سمندر میں تہ نشینی اور تدفین:

الدار السلفیہ نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ ۲۰ فروری ۸۲ء کے قومی آواز بمبئی میں اعلان شائع کرکے عوام سے اس قرآن مجید کے تقسیم شدہ نسخے واپس طلب کر لیے۔ کچھ عرصہ تک دفتر جمعیۃ اہلحدیث میں یہ نسخے واپس آتے رہے۔ جب یہ واپسی بند ہوگئی تو انھیں مسلمانوں کے اندر معروف رواج کے مطابق ضائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انھیں ٹاٹ کے نئے اور عمدہ تھیلوں میں پیک کیا پھر ادارہ کے ایک محسن اور معاونِ خاص جناب محمد امین صاحب نے انھیں اپنی فیکٹری سنجان گجرات میں لے جا کر فیکٹری کے ملازم محمد داؤد کے حوالے کیا اور اسے تاکید کی کہ سنجان کے کھلے، گہرے اور صاف سمندر میں کسی ملاح کے ذریعہ ان تھیلوں کو ڈبو دیا جائے۔ لیکن اس نے معاملے کی اہمیت اور نزاکت نہ سمجھی اور کھلے سمندر کے بجائے سمندر کی ایک کھاڑی میں جہاں پانی اترنے پر قدآدم گہرائی رہتی ہے، ان تھیلوں کو ڈبو دیا۔ غالباً کوئی بنڈل ڈبوتے وقت کھل گیا اور بعد میں قرآن کے کچھ نسخے لہروں کے ساتھ کنارے آ گئے۔ جسے دیکھ کر مسلمانوں میں ناراضگی پھیلی۔ اس کی اطلاع ملتے ہی بمبئی سے محمد امین اور

اسلم مختار صاحبان سنجان پہنچے اور کنارے پڑے ہوئے نسخوں کو جمع کرکے احتیاط کے ساتھ سنجان کے مسلمانوں کے تعاون سے قبرستان میں دفن کردیا، اور یہ افسوسناک واقعہ ختم ہوگیا۔

مسلم سنت جماعت واپی کی فتنہ انگیزی:

مگر جب اس واقعے کی اطلاع سنجان سے تیس کلومیٹر دور واپی پہنچی تو وہاں کی «مسلم سنت جماعت» کے بعض غرض مندوں نے اسے ایک گھناؤنے فتنے کی شکل دینے کا پلان بنایا، چنانچہ پندرہ دن بعد ملاحوں کے ذریعہ جال ڈلوا کر سنجان کی کھاڑی سے تہ نشین قرآن مجید کے بنڈلوں کو نکلوا نکلوا کر کیچڑ میں لت پت ان بنڈلوں کی تصویریں لیں۔ پھر اخبارات میں سنسنی خیز خبریں چھاپیں۔ مساجد میں اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ گجرات سے دہلی تک سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر نفرت کی مہم چلائی اور عوام کو احتجاج پر اکسایا۔

ادھر اسلم مختار اور محمد امین صاحبان نے اس سعادت مندی کا ثبوت دیا کہ اگر چہ انھوں نے کسی مرحلہ پر قصداً کوئی کوتاہی یا غلط اقدام نہ کیا تھا، بلکہ جو کچھ ہوگیا تھا محض اتفاقی حادثہ کے طور پر ہوگیا تھا۔ پھر بھی انھوں نے قرآن مجید کی حرمت اور تقدس کے پیش نظر کسی طرح کی حیل و حجت اور قیل و قال کے بجائے ہر موقع پر صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اپنی کوتاہی اور غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معافی ہی مانگی۔ شرافت و اخلاق کا تقاضا تھا کہ اس کے بعد سارے معاملہ کو ختم کرکے ایک قصۂ پارینہ بنادیا جاتا۔ مگر آپ حیرت سے سنیں گے کہ واپی کی «مسلم سنت جماعت» نے ان کے اس تحریری معافی نامے کو ــــ جسے خود اسی جماعت نے لفظ بلفظ املا کرایا تھا ــــ اپنی مہم کا سب سے بڑا ہتھیار بنا کر عوام و خواص میں خوب خوب اچھالا اور ناقابل تصور حد تک زہر افشانیاں کی گئیں۔ اور اس سے بھی طبیعت آسودہ نہ ہوئی تو پولیس کے ذریعہ اسلم مختار اور محمد امین صاحبان پر مقدمہ دائر کردیا، اور کیس میں جان ڈالنے کے لیے عبدالصمد مالک ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی کو واپی بلوا کر ان سے ان کے تحریری معاہدے کے برخلاف ایک انتہائی جھوٹا، من گھڑت اور اشتعال انگیز بیان لیا۔ جس میں عبدالصمد صاحب نے الدار السلفیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ الدار السلفیہ نے انھیں قرآن کا ایک خاص نسخہ طباعت کے لیے دیا تھا اور چونکہ اس میں غلطیاں تھیں، جس کا انھیں علم نہ تھا اس لیے اس کا فوٹو لے کر جو قرآن انھوں نے چھاپا وہ بھی غلط چھپا۔

بہر حال عمر گاؤں کی عدالت نے چند پیشیوں کے بعد فریقین کو مشورہ دیا کہ باہم مصالحت کریں۔ اس پر مسلم سنت جماعت واپی کے ذمہ داران نے ایک تحریری صلح نامہ تیار کیا اور فریقین نے اس پر دستخط کیے۔

ہر چند کہ یہ معاملہ عدالت سے تعلق رکھتا تھا اور واپی اور اس کے اطراف کے عوام اردو کے بجائے گجراتی لکھتے پڑھتے ہیں مگر صلح ہو جانے کے بعد واپی کے ذمہ داروں نے اصرار کیا کہ یہ صلح نامہ بمبئی کے کسی اردو اخبار میں شائع ہونا چاہیے۔ چنانچہ ان کے اصرار پر یہ صلحنامہ ۱۴ر جنوری ۸۵ء کے روزنامہ ہندوستان ٹائمس بمبئی میں شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا اور اس کی کاپیاں عدالت میں پیش کی گئیں۔ مگر واپی کے ذمہ داران اس شبہ کا اظہار کر کے صلح سے مکر گئے کہ روزنامہ ہندوستان کی یہ اشاعت عوام تک نہیں پہنچ سکی۔ حالانکہ ادارۂ ہندوستان نے اس کے باضابطہ شائع کیے جانے کا سرٹیفکٹ بھی لکھ کر دیا۔

مسلم سنت جماعت واپی کی اس اخلاق سوز بدعہدی کے بعد بمبئی کے

علمائے بمبئی کی مساعی: نامور علمائے دین کا ایک وفد ۱۰ر جنوری ۸۵ء کو واپی گیا۔ یہ وفد مولانا ظل الرحمان صاحب صدیقی صدر جمعیۃ العلماء صوبہ مہاراشٹر، محترم قاری محمد زبیر صاحب خطیب منہدی مسجد ملاسیس روڈ بمبئی۔ مولانا محمد مستقیم صاحب اعظمی سکریٹری حج اینڈ ویلفیر ایسوسی ایشن۔ مولانا مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدیر الدار السلفیہ بمبئی اور محمود یوسف میاں جی صاحب پر مشتمل تھا۔ یہ علمائے کرام واپی کے رئیس محترم حاجی محمد عثمان صاحب کی معیت میں جناب اسرار الحق صاحب کے مکان پر جمع ہوئے کہ یہی حضرت اس سارے فتنے کے روح رواں " اور " قائد اعظم " تھے۔ اس وقت واپی میں مقیم مولانا عتیق احمد قاسمی اور جناب مولوی زبیر احمد صاحب بھی تھے۔ دو تین گھنٹے کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ معاملہ کی نوعیت محض غلط فہمی، غلط بیانی اور جذبۂ بغض و عناد کی وجہ سے پیچیدہ ہو گئی ہے، پھر بھی قرآن مجید کی عظمت کا احساس کرتے ہوئے علمائے بمبئی نے واپی کے ان علماء کے اصرار پر روزنامہ ہندوستان میں طبع شدہ صلح نامہ کو دوبارہ ۲۱ر جنوری ۸۵ء کے روزنامہ انقلاب بمبئی میں من وعن چھپوا دیا۔ اور مزید توثیق و تائید کے لیے فریقین اور گواہان کے ناموں کے ساتھ علمائے بمبئی کے اسمائے گرامی بھی بطور گواہ شائع کیے گئے اور اس کی ہزاروں کاپیاں ملک میں تقسیم ہوئیں۔ مگر مزاج کی کجی ملاحظہ ہو کہ ذمہ داران واپی نے علماء بمبئی کی اس توثیق و تائید کا استقبال کرنے کے بجائے الٹے یہ اعتراض کھڑا کر کے کہ بمبئی کے ان علماء کا نام بطور گواہ اخبار میں کیوں شائع کیا گیا۔ اس معاملہ کو ختم کرنے سے انکار کر دیا۔ ؏

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

اس پوری تفصیل سے ہر درد مند مسلمان اندازہ کر سکتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اور فساد بین المسلمین پر کون سا فریق تلا ہوا ہے اور ایک اتفاقی اور غیر ارادی حادثہ کو کس طرح اپنے ناروا مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

دار العلوم دیو بند کا فتویٰ: بمبئی کے درد مند مسلمان جو اس تکلیف دہ واقعہ کو ختم کرا دینا چاہتے تھے، انھوں نے ایک اور کوشش کی۔ چونکہ بمبئی کے عام مسلمان حلقۂ دیو بند سے تعلق رکھتے ہیں اور فساد کی قیادت دیو بند ہی کے چند فارغین نے سنبھال رکھی ہے، اس لیے بمبئی کے دردمندوں نے پورے واقعے کی مختصر روداد قلمبند کر کے دار العلوم دیو بند سے حسب ذیل سوالات کیے۔

۱۔ قرآن مجید کی چھپائی میں بے احتیاطی برتنے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے نیز اپنے سابقہ معذرت نامہ سے انحراف کرنے پر پریس کا مالک عبد اللہ و عبد القدوس مجرم ہے یا نہیں؟ اگر وہ مجرم ہے تو اس کو شرعاً کیا سزا ملنی چاہیے۔؟

۲۔ سمندر کی کھاڑی میں ان نامصاف قرآن مجید کے نسخوں کو ڈبونے یا دفن کرنے کا عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۳۔ قرآن مجید کے ان بنڈلوں کو پانی کی تہ میں دب جانے اور خستہ و بوسیدہ ہو جانے کے مدتوں بعد محض دشمنی کی خاطر ملاحوں کے ذریعہ جال ڈلوا کر باہر نکالنا اور ان کی بھیانک تصاویر لینا اور اس قصہ کو قرآن مجید کی بے حرمتی کا مسئلہ بنا کر عوام میں نفرت اور احتجاج کی مہم چلانا شرعاً کیسا ہے۔؟ بینوا و توجروا

عبد القیوم سلیمان لکڑاوالا دوکان نمبر ۱ محمدی منہر مارکٹ
مولانا شوکت علی روڈ، بمبئی نمبر ۸

ان سوالوں کا جواب دار العلوم دیو بند سے حسب ذیل آیا۔

باسمہٖ سبحانہ

الجواب وباللہ التوفیق

نوٹ: سوال کی زائد باتوں سے قطع نظر کر کے نفس مسئلہ کی تحقیق شرعی کر کے شرعی حکم لکھ دیا گیا ہے تاکہ

تاکہ منصف مزاج شخص صحیح عمل کرکے اپنی آخرت سنوار لے۔ اور بس!

...   .

۱۔ حسب تحریر قرآن مجید کی چھپائی میں بے احتیاطی برتنے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر نیز اپنے سابقہ تحریری معذرت نامہ سے انحراف کرنے پر پریس کا مالک عنداللہ مجرم وگنہگار اور شرعاً اس نقصان مالی کی تلافی کا ذمہ دار ہے اور اس پر اس کا ضمان شرعاً واجب الادا ہے۔ الّا یہ کہ صاحبِ حق یعنی زید[1] معاف کردے۔

۲۔ اس سلسلہ میں تسلیم شدہ عندالاحناف چند فقہی عبارتیں پیش ہیں۔

(الف) فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۱۱۹ ۔ المصحف إذا صار بحال لا یقرأ یدفن کالمسلم ۱۲ (ب) تحت قوله یدفن۔ ای یجعل فی خرقة طاهرة ویدفن فی محل غیر ممتهن لا یوطأ (الی قوله) ولا باس بان تلقی فی ماء جار کما هی او تدفن وهو احسن۔ ۱۲۔

(ج) تحت قوله کالمسلم. فانه مکرم واذا مات وعدم نفعه یدفن وکذلک المصحف فلیس فی دفنه اهانة له بل ذلک اکرام خوفا من الامتهان ۔۱۲ (د) وهکذا فی فتاوی العالمگیریة ج۵ ص۳۲۳ مع البزازیة (وفیه ایضاً) المصحف إذا صار خلقا وتعذرت القرأة منه لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی هذا فی السیر الکبیر (ه) وهکذا فی فتاوی قاضی خان وغیر ذلک من المعتبرات۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ بات یہ ہے ایسے ناقابل تلاوت مصحف پاک کو جسد مسلم کی طرح اعزاز واحترام سے پاک زمین میں لحد کھود کر یا شق کھود کر پاک چیز میں مثلاً پاک کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر لحد یا شق میں رکھ کر اوپر سے ڈھکن لگاکر دفن کردیا جائے۔

اور جب ایسا نہ ہوسکے مثلاً ایسی پاک جگہ نہ ملے یا ایسے مصحف پاک اتنے زیادہ ہوں کہ ان کی تعداد کے مطابق مانند قبر گہرا گڈھا کھود کر مثل طریق بالا دفن کرنا مشکل ومتعذر ہو تو بلا کراہت یہ بھی جائز ہے کہ مصحف کو پاک چیز (کپڑا، پلاسٹک یا ٹاٹ وغیرہ) محفوظ کرکے وزنی پتھر وغیرہ جو پانی میں نہ گلے اس میں رکھ کر یا باندھ کر مار جاری میں۔ اور مار جاری نہ ملے تو کم از کم قد آدم سے زیادہ گہرے پانی میں

---

[1] سوال میں الدار السلفیہ کے ذمہ دار کو زید کا نام دیا گیا تھا۔

اس طرح ڈالیں کہ مصحف پاک تہ نشین ہو جائے اور اس عمل میں مصحف پاک کی اہانت نہیں ہے، بلکہ جسدِ مسلم کی طرح اس کا احترام و تحفظ ہے۔

پس صورتِ مسئولہ میں حسبِ تحریر سوال جب ایسے مصاحف پاک کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی تو ظاہر ہے کہ ان سب کے لیے اتنے کثیر گڈھے مثل قبر کے گہرے کھود کر اس میں تدفین کرنا بلاشبہ متعذر یا مشکل تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں سمندر کی گہری کھاڑی میں پاک چیز میں لپیٹ کر اس طرح ڈالنے سے کہ سب تہ نشین ہو جائیں ہرگز اہانت کا معاملہ نہ ہوگا۔ پھر ملاحوں کے ذریعہ جال ڈال کر نکالنے کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سب مصاحف پاک (قد آدم سے) زیادہ گہرے پانی میں تہ نشین ہو گئے تھے تو زید کا یہ عمل بلاشبہ شریعت مطہرہ کے حکم کے عین مطابق تھا اور بلا کراہت جائز و درست تھا۔ پھر اگر کسی بنڈل کا بند ٹوٹ جانے کی وجہ سے کچھ اوراق پانی کے اوپر آگئے اور زید نے ان اوراق کو اکٹھا کرکے محفوظ طریقے پر گہرے پانی میں تہ نشین آب کر دیا، یا قبرستان میں دفن کر دیا۔ تو اس کا وزر بھی شرعاً زید پر نہیں آئے گا۔

بخلاف فریق ثانی کے عمل کے کہ اس نے ملاحوں کے ذریعہ جال ڈلوا کر جائز طریقہ سے مدفون مصاحف کو اوپر نکلوا دیا، اس عمل سے بیشک ان مصاحف پاک کی سخت توہین ہوئی۔ یہ ایسا ہوا جیسا کہ مدفون جسد مسلم کو قبر کھود کر برآمد کرنا۔ لہٰذا فریق ثانی اس عمل سے سخت گنہگار ہوا۔ اس پر شرعاً لازم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے، پھر حسبِ سابق ان مصاحف پاک کو قد آدم سے گہرے پانی میں اعزاز و احترام کے ساتھ تہ نشین کرکے مستور کرا دے۔

۳۔ نمبر ۲ کے جواب سے اس نمبر (۳) کا جواب خود بخود نکل آیا۔ فریق ثانی کا یہ فعل شرعاً غلط اور مزاج شرع و شارع علیہ السلام کے خلاف اور ناجائز ہوا۔ اور اس پر لازم ہے کہ جلد سے جلد تائب ہو کر ان مصاحف پاک کو قد آدم سے زیادہ گہرے پانی میں تہ نشین کرا کر مستور کرا دے۔ ورنہ یہ توہین کلام اللہ کی توہین ہوگی اور کلام اللہ ملوک الکلام اور لیس کمثلہ کلام آخر ہے اور شعار اسلام میں سے ہے، اس لیے شدید خطرہ ہے کہ مبادا وہ اس توہین کی پاداش میں عذاب آخرت کے علاوہ کسی دنیوی وبال میں مبتلا نہ ہو جائے۔

والعیاذ باللہ منہا وجمیع المومنین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ العبد نظام الدین

مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۶/۶ ۵ ۱۴۰ھ

مہر دار الافتاء دار العلوم دیوبند

اپنی افتادِ طبع کے مطابق جماعتِ اسلامی نے بھی اس پھٹے میں ٹانگ اڑانا

جماعتِ اسلامی کا کردار: ضروری سمجھا، چنانچہ جماعتِ اسلامی ہند کے ترجمان ہفت روزہ دعوت ۱۳-۱۹ر جنوری ۱۹۸۵ء کے ص ۴ پر "ایک "دل خراش واقعہ، ایک عبرت انگیز مقدمہ" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا۔ اس میں صرف یہی نہیں کہ واقعے کی صورت جانبداری کے ساتھ اور بگاڑ کر پیش کی گئی اور عبدالصمد صاحب مالک ناز پبلشنگ ہاؤس کے اس بیان کو بھی بلاتحقیق تسلیم کر لیا گیا۔ جس میں انھوں نے الدارالسلفیہ کے ساتھ کیے ہوئے اپنے تحریری معاہدے کے برخلاف یہ الزام لگایا ہے کہ الدارالسلفیہ نے انھیں قرآن مجید کا ایک غلط نسخہ طباعت کے لیے دیا تھا اور اس کا عکس لے کر ہو بہو چھاپنے کا حکم دیا تھا، اس لیے عبدالصمد صاحب کے یہاں چھپے ہوئے قرآن مجید بھی غلط ہو گئے۔ بلکہ اخبار دعوت نے ایک قدم مزید آگے بڑھ کر کچھ اس قسم کی حاشیہ آرائی کی جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ آجکل یہود ایک خاص پروگرام کے تحت جو غلطیوں سے بھرا ہوا، تحریف شدہ قرآن کریم پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں شاید انھیں میں سے کوئی نسخہ کسی "ذریعے" سے حاصل کر کے الدارالسلفیہ نے چھاپ دیا ہے۔ حالانکہ اس طرح کا تاثر پھیلانا ایک حد درجہ افسوسناک شرارت اور دلآزار، گھناؤنے پروپیگنڈہ کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ یہود نے جو تحریف شدہ قرآن چھاپا ہے۔ اس میں سے وہ تمام آیتیں نکال دی ہیں جن میں یہود کی خرابی و برائی بیان کی گئی ہے۔ اور ایسی آیتوں کی تعداد کئی سو ہے۔ جبکہ الدارالسلفیہ کا چھاپا ہوا قرآن بسم اللہ سے لے کر والناس تک حرف بہ حرف ٹھیک اس قرآن مجید کے مطابق ہے جو مسلمانوں کے پاس گھر گھر موجود ہے، چھپائی کی خرابی کے علاوہ ایک حرف کا بھی فرق نہیں۔ پھر الدارالسلفیہ والے قرآن کو یہود کے تحریف کردہ قرآن سے کیا نسبت؟ مگر بات کا بتنگڑ بنانا ہو تو کوئی اس کا فن مدیر دعوت سے سیکھے۔

بہر حال ہفت روزہ دعوت نے جب یہ زہریلا مضمون شائع کیا تو مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی کی توجہ اس جانب مبذول کرائی اور اس غلط بیانی و دلآزاری پر احتجاج کیا۔ مولانا ابواللیث صاحب نے حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اس پورے معاملے کی چھان بین کی ذمہ داری جماعتِ اسلامی بمبئی کے امیر محترم ریاض احمد صاحب کو سونپی۔ موصوف الدارالسلفیہ تشریف لے گئے۔ تمام فائلوں اور کاغذات کا مطالعہ کیا۔ اور جب ساری تحقیقات مکمل کر لیں تو

الدار السلفیہ سے ایک جامع بیان لکھوایا، پھر اس بیان کا حرف بحرف مطالعہ کیا، اور جہاں جہاں تبدیلی مناسب سمجھی تبدیلی کی۔ متعدد جگہ جملوں اور عبارتوں کا اضافہ کیا۔ اس طرح یہ بیان درحقیقت الدار السلفیہ اور امیر جماعت اسلامی بمبئی کا مشترکہ بیان ہوگیا یا بلفظ دیگر الدار السلفیہ کا وہ بیان ہوا جس کے لفظ لفظ سے امیر جماعت اسلامی بمبئی کو مکمل اتفاق تھا۔ اس کے بعد یہ بیان ہفت روزہ دعوت میں اشاعت کے لیے بھیجا گیا، اس کے ساتھ محترم ریاض احمد صاحب نے جناب قیم جماعت اسلامی ہند کو جو خط لکھا وہ یہ تھا۔

... ...

۳۰ رجنوری ۸۵ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و محترمی قیم جماعت اسلامی ہند!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے امیر جماعت اسلامی ہند کی ہدایت کے مطابق دعوت مورخہ ۱۹ر تا ۲۶ر جنوری مطالعہ کیا اور الدار السلفیہ کا وہ فائل بھی دیکھا جو کہ عبد الصمد صاحب مالک ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی سے قرآن مجید کی طباعت سے متعلق ہے۔ فائل دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الدار السلفیہ نے عبد الصمد صاحب کو قرآن ماخوذ ۵۲ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ کاغذ رف رشیا چھاپنے کا آرڈر دیا تھا جو ماخوذ ۵۲ اسٹینڈرڈ سائز ہے، جو کہ ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں عام طور سے معروف ہے اور مطابع میں ان کی پلیٹیں پائی جاتی ہیں۔

اس لیے عبد الصمد کا یہ بیان کہ الدار السلفیہ نے ان کو آرڈر کے ساتھ کوئی نسخہ بھی دیا تھا، اور پھر بعد میں دیکھنے کے بہانے واپس لے لیا، خلاف حقیقت ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن ماخوذ ۵۲ کا متنازعہ نسخہ بھی دیکھا ہے جو کہ ہے تو ماخوذ ۵۲ کے مطابق، لیکن اس میں طباعت اور پلیٹ کی خرابی کی وجہ سے حروف کہیں کہیں مٹ گئے ہیں یا سیاہی پھیل جانے کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عام قاری کے لیے صحیح پڑھنا مشکل ہے۔ البتہ روزانہ تلاوت کرنیوالا اگر غور کرے تو صحیح پڑھ سکتا ہے۔

اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ الدار السلفیہ کی طرف سے جو وضاحتی بیان جارہا ہے، ادارہ دعوت اپنی طرف سے جوں کا توں شائع کردے تاکہ معاملہ کی صفائی ہوجائے اور جس اشاعت میں یہ بیان شائع ہو اس کی پچاس کاپی الدار السلفیہ خریدنا چاہتا ہے۔ بمبئی کے پرچوں کے ساتھ مطلوبہ کاپیاں بھیج دی جائیں۔

مرکز کے تمام رفقاء کو سلام مسنون ۔ خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں ۔ فقط والسلام

ریاض احمد ۳۰/۱/۸۵ء

اس کے بعد ۱۳ فروری کو ریاض صاحب نے پھر ایک خط قیم جماعت اسلامی کے نام لکھا ۔ اور اس میں واقعہ سے متعلق اپنی تحقیق جو الدار السلفیہ کے بیان کے مطابق تھی، مختصراً ذکر کرتے ہوئے عبدالصمد صاحب مالک ناز پبلشنگ ہاؤس کے اس بیان کی تردید بھی کی کہ انہیں کوئی مخصوص نسخہ قرآن طباعت کے لیے دیا گیا تھا ۔

حق پسندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے بعد جماعت اسلامی ہند کا اخبار دعوت، الدار السلفیہ بمبئی کے بیان کو جوں کا توں شائع کر دیتا، مگر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ کی خاموشی کے بعد اس ہفت روزہ دعوت دہلی نے ۲۱-۱۰ مارچ کے شمارے میں ص ۱۰ پر الدار السلفیہ کا بیان شائع بھی کیا تو اس طرح کہ اس بیان کو مختصر کر کے اس کا مثلہ کر دیا اور ان تمام اجزاء کو حذف کر دیا، جس سے دوسرے فریق کے گھناؤنے طرز عمل، فساد بین المسلمین اور حرمت قرآن سے کھلواڑ کی نقاب کشائی ہوتی تھی ۔ مدیر دعوت نے مزید ستم یہ کیا کہ یہ واضح نہیں ہونے دیا کہ اس بیان سے امیر جماعت اسلامی بمبئی نے امیر جماعت اسلامی ہند کے حکم کے بعد مکمل تحقیق کر کے لفظ بلفظ اتفاق کیا ہے ۔ بلکہ اس کے برعکس شروع میں یہ بتاتے ہوئے کہ یہ الدار السلفیہ کا اپنا بیان ہے، یہ ادارتی نوٹ لگا دیا کہ " ...... یہ ضروری نہیں کہ اس مضمون میں جو باتیں کہی گئی ہیں ہم ان سب سے متفق ہوں ... "

" ... ہمارے نزدیک زیر نظر مضمون کی حیثیت ایک فریق کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں ۔ "

ناظرین حیران ہوں گے کہ مدیر دعوت کی اس حرکت کو کس چیز سے تعبیر کریں ۔ موصوف نے الدار السلفیہ کا ڈانڈا یہود سے ملانے کی ناروا کوشش کی تھی ۔ شاید اسی کے جواب میں ان پر یہ خدائی مار پڑی کہ ان کی ایک ایسی حرکت کا ظہور ہوا جو یہود کا خاصہ تھا ۔ اور جس سے قرآن نے یوں منع کیا ہے ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون ۔ (حق کو باطل کے ساتھ ملتبس نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ ۔)

اللہ سب کو قبول حق کی ہدایت دے ۔ آمین ۔

●●●

محدث کا اگلا شمارہ : محدث کا اگلا شمارہ مئی جون ۱۹۸۵ء کا مشترکہ ہوگا ۔ (ادارہ)

بقیہ اصحاب عزیمت :۔

لفظ کا صحیح استعمال بھی آپ لوگوں کو معلوم ہے یا نہیں ؟
آپ دین فروشی کی جس مہم میں لگے ہوئے ہیں، اس کا پردہ ہٹائے بغیر عرض ہے کہ آپ اس کے بجائے اگر پیٹ کا دھندا چلانے کے لیے کسی حاجی مستان مرزا سے مشارکت کرلیں اور رات کو سوتے وقت اللہ پاک سے رو کر کہدیں کہ بار الہا! نفس کا دھندا چلانے کے لیے یہ منقبہ کاروبار کررہا ہوں، تو اپنی رحمت بے پایاں سے مجھے معاف کر، تو یہ کم مغفرت رساں ہوگا اور امید ہے کہ وہ رحمان و رحیم و ارحم الراحمین و خیر الراحمین اسے معاف فرمائے گا۔
اور اگر دین و مذہب کے نام پر آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور اپنے آپ کو احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور ابو الکلام وغیرہم کا ہم پلہ یا ان سے افضل قرار دیا تو پھر آپ یہ ارشاد سامنے رکھ کر سوچ لیجیے کہ آپ کہاں کھڑے ہیں کہ : اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیوب نفسہ ۔ جب اللہ پاک کسی بندے کے متعلق ارادہ خیر رکھتا ہے تو اسے اپنے عیوب کو دکھا دیتا ہے ۔ والسلام

تلخ گو خیر اندیش صوفی نذیر احمد کاشمیری

بقیہ جمعیۃ الشبان المسلمین :

اور ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہر ماہ کوئی دینی و اصلاحی پمفلٹ شائع کیا جائے ۔
اس کے علاوہ تعلیم بالغان کا پروگرام بھی زیر غور ہے، لیکن مناسب مقام دستیاب نہ ہونے کے سبب اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے ۔ ان شاء اللہ اس کے لیے مناسب جگہ کا انتظام ہوتے ہی اس پروگرام کو بھی بروئے کار لایا جائیگا۔
لائبریری : جمعیۃ کی ایک لائبریری بھی ہے جو فی الحال نہایت مختصر ہے لیکن اس کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا پروگرام ہے۔ اس لائبریری میں اندرون ملک و بیرون ملک سے شائع ہونیوالے دینی و ادبی میگزین بھی منگائے جاتے ہیں اور ہر خاص و عام کو یہاں آنے کی اجازت ہے تاکہ مسلمانوں کو عموماً اور نوجوانوں کو خصوصاً دینی معلومات بہم پہنچائی جا سکیں ۔

(احسن جمیل سکریٹری جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس)

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ: ۵،۶ • مئی، جون ۱۹۸۵ء / شعبان، رمضان ۱۴۰۵ھ • جلد: ۲

ترتیب

صفی الرحمن مبارکپوری

پتہ

خط وکتابت کے لیے

ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH

REORI TALAB - VARANASI-221010

ٹیلی گرام

" دار العلوم " وارانسی

ٹیلیفون

۶۳۵۷۷

بدل اشتراک:

سالانہ: ۳۰ روپئے

ششماہی: ۱۶ روپئے

فی پرچہ: ۳ روپئے

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبد الوحید

مطبع: سلفیہ پریس بنارس

تزئین وکتابت: انور جلال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترانۂ توحید

روفیسر حفیظ بنارسی
صدر شعبۂ انگریزی مہاراجہ کالج
آرہ (بہار)

تمام حمد کے شایاں وہ ذاتِ باری ہے
کہ جس کے فیض کا دریا ازل سے جاری ہے

وہی خدا وہی پروردگارِ عالم ہے
اُسی کے ہاتھ میں کل اختیارِ عالم ہے

کوئی شریک ہے اس کا نہ کوئی ثانی ہے
اسی کی ذات ہے تنہا جو غیر فانی ہے

اسی کی سلطنت از ماہ تا بہ ماہی ہے
نہ ختم ہو جو کبھی اس کی بادشاہی ہے

کوئی مثال ہے اس کی نہ کوئی اس کی نظیر
وہی ہے قادرِ مطلق وہی علیم و خبیر

وہی ہے خالقِ دنیا وہی ہے مالکِ دیں
اسی کے نور سے روشن ہیں آسمان و زمیں

اسی کی ذات ہے سرچشمۂ علوم و یقیں
اسی نے "کُن" سے بنا دی یہ کائنات حسیں

وہی ہے غیب کی باتوں کو جاننے والا
اسی کی ذات ہے سب سے بلند اور بالا

زمیں پہ ہم کو اسی نے یہ راج بخشا ہے
اسی نے ہم کو خلافت کا تاج بخشا ہے

ستارے ٹانکے اسی نے فلک کی چادر میں
اسی نے رزق دیا ہم کو بطنِ مادر میں

متاعِ دانش و حکمت اسی نے بخشی ہے
ہمیں یہ علم کی دولت اسی نے بخشی ہے

اسی نے دی ہے یہ فکر و نظر کی رعنائی
اسی نے ہم کو عطا کی ہے تابِ گویائی

کسی میں اس کی صفت ہے نہ اس کی طاقت ہے
اسی کی ذات فقط لائقِ عبادت ہے

فلک سے رحم و کرم کا نزول کرتا ہے
وہی ہماری دعائیں قبول کرتا ہے

ظفر کثیر پہ دی ہے قلیل کو اس نے
مٹا کے رکھ دیا اصحابِ فیل کو اس نے

اسی نے لشکرِ باطل کو غرقِ نیل کیا
اسی کی ذات نے فرعون کو ذلیل کیا

اسی کے حکم سے مچھر نے بھی وہ کام کیا
کہ جس نے قصۂ نمرود کو تمام کیا

خلیل کے لیے امن بنا دیا اس نے
دہکتی آگ کو گلشن بنا دیا اس نے

جسے وہ چاہے سرفراز و کامراں کر دے
یہ اس کی مرضی جسے چاہے بے نشاں کر دے

کسی کو اس کی مشیت میں کوئی بار نہیں
علاوہ اس کے کسی کو کچھ اختیار نہیں

وہ پیر ہوں کہ پیمبر سب اس کے بندے ہیں
وہی ہے اعظم و اکبر سب اس کے بندے ہیں

وہی ہے مارتا سب کو وہی جلاتا ہے
سب اس کے در کے گدا ہیں وہ سب کا داتا ہے

بصد نیاز حفیظؔ اس سے ہر دعا مانگو
اسی سے اپنے ہر اک درد کی دوا مانگو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زکوٰۃ کے چند مسئلے!

زکوٰۃ اسلام کا ایک نہایت اہم فریضہ اور بنیادی رکن ہے۔ نماز ہی کی طرح قرآن مجید میں اس کی بھی بار بار تاکید کی گئی ہے اور اس کے ادا نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ مسلمان غالباً رمضان شریف کی زائد برکتوں اور فضیلتوں کے حصول کی غرض سے زکوٰۃ عام طور پر رمضان میں ادا کرتے ہیں، حالانکہ رمضان شریف اس کی ادائیگی کا کوئی معین اور مخصوص زمانہ نہیں ہے بلکہ جس کو جس تاریخ میں بقدر نصاب مال حاصل ہوا ہے اگر اگلے سال اس تاریخ تک بقدر نصاب مال باقی رہ گیا تو چونکہ ایک سال پورا ہو گیا، اس لیے اس پر زکوٰۃ فرض ہو گئی۔ اس طرح مجموعی طور پر مسلمانوں میں سال بھر تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رہنے کا حساب بنتا ہے۔

بہر حال چونکہ عملاً زکوٰۃ کی ادائیگی زیادہ تر رمضان میں کی جاتی ہے، اس لیے اس سے متعلق استفسارات بھی عموماً رمضان ہی کے ایام میں آتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ موجودہ شمارے میں چند ضروری مسئلوں کی وضاحت کر دی جائے۔

سونے اور چاندی کا نصاب موجودہ پیمانے سے: احادیث میں سونے اور چاندی کے نصاب کی نشاندہی ان پیمانوں سے کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھے، یعنی چاندی دو سو درہم یا اس کے ہموزن ہو تو اس پر سال بھر گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور سونا سات مثقال ہو تو سال بھر گذرنے

ۃ فرض ہو جاتی ہے ، چونکہ ہمارے ملک میں تولہ اور ماشہ کا حساب رائج تھا، اس لیے علماء نے
اور مثقال کی تعیین تولہ اور ماشہ سے کی ۔ اس کا حساب یہ ہے کہ دوسو درہم ۵۲ ½ تولہ کے مساوی
اور ۲۰ مثقال ۷ ½ تولہ کے ۔ اب چونکہ ہمارے ملک میں گرام اور کلوگرام کا پیمانہ رائج ہوا ہے
سانی اسی میں ہے کہ اس کے حساب سے وزن بتلایا جائے ۔ یہ بڑی معمولی بات تھی ، مگر بعض
ے نے غلط فہمی یا غلط مقامی اصطلاحات کی بنا پر سخت پیچیدگی پیدا کر دی ، اس لیے یہ وضاحت
ی ہے کہ تولہ سے مراد سرکاری تولہ ہے ، کسی جگہ مقامی طور پر رائج تولہ مراد نہیں ہے ۔
ی تولے کا وزن ۱۲ ماشہ ہے جو موجودہ پیمانے سے ۱۱ گرام ہوتا ہے ، لہذا سونے کا نصاب
گرام ہوا ، یعنی کسی کے پاس ۱۰۵ گرام سونا سال بھر تک ہو تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے ۔
رح چاندی کا نصاب ۵۳۵۷ گرام ہوا ۔ یعنی کسی کے پاس ۵۳۵۷ گرام چاندی ہو ۔ اور سال بھر گزر
، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی ۔

روپئے کا نصاب : روپیے کے نصاب کے سلسلے میں بھی بعض لوگوں نے سخت پیچیدگی پیدا کی ہے ۔ اور محض اس بنا پر کہ روپیے کی ضمانت سونے سے دی گئی
یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ جب ۷ ½ تولہ سونے کی قیمت کے برابر روپیے ہو جائیں ، تبھی زکوٰۃ
ہوگی ، اس سے پہلے نہیں ۔ لیکن واضح رہے کہ یہ فتویٰ یقینی طور پر غلط ہے ۔ اس لیے کہ
ے کے نوٹ سونے کے روپیے کے بدلے نہیں چاندی کے روپیے کے بدلے رائج ہوئے ہیں ۔
ے ملک میں کبھی سونے کا کوئی ایسا سکہ رائج نہیں ہوا جس کا نام روپیہ رہا ہو ۔ بلکہ روپیہ
جو سکہ رائج تھا وہ چاندی کا ہوتا تھا ۔ اب اسی کے بدلے کاغذ کے نوٹ جاری ہوئے ہیں
ہر ہے کہ نوٹ چاندی کا بدل ہیں ، سونے کا نہیں ۔ اس لیے جب کسی کے پاس ۵۲ ½ تولہ یعنی
، گرام چاندی کی قیمت کے برابر روپیے ہوں تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی ایک سال گزرنے کے
رض ہو جائے گی ۔

باقی رہا یہ سوال کہ گارنٹی سونے کے ذریعہ دی گئی ہے تو واضح رہے کہ گارنٹی والی چیز کو بدل
قائم مقام کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی ۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی سے کچھ روپیے قرض لیتا ہے ۔

اور اس کے بدلے زیور یا سلائی مشین، یا کھیت گروی رکھ دیتا ہے تو یہ گروی رکھا ہوا سامان اس قرض کی گارنٹی ہے، لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قرض دینے والے کو وہ زیور یا سلائی مشین یا کھیت مطلوب ہے اور یہ اس قرض والے روپئے کا قائم مقام اور بدل ہے۔ نہیں بلکہ قرض دینے والے کے نزدیک اپنے روپئے کے بدلے روپیہ مطلوب ہے اور جب قرض لینے والا روپیہ ادا کرے گا تو یہ روپیہ سابقہ روپئے کا بدل ہوگا۔ باقی رہا گارنٹی والا سامان تو وہ صرف اس اطمینان ویقین کے لیے ہے کہ اس نے جو رقم دی ہے وہ ضائع نہیں ہوگی بلکہ اسے واپس ملے گی۔ پس روپئے کے لیے سونے کی گارنٹی کے یہ معنی نہیں روپیہ سونے کا بدل ہے، اور اس کے نصاب کا حساب سونے سے کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں روپیہ ثمنیات (قیمت) میں سے ہے، لیکن سونے اور چاندی کی طرح بذاتِ خود ثمن (قیمت) بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ ثمنیات کا عوض اور بدل ہونے کی وجہ سے ثمن بن گیا ہے، اور عرفاً دراصل دو ہی چیزیں ثمن ہیں، ایک چاندی اور دوسرے سونا، پس ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کے حساب سے وہ نصاب کو پہنچ جائے تو آدمی کے پاس نصاب موجود ہوگیا، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگئی، لہٰذا کم از کم جتنا روپیہ دونوں ثمنیات (سونے اور چاندی) میں سے کسی ایک کے مساوی ہوگا، وہی نصاب ہوگا۔

زیور کی زکوٰۃ:

اس مسئلہ میں بھی بڑے مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، اور بعض آثار کے پیش نظر بعض علماء نے اسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ منقول ہے وہ اس کے برعکس ہے، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند جو محققین کے نزدیک حسن کے درجے کی ہے۔ اور حسن حدیث مسائل شریعت میں حجت ہے، اس سند سے ایک روایت ملاحظہ ہو: (جسے حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔)

ان امرأۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعھا ابنۃ لھا، وفی ید	یعنی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی، لڑکی

بنتها مسکتان من ذهب فقال
لها اتعطين زكوة هذا؟ قالت: لا
ال ایسرك ان یسورك الله
سوارين من نار فالقتهما۔
(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔ آپ نے دریافت
کیا، تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے کہا نہیں
آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند آتا ہے کہ اللہ تمہیں
آگ کے دو کنگن پہنائے؟ یہ سن کر اس عورت نے
دونوں کنگن اتار پھینکے۔

ایک حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے وہ خود سونے کے پازیب پہنتی تھیں،
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا یہ کنز (خزانہ) ہے؟ (یعنی اللہ
تعالیٰ نے ذیل کی آیات میں جو وعید سنائی ہے اس میں یہ بھی شامل ہے۔؟)

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَ
الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى
عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا
كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ
تَكْنِزُونَ (۹: ۳۴: ۳۵)

یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے
اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک
عذاب کی خوشخبری سنا دو، جس دن کہ اسے جہنم کی
آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان کی پیشانی اور
پہلو اور پیٹھ داغ دی جائے گی۔ (کہا جائے گا کہ
یہ وہ کنز (خزانہ) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا،
اس کا مزہ چکھو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو
ارشاد فرمایا وہ دارقطنی اور حاکم کے الفاظ میں یہ تھا۔ (ماحصل یہ ہے کہ)

اذا اديت زكوته فليس بكنز
وفی ابی داؤد: ما بلغ ان تؤدى
زكوته فزكي فليس بكنز۔

اگر زیور فرضیت زکوٰۃ کی مقدار یعنی نصاب کو
پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ دے دی گئی تو کنز نہیں ہے
(یعنی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید میں داخل نہیں ہے)

(اس روایت کو حاکم نے صحیح کہا ہے!)

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ زیور بقدر نصاب ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے

علامہ امیر یمانی فرماتے ہیں:

والحدیث صحیح فی وجوب الزکوٰۃ فی الحلی وقد قیل بعدم الوجوب لآثار وردت عن السلف قاضیۃ بعدم وجوبھا، لکن بعد صحۃ الحدیث لا اثر للآثار۔

(سبل السلام)

حدیث زیور میں زکوٰۃ کی فرضیت کے متعلق صریح ہے لیکن سلف سے بعض آثار وارد ہیں جن کا تقاضا ہے کہ زیور میں زکوٰۃ فرض نہ ہو، اس بنا پر بعض حضرات کی طرف سے کہا گیا ہے، زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں لیکن جب حدیث صحیح ہے تو ان آثار کا کوئی اثر نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں امید ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے گا، اور چند روپیوں کے لیے آخرت برباد کرنے اور سخت عذاب مول لینے کا خطرہ گوارا نہیں کیا جائے گا۔ واللہ الموفق وہو الہادی الی سواء السبیل۔

●●●

رمضان المبارک کا پیغام

عاطف صابری زمیابوے

پیام حق بنام امت خیر الانام آیا
مبارک ہو مسلمانو کہ پھر ماہِ صیام آیا

نظر آیا ہلال نو گھٹائیں چھائیں رحمت کی
خدا کے فضل کا پیغام ہر صائم کے نام آیا

مسلماں اس کی آمد پر نہ کیوں مسرور ہوں آخر
پلانے کے لیے وحدت کے یہ رنگین جام آیا

فضائیں جگمگا اٹھیں اجالا چھا گیا ہر سو
جہاں میں نور پھیلاتا ہوا ماہِ صیام آیا

مساجد میں فلک سے بارش انوار ہوتی ہے
بہ انداز طرب ہر قاری شیریں کلام آیا

نزولِ رحمت باری تعالیٰ اب فزوں ہوگی
نوید بخشش امت لیے ماہِ صیام آیا

اسی ماہِ مقدس میں ہوا قرآن بھی نازل
اسی میں مومنوں کو رحمت حق کا پیام آیا

نہیں تھا اور پرساں کوئی بھی اپنا سر محشر
وسیلہ رحمت یزداں کا لیکن میرے کام آیا

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

انسانی زندگی پر ایمان کے اثرات

ایمان سے متعلق کچھ مباحث ایسے ہیں جن سے علماء کو تعلق ہوتا ہے اور وہی ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن اس موضوع کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو ہر صاحب ایمان سے متعلق ہیں، اور ہر مومن کو ان پر توجہ دینا ضروری ہے۔

شریعت میں جب ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف دل کی تصدیق اور اس کا یقین نہیں مراد ہوتا، بلکہ علم وعمل کے بہت سے پہلو بھی اس میں داخل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کو اس بات کا قطعی علم ہو کہ رسول اللہؐ کے ذریعہ جو دین ہم تک پہنچا ہے وہ صحیح ہے، اور ہم ان احکام کے مکلف ہیں جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں، بندہ کا یہ علم ویقین محض ذہنی ونظری نہ ہو، بلکہ اس کے قلب وشعور اور احساس وادراک پر اس کا گہرا اثر ہو، اور زندگی پر اس احساس کے آثار نمایاں ہوں۔ اسی وجہ علماء نے ایمان کی صحت کے لیے عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ اگر بندہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان کا مدعی ہے تو اس کے عمل سے اس دعوی کی تصدیق ضروری ہے

قرآن کریم میں مومن کے بہت سے اوصاف بتائے گئے ہیں، ان میں بعض مقامات پر عمل کا ایمان سے ارتباط بالکل واضح ہے، آیات کریمہ کے ترجمے پر غور کیجیے!

"پس تیرے رب (یعنی ہم کو اپنی ذات بابرکات) کی قسم ہرگز یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑوں میں تجھ ہی کو منصف نہ بنادیں گے، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے ناراض نہ ہوں گے، بلکہ اس کو بخوشی قبول کرلیں گے" (النساء - ۶۵)

سچے ایمانداروں کو جب اللہ اور رسول (اور ان کے فرمودہ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان میں فیصلہ کرے تو ان کا جواب بس یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور (دل سے) تابع ہیں، یہی لوگ (اللہ کے نزدیک) کامیاب ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں گے اور خدا سے ڈرتے رہیں گے اور (اس کی نافرمانی سے) بچیں گے، بس وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(النور : ۵۱، ۵۲)

اور (اسی لیے) کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں کہ جب کسی (دین کے) کام میں خدا اور اس کا رسول (ان کے متعلق) فیصلہ کر دیں تو ان (مسلمانوں) کو بھی اپنے کام میں اختیار باقی ہو۔ (ان کو لائق نہیں کہ چون و چرا کریں) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، وہ صریح گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔) (الاحزاب : ۳۶)

... ...

ایمان کے لیے علم، یقین اور عمل کی طرح "سوز دروں" کی بھی ضرورت ہے یعنی ایمان کے نتیجہ میں مومن کے اندر ایک ایسی حرارت پیدا ہو جائے جس سے اس کے دل میں امید و بیم کی کیفیت ہمیشہ تازہ رہے، وہ خدا سے ڈرتا رہے اور ساتھ ہی اس کے فضل و کرم کی امید بھی قائم رکھے۔ دل کی سختی اور ارادہ کی سستی و کمزوری کے نتیجہ میں اس کی زندگی بے مقصدیت اور لہو و لعب کی نذر نہ ہو جائے، اس کیفیت کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی چند آیات کے ترجمہ پر غور کیجیے:

" ایماندار بس وہی لوگ ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے کانپ جاتے ہیں اور جب اللہ کے حکم ان کو سنائے جاتے ہیں تو ان کا ایمان اور بھی تازگی میں بڑھتا ہے، اور اپنے پروردگار ہی پر وہ بھروسہ کرتے ہیں۔ (یعنی) وہ لوگ جو نماز (پنجگانہ) ہر وقت (پابندی جماعت) ادا کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، (سچ پوچھو تو) یہی (سچے) مومن ہیں، ان ہی کے لیے خدا کے ہاں (بلند) درجے ہیں اور (گناہوں پر) بخشش (اور ان کے لیے) عزت کی روزی (مقرر) ہے"

(الانفال : ۲، ۳، ۴)

" اللہ نے سب کلاموں سے اچھا کلام نازل کیا ہے، جو ملتی جلتی کتاب ہے، بار بار پڑھی جاتی ہے

۔ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ، اس کتاب سے ان کے بدن کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے چمڑے اور دل خدا کے ذکر کی طرف جھکتے ہیں ، یہ اللہ کی ہدایت ہے ، اس کے ساتھ جس بندے کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے ، اور جس بندے کو خدا گمراہ کر دے اس کا کوئی ہادی نہیں ۔ (الزمر : ۲۳)

... ...

اسلامی عقیدہ میں ایمانیات کا حصہ بہت نمایاں ہے اور ایمان کے بنیادی عناصر یہ ہیں :
ایمان باللہ ، ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرۃ ۔
ان تینوں عناصر پر اگر بندہ توجہ دے اور ان کی تفصیلات و شرائط کی پوری رعایت کرے تو اس کی زندگی خدا پرستی و تقوی شعاری کا اعلیٰ نمونہ بن جائے گی ۔
اللہ پر ایمان رکھنے کی تفصیل بتاتے ہوئے علماء اسلام نے لکھا ہے کہ : بندہ اللہ کے وجود پر ایمان رکھے ، اس کی حاکمیت ، کمال قدرت ، مخلوق کی حاجت روائی اور دیگر صفات کمالیہ پر اس کا یقین ہو ، تنہا اسی کو معبود مانے اور اسی کی پرستش کرے ۔
جہاں تک خدا کے وجود پر ایمان کا مسئلہ ہے تو قرآن کریم کی واضح دلیلوں اور سائنس کی ترقی اور کونیات سے متعلق بحث و تحقیق کے تنوع کے سبب اب انسانی ذہن کو اس موضوع پر زیادہ چھان بین کی زحمت نہیں اٹھانا پڑتی ، بلکہ ایک عرصہ تک الحاد و دہریت کی پرپیچ راہوں میں بھٹکنے اور منکرین ذات باری کی ژولیدہ بیانیوں کا فریب کھانے کے بعد اب انسانی فکر فطری رہنمائی سے خود بخود حقیقت کا سراغ پا لیتی ہے ، لیکن جو لوگ فکر و نظر کی سلامتی سے محروم ہیں ، الغرض اس دور میں بھی الجھنوں کا سامنا ہے ، مگر ان کی تعداد ناقابل التفات ہے ۔
جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ کافی ہے کہ بندہ قرآن کریم کی ان آیات پر غور کرے ، جن میں اللہ تعالیٰ کے جلال ، کمال قدرت ، حق عبادت ، شان بے نیازی رحمت و رافت اور علم و حکمت کا بیان ہے ، اس غور و تدبر کے دوران چشم بصیرت سے ان واقعات کو بھی دیکھنا ضروری ہے جو انسان کے گرد و پیش اور وسیع و عریض دنیا میں پھیلی ہوئی گوناگوں مخلوقات کے ساتھ پیش آتے ہیں ۔ ان واقعات پر سرسری نگاہ ڈالنے ہی سے ذہن کے بہت سے دریچے کھل جائیں گے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی و کریمی اور اس کے عدل و حکمت کا اندازہ ہو جائے گا ۔ گزشتہ اقوام و انحاص کے جن حالات کو

قرآن کریم نے بیان کیا ہے، ان میں بھی اس سلسلہ کی بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں موجود ہیں۔

گردش لیل و نہار کے ساتھ انسانی معاشرہ کے نشیب و فراز کی بہت سی گرہوں کو کھولنے کے لیے درج ذیل آیات کریمہ کے ترجمہ پر غور کیجیے!

(کہو!) اے ملک کے مالک، تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے (دیا ہوا تو چھین (بھی) لیتا ہے، اور جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی اختیار میں ہر طرح کی بھلائی ہے، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (یہ تیری ہی قدرت کے آثار ہیں کہ) تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ (کبھی دن کو بڑھاتا ہے کبھی رات کو) اور زندہ کو مردہ (جیسے نطفہ) سے نکالتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ سے باہر نکالتا ہے۔ (اور ساتھ ہی کمال قدرت ہے کہ) جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔" (آل عمران، ۲۶، ۲۷)

اسی طرح باری تعالیٰ کی قدرت و کارسازی کے مختلف مظاہر کو سمجھنے کے لیے سورہ النمل کی آیات (۶۰ - ۶۴) کے ترجمہ پر غور کرنا مفید ہوگا۔

... ...

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے سلسلے میں ایک بنیادی بات توحید کی ہے، یعنی ذات اور جملہ صفات کمالیہ میں کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک و ساجھی نہ بنایا جائے، نہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔

عقیدہ کے باب میں توحید کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے، افسوس یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں نے اس مسئلہ میں ٹھوکر کھائی۔ اسی طرح مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے اس متاع عزیز کو پامال کر دیا، توحید باری کی واضح تفصیلات ان کی سمجھ میں نہ آ سکیں اور شیطان کے دام فریب میں پھنس کر وہ شرک کے مرتکب ہو بیٹھے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح اعلان ہے کہ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم نے توحید ربوبیت و توحید الوہیت سے متعلق جن حقائق کو پیش کیا ہے۔ اور جس طرح مختلف قسم کی واضح دلیلوں کو ذکر کیا ہے، ان پر ادنیٰ تامل کے بعد انسان صحیح راہ کو پا سکتا ہے۔ دعوت کے ابتدائی دور میں مکہ کے مشرکین اسی وجہ سے اس بات کی پوری کوشش کرتے تھے کہ مکہ والوں اور باہر سے آنے والوں کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔ کیونکہ وہ آزما چکے تھے کہ قرآن کے حقائق کو سن کر کٹر سے کٹر مشرک بھی

شرک پر قائم نہیں رہتا، مگر جب مسلمانوں نے قرآن کریم سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا تو توحید کی متاع عزیز بھی ان سے چھن گئی، اور اب ان کی گردنیں کسی بھی آستانہ پر جھک جاتی ہیں اور معمولی معمولی چیزوں سے وہ نفع و نقصان کی امیدیں وابستہ کرلیتے ہیں اور اللہ کے گھروں کو ویران رکھ کر عرس و مزارات کو زینت دیتے ہیں۔ اور وہاں پر مُردوں سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں۔ اسلام نے توحید کے مسئلہ میں کسی طرح کا ابہام یا پیچیدگی نہیں رکھی تھی، لیکن چور مسلمانوں کے دل میں تھا، اس لیے انھوں نے اپنی ضلالت پسند طبیعت کی تسکین کے لیے شرک کی نت نئی شکلیں ایجاد کرلیں۔ توحید کے مسائل و دلائل کو سمجھنے کے لیے جس "براہیمی نظر" کی ضرورت تھی، اس سے وہ محروم ہوچکے تھے، اس لیے مختلف حیلوں اور بہانوں سے انھوں نے شرک کی راہ اختیار کی اور اسی پر جم گئے، بدقسمتی سے انھیں ان ہواپرست ٹولیوں کا سہارا مل گیا جو مسلمانوں کو شرک و بدعت کی بھول بھلیوں میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی تھیں، اس لیے اس بازار کی گرمی روز افزوں ترقی پر رہی۔

توحید کے عقیدے سے مومن کے اندر جو بلندی، فراست اور جرأت پیدا ہوتی ہے، اس سے آج مسلمانوں کا دامن خالی ہے، اس لیے وہ بے وزن اور ذلیل ہیں۔

مسلمانوں کی حبشہ ہجرت کے بعد جب مشرکین مکہ کا وفد مسلمانوں کو واپس پکڑ لانے کے لیے وہاں پہنچا اور نجاشی کے دربار میں دونوں فریق پیش ہوئے تو مسلمانوں کو بتایا گیا کہ دربار کے آداب میں داخل ہے کہ بادشاہ کو سجدہ کرکے اس کی تعظیم بجا لائی جائے، مشرکین کے وفد نے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لیے یہ کہہ رکھا تھا کہ یہ لوگ آپ کو سجدہ نہیں کریں گے۔

مسلمانوں کو آزمانے کے لیے یا ان کی خیرخواہی کے طور پر دربار کے پادریوں نے مسلمانوں کو سجدہ کی تلقین بھی کی۔

لیکن توحید کے متوالوں نے پردیس میں اس مجبوری و بیکسی اور خوف و ہراس کے باوجود یہ گوارا نہیں کیا کہ توحید کے عقیدہ کو کوئی ٹھیس پہنچے اور ان کی جبینِ نیاز کسی اور کے سامنے خم ہو، اسی لیے انھوں نے بڑی صفائی سے جواب دیا کہ: لا نسجد الا للہ۔ یعنی ہم اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کی یہی فراست و جرأت ہے اور

آج کی مشکلات میں مسلمانوں کو اسی ایمانی قوت وثبات قدمی کی ضرورت ہے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس
بریں است بنیادِ توحید و بس،

یعنی موحد کے پیروں پر دولت نچھاور کر دو یا ہندوستانی تلوار سر پر رکھو، اسے کسی بھی چیز کی امید یا اس کا خوف نہ ہوگا اور یہی حقیقت میں توحید کی بنیاد ہے۔

...

موجودہ دور میں انسانیت کا المیہ یہ ہے کہ ہر چیز کو مادی پیمانہ سے ناپا جاتا ہے اور روحانی و ایمانی قدروں کو نظر انداز کر کے مفاد و مصلحت کو انسانی تگ و دو کا معیار بنایا جاتا ہے، جس کام میں انسان کو ظاہری فائدہ نظر آتا ہے، اس کو وہ کرتا ہے اور جس میں کسی فوری و ظاہری فائدہ کی توقع نہیں ہوتی اس سے پہلوتہی کرتا ہے۔ یہ ذہنیت حرص و ہوس کے غلبہ سے پیدا ہوتی ہے اور موجودہ دور کی ملحدانہ مادی تہذیب اس ذہنیت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

اس ذہنیت کے فروغ پانے کی صورت میں دینی قدروں کی اہمیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور اسلامی خطوط پر فرد و معاشرہ کی تعمیر کا مقصد نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زندگی میں ان چیزوں سے کسی خوشگوار تبدیلی و ترقی کی توقع نہیں، ایمان ان کی نظر میں ایک ایسا نظری عقیدہ بن جاتا ہے، جس سے زندگی میں کوئی روشنی نہیں مل سکتی۔ اور عمل کی مختلف صورتوں کو انسانی معاشرہ کی گتھیوں کو سلجھانے میں وہ غیر موثر تصور کرتے ہیں۔

یہ تصور انسان کو مذہب کے سلسلہ میں سست اور مایوس بنا دیتا ہے اور وہ اسے ایک غیر ضروری چیز سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔

لیکن انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ انسانی معاشرہ کی مشکلات کا حل اور نفوس و طبائع کا تزکیہ و تطہیر دینی اقدار کا تحفظ کیے بغیر ممکن نہیں، موجودہ دور میں لوگوں میں جو بے چینی و الجھن ہے

اس کا ازالہ ایمان ویقین ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اور ایمان ویقین کی قوت ہی انسانی زندگی کے تاریک گوشوں کو منور کر سکتی ہے۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

ایمان ہی کی قندیل سے ہم ان تاریکیوں کو دور کر سکتے ہیں جو آج کے انسانی معاشرہ پر اس طرح مسلط ہیں کہ انسان نہ تو خیر و شر میں تمیز کر پاتا ہے نہ انسانوں کو پہچانتا ہے نہ اپنے مذہب کو پہچانتا ہے نہ اعزا و اقارب کو، بلکہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا اور نفسانی خواہشات کے اشارے پر زندگی کا سفر طے کرتا جا رہا ہے۔

زندگی کا آرام اور دل کا سکون حاصل کرنے کے لیے وہ جدوجہد کر رہا ہے، لیکن اس کی کوششوں کا رخ صحیح نہیں، سکونِ قلب کے لیے جن دروازوں پر وہ دستک دے رہا ہے وہاں اصل میں اس کا علاج نہیں بلکہ اس کا علاج ایمان ویقین کی اس بارگاہ میں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رحمت بندوں پر سایہ فگن ہوتی ہے اور انسانی قلوب کے اسرار سے باخبر ذات بیمار دلوں کے لیے سکون و شفا کی راہیں متعین کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ (الفتح آیت ۴)

وہ خدا ہی ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں تسلی نازل کی تھی تاکہ وہ خدا کی طرف جھکیں اور ان کے (سابقہ) ایمان میں ترقی ہو۔

اس آیت میں جس سکونِ قلب کا ذکر ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیوی مرغوبات یعنی مال و دولت، جاہ و حشم اور صحت و قوت ہر ایک کے مقابلہ میں سکونِ قلب کا درجہ بڑھا ہوا ہے، دنیا میں ہمارے سامنے ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ہر طرح کی آرام و آسائش اور سطوت و قوت کے باوجود انسان سکونِ قلب کے لیے بیقرار ہے، اور اسی سکونِ قلب کے فقدان سے کبھی کبھی شاہی محلات ایک بیقرار انسان کے لیے جھونپڑی سے بھی زیادہ بے وقعت نظر آتے ہیں۔

آج یورپ و امریکہ کی اس بارونق زندگی پر نظر ڈالیے، جس میں انسانی آسائش کے تمام سامان مہیا ہیں

پھر عام انسانوں اور بالخصوص نوجوانوں کے دلوں میں جھانک کر دیکھیے کہ کیا انھیں دل کا سکون اور طبیعت کی آسودگی میسر ہے؟ انسانوں کی اس بھیڑ میں خال خال ہی ایسے لوگ ملیں گے جو زندگی سے صحیح طور پر مطمئن ہوں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو قلبی اضطراب کو چھپائے ہوئے زندگی کے تقاضوں کو مشینی طور پر پورا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں گے۔

اس کے مقابلہ میں ایمان کی دولت سے مالا مال انسان مادی راحتوں کے فقدان کے باوجود مطمئن نظر آئے گا، کیونکہ ایمان ہی وہ سرچشمہ ہے جس سے سکون و آسودگی کے سوتے پھوٹ کر انسانی قلوب کو مطمئن بناتے ہیں۔ ایمان کے بعد خوف و بیقراری کے ظاہری اسباب بھی مومن کو بےچین نہیں بنا سکتے، کیونکہ اس کی نظر ہمیشہ اس قادر مطلق کی طرف ہوتی ہے، جس کی رحمت و کرم سے کائنات کا یہ نظام قائم ہے اور جو اپنے بندوں کو ان کی وسعت کے مطابق حالات و احکام کا پابند بناتا ہے۔

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بے خوف، مطمئن اور پرامید تھے، اس کا حقیقی سبب ایمان ہی تھا، سورہ توبہ کی اس آیت کریمہ پر غور فرمائیے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

(التوبۃ: ۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہ کروگے (تو کیا بگڑ جائے گا) خدا نے اس کی (ایسے وقت میں) مدد کی تھی جب کافروں نے اس کو صرف ایک آدمی کے ساتھ نکال دیا تھا جب دونوں وہ (خادم و مخدوم مکہ سے باہر) غار میں تھے، جس وقت وہ پیغمبر اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق) سے کہہ رہا تھا، کچھ فکر مت کر خدا ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اپنی طرف سے اس (صدیق) پر اپنی تسلی نازل کی اور ایک ایسی فوج جس کو تم نے نہ دیکھا تھا بھیج کر رسول کی مدد کی اور کافروں کا بول پست کر دیا وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے مقابلے پر بالکل ناکام رہے اور اللہ کا بول ہمیشہ بالا ہے اور اللہ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

مومن کو سکون قلب اس لیے بھی میسر ہوتا ہے کہ ایمان کی بدولت کائنات، خالق کائنات اور صحیح راہ عمل سے متعلق اس کو کسی طرح کا تحیر یا شک وشبہ نہیں ہوتا، زندگی کی حقیقت اور اس میدان کی ذمہ داریاں اس کے سامنے پورے طور پر واضح ہوتی ہیں:

وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (انعام: ۱۵۴)

اور جانو کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اسی کی تابعداری کرو اور دیگر راستوں کی تابعداری نہ کرو ورنہ تم کو خدا کی راہ سے تتر بتر کر دیں گے۔ اسی بات کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

ایمان اور کفر کا فرق بھی اس کے سامنے ہوتا ہے:

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (الملک: ۲۲)

کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یاب ہے یا جو سیدھی راہ پر چل رہا ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر انتہائی صبر آزما اور حوصلہ شکن ماحول میں جبکہ آنکھیں پتھرا رہی تھیں اور کلیجے منہ کو آرہے تھے، مومنوں کا جو حال قرآن کریم نے پیش کیا ہے، اس سے ایمان کی تاثیر کا اندازہ ہو سکتا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا۔ (الاحزاب: ۲۲)

اور جب ایمانداروں نے (کفار کی) فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ تو وہی واقعہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے پہلے ہی سے کیا ہوا ہے، اور اللہ اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا، اور اس سے بھی ان کے ایمان اور تسلیم میں زیادتی ہی ہوئی۔

ایمان سے کس طرح دل کا سکون، اللہ کی اطاعت کا جذبہ، آزمائشوں میں صبر کی قوت اور راہِ خدا میں قربانی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، اس کے سمجھنے کے لیے ان آیات کریمہ پر غور کیجیے جن میں ابراہیم علیہ السلام کے اسماعیل علیہ السلام کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا تذکرہ ہے:

فلما بلغ معہ السعی قال یبنی انی

جب وہ لڑکا اس کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم

أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى، قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيْمُ، قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔

(الصافات: ۱۰۲-۱۰۵)

نے کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، پس تو بتلا تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم ہوتا ہے کیجیے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابر پائیں گے، پس جب وہ دونوں تابعداری پر مستعد ہوئے اور اس کو ماتھے کے بل گرایا اور ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم تونے اپنا خواب سچ کردیا، ہم اسی طرح نیک بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

...   .

ایمان کا ایک اثر یہ ہے کہ مومن نڈر ہوتا ہے، بے خوفی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، بہت سے خوف جو دوسروں پر طاری رہتے ہیں، ان سے وہ محفوظ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔

(انعام: ۸۲)

جو لوگ خدا کی توحید پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو برائی اور ظلم (یعنی شرک) سے بچاتے رہے، ان ہی کو امن ہوگا، اور (عاقبت) وہی راہ راست پر ہیں۔

جرائم کی کثرت اور لاقانونیت کے عروج کے اس دور میں جو خوف وہراس لوگوں پر طاری رہتا ہے اور جس طرح لوگ اضطراب و بےچینی میں مبتلا رہتے ہیں، اسے سامنے رکھتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں پر غور کرنا چاہیے، جہاں قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش تھی اور حمایت و تحفظ کے جملہ ظاہری وسائل ناپید تھے، لیکن اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے دلوں میں کبھی بھی خوف کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ پیدا ہوا، بلکہ حالات کی ناہمواری جیسے جیسے بڑھتی گئی ان کے ایمان و یقین کی پختگی میں اضافہ ہوتا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے توحید کی دعوت کے پاداش میں آگ کے

ندر ڈالنے کا فیصلہ کیا اس وقت اور جب اس فیصلہ کو ان لوگوں نے عملی جامہ پہنایا، اس وقت
بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوپر نہ کوئی خوف تھا نہ ہراس، ایمان کی بدولت امن وسکون کی
نعمت ان کو میسر تھی اسے آگ کے دہکتے ہوئے شعلے بھی ختم نہ کرسکے۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۔ (الانبیاء: ۶۹، ۷۰)

ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی والی بن جا، اور انھوں نے اس سے داؤ کیا تھا پر ہم نے انھی کو ناکام (اور ذلیل) کیا۔

اسی طرح خدا کے حکم سے مکہ کی بے آب وگیاہ اور ویران وسنسان سرزمین میں اپنی بیوی اور
لوتے فرزند کو چھوڑ کر جب وہ واپس ہونے لگے، اس وقت کے منظر کا تصور کیجیے۔ یہ ان کا پورا کنبہ
تھا، دنیا کے رشتوں میں سب سے قومی رشتہ کے یہ دو فرد تھے۔ انھیں کسی ایسے مقام پر چھوڑنا جہاں
بظاہر زندگی کے تحفظ کا کوئی سامان نہ تھا، ایمان کی قوت کے بغیر ممکن نہیں۔ قابل غور بات یہ بھی ہے
کہ بیوی اور بچہ کو جب ابراہیم علیہ السلام چھوڑ کر جارہے تھے تو ایسا نہیں تھا کہ وہ یا ان کی بیوی
ہجوم خطرات اور اندیشوں میں گھرے ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل وہ پورے سکون اور قلبی اطمینان
کے ساتھ کر رہے تھے۔

چنانچہ جب بیوی اور بچہ کو چھوڑ کر ابراہیمؑ پلٹنے لگے تو بیوی نے پوچھا کہ ہمیں چھوڑ کر کہاں
جارہے ہیں؟ ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر بیوی نے سوال کیا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟
ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ہاں، اس وقت اللہ کی اس بندی نے بڑے اعتماد سے کہا کہ پھر تو اللہ ہمیں
ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے قلبی سکون اور بےخوفی کا اندازہ کرنے کے لیے اس دعا پر غور کیجیے، جو انھوں نے
اس صبر آزما گھڑی میں کی تھی۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا

ہمارے مولا میں نے اپنی اولاد (اسماعیل) کو مع اس کی والدہ ہاجرہ کے تیرے بیت الحرام (کعبہ شریف)

لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔ (ابراھیم: ۳۷)

کے پاس بے سبزہ جنگل میں لا بسایا ہے۔ ہمارے مولا غرض یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہیں، بس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کیجیو کہ وہ ان کی صحبت میں مستفید اور ہدایت یاب ہوں اور پھلوں کی پیداوار سے ان کو روزی دیجیو کہ وہ شکر گزاری کریں۔

دعا کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا دل ہر طرح کے اندیشوں سے پاک تھا، اور انھیں یہ یقین تھا کہ یہ چھوٹا سا کنبہ جو آج یہاں بسایا جا رہا ہے اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائے گا، لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں آئیں گے اور توحید و خدا پرستی کی جو آواز یہاں سے اٹھے گی، اس کی بازگشت پوری دنیا میں سنی جائے گی اور مکہ کی جو سرزمین آج بے آب وگیاہ نظر آ رہی ہے یہاں کبھی خدا کی نعمتوں کی فراوانی ہوگی۔

اسی طرح ایمان کے نتیجہ میں انسان رزق سے متعلق مطمئن اور بے خوف ہو جاتا ہے، کیوں کہ ایمان اسے یہ سکھاتا ہے کہ رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور وہ اپنے وعدہ کو یقیناً پورا کرے گا۔ البتہ اس سلسلہ میں بندہ کا فرض یہ ہے کہ وہ کوشش اور محنت کے ان اصولوں پر کاربند ہو جن کی طرف اسلام نے رہنمائی کی ہے۔

رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوقات کو ضرور پہنچتا ہے، اس کے لیے ذیل کے ارشاد پر غور کیجیے۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ۔ (ذاریات: ۵۸)

اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، قوت والا زبردست ہے۔

رزق مخلوقات تک جن وسائل سے پہنچتا ہے ان کی تفصیل سے ہم عام طور پر ناواقف ہیں لیکن اس سلسلہ کی جو چیزیں ہمیں معلوم ہیں اور جو تجربات سامنے آ چکے ہیں، ان میں بڑی عبرت و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کی واضح دلیل موجود ہے۔

انسان کا علم چونکہ محدود ہے، مشکلات میں وہ جلد گھبرا جاتا ہے اور نامساعد حالات میں اس پر فوراً مایوسی طاری ہو جاتی ہے، اس لیے روزی کے سلسلہ میں اس سے عجیب عجیب حرکتوں کا صدور ہوتا ہے، حتی کہ وہ بیجان و بے شعور چیزوں کے سامنے بھی دست طلب دراز کر دیتا ہے، اس کی مثالیں ہم روزمرہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

لیکن اگر انسان خدا پر ایمان رکھے تو پھر ان گمراہیوں اور اندیشوں کا شکار نہیں ہو سکتا۔ ایک مومن راہِ خدا میں جہاد کے لیے نکلتا ہے اور اپنے پیچھے اپنا کنبہ چھوڑ جاتا ہے تو اسے کبھی یہ اندیشہ نہیں ستاتا کہ اس کے کنبہ کے رزق کا مسئلہ کیسے حل ہوگا، بلکہ وہ کامل یقین رکھتا ہے کہ رب کریم ساری مخلوقات کی طرح اس کے کنبہ کی بھی پرورش کرے گا اور وہ بھوکا مر نہیں سکتا۔ رب کارساز جب بے زبان چوپایوں پرندوں، وحشی جانوروں، سمندری مچھلیوں اور چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کو رزق فراہم کرتا ہے تو اس کنبہ کو بھی ضرور روزی دے گا، جس کا ذمہ دار اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکل گیا ہے۔

...

ایمان کا زندگی پر ایک اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مومن موت کے سلسلے میں کسی خوف یا وہم کا شکار نہیں ہوتا، یعنی وہ اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہوتا کہ موت کسی مخصوص فعل کے ارتکاب یا خطرات میں اپنے آپ کو ڈالنے سے آجاتی ہے، اور اس کا کوئی مقررہ وقت نہیں۔ جیسا کہ قرآن نے کچھ لوگوں سے متعلق نقل کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (آل عمران: ۱۵۶)

اے مسلمانو ان لوگوں جیسے مت ہو جو (خود بھی) منکر ہوئے اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب وہ سفر کو جائیں یا (کہیں) جنگ کرنے کو روانہ ہوں، (اور بقضائے الٰہی وہیں مر جائیں) تو کہتے ہیں اگر وہ ہمارے پاس ٹھہرے ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ (بھلا ان کا کہنا کہاں تک صحیح ہے) خدا اس خیال کو ان کے دلوں میں باعث حسرت

کرے گا (کہ جس قدر اپنی تدبیر پر بھروسہ کریں گے
اس قدر زیادہ افسوس اٹھائیں گے) اللہ ہی
زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے، اور خدا تمہارے
کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

بلکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ موت اپنے وقت پر آتی ہے اور اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے۔ اس میں تقدیم و تاخیر کا سوال نہیں۔ ارشاد ہے:

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (منافقون: ۱۱)	جب کبھی کسی نفس کی موت کا وقت آجاتا ہے تو خدا اسے مہلت نہیں دیا کرتا، اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

اور جب موت کے سلسلہ میں اللہ کا فیصلہ اٹل ہے اور موت کے بعد ایک دوسری ابدی زندگی کا آغاز ہوتا ہے تو پھر موت سے ڈرنے کا کوئی سوال نہیں، بلکہ اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے کیوں کہ موت کے بعد اصل میں اسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اس کے اچھے یا برے عمل کا بدلہ ملے گا۔

ظالموں کے سطوت و دبدبہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن مردانِ حق نے جرأت و بے باکی کی مثالیں قائم کی ہیں، ان کے دلوں میں ایمان ہی کا پیدا کیا ہوا حوصلہ اور عزیمت تھی کہ انھوں نے جان کی پرواہ کیے بغیر حق کا اعلان کیا۔

سعید ابن جبیر کو حجاج نے جب قتل کی دھمکی دی تو انھوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ: اگر میں جانتا کہ موت و حیات کا اختیار تمھیں حاصل ہے تو میں تمھارے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرتا۔

موجودہ دور میں ایمان کی کمزوری کے باعث انسان خطرات میں ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور موت کا تصور اس کے ذہنی توازن کو ختم کر دیتا ہے، اس پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو موت سے بھی بدتر ہوتی ہے، خطرات میں ایمان کا سہارا نہ لینے والا انسان ایک نہیں بلکہ متعدد بار مرتا ہے، اس کیفیت کو قرآن کریم نے منافقین کی نشانی قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ احزاب کی آیات ۱۰ تا ۱۷)

اس مضحکہ خیز اور معیوب کیفیت سے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ انسان اپنے ایمان کو مضبوط کرے اور موت کے سلسلہ میں جو وضاحت قرآن کریم میں مذکور ہے اسے پیش نظر رکھے، اس طرح اس کے اندر خطرات سے مقابلہ کی قوت پیدا ہوگی، اور دل سے وسوسے دور ہوں گے، پھر وہ ایسے کارنامے انجام دے سکے گا جو مردوں کے شایانِ شان ہیں۔

... ...

زندگی پر ایمان کا ایک اثر یہ ہے کہ اس سے امید پیدا ہوتی ہے اور انسان کو مایوسی و ناکامی کے کرب میں مبتلا نہیں ہونا پڑتا، مشکلات میں امید ہی کے سہارے انسان آگے بڑھتا ہے، اگر امید کا دامن وہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے تو پھر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر کام کے لیے محنت و کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور محنت و کوشش کی تلخی کو اس امید کے سہارے گوارا کیا جاسکتا ہے۔
امید کو اکسیرِ حیات کا نام دیا جاتا ہے، اگر امید نہ ہو تو یہ زندگی انسان کے لیے بیحد تلخ اور مکدر ہو جائے گی۔
ترک امید یا مایوسی چونکہ انسان سے زندہ رہنے کی خواہش و قوت سلب کرلیتی ہے، اس لیے اس کو قرآن کریم نے کافروں کا شیوہ قرار دیا ہے

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُّوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف : ۸۷)	اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے بے امید مت ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی بے امید نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہر قدم پر انسان کو پرامید رہنے کی تلقین کی ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔ جن انبیاء کرام کے واقعات کو قرآن کریم نے نقل کیا ہے، اس میں امید کا یہ پہلو اور ایمان کے ساتھ امید کا قوی ربط صاف نمایاں ہے۔
یوسف علیہ السلام کی گمشدگی پر حضرت یعقوب نے جس امید کا اظہار کیا، اس سے بھی ان کے ایمان کی قوت کا پتہ چلتا ہے۔
موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون اور اس کی قوم جب قریب آگئی تو بنی اسرائیل

نے گھبرا کر کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے، لیکن اس نازک موقع پر حضرت موسیٰؑ نے جو جواب دیا، اس سے اندازہ کیجیے، کہ ایمان کس طرح مومن کے دل میں امید و ہمت پیدا کر دیتا ہے، یہاں تک کہ تمام ظاہری وسائل کے خاتمہ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے جو لو اس نے لگائی ہے وہ ختم نہیں ہوتی۔

ہجرت کے موقع پر غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو جو تسلی دی تھی، اس کی بنیاد ایمان کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی امید ہی تھی۔ (توبہ: ۴۰)

مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں جن ہمت شکن حالات کا سامنا تھا ان میں اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کے لیے کوشش کا سلسلہ جاری رکھنا اسی امید کا ثبوت ہے۔ سخت ترین حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تو بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ:

تفرقوا فی الارض وان اللہ سیجمعکم۔ یعنی زمین پر بکھر جاؤ، پھر وقت آئے گا کہ اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمان جن مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے تھے، اور جس طرح کے ناہموار حالات میں زندگی بسر کرنے پر ان کو مجبور کر دیا گیا تھا، اس سے تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل سے پُرامید ہونے کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ایک بار خندق کھودتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم فارس، شام اور یمن کو فتح کرو گے۔

آپ کا یہ ارشاد سن کر منافقین نے بطور طنز و تمسخر کہا کہ گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو رہا ہے اور محمدؐ ہم سے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی فتح کی پیشین گوئی کر رہے ہیں۔ قرآن نے اس کو یوں نقل کیا ہے۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا۔ (الاحزاب: ۱۲)

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ضعفِ ایمان وغیرہ کا) مرض تھا (بے اختیار منہ سے) کہتے تھے) کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم (فتح کے) وعدے ہم سے کیے تھے وہ محض دھوکہ تھے۔

لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایمان کے نتیجہ میں جو امید پیدا ہوئی تھی، حالات اس کے مطابق پیش آئے اور خوف و اندیشہ کے شکار لوگوں کے اوہام غلط ثابت ہوئے۔

شکر اللہ نعمانی اعظمی

خطبۂ عیدین کی مسنون کمیت وکیفیت

فی زمانہ رواج عام ہے کہ عید کے دن عید گاہ میں نماز سے قبل امام یا کوئی اور تقریر کرتا ہے[1]۔ پھر نماز پڑھ کر منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھتا ہے، پہلے خطبہ میں حمد وثنا تکبیر و تہلیل کے بعد فطرہ و قربانی کے مسائل واحکام پڑھتا ہے اور دوسرے خطبہ میں صلوٰۃ وسلام، فضائل ومناقب صحابہ پڑھ کر مسلمانوں کے لیے دعا واستغفار کے بعد خطبہ ختم کر دیتا ہے۔

بدو شعور سے اسی طرح ہوتا دیکھتا رہا ہوں اور کبھی بھی اس طرف ذہن نہیں گیا کہ اس بارے میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے لیکن ان دنوں بعض خاص وجوہ کی بنا پر تحقیق کا خیال ہوا کتب احادیث کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے۔

(۱) خطبہ جمعہ کی طرح عیدین کے خطبہ میں تعدد وتکریر، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

(۲) عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں عید گاہ میں منبر پر خطبہ دینے کا رواج نہ تھا۔

(۳) عید گاہ میں منبر پر خطبہ پڑھنا خلفاء بنو امیہ اور ان کے عمال کی ایجاد ہے۔

(آئندہ سطریں اسی کی تفصیل ہیں)

---

[1] یہ احناف کا دستور ہے، یہی دستور ان کے یہاں جمعہ کے روز بھی ہے اور اب یہ رفتہ رفتہ بدعت کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔

خطبۂ جمعہ کے بارے میں تو حدیثوں میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان خفیف جلوس فرماتے تھے، لیکن خطبۂ عیدین کے بارے میں صحاح کی حدیثیں تعدد خطبہ کی تصریح سے خاموش ہیں، کسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نماز عید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف کے سامنے کھڑے ہو کر ضرورت کے مطابق کچھ بیان فرما دیتے۔ خطبۂ جمعہ کی طرح عیدین کے خطبہ میں خطبہ دیتے اور خطبہ سننے پر کوئی خاص زور نہیں دیتے تھے۔ حاضرین کو اختیار ہوتا تھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ سنیں یا اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔

اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہتمام سے خطبہ دیتے اور حاضرین کو خطبہ سن کر جانے کی ہدایت فرماتے لیکن یہ حدیثیں بھی تعدد خطبہ کی تصریح سے خالی ہیں۔ البتہ سنن ابن ماجہ اور مسند بزار کی بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ آپ جمعہ کی طرح عیدین میں بھی دو خطبے دیتے تھے، لیکن دونوں حدیثیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں حضرت شیخ الحدیث رحمانی مدظلہ ارقام فرماتے ہیں:

فيه دليل على شرعية خطبة العيد وليس فيه انها خطبتان كالجمعة وانه يقعد بينهما ولم يثبت ذالك من فعله صلى الله عليه وسلم بسند معتبر وانما صنعه الناس قياساً على الجمعة واستدلالا بما روى ابن ماجه عن يحيى بن حكيم عن ابي بحر عن عبيد الله بن عروة الرقي عن اسمعيل بن مسلم عن الزبير عن جابر قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فطر او اضحى فخطب قائما ثم قعد قعدة ثم قام، قال البوصيري رواه النسائي في الصغرى من حديث جابر الا قوله يوم فطر او اضحى، واسناد ابن ماجه فيه اسمعيل بن مسلم وقد اجمعوا على ضعفه وابو بحر ضعيف، اه

وبما روى البزار في مسنده عن سعد بن ابي وقاص ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى العيد بغير اذان ولا اقامة وكان يخطب خطبتين يفصل بينهما بجلسة قال الهيثمي في مجمع الزوائد ج۲ ص۲۰۳۔ رواه البزار وجادة وفي اسناده من لم اعرف اه وقال النووي في الخلاصة وروى عن ابن مسعود انه قال من السنة ان يخطب في العيدين خطبتين فيفصل بينهما بجلوس، ضعيف غير متصل، ولم يثبت في تكرير الخطبة شئي ولكن المعتمد فيه القياس على الجمعة، انتهى (۲/۳۳۰) مرعاة)

اس میں دلیل ہے کہ عید کا خطبہ مشروع ہے، لیکن اس میں یہ بات نہیں ہے کہ یہ خطبہ بھی جمعہ کی طرح دو ہوگا، اور بیچ میں امام بیٹھے گا۔ یہ بات کسی معتبر سند کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے بلکہ لوگوں نے جمعہ پر قیاس کرکے ایسا کیا ہے اور ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی دلیل پکڑی ہے جس میں حضرت جابر کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید یا بقر عید کے روز نکلے، کھڑے ہوکر خطبہ دیا، پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر کھڑے ہوئے، بوصیری کہتے ہیں کہ نسائی نے اسے سنن صغریٰ میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے مگر اس میں "عید یا بقر عید کے دن" کا لفظ نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی سند میں اسمٰعیل بن مسلم ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے اور ابو بحر بھی ضعیف ہے۔

دو خطبہ کی دلیل مسند بزار کی اس روایت کو بھی بتایا گیا ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر اذان و اقامت کے پڑھی اور آپ دو خطبے دیتے تھے، اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ بزار نے اسے وجادةً روایت کیا ہے اور اس کی سند میں بعض ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا۔ امام نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا سنت یہ ہے کہ عیدین میں دو خطبے دے، اور دونوں میں بیٹھ کر فصل کرے، لیکن یہ ضعیف غیر متصل ہے اور دو خطبہ دینے سے متعلق کوئی چیز ثابت نہیں۔ لیکن اس بارے میں جمعہ پر قیاس کو معتمد علیہ ہے۔

اور علامہ الامیر یمانی وکحلانی "سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۹۶" میں ارقام فرماتے ہیں۔

وفيه دليل على مشروعية خطبة العيد وانها كخطب الجمع امر ووعظ وليس فيه انها خطبتان كالجمعة وانه يقعد بينهما ولعله لم يثبت ذلك من فعله صلى الله عليه وسلم وانما صنعه الناس قياساً على الجمعة، اھ

یعنی تکریر خطبہ عیدین کے بارے میں کوئی صحیح مستند مرفوع حدیث نہیں ہے، اور اس کا رواج عوام میں جمعہ پر قیاس کرکے ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے علامہ نوویؒ کے نقل کردہ عبداللہ بن مسعود کے اثر کو امام شافعی کے واسطہ سے عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود سے اس طرح نقل کیا ہے: من السنة ان يخطب الامام في العيدين خطبتين يفصل بينهما بجلوس، اھ

یعنی "من السنۃ الخ"۔ عبید اللہ بن عبد اللہ، کا قول ہے، اسی وجہ سے علامہ شوکانی تحریر فرماتے ہیں۔

والحدیث یرجحہ القیاس علی الجمعۃ وعبید اللہ بن عبد اللہ تابعی کما عرفت، فلا یکون قولہ من السنۃ، دلیلا علی انھا سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما تقرر فی الاصول الخ نیل ص ۳۲۶ ج ۳

یعنی عبید اللہ بن عبد اللہ کا قول من السنۃ، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی دلیل نہیں، اور اس بات کی تائید کہ "من السنۃ" سے مراد "سنت رسول" نہیں، امام عبدالرزاق کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انھوں نے "مصنف" میں اس طرح بیان کی ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود" نے بیان کیا کہ امام عید کے دن خطبۂ اولیٰ سے قبل نو تکبیر کہتا تھا اور جب دوسرے خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا تو سات تکبیر کہتا تھا۔

اور ایک دوسری روایت میں انھی سے مروی ہے کہ "عید کے دن منبر پر خطبہ دینے سے قبل نو تکبیر کہنا اور دوسرے خطبہ سے پہلے سات تکبیر کہنا سنت ہے۔ اھ ص ۲۹۱)

تنبیہ عبید اللہ بن عبد اللہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی تصریح کے مطابق "تابعی" ہیں، ۹۴ھ میں انتقال کیا ہے، ان کی حدیثیں حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود سے "مرسل" ہوتی ہیں۔ بات ظاہر ہے کہ انھوں نے خلافت راشدہ کے بعد کا زمانہ پایا ہے اور اس دور میں انھوں نے زندگی گزاری ہے جب محراب و منبر پر بنو امیہ کا تسلط تھا اور متعدد بدعتیں ایجاد ہو چکی تھیں، حتی کہ عیدگاہ میں منبر بھی نصب کیا جانے لگا تھا تو ان کے کلام کا کیا مفہوم ہوگا؟ اور یہ کن لوگوں کے تعامل کو بیان کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کے تعامل کو یا خلفاء بنو امیہ و بنو عباسیہ کے طور طریق کو اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ "سنت" سے مراد سنت نبوی ہی ہے تو اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عید کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے سے قبل نو تکبیریں کہتے تھے، الخ، یعنی وہاں منبر بھی ہوتا تھا اور خطبہ میں تکبیریں بھی کہی جاتی تھیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یا خلافت راشدہ کے زمانہ میں عیدگاہ میں منبر نہیں ہوتا تھا اور نہ خطبہ میں آپ سے مخصوص تعداد میں تکبیریں ہی کہنے کا کوئی صحیح روایت سے ثبوت ہے۔

بہر حال یہ بات کسی صحیح اور صریح روایت سے ثابت نہیں کہ "خطبہ جمعہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے، آپ کی عیدگاہ میں منبر بھی نہیں ہوتا تھا اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لیے کوئی شخص چھتری تان کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا۔ اور نہ ہی خطیب اور ہوتا اور امام اور ہوتا۔

عیدگاہ میں حضورؐ کے خطبوں کی کیفیت، امام مسلم رحؒ نے طاؤس کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا۔

شهدت صلوة الفطر مع النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر وعثمان فكلهم يصليها قبل الخطبة ثم يخطب قال فنزل نبي الله صلى الله عليه وسلم كاني انظر اليه حين يجلس الرجال بيده ثم اقبل يشقهم حتى جاء النساء ومعه بلال فقال "يا ايها النبي اذا جاءك المؤمنات الخ

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ عید الفطر کی نماز میں حاضر رہا ہوں یہ سبھی حضرات نماز عید "خطبہ" کے قبل ادا فرماتے تھے۔ اور بعد نماز خطبہ دیتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ اور بعد کا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے جبکہ آپؐ لوگوں کو اپنے دست مبارک کے اشارے بٹھلاتے تھے، پھر آپ مردوں کی صفوں سے گزر کر عورتوں کے پاس آئے اور حضرت بلال ان کے ساتھ تھے، وعطاء قال سمعت ابن عباس يقول اشهد على رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي قبل الخطبة قال ثم خطب فراى انه لم يسمع النساء فاتاهن فذكرهن ووعظهن وعطاء عن جابر بن عبد الله قال سمعته يقول ان النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم فطر فصلى فبدأ بالصلوة قبل الخطبة ثم خطب الناس فلما فرغ نبي الله نزل، الخ،

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے، پھر آپ نے خطبہ دیا تو محسوس کیا کہ عورتوں کو نہیں سنایا ہے، لہذا ان کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں وعظ و نصیحت کی۔

وعطاء عن جابر بن عبد اللہ قال شہدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ یوم العید فبدأ بالصلوۃ قبل الخطبۃ بغیر اذان ولاقامۃ ثم قام متوکئا علی بلال فامر بتقوی اللہ وحث علی طاعتہ ووعظ الناس وذکرھم ثم مضی حتی اتی النساء الخ

(ج ا ص ۲۸۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں شریک تھا، آپ نے بغیر اذان و اقامت کے خطبہ سے قبل نماز پڑھی پھر حضرت بلال پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو کر لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم فرمایا، اللہ کی اطاعت پر ابھارا، وعظ و نصیحت فرمائی پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے۔

وعن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج یوم الاضحی ویوم الفطر فیبدأ بالصلوٰۃ فاذا صلی صلوٰتہ وسلم فاقبل علی الناس وھم جلوس فی مصلاھم فان کان لہ حاجۃ ببعث ذکرہ للناس اوکانت لہ حاجۃ بغیر ذلک امرھم بھا وکان یقول "تصدقوا، تصدقوا، تصدقوا" الخ (مسلم ج ا ص ۲۹۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین کے لیے "مصلی" تشریف لے جاتے تو "اولا" نماز ادا فرماتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے، اگر کہیں لشکر روانہ فرمانے کی ضرورت ہوتی تو اس بارے میں بیان فرماتے یا اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی تو اس کا حکم فرماتے، اور آپ فی سبیل اللہ، صدقہ کرنے کی بہت زیادہ ترغیب دیتے تھے۔

ان روایات ثمنہ و احادیث صحیحہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سادگی سے نماز ادا فرماتے تھے، نہ تو کسی قسم کے تزک و احتشام کا مظاہرہ ہوتا نہ ہی رعب داب کی نمائش نہ ہی اذان دی جاتی تھی نہ اقامت، بلکہ سارے مسلمان خود ہی تیار ہو کر نماز کے لیے "مصلی" پہنچ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری و افتتاح صلوۃ کے منتظر رہتے، نماز کے بعد آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور اقتضاء حالات و ضرورت کے مطابق وعظ

تذکیر فرماتے، عیدگاہ میں نہ منبر ہوتا تھا نہ تخت و کرسی، اگر ضرورت ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سہارا لے لیتے۔ لیکن آپ کے آرام و راحت کے لیے منبر و کرسی وغیرہ نہیں لائے جاتے۔

جیسا کہ سطور سابقہ میں تحریر ہوا ہے ناظرین یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے زمانے میں "مصلی" میں منبر نہیں ہوتا تھا اور عیدگاہ میں منبر کی تعمیر یا منبر کا لے جانا "خلفاء بنی امیہ" کی ایجاد ہے، چنانچہ امام بخاری حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں

فلم یزل کذلک حتی کان مروان بن الحکم فخرجت مخاصرا مروان حتی اتینا المصلی فاذا کثیر بن الصلت قد بنا منبرا من طین ولبن فاذا مروان یرید ان یرتقیہ قبل ان یصلی فجذبت بثوبہ الخ ص ۱۷۱۔ بخاری مصری باب الخروج الی المصلی بغیر منبر

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں جاکر پہلے نماز ادا فرماتے تھے، پھر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر خطبہ دیتے اور تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے اور پورا زمانہ خلافت راشدہ یہی حال رہا، تاآنکہ مروان بن حکم نے اپنی گورنری کے زمانہ میں نماز عیدین میں قبل نماز منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا شروع کردیا۔ بہرحال اس میں کوئی خفاء نہیں کہ منبر پر چڑھ کر عیدین میں خطبہ پڑھنا سنت نبوی یا سنت خلفاء راشدین نہیں ہے بلکہ بنو امیہ کی ایجاد ہے

ناظرین کو غالباً معلوم ہوگا کہ عہد رسالت اور عہد صدیق تا اختتام خلافت فاروقی جمعہ کی ایک ہی اذان تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اطلاع و اعلام کی غرض سے اذان اول اضافہ فرمائی اور یہ اذان مدینہ کے بازار میں مقام زوراء پر دی جاتی تھی اور اذان نبوی باب مسجد پر ہوتی تھی جبکہ امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا، اسی مروان نے اذان عثمانی کو بازار سے منتقل کرکے باب مسجد پر کردی اور باب مسجد والی اذان کو مسجد کے اندر، اور بدعت پسند مسلمانوں نے اس کو اٹھاکر امام کے منہ پر دے مارا۔

خدا مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اور بدعت پسندی، ناروا قیاس اور شریعت کے حقیقی احکام اور مقاصد میں تمیز کی توفیق بخشے۔

●●●

پروفیسر محمد معین فاروقی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

عقلِ انسانی کے کرشمے

دسمبر، ۱۹۶۷ء میں ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) کے ایک ہسپتال میں پچپن سالہ ایک یہودی موت کی کشمکش میں مبتلا زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ علالت کے سبب اس کا دل جسامت میں دوگنا ہوگیا تھا اس کے معالج ڈاکٹر برنارڈ اور اس کی ٹیم کے ۳۰ سرجنوں کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ مریض کو موت سے بچانے کا واحد علاج یہ ہے کہ اس کے دل کو کسی تندرست دل سے بدل دیا جائے۔ مریض کی حالت لمحہ بہ لمحہ تشویشناک ہوتی جارہی تھی، ادھر ڈاکٹر برنارڈ پریشان تھے کہ کس طرح ایک صحتمند دل دستیاب ہو کہ اتنے میں اطلاع آئی کہ ایک نوجوان عیسائی لڑکی موٹر کے حادثہ میں شدید زخمی ہوگئی ہے۔ فوراً ڈاکٹر موقع واردات پر پہنچے اور اس کو ہسپتال لے آئے۔ وہ ابھی زندہ تھی اور شدید زخموں کے باوجود اس کا دل صحیح و سالم تھا۔ دماغ کے وہ مراکز جو عمل تنفس اور خون کے دباؤ کو کنٹرول کرتے ہیں بری طرح زخمی ہوچکے تھے۔ جن کے سبب موت لازمی تھی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد اس کے قلب کی حرکت بند ہوگئی اور اس کے انتقال کی اطلاع دیدی گئی۔ ڈاکٹروں کی درخواست پر اعزہ اس کے دل کو بطور عطیہ دینے پر رضامند ہوگئے۔ اپنی نوعیت کے اس تاریخی آپریشن کا انتظام مکمل کرکے اس کو آپریشن روم میں لے آئے اور جلد جلد سینے کو چاک کیا، پسلیاں ہٹائیں اور بڑی احتیاط سے دل کا تقریباً ۳/۴ حصہ نیچے سے اس طرح تراش لیا تاکہ خون کی موٹی رگوں کا حصہ اپنی جگہ قائم رہے۔ اس پیالے نما گوشت کے ٹکڑے کو ایک ایسی مشین میں رکھا جس سے تازہ ٹھنڈا خون اس کو ملتا رہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ دل کے عضلی ریشوں کو اگر تازہ خون ملتا رہے تو وہ ۳۰ منٹ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ ادھر دوسرے آپریشن کے کمرے میں جہاں یہودی

سو اگر دم توڑ رہا تھا، اس کے جسم کی حرارت کم اتار کر ۷۷ ایف پر لے آئے تاکہ تحویلی عمل کی رفتار کم سے کم ہوجائے اور پھر اس کے جسم کو ایک ایسی مشین سے جوڑ دیا جو بیک وقت مریض کے قلب اور پھیپھڑوں کا کام کرتی ہے، تاکہ دل کو معطل کر دینے کے بعد مشین ہی کے ذریعہ دورانِ خون جاری ہے اور مناسب مقدار میں آکسیجن بھی ملتی رہے ۔ اس مشین کو ہارٹ ۔ لنگ مشین یا (Respirator) کہتے ہیں ۔ دل کے آپریشن کے لیے یہ ناگزیر ہے کیونکہ قلب کی حرکت بند ہونے کے باوجود یہ مشین جسم کو گھنٹوں تک زندہ رکھ سکتی ہے ۔ مریض کے اس آپریشن کی نزاکت کے پیش نظر ہر کام جلد اور سلیقہ سے کرنا تھا، لہٰذا ڈاکٹروں نے مریض کے سینے کو چاک کر کے پہلے کی طرح اس دل کا بھی ۳/۲ حصہ تراش لیا اور اس کی جگہ لڑکی کے پیالہ نما حصہ کو بقیہ دل کے حصہ کے نیچے رکھ کر ریشم کے تاگوں سے ٹانکے لگا دیے ۔ اس وقت تک یہ نیا دل ساکت تھا، مگر جیسے ہی بزنارڈ نے ہارٹ ۔ لنگ مشین سے تھوڑا سا خون اس دل میں بھیجا، اس کے عضلی ریشوں میں یک لخت ارتعاش پیدا ہوا اور فوراً ہی بجلی کا ایک ہلکا سا جھٹکا دینے پر اس نے دھڑکنا شروع کر دیا ۔ یہ تھا اس مردہ لڑکی کا تندرست دل، جس نے نہ صرف مریض کو ایک نئی زندگی بخشی بلکہ ایک صحتمند دل کی طرح ۷۰ مرتبہ فی منٹ کے حساب سے باقاعدہ دھڑکتا رہا ۔ افسوس ہے کہ یہودی کے جسم کی مدافعتی قوت نے اس بیرونی عضو کو اپنانے سے انکار کر دیا اور ۱۸ دن زندہ رہنے کے بعد اس نے جان دیکر تاریخ کا ایک نیا باب کھول دیا ۔ اب تک دنیا میں اس قسم کے کئی کامیاب آپریشن ہو چکے ہیں ۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز دوسرا واقعہ کیلی فورنیا کے ہسپتال کا ہے ۔ جہاں ایک ۲۷ سالہ نوجوان لڑکی کا انتقال ہو گیا تھا ۔ ڈاکٹروں کو معائنہ کے دوران پتہ چلا کہ ۲/۱ ۵ ماہ سے ایک ننھی سی جان بھی اس جسم میں پرورش پا رہی تھی ۔

ڈاکٹروں نے اس کے تحفظ کا فیصلہ کر کے لڑکی کے مردہ جسم کو ہارٹ لنگ مشین سے جوڑ دیا تاکہ وہ زندہ رہ سکے ۔ بچے کو غذا فراہم کرنے کی تدبیر یہ کی گئی کہ انجکشن کے ذریعہ خون میں شکر پروٹین اور چکنائی پہنچائی جاتی رہی ۔ نشو و نما کے لیے جو رطوبت دماغ سے خارج ہوتی ہے، اس کو بھی انجکشن کے ذریعہ بچے کے جسم تک پہونچایا گیا ۔ شکم میں طبعی ماحول کی مماثلت کی غرض سے نرسیں

پیٹ کو ہلاتی رہتیں اور شفقت مادری کے اظہار کے لیے چند میٹھے بول بھی بولتیں، اس کے علا
کچھ ساز کے ٹیپ بھی چلائے جاتے۔ غرضیکہ بچے کی نمو معمول کے مطابق جاری رہی، اور دو ماہ
بعد ماں کے مردہ جسم کو ایک دوسرے بڑے ہسپتال میں لے جایا گیا، جہاں ہمہ وقت اس کی دیکھ
ممکن تھی، کچھ عرصہ کے بعد جب ڈاکٹروں کو یقین ہو گیا کہ اس کی بالیدگی میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے،
آپریشن کے ذریعہ اس کو رحم سے باہر نکال لیا۔ ڈاکٹر رابرٹ جن کے زیر اہتمام یہ کام انجام پایا وہ بچے کی سلا
سے مطمئن ہیں۔ مشین کا بٹن بند کر کے ماں کے مردہ جسم کو دفن کر دیا گیا۔
(ریڈرس ڈائجسٹ ماہ فروری ۱۹۸۵ء سے ماخوذ

مندرجہ بالا واقعات سے متعلق چند اہم سوال ناگزیر ہیں۔
(۱) زندگی اور موت جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان کا اظہار بیک وقت ایک ہی جسم سے کیونکر ممک
(۲) اگر مردہ جسم میں زندگی کا امکان ہے تو پھر موت کی تعریف کیا ہوگی، نیز مردہ جسم کو مشینوں کے ذر
زندہ رکھنے کی توجیہہ کیا ہو سکتی ہے۔؟
(۳) آخر کار عقلِ انسانی کی منزلِ مقصود کیا ہے۔؟
ان سوالات کا حتماً کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا، البتہ علم حیاتیات کی روشنی میں ان کا جا
دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

سب سے پہلے زندگی کو لیجیے۔ اس کی ماہیت اور حقیقت سے کوئی بھی واقف نہیں، یہی وجہ
کہ اس کی ایسی جامع تعریف آج تک کوئی نہ کر سکا جو زندگی کے سارے مظاہر پر محیط ہو۔ عرف عام
ہم جس کو زندگی کہتے ہیں صرف وہی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک ہیئت اور بھی ہے جو کسی قد
نظروں سے پوشیدہ ہے۔ ایک چہچہاتے پرندے کو دیکھ کر کون اس کو زندہ نہیں کہتا مگر اسی پرند
کے انڈے کو دیکھ کر ہر شخص اس کے زندہ ہونے پر شبہ کر سکتا ہے تا وقتیکہ اس میں زندگی کے آثار
نمودار نہ ہوں۔ اسی طرح انواع واقسام کے خشک بیج جو بظاہر بے جان ہیں، حقیقت میں ان
وہی زندگی ہے اور منظر عام پر آنے کے لیے اسی قدر بے تاب ہے، جس قدر مریض کا ایک تندرست د
اس جسم میں جو بیماری کے سبب مرنے جا رہا ہو۔ اس اعتبار سے زندگی کی دو ہیئتیں ہوئیں، ایک مخم

دوسری ظاہر یا شعوری مخفی زندگی جسم کے کیمیائی اجزار کے سالمات (Molecules) اور توانائی کے عملیات سے عبارت ہے۔ جن کے لیے قدرت نے قوانین منضبط کر دیے ہیں اور جن کی پابندی پر وہ پورے طور پر کاربند ہیں، ان سالمات کے باہمی ردعمل کے لیے ایک طبیعی ماحول بھی درکار ہے، جب تک اس ماحول اور سالمات میں کوئی انتشار برپا نہیں ہوتا اس وقت تک معمول کے مطابق عملیات غیر شعوری طور پر جاری رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موت کے بعد اگرچہ شعوری زندگی کا وجود باقی نہیں رہتا، پھر بھی ہاضمہ کا عمل، ناخونوں اور بالوں کا بڑھنا اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سالمات منتشر نہ ہو جائیں۔

انھی عملیات کے ذریعہ نئے مادۂ حیات کی تالیف ہوتی اور نشوونما کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب اعضائی نظام مکمل ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ اعضاء اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی زندگی کا شعوری دور ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کا اپنی ریسرچ کے دوران ایک ذاتی مشاہدہ بھی ہے۔ کام کی نوعیت یہ تھی کہ ایک چھوٹی سی مکھی کے انڈے کو لے کر دیکھنا تھا کہ اس کے ایک خلیہ کی مستقل تقسیم سے کس طرح مختلف قسم کے نتیجے وجود میں آتے ہیں اور ان سے مختلف اعضاء کی تعمیر کس طرح ہوتی ہے۔ انڈا اس قدر چھوٹا تھا کہ ہر کام خوردبین کی مدد سے ہی کیا جا سکتا تھا، نمو کے مختلف مراحل کا جائزہ لینے کے لیے یہ بھی لازم تھا کہ تھوڑے سے وقفہ کے بعد بار بار اس کو دیکھا جائے۔ ۲۰ گھنٹے کے بعد ایک جسم تیار ہوا جس میں کچھ اعضا بھی نظر آنے لگے مگر اس وقت تک یہ بالکل ساکت تھا۔ حسن اتفاق سے جب کہ نظر اسی طرف مرکوز تھی، یہ دیکھا کہ اس کے پیر کے پٹھوں میں یکایک کچھ حرکت ہوئی، اور پھر باقاعدہ جسم سے زندگی کا اظہار شروع ہو گیا۔ اس عینی شہادت کو ضمناً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تائید اور تصدیق کے لیے بھی پیش کیا جا سکتا ہے، جو صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور جس میں انسان کی تخلیق کے مراحل بیان کر کے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ گوشت کا لوتھڑا (مضغہ) بننے کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

زندگی کی یہ دونوں ہیئتیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ بھی ہیں اور متبادل بھی، یعنی مخفی زندگی سے ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے، پھر بتدریج شعوری زندگی کا دور شروع ہوتا ہے، اس کے اختتام

پر کچھ وقفہ کے لیے زندگی مخفی سطح پر قائم رہتی ہے۔ اگر پھیپھڑے، دل اور دماغ اپنا کام بند کر دیں تو طبی اصطلاح میں اسی کیفیت کو موت سے موسوم کرتے ہیں۔ حال ہی میں بمبئی میں جو طبی ورکشاپ منعقد ہوئی اس کی رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ٹکنالوجی کے اس دور میں موت کی تشخیص کی جو مروجہ علامتیں ہیں ان پر زیادہ اعتماد اس لیے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مشینوں کے سہارے مردہ جسم کو غیر متعینہ مدت کے لیے زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی بالاتفاق منظور ہوئی کہ دماغ کی موت اختتام زندگی کی واحد علامت ہے۔ امریکہ میں اسی علامت کو قانونی حیثیت حاصل ہے، مگر ہمارا ملکی قانون اس معاملہ میں خاموش ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق یہی وجہ تھی کہ ہماری وزیر اعظم اندرا گاندھی کے انتقال کی خبر اس وقت تک نہیں دی گئی، جب تک کہ دل میں خفیف سی حرکت باقی رہی۔ اگرچہ غیر ملکی مبصروں نے اس کی تصدیق پہلے ہی کر دی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اعصابی نظام نازک ترین مادہ سے بنا ہے۔ اس کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو غذا اور آکسیجن برابر ملتی رہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اگر اس کی آمد کا سلسلہ ۵ تا ۳ منٹ تک منقطع ہو جائے تو دماغ کے خلیے مرنے لگتے ہیں۔ جس کی تصدیق ایک نازک آلہ (Electro Encephalo Eeg Graph) کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یہ مشین دماغ کے برقی سگنل ریکارڈ کرتی ہے، جو مر جانے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہسپتالوں کے علاوہ یہ مشین ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتی۔ اس لیے ڈاکٹر عموماً سانس اور قلب کی حرکت رکنے اور آنکھ کی پتلی کی بے حسی دیکھ کر دماغ کی موت کا یقین کر کے جسم کو مردہ قرار دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان علامات کے باوجود موت واقع نہیں ہوتی۔ میڈیکل لٹریچر میں اس قسم کے واقعات کے کئی حوالے ملتے ہیں۔

۱۹۵۰ء میں لندن کے ایک ہسپتال میں ایک سن رسیدہ عورت کا جسد تحقیق کے لیے لایا گیا، جس کی موت کی تصدیق اہل فن کر چکے تھے۔ تقریباً ۲۰ منٹ تک اس کو نعش گھر میں رکھا گیا، وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور زندگی کے کوئی آثار نمایاں نہ تھے۔ جب اس کو میز پر لٹایا گیا تو لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دو مرتبہ حلق سے کوئی چیز اتاری اور سانس لینے لگی۔

اس قسم کے نیم مردہ انسانوں کی آخری رسومات کے ہولناک تصور کے پیش نظر اٹھارویں صدی کے

فرانس اور دوسرے یورپی ممالک میں ایک قانون پاس کیا گیا، جس کی رو سے تدفین کو ۴۸ گھنٹے کے لیے ملتوی کر دینا لازمی قرار پایا۔ یہ واقعات اہل تحقیق کی توجہ کے مستحق ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مردہ جسم کو مشینوں کے ذریعہ زندہ رکھنا گویا بے جان چیز میں جان کا وجود باقی رہنا اگرچہ بعید از قیاس ہے مگر کہا یونہی جاتا ہے۔ دراصل یہ ایک لسانی مسئلہ ہے۔ کیونکہ ہماری زبان میں زندگی کے گوناگوں مظاہر کے لیے صرف ایک ہی لفظ "زندگی" ہے جس کے بے محل استعمال سے اس قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کا جسم ایک اعلیٰ ترین مشین بھی ہے۔ جس کا ہر ہر عضو لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کی عملی تفسیر ہے، اس سے مشینی کام بھی لیے جاتے ہیں اور وہ اعلیٰ و ارفع مقاصد بھی اسی سے وابستہ ہیں جن کے حصول کے لیے شعوری زندگی متقاضی ہے۔ زندگی کی یہ حیثیت مکمل طور پر ختم ہونے کے بعد میکانیکی عملیات تو کچھ دیر جاری رہتے ہیں اور اگر ان کو مشینوں کا سہارا مل جائے تو مصنوعی طور پر یہ وقفہ بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ مگر شعوری زندگی واپس نہیں آ سکتی، اس غیر متبادل کیفیت کی جتنی بھی ظاہری علامات ہیں وہ سب نتیجہ کی حیثیت رکھتی ہیں، بذات خود سبب نہیں ہیں۔ اصل محرک کی ماہیت سے کوئی بھی واقف نہیں۔ قرآن حکیم نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ کا اعلان کر کے عقل کے سارے دریچے مقفل کر دیے ہیں۔ اس کے بعد اس موضوع پر خیال آرائی لایعنی اور مباحث گمراہ کن ہو سکتے ہیں۔

تحقیق افتاد ذہن کی دلیل ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں باریک بین نظروں نے قدرت کے اس شاہکار کو ہر زاویہ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے، انسان ہی پر کیا موقوف، قدرت کا ہر ذرہ فکر میں تلاطم پیدا کر سکتا ہے، بشرطیکہ چشم بصیرت سے دیکھا جائے۔ انسان ہی وہ نوع ہے جو خدا کی قائم کردہ فطرت اور حکمت کا جائزہ لینے کی لیاقت رکھتا ہے۔ ذرا تصور کیجیے اس دور کا جب انسان نووارد تھا۔ کائنات پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔ اس نے افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع کیا، جو چیزیں اس کی عقل سے ہمکنار ہوئیں ان کو مخلوق سمجھا، اور جن کی تجلی نے آنکھیں خیرہ کر دیں، ان کو خالق سمجھ بیٹھا، اس نے نہ معلوم کتنے خالق تراشے اور کتنے کو اپنے ہی ہاتھوں مسمار کیا، جیسے جیسے اس کے علم میں اضافہ ہوتا گیا، کائناتی غیب کے پردے

یتے گئے۔ اس کو ہر چیز دلکش اور قابلِ تسخیر نظر آنے لگی، حقیقت کی تلاش ہی وہ بنیادی سبب تھا
نے انسانوں کو سمندر، خشکی، فضاؤں اور خلاؤں کی پرواز پر آمادہ کیا۔ اس عریض و بسیط کائنات
بق کا مقصد ہی یہ تھا کہ فطرت کی کارسازیوں کے علم کے ذریعہ حجت تمام ہو، انسان اس سے تفہیم کا
لے، جملہ مخلوق پر تسلط حاصل کر کے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور آخرت کی سرخروئی کے
یاتِ ربانی پر غور کر کے تعلق مع اللہ اور ایمان باللہ سے سرشار ہو، یہی عقلِ انسانی کی معراج
پائی، جب تک یہ خداداد علم اپنی حدود تک نہ پہنچے اور منزلِ مقصود کے نشان نظر نہ آئے
اس وقت گمان یہی ہے کہ کائنات کا درہم برہم ہونا اس عظیم تخلیق کے مقاصد کے منافی ہوگا
بات صحیح ہے تو ان آفاقی نشانیوں سے بے اعتنائی برتنا اہلِ حق کا شعار نہیں ہوسکتا۔

قیامت کب ہوگی، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ قرآن حکیم نے قیامت کے ہولناک
پیش کر کے فنا کا تصور دیا ہے تاکہ انسان اس کائنات کے نظم و ضبط اور استحکام سے مرعوب
اس کو لافانی نہ سمجھ بیٹھے اور عیش کوشی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو بھلا نہ دے۔ حضرت رسالتمآب
اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت کی نشانیوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ جن میں سے کچھ کا ظہور ہو
ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جس سرعت سے قیامت قریب آتی جا رہی ہے، اسی مناسبت سے تسخیرِ
ت کا عمل بھی تیز تر ہوتا جا رہا ہے، پچھلی چند دہائیوں سے انسانی ذہن میں جو طغیانی آئی ہے
نے اسرار و رموز کے کتنے بند توڑ دیے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے اور صدیاں گزریں تو قرائن سے اندازہ
ہے کہ نوعِ انسانی اسی کائنات سے سبق لے کر مالکِ حقیقی کا اعتراف کر لے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ
یک طویل حدیث مروی ہے جس کا ایک جزو یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک آفتاب
رب کی طرف سے طلوع نہ ہوگا۔ پس جب آفتاب مغرب سے نکل آئے گا اور لوگ اس کو دیکھ
گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ کسی شخص کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے
جب تک پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا، اور نہ کوئی نیک کام کرنا مفید ہوگا، جب تک کہ پہلے
نیک کام نہ کیا ہوگا۔ (بخاری و مسلم۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ جنگ اور قتال کا بیان۔ طابع و ناشر نور محمد کراچی
حدیث نمبر ۵۱۴۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کنز الایمان غیر مقلد کی نظر میں

(اس کتابچہ کے متعلق مزید انکشافات)

فروری ۸۵ء کے محدث میں ہم نے مذکورہ کتابچہ کے جعلی ہونے کے سلسلے میں ایک اداریہ سپرد قلم کیا تھا اور اس وقت تک ہمیں جو معلومات فراہم ہو سکی تھیں، ان کی روشنی میں اصل حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی تھی، مگر جب شمارہ کراچی پہنچا تو ہمیں ایک خط موصول ہوا جس سے یہ حقیقت وانکشاف ہوئی کہ اس کتابچہ کو جن صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یعنی الاستاد سعید بن عزیز یوسف زئی، وہ کوئی فرضی شخصیت نہیں ہیں، بلکہ واقعۃً موجود ہیں۔ اور ان کو جس تنظیم کا سربراہ بتایا گیا ہے یعنی "جمعیۃ برادران اہلحدیث پاکستان"، وہ بھی کوئی فرضی تنظیم نہیں ہے، بلکہ واقعۃً موجود ہے۔ مگر اس خط میں ان دو باتوں کے علاوہ اصل کتابچہ کے متعلق جو انکشاف کیا گیا ہے وہ کچھ زیادہ ہی دھماکہ خیز ہے۔ خط لکھنے والے خود الاستاد سعید بن عزیز یوسف زئی ہیں۔ انھوں نے عام لوگوں کی واقفیت کے لیے خط کے ساتھ ایک اعلان بھی بھیجا ہے اور دونوں ہی جمعیۃ برادران اہلحدیث پاکستان کے لیٹر پیڈ پر ہے اور جمعیۃ کی مہر اور بحیثیت امیر استاد موصوف کے دستخط کے ساتھ ہے، ہم افادۂ عامہ کے لیے ذیل میں پہلے خط اور پھر اعلان شائع کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(ص۔ ب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعیت برادران اہل حدیث پاکستان

۱۸/۲۵۴ ایف بی ایریا کراچی

تاریخ ۱۲/مارچ ۱۹۸۵ء

محترمی! السلام علیکم

محترم مولانا پروفیسر یامین محمدی صاحب نے احقر کو آج ماہنامہ محدث بنارس کا شمارہ فروری ۸۵ء برائے مطالعہ عنایت فرمایا کہ اس میں میرے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

آپ نے میرے وجود سے انکار فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ پاکستان میں نہ جمعیت برادران اہلحدیث نامی کوئی تنظیم ہے نہ الاستاذ سعید بن عزیز یوسف زئی نامی کوئی اہلحدیث عالم ہے۔ آپ کے اس انکار کی بنیاد حافظ صلاح الدین یوسف منیب کا وہ .... اعلان ہے جو کہ انھوں نے بغیر کسی قسم کی تحقیق کے جاری کر دیا ہے۔

میں کراچی کے معروف اہلحدیث علماء میں بحمدللہ شمار کیا جاتا ہوں۔ جماعت غرباء اہلحدیث اور جمعیت اہلحدیث کراچی دونوں کا رکن ہوں۔ جامع مسجد محمدی روشن باغ سوسائٹی فیڈرل بی ایریا کراچی میں خطابت جمعہ اور جماعت غرباء اہلحدیث کی عظیم درس گاہ جامعہ ستاریہ اسلامیہ میں بحیثیت مدرس اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں۔

جہاں تک اس مضمون کا تعلق ہے جو کہ کنز الایمان کے بارے میں ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ میری اس وقت کی تحریر ہے جب میری فکر کا قبلہ درست نہ تھا، یعنی میں بریلوی مسلک پر تھا۔ اب جبکہ میں اس فکر کو چھوڑ چکا ہوں تو بریلوی حضرات نے ردو بدل اور تغیر کے ساتھ میری تحریر شائع کر دی ہے تاکہ مجھے بدنام کر سکیں اور اس سے فوائد اٹھا سکیں۔

حضرت مولانا کرم الدین سلفی سابق شیخ الحدیث دارالحدیث رحمانیہ کراچی کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں میں نے مسلک اہلحدیث قبول کیا اور بریلوی حضرات کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس پر چراغ پا ہو کر وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں اور یہ مضمون بھی ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا ہے

براہ کرم اپنی غلط فہمی دور فرمائیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں بھارت آکر بالمشافہ اس غلط فہمی کو آپ کے اور دیوبندی حضرات کے درمیان سے دور کر دوں اور میرے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اور مسلک اہلحدیث پر جو حملے اس مضمون کی آڑ میں کیے جا رہے ہیں، ان کا جواب دوں۔ مگر اس کے لیے کرائے کے اخراجات آپ یا دیوبندی حضرات میں کسی ایک کو اٹھانے ہوں گے۔

براہِ کرم میری اس وضاحت کو محدث کے قریبی شمارے میں جگہ دیں اور مجھے وہ شمارہ ارسال بھی فرمائیں۔

السلام علیکم

اخوکم فی الدین : سعید بن عزیز یوسف زئی

مدرس جامعہ ستاریہ اسلامیہ (اہلحدیث)

گلشن اقبال یونیورسٹی روڈ بلاک ۵ کراچی پاکستان۔

نوٹ :۔ میں ان شاء اللہ آپ کی خدمت میں اپنا وہ مضمون چند دن بعد ارسال کر دوں گا جو کہ میں نے مسلک حقہ قبول کرنے کے بعد اس مضمون سے رجوع کرتے ہوئے لکھا تھا۔

... ...

اعلانِ رجوع

واضح ہو کہ کافی عرصہ قبل جبکہ میں اہلحدیث نہ ہوا تھا، میں نے ایک مضمون بعنوان محاسن کنز الایمان تحریر کیا تھا۔ اس مضمون کے لکھنے کے بعد میں حضرت مولانا کرم الدین صاحب سلفی مرحوم کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں اہلحدیث ہو گیا۔ اس پر بریلوی حضرات میرے دشمن ہو گئے اور دشمنی میں اتنے آگے بڑھے کہ میری بریلوی مسلک پر قائم بیوی کے اور میرے درمیان انہوں نے بشکل طلاق جدائی ڈلوا دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے مجھ پر قاتلانہ حملے بھی کرائے، مگر میں ہر بار ان کے مکر و فریب سے بفضل اللہ تعالیٰ بچ نکلا۔ اب سے کچھ عرصہ قبل انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میں نے جماعت اہلحدیث میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے تو میرے پرانے مضمون کو رد و بدل اور اضافوں کے ساتھ اس عنوان سے شائع کیا ہے کہ "کنز الایمان ایک غیر مقلد کی نظر میں"۔ ان کی اس بد دیانتی پر میں نے ان کے خلاف

عدالتی کارروائی کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ وضاحت کر رہا ہوں کہ علماء اہلحدیث اور علماء دیوبند جو رائے اور فکر کنزالایمان کے بارے میں رکھتے ہیں وہی میری سوچ ہے۔ میں علمائے حرمین شریفین کے اس فتوی کا بھی احترام کرتا ہوں جس کے تحت وہاں کی حکومت نے کنزالایمان پر پابندی عائد کی ہے میں اس بات کا بھی وضاحت و صراحت سے اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر چکا ہوں۔ لہذا کوئی بھی اس مضمون سے اس بات کی حجت نہ پکڑے کہ کنزالایمان اہلحدیث حضرات کی نظر میں قابل استحسان ہے۔ میں علماء دیوبند کے اس مطالبے میں ان کا شریک ہوں اور خود بھی اس بات کا مطالبہ حکومت وقت سے کرتا ہوں کہ کنزالایمان پر پابندی لگائی جائے، اور اس کے نسخوں کو ضبط کر کے تلف کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں عنقریب کراچی میں ایک کانفرنس بھی جمعیت برادران اہلحدیث پاکستان کے زیر اہتمام منعقد کی جائے گی جس سے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام خصوصاً علمائے اہلحدیث اور علمائے دیوبند خطاب فرمائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

بقیہ عقل انسانی کے کرشمے:

فی زمانہ ایسے غیر متعصب افراد دنیا میں موجود ہیں جو تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ ایک "اعلیٰ قوت" کے قائل ہیں۔ منکرین کو چاہیے کہ اپنی عقل پر اعتماد کے ساتھ ساتھ دل کی آواز پر توجہ فرمائیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

روزے کی حقیقت: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے جھوٹ بات کہنا نہ چھوڑا، اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری)

دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ تم میں سے جس کا روزہ ہو وہ بے حیائی نہ کرے، اگپ شپ نہ مارے، اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔

(بخاری و مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر خدانخواستہ آپ نماز نہیں پڑھتے!

- اگر آپ خدانخواستہ بے نمازی ہیں ـــــ اور

آپ کو یہ علم نہیں کہ اس حال میں آپ کس درجے کے گنہگار ہیں ؟
آپ کی اس نافرمانی کا انجام کیا ہے ؟ شریعت آپ کے متعلق کیا فیصلہ کرتی ہے ؟
تو پوری توجہ سے سن لیجیے !

- اگر خدانخواستہ آپ بے نمازی ہیں ـــــ تو

قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ آپ مشرک ہیں ـــــ آپ کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔
آپ ظالم ہیں ـــــ آپ کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

- اگر خدانخواستہ آپ بے نمازی ہیں ـــــ تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ کافر ہیں ، آپ مشرک ہیں۔
آپ جہنم میں فرعون، ہامان، قارون، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوں گے۔

- اگر خدانخواستہ آپ بے نمازی ہیں ـــــ تو

امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ کو قید کر لیا جائے، یہانتک کہ آپ قید میں مر جائیں۔
امام شافعیؒ کا حکم ہے کہ تلوار سے آپ کی گردن اڑا دی جائے۔
امام احمد بن حنبل کا فتویٰ ہے کہ آپ صریح کافر ہیں۔ آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ کو مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے۔
آپ کی ساری جائداد بحق بیت المال ضبط کر لی جائے۔ نہ آپ کا جنازہ پڑھا جائے نہ آپکو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

- اگر خدانخواستہ آپ بے نمازی ہیں ـــــ تو

فرمائیے آپ کو یہ انجام منظور ہے ؟ آپ اپنے حق میں ان فیصلوں کا نفاذ پسند کرتے ہیں ؟

اگر آپ کو اپنا یہ انجام پسند نہیں ہے (اور ہونا بھی نہیں چاہیے) تو اس راہ کو فی الفور ترک کر دیجیے، جو اس انجام تک پہنچانے والی ہے۔ توبہ کیجیے اور اپنے پروردگار سے اپنی گزشتہ نافرمانیوں پر معافی طلب کیجیے وہ توبہ قبول کرنے والا اور معاف کرنیوالا ہے، ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ابھی سے طے کر لیجیے کہ آپ اب سے نمازی ہیں اور پھر کبھی ترک نہیں کریں گے۔ اپنے پروردگار سے دعا مانگیے کہ آپ کی نماز صحیح، سچی اور ہمیشہ کی نماز ہو۔ یہ مقام سوچنے کا نہیں کرنے کا ہے۔ کیونکہ موت کا فرشتہ حکم کا منتظر کھڑا ہے۔ اسے جونہی اشارہ ہوا وہ فوراً آپ کو دبوچ لے گا اور پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ پس جلدی کیجیے کہ وقت نکلا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد فاروق ایم۔اے۔
گلمنڈی بھیلواڑہ، راجستھان

کامیابی کا راز

بیشتر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کامیابی کچھ خاص لوگوں کا حصہ ہے، اس لیے وہ کامیابی کے لیے آگے نہیں بڑھتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کسی کی ملک اور میراث نہیں ہے۔ درحقیقت اگر کوئی بھی اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے تو ضرور کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ عزم محکم اور جہد پیہم شرط ہے۔ کامیابی کا پہلا قدم منزل کا تعین ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی زندگی کے نصب العین کا واضح تصور ذہن میں رکھیں جب تک آپ کو واضح طور پر یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے نہیں کر سکتے، فیصلے کا موقع آئیگا تو تذبذب میں پڑ جائیں گے اور دوسروں کو آگے بڑھنے کا موقع دیدیں گے، اس لیے سب سے پہلا اور سب سے اہم اصول منزل اور مقصد کا تعین ہے کہ آپ کیا چاہتے ہیں، اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں، تو ہمیشہ منزل کی طرف بڑھتے رہیے مشکلات کو اپنے لیے چیلنج سمجھیے، حوصلہ سے کام لیجیے، یقیناً کامیابی آپ کی ہے۔

عبدالسلام ٹی۔ٹی۔ای، ایم۔اے
بھیلواڑہ، راجستھان

از شمیم احمد ریحوی

اسلامی عبادات حکمتیں اور مصلحتیں

اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں بندوں پر فرض کی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کی کوتاہ عقل تمام احکامات اور اوامر و نواہی کے اسباب و علل تک نہ پہونچ پائے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ خدا نے یہ حکم بغیر کسی مصلحت کے صادر فرما دیا ہے، پروردگار عالم حکیم و خبیر ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ "فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ" حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العلمین بغیر حکمت و مصلحت کے کوئی حکم اپنے بندے پر نافذ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" بنی الاسلام علی خمس، شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا " (بخاری ص۶ ج۱) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔(۵) جس کو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت ہو اس کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا۔ سوال یہ ہے کہ جو شخص ان عبادات کو مکمل اور صحیح طور پر ادا کرتا ہے اسے کیا حاصل ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر ان تمام عبادات کو مسلم مرد و عورت پر فرض عین قرار دینے کی حکمت کیا ہے؟

نماز کی مختلف حالتیں اور حکمتیں

آئیے اس سوال کا جواب قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں تلاش کریں۔ اللہ جل شانہ نماز کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۴۵) نماز فحش و منکر چیزوں سے روکتی ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز صرف ان حرکات و سکنات اور دعا و قرأت تک محدود نہیں ہے جو نماز کے نام سے ادا کی جاتی ہیں، بلکہ

یہ زبان کو بری باتوں سے پاک کرنے، دل کو بری نیتوں سے منزہ کرنے اور تمام اعضاء کو برے اعمال و معاملات سے روکنے کا عملی وسیلہ بھی ہے اس کی مزید وضاحت اس حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "لیس کل مصل اتقبل صلاتہ۔ انما اقبل صلاۃ من تواضع لعظمتی ولم یتکبر علی عبادی واطعم الفقیر الجائع لوجھی" (احیاء العلوم ص۱۲۰ ج ۱) یعنی میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو اس سے میری عظمت کے سامنے خاکساری اختیار کرے اور میرے بندوں پر تکبر نہ کرے بلکہ مصیبت زدہ مسکین۔ بیوہ۔ یتیم اور مسافروں کے ساتھ رحمت و شفقت کا رویہ اپنائے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان کی وہی نماز قابل قبول ہو سکتی ہے جو اس کے اندر تواضع و خاکساری پیدا کرے اور کبر، تکبر و ترفع۔ غرور و گھمنڈ جیسے اخلاق رذیلہ سے اسے دور رکھے اور اسے مصیبت زدہ یتیموں، مسکینوں۔ بیواؤں اور بیکسوں کے ساتھ حسن سلوک اور رحمت و شفقت جیسے اخلاق فاضلہ ابھارے حقیقت میں نماز ایک ایسا عمل ہے جو دلوں کو اللہ سے روحانی طور پر جوڑ دیتا ہے۔ گویا نماز اللہ اور بندے کے درمیان ربط و تعلق کا مظہر ہے اور نماز ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو ایک خاص طرز زندگی کا عادی بناتی ہے اس میں صبر و استقامت پیدا کرتی ہے اور بتدریج برے اخلاق و عادات کو بدل ڈالتی ہے۔

آئیے اب ذرا اس پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم کیوں دیا؟ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں اتنی سختی کیوں اختیار کی کہ آپ نے اس ارادے کا اعلان فرمایا کہ جوانوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور بغیر عذر جماعت چھوڑنے والوں کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ ہم غور کرنے پر دیکھتے ہیں کہ ایک ہی صف میں حاکم وقت بھی ہے اور محکوم بھی۔ امیر بھی ہے غریب بھی۔ ادنیٰ بھی ہے اعلیٰ بھی۔ سب ہی دست بستہ کھڑے ہیں۔ نہ فقیر و غنی کا کوئی فرق ہے نہ ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی امتیاز، یہ درحقیقت لوگوں کے درمیان عملی مساوات ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا عملی نمونہ ہے۔ "لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ" (الترغیب والترہیب) کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ ہی کی بنا پر۔ علامہ اقبال نے اس مفہوم کو کتنے اچھے انداز میں ادا فرمایا ہے ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز ۔۔۔ قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ۔۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

تمام لوگوں کا دل اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے۔ ہر کوئی ایک ہی زبان میں خدا کی تکبیر و تمجید کر رہا ہے۔ ہر شخص اللہ ہی سے ہدایت طلب کرتا ہے۔ سب کا رکوع ایک۔ سجدہ ایک۔ قیام ایک۔ اور قعدہ ایک ہے یہاں تک کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم وعید شدید سناتے ہیں کہ اگر کوئی امام سے سبقت کرے۔ اپنا سر اس سے پہلے اٹھائے یا اس سے پہلے جھکائے تو اسے ڈرنا چاہئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر میں تبدیل نہ کر دے۔

جماعت سے ان تمام خوبیوں کے علاوہ لوگوں کے درمیان شفقت و محبت اور اخوت و ہمدردی کے تعلقات بھی استوار ہوتے ہیں تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یعنی بھلائی و تقویٰ کی چیزوں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ظلم و گناہ کے سلسلے میں مدد نہ کرو۔ (المائدہ۔ ۲) جماعت درحقیقت ایک چھوٹی سی کانفرنس ہے۔ جو لوگوں کے دکھ درد کو معلوم کرنے اور اسے حل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے یہ اور اس طرح کی اور بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے جماعت کا اہتمام کرایا گیا ہے۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ نوافل و سنن کو گھروں میں ادا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں؟ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ لا تجعلوا بیوتکم مقابر (مسلم ص۲۶۵ج۱) تم اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ تو اس کا جواب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ہی میں ہمیں ملتا ہے "اذا قضی احدکم الصلوٰۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیتہ نصیبًا من صلوٰتہ فان اللہ جاعل فی بیتہ من صلوٰتہ خیرًا (مسلم ص۲۶۵ج۱) جب تم میں سے کوئی اپنی نماز مسجد میں ادا کرے تو اسے چاہئے کہ اپنی کچھ نمازیں گھر میں بھی ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی وجہ سے اس کے گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا۔ دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے "مثل البیت الذی یذکر اللہ فیہ والبیت الذی لا یذکر اللہ فیہ مثل الحی والمیت (مسلم ص۲۶۵ج۱) یعنی اس گھر کی مثال جس میں خدا کی یاد کی جاتی ہے۔ اور اس گھر کی مثال جس میں اس کا ذکر نہیں ہوتا ہے زندہ

دمردہ کی سی ہے ۔

اس میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ گھر کے جو لوگ نماز باجماعت کے مکلّف نہیں ہیں ان کے اندر بھی خدا پرستی کا احساس ابھرے ۔ ان میں اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا ہو ۔ اور اس طرح گھر کے اندر خیر و فلاح اور نیکوکاری کی فضا قائم ہو ۔ فحش و منکر اور گناہ و حرام کا نام و نشان نہ رہ جائے چوری ودغابازی غیبت وچغل خوری اور بدظنی وغیرہ یہ تمام بری عادت گھر سے بالکل ختم ہو جائیں اور ان کی جگہ امن و اطمینان ۔ اطاعت و فرمانبرداری ۔ اخوت و ہمدردی ۔ ادب و احترام اور تمام اسلامی آداب جگہ لے لیں تا کہ ایک خوشگوار اور مومنانہ زندگی گھر میں بسر ہو سکے ۔

زکوٰۃ کی حکمتیں

نماز کے بعد آئیے اب زکوٰۃ کی مشروعیت کی حکمت پر نظر ڈالیں ۔ کتاب اللہ میں نماز کے بعد تقریباً ہر جگہ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کی حیثیت محض ٹیکس کی ہے جو مالداروں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ؟ یا اس کی حیثیت محض تطہیر مال کی ہے ؟ اس بارے میں قرآن مجید کا بیان یہ ہے : خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا ۔ (التوبۃ ۔ ۱۰۳) ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے اور اس سے ان کی تطہیر و تزکیہ کیجئے ۔

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ ادا کرنے والے کے حق میں زکوٰۃ کا مقصد تطہیر و تزکیہ قرار دیا گیا ہے ۔ زکوٰۃ کے معنی میں نمو ۔ اضافہ اور برکت بھی شامل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال کی پاکی کے علاوہ دلوں میں محبت و رحمت کے بیج پڑتے ہیں ۔ دینے اور لینے والے کے درمیان محبت کے تعلقات مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں اور انسان سے کبر و انانیت ۔ حرص و طمع اور سنگ دلی ختم ہوتی ہے ۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اگر کسی انسان کے اندر یہ اجتماعی خوبیاں اور اوصاف پیدا نہ ہوں تو وہ درحقیقت اللہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں قرار پایا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ۔ ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيمة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم فقرأها رسول الله ثلاث مرات فقال ابوذر خابوا وخسروا من هم يا رسول الله قال المسبل ازاره والمنفق سلعته بالحلف الكاذب

والمنان عطاءہ (نسائی ملٹ ج ۲) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمی ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی ان کو (ان کے گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ناکام ہوئے اور خسارے میں پڑ گئے یہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے جواب دیا ٹخنہ سے نیچے تہبند لگانے والا۔ اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ فروغ دینے والا اور اپنے عطیہ کا احسان جتانے والا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ (البقرہ۔ ۲۶۴) یعنی احسان جتا کر اور تکلیف دہ باتیں کہہ کر اپنے صدقات کو برباد نہ کرو۔

قرآن پاک میں صدقہ صرف فرض زکوٰۃ ہی کو نہیں کہا گیا ہے بلکہ بہت سی آیات میں تطوعاً یعنی نفلی طور پر خوش دلی کے ساتھ خرچ کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالےٰ نے مالداروں کی دلداری کرتے ہوئے ان کے عطیات کو قرض کے درجہ پر ٹھہرایا ہے۔ ارشاد ہے: مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرہ ۲۴۵) کون ہے جو اللہ کو بہترین قرض دے جسے پروردگار عالم بہت زیادہ بڑھا کر اسے دے گا اور اللہ ہی رزق کو تنگ کرتا اور بڑھاتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اللہ جل شانہ ہم لوگوں سے قرض طلب کرتا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں! ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ اللہ کو قرض دے دیا۔ اتنا کہنے کے بعد اپنے باغ تک گئے اور اپنی زوجہ محترمہ کو دیوار ہی کے پاس سے آواز دی کہ بچوں سمیت تم باہر نکل آؤ۔ کیونکہ میں نے اسے پروردگار کو قرض دے دیا ہے۔ ان کی دیندار بیوی کی فراخدلی دیکھئے۔ اتنی آواز سننی تھی کہ وہ باہر نکل آئیں نہ اس پر کف افسوس ملا اور نہ ہی آج کل کی عورتوں کی طرح قیل وقال کی بلکہ اپنے شوہر کی ہمت افزائی کی اور ان کو اس پر داد تحسین دی اور یہ کہا کہ ربح بیعك یا ابا الدحداح آپ کی بیع بہت ہی نفع بخش رہی اے ابو دحداح!

صدقہ وخیرات کرنے والوں کے برعکس بخیل اور کنجوس لوگوں کے بارے میں قرآن کریم کے اندر بتایا گیا

ہے کہ جنتی لوگ ان سے پوچھیں گے کہ تم جہنم میں کیسے چلے گئے ؟ تو وہ خود اعتراف جرم کرتے ہوئے جواب دیں گے ۔" لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۔ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۔ (المدثر۔ ۴۳ تا ۴۶) ہم نماز نہیں پڑھتے تھے مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے حق کے خلاف ہیرا پھیری کی باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بناتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے ۔

روزے کی حکمتیں

زکوٰۃ کے بعد روزے کا معاملہ ہے کہ روزے کی مشروعیت کن حکمتوں کے پیش نظر ہوئی ؟ کیا معدے کو آرام پہونچانے کے لئے ؟ یا کھانے پینے اور لذتوں سے محروم کرکے جسم کو کمزور کرنے کے لئے ؟ یا نفس کو مغلوب کرکے اسے ترک مرغوبات کا عادی بنانے کے لئے ؟ اس بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : الصوم نصف الصبر " (ابن ماجہ ص۵۵ ج۱) روزہ نصف صبر ہے ۔ روزہ انسان کے اندر روحانیت پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے ۔ اس سے انسان فحش سے بری باتوں سے اور برے اعمال سے بچنے پر قادر ہوتا ہے ۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے حدیث شریف میں یوں بیان فرمایا گیا ہے ۔" من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ " (بخاری ص۲۵۵ ج۱) جو شخص جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے ۔ اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے ۔

حج کی حکمتیں

حج جو اسلام کا پانچواں رکن ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ ۔ ۱۹۷) حج کے چند متعین مہینے ہیں جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل ، کوئی بدعملی کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا برائیوں سے کتنے اچھے انداز میں ممانعت فرمائی ہے اس کے علاوہ حج مسلمانوں کی سب سے بڑی کانفرنس ہے جس میں لوگ باہم ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد سے واقف ہوتے ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی حصے کا باشندہ ہو اور کُلُّ مُؤْمِنٍ إِخْوَةٌ کا عملی نمونہ

پیش کرتے ہیں یعنی ہر مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حج اسلامی اتحاد کا اعلیٰ مظہر اور عالم اسلام کے لئے متحدہ پروگرام کی تشکیل کا بہترین موقع ہے۔

روشن حقیقت

پچھلی تفصیلات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واشگاف ہو جاتی ہے کہ تمام ارکان اسلام جو مرد و عورت پر فرض کئے گئے ہیں ان کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ ان سے ہمارے اخلاق درست ہوں۔ نفوس پاک و صاف ہوں اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں ہر طرف بھلائی ہی بھلائی ہو۔ برائی کا نام و نشان نہ ہو۔ آپس میں اخوت و بھائی چارگی۔ محبت و ہمدردی۔ تعاون و تناصر اور ادب و احترام کی فضا قائم ہو اگر اسلامی عبادات ہمارے اندر یہ اخلاق فاضلہ اور یہ خوبیاں نہ پیدا کر سکیں تو یہ جان لیجئے کہ در پردہ خامی ہے اور خطرہ ہے کہ کہیں یہ تمام عبادتیں قیامت کے دن ہمارے منھ پر مار نہ دی جائیں اور ان کا کوئی اعتبار نہ ہو۔ بلکہ یہ ہمارے لئے وبال جان ثابت ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے سوال فرمایا۔

اتدرون ما المفلس ؟ قالوا المفلس فینا من لا درھم لہ ولا متاع فقال: ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیمۃ بصلوٰۃ وصیام وزکوٰۃ ویاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفک دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار۔ (مسلم ص۳۲۲ ج۲)

یعنی اللہ کے رسول ؐ نے پوچھا کہ تم لوگ جانتے ہو مفلس کون ہے ؟ آپ ؐ کے اصحاب نے جواب دیا کہ ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم اور سامان نہ ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن (خوب) نماز روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا کسی کا خون کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو کسی کو اس کی کچھ نیکی دی جائے گی۔ اور کسی کو کچھ نیکی دی جائیگی اگر اس پر واجب حقوق کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کی گناہ اس شخص پر ڈال دے جائیں گے۔ پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

مسلمان بھائیو! دیکھا آپ نے کتنی وضاحت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی عبادات کی حکمت اور فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ کیا آج ہمارے اندر ان عبادتوں سے ان کے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ؟

...

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب

از حبل اللہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین ینفقون اموالهم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لهم
جرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۝ قول معروف ومغفرة خیر من
سدقة یتبعها اذی واللہ غنی حلیم ۝ یایها الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم
المن والاذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الاخر فمثله
مثل صفوان علیه تراب فاصابه وابل فترکه صلدا لا یقدرون علی شیء مما کسبوا واللہ
لا یهدی القوم الکفرین ۝ ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا
ن انفسهم کمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اکلها ضعفین فان لم یصبها وابل فطل
اللہ بما تعملون بصیر ۝ ایود احدکم ان تکون له جنة من نخیل واعناب تجری من
تحتها الانهر له فیها من کل الثمرات واصابه الکبر وله ذریة ضعفاء فاصابها
عصار فیه نار فاحترقت کذلک یبین اللہ لکم الایت لعلکم تتفکرون ۝ یایها
لذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا
لخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الا ان تغمضوا فیه واعلموا ان اللہ غنی حمید ۝
لشیطن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرة منه وفضلا واللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ " جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرکے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور ان کے لیے کسی رنج و خوف کا موقع نہیں، ایک میٹھا بول اور کسی بات پر چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو، اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اسکی صفت ہے۔ اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دیکر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھلانے کو خرچ کرتا ہے۔ اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر، اسکے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینھ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ بخلاف اسکے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اسکے لئے کافی ہو جائے، تم جو کچھ کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اسکے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو، نہروں سے سیراب، کھجوروں اور انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا، اور وہ عین اس وقت ایک تیز گرم بگولے کی زد میں آکر جھلس جائے، جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور اسکے کم سن بچے کسی لائق نہ ہوں۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر کرو۔"

اے ایمان لانے والو! خرچ کرو اپنی پاک کمائی میں سے اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے زمین میں سے تمہارے لئے نکالی ہے، اور اس میں سے بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، ایسا نہ ہو کہ اسکی راہ میں دینے کیلئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر تمہیں دے، تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے، الا یہ کہ اسکو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ، تمہیں جان لینا چاہیئے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہتر صفت سے متصف ہے۔

شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے

مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے، جسکو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جسکو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی، ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں" (البقرہ ۲۶۲ تا ۲۶۹) اور آگے چلکر انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کو مالک نے خوشخبری سنائی ہے، اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ " جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور خرچ کرتے ہیں ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔ (البقرہ ۲۷۴) یہ تو صرف قرآن کی ایک ہی سورت، البقرہ سے حوالے دیئے گئے ہیں ورنہ تو مالک نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ مسلمان ہونے والوں کے جذبہ انفاق کو ابھارا ہے مثلاً سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ تم نیکی کو نہیں پہونچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم محبوب رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا،، (آل عمران ۹۲)۔ سورہ انفال میں آیا ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ " اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹا یا جائیگا، اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا، (الانفال۔ ۶۰) اور سورہ الحج میں مسلمانوں کی نشانی یہ بتائی گئی ہے: اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ جنکا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں،، (الحج ۔ ۳۵) اور سورۃ المحمد میں تو انفاق سبیل اللہ کی باقاعدہ دعوت دی گئی ہے۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ " دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی جارہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہے، اللہ تو غنی ہے، تم ہی اسکے محتاج ہو (سورۃ المحمد ۳۸) ــــ سورۃ الصف میں مسلمانوں کو وہ نفع بخش تجارت بتائی گئی ہے جو انھیں عذاب الیم سے محفوظ رکھے گی ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ

عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۝ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تمکو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانو، اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیگا، اور تمکو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا، یہ ہے بڑی کامیابی (الصف ۱۰-۱۲) مالک الملک دین کی راہ میں مال خرچ کرنے سے پہلو تہی کرنے والوں کو سورۃ المنافقون میں خبردار کرتا ہے وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِیْ اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۔ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ "جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، اسکے تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ پکارے کہ "اے میرے رب کیوں نہ تونے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا"، (المنافقون ۱۰) اور سورۃ التغابن میں فلاح پانے کا راستہ اسطرح بتایا گیا ہے" فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝

"جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے قصوروں سے درگذر فرمائے گا، اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے"، (التغابن ۱۶، ۱۷) اور سورۃ الحدید کا تو مرکزی مضمون ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین کی راہ میں مالی قربانیوں کے لئے ابھارا جائے، اور یہ بات ان پر واضح کر دی جائے کہ محض زبانی اقرار اور کچھ ظاہری اعمال ہی ایمان کے معنی نہیں ہیں، بلکہ اللہ اور اسکے دین کے لئے مخلص ہونا ایمان کی اصل روح ہے اور جو شخص اس روح سے خالی ہو اور اللہ اور اسکے دین کے مقابلے میں اپنی جان و مال اور مفاد کو عزیز تر رکھے اس کا ایمان کھوکھلا ہے جسکی کوئی قدر وقیمت اللہ کے نزدیک نہیں ہے ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ آدمی اللہ کے دین کی سربلندی و سرفرازی کیلئے

مال صرف کرنے سے پہلو نہ بچائے کیونکہ یہ مال دراصل اللہ ہی کا دین ہے جس پر انسان کو خلیفہ کی حیثیت سے کچھ عرصے کے لئے تصرف کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کل یہی مال دوسروں کے پاس تھا آج ہمارے پاس ہے۔ کل کسی اور پاس چلا جائے گا۔ ہمارے کام اس مال کا کوئی حصہ اگر آسکتا ہے تو صرف وہ جسے ہم اپنے زمانہ تصرف میں اللہ کی راہ میں خرچ کر چکے ہوں۔ اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۖ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ "ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تمکو خلیفہ بنایا ہے، جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور خرچ کریں گے ان کے لئے بڑا اجر ہے" (الحدید ۷)

اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں دینا بہرحال قابل قدر ہے۔ مگر اسکی قدر و قیمت اللہ نے موقع کی نزاکت کے لحاظ سے متعین فرمائی ہے جو لوگ اسلام کی ضعف کی حالت میں اسکو سربلند کرنے کے لئے جانیں لڑائیں اور مالی قربانیاں دیں ان کے درجے کو بہرحال وہ لوگ نہیں پہونچ سکتے جو اسلام کے غلبے کے بعد اس کو مزید فروغ دینے کے لئے جان و مال قربان کریں۔ اسی سورۃ الحدید میں اس بات کو یوں فرمایا گیا ہے۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کیلئے ہے تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے،، (الحدید ۱۰) جس طرح مالک نے سورۃ البقرہ، سورۃ الانفال اور سورۃ التغابن میں ارشاد فرمایا ہے اسی طرح سے اس سورۃ الحدید میں اس بات کو دو جگہ فرمایا گیا ہے کہ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اسکے لئے بہترین اجر ہے" (الحدید ۔ ۱۱)

اسی طرح آگے چلکر اسی بات کو اس انداز سے کہا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور

جنھوں نے اللہ کو قرض دیا ہے ۔۔ قرض حسن ۔ انکو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لئے اجر کریم ہے (الحدید-۱۸) عبد اللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اور نبی کریمؐ کی زبان مبارک سے لوگوں نے سنا تو ابوالدا حداح انصاریؓ نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "ہاں، اے ابوالداحداح" انھوں نے کہا "ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھایئے" آپؐ نے اپنا ہاتھ انکی طرف بڑھایا، انھوں نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا "میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا"، عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ان کا بہت ہی بڑا باغ تھا اس میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا، اور وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کرکے وہ سیدھے اپنے گھر پہونچے اور باہر ہی سے بیوی کو پکار کر کہا، "وحداح کی ماں نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دیدیا"، وہ بھی مومنہ خاتون تھیں بجائے اسکے کچھ پوچھتیں فوراً بولیں، تم نے نفع کا سودا کیا ہے وحداح کے باپ"، اور اسی وقت اپنا سامان اور بچوں کو لیکر باغ سے نکل گئیں، اس ایک واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کا قرض ہے اور کیسا اجر کریم ہے جسے حاصل کرنے کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین تک شب بے چین رہا کرتے تھے، اب جو لوگ ہمیں اور ہمارے کام کو برحق سمجھتے ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ خود رضا کارانہ آگے بڑھیں اور اپنے مالک کو خوش کرنے کے لئے جنتوں کے لازوال بادشاہی حاصل کرنے کیلئے جتنا وہ سمیٹ سکتے ہوں سمیٹ لیں اللہ تعالیٰ اجر کریم کے ساتھ اس دن انکے اس قرض کو واپس کرے گا، جسدن سوائے اس مال کے۔ دنیا میں خرچ کیا ہوا کوئی مال انکے کام نہ آئے گا۔ اور یہ کہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا (البقرہ) اللہ کسی متنفس پر اسکی مقدرت سے بڑھکر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا"۔۔۔۔

---

(۱) اے نبی! یہ لوگ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ ان سے فرما دیجیے، اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ دھرو، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تم پر احسان دھر رہا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی توفیق دی، بشرطیکہ تم سچے مسلمان ہو۔ (ترجمہ: حجرات)
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر اس انداز سے نہیں سوچ سکتا کہ اس نے خدا کی اطاعت کرکے خدا یا رسول پر کوئی احسان کیا ہے،

اشاعتِ اسلام کے صحیح اسباب

مقصود اختر اعظمی متعلم مدرسہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن۔

دنیا میں جب کبھی کسی مذہب نے جنم لیا اور کوئی تحریک اٹھی تو اس کے مخالفین اس کی اشاعت و ترقی کی شاہراہ میں سنگ گراں بن کر ضرور حائل ہوئے۔ اس کے مبلغین و مصلحین کو طرح طرح کی الزام تراشی و بہتان طرازی سے بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اسلام جس نے اپنی بے پناہ خوبیوں کی بدولت برق رفتاری سے ترقی کی اور چند ہی دنوں میں اس کے امن و امان کی صدائے بازگشت پوری دنیا میں سنائی پڑنے لگی، بھلا اس قاعدۂ کلیہ سے کیونکر مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس کے مخالفین و معاندین نے اس کی روز افزوں ترقی کے بارے میں بیشمار قسم کے پروپیگنڈے کئے اور بہتان تراشے ان ہی الزامات میں سے ایک الزام یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت بزورِ شمشیر ہوئی۔ لیکن اگر اسلام کے ابتدائی حالات و واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے، اس کی مکی زندگی کی مظلومیت کو سرسری نظر سے ہی دیکھ لیا جاتا تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی کہ اس مذہب کی نشر و اشاعت طاقت و قوت کے بل پر کیسے ہو سکتی ہے جو نہایت بے سر و سامانی کے عالم میں مکہ کے اندر پیدا ہوا، جس کے متبعین و پیروکاروں کو مشرکین مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ دوپہر کے وقت چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تپتے ہوئے پتھروں اور گرم گرم ریت پر لٹایا، بہتوں کو رسیوں میں باندھ کر پیٹا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ آپ پر آوازے کسے، راستوں میں کانٹے بچھائے، اوپر کوڑا کرکٹ پھینکا۔ اور جب ان کا یہ سارا ظلم و ستم اسلام کی تعلیم و ترقی کو نہ روک سکا تو آپ اور آپ کے پورے خاندان والوں کا مقاطعہ کیا۔ غرضیکہ مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، حتیٰ کہ مجبور و بے بس ہو کر انھیں اپنے وطنِ عزیز کو خیرباد کہنا اور تمام جائداد سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ پہنچے تو وہاں بھی اطمینان سے نہ بیٹھنے پائے۔

پھر جب ایک وقت ایسا آیا کہ مکہ فتح ہوا، مسلمان فاتحانہ شان سے اس میں داخل ہوئے اور اہلِ مکہ

جنھوں نے ۲۰، ۲۱ برس تک مسلمانوں کی عداوت و دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا، بے بس و مجبور اور مفتوح کی حیثیت سے سامنے آئے تو مسلمانوں نے انھیں معاف کردیا، حالانکہ اگر کوئی دوسری قوم ہوتی تو وہی صورت پیش آتی جسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (بادشاہ... جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو ویران اور وہاں کے ذی عزت باشندوں کو ذلیل و رسوا کردیتے ہیں۔) یعنی مکہ میں خون کی ندیاں بہ جاتیں اور لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ لیکن مسلمانوں نے کسی سے تعرض نہ کیا، کسی متنفس کو خراش تک نہ آنے دی بلکہ ان کو مذہب و عقیدہ کی مکمل آزادی بخشی اور رحمۃ للعالمین نے اعلان کیا کہ: اذھبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم۔ جاؤ تم سب آزاد ہو آج تم پر کوئی عتاب نہیں۔ غرض ہر خطا ہر جرم معاف۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے سب سے بڑے دشمن، ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا اور فرمایا: من دخل دار ابی سفیان فھو امن، من القی السلاح فھو امن، من غلق بابہ فھو امن۔ (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے، جو اپنا دروازہ بند کرلے وہ مامون ہے۔

مسلمانوں کے اس فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر بے شمار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حقیقت یہ ہے مسلمانوں کی اسی رافت و رحمت، رواداری و ہمدردی اور عفو و کرم نے اسلام کے مقبول کرانے میں سب سے زیادہ کام کیا۔ پھر عہد خلافت میں بھی اور اس کے بعد بھی مسلمانوں کے مکارم اخلاق اور دعوت و تبلیغ ہی سے متاثر ہو کر لوگ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ چنانچہ ساتویں صدی میں وہی تاتاری جو پچاس برس تک اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف تھے، جنھوں نے عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں، حتی کہ دارالحکومت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، دفعۃً اللہ کے کچھ صالح اور برگزیدہ بندوں کی دعوت و تبلیغ کے ہاتھ سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اپنی تمام جنگی و انتظامی صلاحیتیں اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے صرف کردیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

قیصر روم تھیوڈیسس اعظم ایک عظیم الشان فرمانروا گزرا ہے، جس نے مذہبی جوش میں یہ فرعونی احکام صادر کیے تھے کہ وسیع سلطنت روما میں آج کے بعد بت پرستی کا نام و نشان نہیں رہنا چاہیے۔ اس کے اس حکم کے نفاذ کے ساتھ بت پرست اقوام پر قہر کی بجلیاں تڑپنے لگیں اور آفتیں ٹوٹ پڑیں ان کے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی، ان کے تمام معابد

توڑ ڈالے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۱۵ برس کے اندر دنیا کی عظیم الشان سلطنت سے بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا۔ جنھوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کیا، ان کے سر بلا تامل قلم کر ڈالے گئے۔ اسپین اور سسلی میں مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلا گیا۔ یہودیت نے بھی اپنے عہد میں یہی کیا اور دوسری قومیں بھی یہی کرتی رہیں۔ خسرو پرویز ایک شاہ پرست فرمانروا تھا۔ اس نے روم پر چڑھائی کی اور قیصر ہرقل پر نہ بیچارگی کا عالم طاری کر دیا۔ اس وقت اس نے بھی یہی کہا تھا کہ میں قیصر پر اس وقت تک رحم کرنے کے لیے تیار نہیں جب تک وہ اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر آفتاب کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس نے راہ کے سیکڑوں راجاؤں کو نیست و نابود کر دیا۔ پھر جب عیسائی ہرقل کی باری آئی تو اس کا جوش بھی دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا، اس نے فارسیوں کو کچلنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ایران کے صد سالہ آتشکدہ کو ٹھنڈا کر دیا، اور اپنی تلوار سے آتش پرستی کا خاتمہ کرتا چلا گیا۔

لیکن اسلام کی تاریخ دیکھیے۔ اسلام نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ کہنے کو تو اسلام کے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے اسلام کی بد سے بد تر تصویر کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے کورس میں بھی زہریلی اور وضعی روایات سے بھرے مضامین داخل کیے جاتے ہیں تاکہ ایک طرف دوسری اقوام کو اس سے تنفر پیدا ہو اور دوسری طرف مسلمان بھی اپنے مذہب سے بیزار ہو کر دوسری قوم کی آغوش میں چلے جائیں۔ لیکن حقائق ان سے بہت مختلف ہیں اور حقائق کے چہروں کو دیر تک گرد و غبار کی تہ میں چھپایا نہیں جا سکتا۔ واللہ الموفق وھو الہادی الی سواء السبیل۔

●●●

سعودی عرب کی پہلی یونیورسٹی

جامعۃ الملک سعود۔ ریاض

جدید عمارت کا افتتاح اور چند تاریخی خاکے

. برس پہلے جب مملکت سعودیہ عربیہ کی تشکیل ہوئی تھی تو وہاں علماء کی نہایت مختصر سی جماعت کو چھوڑ کر عام طور پر ان پڑھ بدوؤں کی ایک بھیڑ تھی۔ اور اندازہ یہ تھا کہ صدہا برس کی کوششوں کے بعد شاید اس ماحول میں تھوڑا سا تغیر ہو سکے گا۔ لیکن اس ملک میں جس تیز رفتاری سے علمی ترقی ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آج اسلامی علوم و فنون اور مخطوطات کی تحقیق میں عالم اسلام کا کوئی بھی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس میدان میں اس نے تقریباً ساری دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام دنیاوی (میڈیکل، ٹیکنیکل اور سائنسی) علوم و فنون میں بھی وہ ترقی یافتہ دنیا کے معیار کو چھو رہا ہے۔

اس وقت سعودی عرب میں سات یونیورسٹیاں ہیں، جو مجموعی طور پر ساٹھ علمی و فنی کالجز پر مشتمل ہیں اور ان میں مختلف جدید و قدیم علوم و فنون میں تخصص کے چار شعبے ہیں۔

ان ساتوں یونیورسٹیوں سے اب تک پچاس ہزار طلبہ اور طالبات فارغ ہو چکے ہیں، اور اس وقت ان میں مجموعی طور پر اسی ہزار طلبہ اور طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان میں ۲۳۳۷۳ طلبہ اور طالبات کی تعداد تنہا جامعۃ الملک سعود میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ یہ یونیورسٹی (جامعۃ الملک سعود) سعودی عرب کی سب سے پہلی یونیورسٹی ہے۔ جو اب سے ۲۸ برس پہلے ۱۹۵۷ء میں قائم ہوئی۔ اس یونیورسٹی کی وسعت اور اس کے کالجوں اور شعبوں کی کثرت کے پیش نظر ریاض ۔ درعیہ شاہراہ پر اس کی نئی عمارت تعمیر ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ (نومبر ۱۹۸۴ء) کو ملک فہد کے ہاتھوں

اس جدید عمارت کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر امیر عبداللہ (ولیعہد اول) امیر سلطان (ولیعہد ثانی، حسن بن عبداللہ آل الشیخ (وزیر تعلیم) اور دیگر امراء و اعیان بھی موجود تھے۔ ملک فہد نے مختلف نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے خطاب میں اصل مقصد کی وضاحت اس طرح کی:

"اہمیت اس کی نہیں ہے کہ ہم بھاری بھر کم عمارتیں تعمیر کرلیں، بلکہ اہمیت اس کی ہے کہ ایسے سعودی افراد تیار کریں جو ان عمارتوں کی تعمیر کے پیچھے کارفرما اور ملکی پیمانے پر مطلوب مقاصد کو بروئے کار لاسکیں۔ اور ان کی حفاظت کرسکیں۔ معلوم ہے کہ اس کام کی انجام دہی میں وہ علماء سرفہرست ہوں گے جو اسلامی عقیدے میں ٹھوس اور پختہ ہوں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا یہ ملک دوسو برس سے زائد عرصہ سے کتاب و سنت کی بنیاد پر قائم چلا آرہا ہے۔"

بیجا نہ ہوگا کہ اس موقع پر جامعۃ الملک سعود کے سلسلے میں تھوڑی سی تاریخی معلومات بھی درج کردی جائیں۔

واضح رہے کہ یہ سعودی عرب کی پہلی یونیورسٹی ہے جو شاہ سعود کے زمانے میں سعودی عرب کے موجودہ فرمانروا ملک فہد کے زیر وزارت وجود میں آئی۔ ابتداءً سعودی عرب میں تعلیم کے لیے کوئی مستقل وزارت نہ تھی۔ ۱۳۷۳ھ میں پہلی بار مستقل وزارت تعلیم کا قیام عمل میں آیا اور موجودہ فہد بن عبدالعزیز سعودی عرب کے پہلے وزیر تعلیم مقرر کیے گئے۔

اس کے بعد ملک سعود بن عبدالعزیز نے ریاض میں ایک علمی اور فنی کالج قائم کرنے کے لیے اپنی تخت نشینی کی پہلی سالگرہ کے موقع پر یعنی ۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کو چار لاکھ ریال کا ایک گرانقدر عطیہ دیا۔

پھر شاہی خاندان کے افراد میں سے شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز نے اپنی زیر ملکیت ساری زمین کالج بلکہ یونیورسٹی کے قیام کے لیے عطیہ کے طور پر دیدی، اور مزید جتنی زمین کی ضرورت تھی وہ مرحوم ملک خالد بن عبدالعزیز اور شہزادی سارہ بنت عبداللہ بن فیصل آل سعود نے پوری کردی۔ شہر کے اہل ثروت حضرات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عطیات پیش کیے۔

اس کے بعد ملک فہد نے (جو وزیر تعلیم تھے) کہا: "میں یونیورسٹی کی تاسیس پر بھرپور توجہ دے رہا ہوں اور یہ بہت جلد وجود میں آجائے گی۔ البتہ یہ کام علم ہی کی طرح خاموشی اور سکون اور وقار کے

ساتھ انجام پائے گا۔

● اس کے ساتھ ہی ملک فہد نے ۱۳۷۵ھ میں شیخ صالح منصور ڈائرکٹر جنرل تعلیمات کے تحت ایک کمیٹی تشکیل دیدی جس نے دو سال میں تمام منصوبوں کو آخری شکل دے کر ملک فہد کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔ اور اس کے بعد ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ کو شاہی فرمان ۱۷ صادر ہوا، جس کے بموجب سعودی عرب کی پہلی یونیورسٹی جامعۃ الملک سعود ریاض کا وجود عمل میں آیا اور کلیۃ الآداب سے پہلے تعلیمی سال ۷۷/۱۳۷۸ھ ۵۷/۱۹۵۸ء کی تعلیم کا آغاز ہوا۔

● ایک سال بعد تعلیمی سال (۷۸/۱۳۷۹ھ ۔ ۵۸/۱۹۵۹ء) میں کلیۃ العلوم کا قیام عمل میں آیا پھر مزید ایک سال بعد تعلیمی سال (۷۹/۱۳۸۰ھ ۵۹/۱۹۶۰ء) میں مزید دو کالج قائم کیے گئے۔ (۱) کلیۃ العلوم الاداریۃ (جس کا نام ابتداءً کلیۃ التجارۃ رکھا گیا تھا) (۲) کلیۃ الصیدلۃ۔ اور ۱۳۸۰ھ میں یونیورسٹی نظام کی تصدیق کردی گئی۔

● ۸۵/۱۳۸۶ھ ۶۵/۱۹۶۶ء) میں کلیۃ الزراعۃ (زرعی کالج) کا افتتاح ہوا۔

● ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں ایک قانونی ترمیم کے ذریعہ مجلس جامعہ (یونیورسٹی کمیٹی) کے علاوہ ایک مجلس اعلیٰ کی تشکیل عمل میں آئی اور ہر ایک کے دائرۂ اختیارات کی تعیین کردی گئی۔

● تعلیمی سال ۸۷/۱۳۸۸ھ (۶۷/۱۹۶۸ء) میں ریاض کے انجینئرنگ کالج اور ٹریننگ کالج کو جامعۃ الملک سعود میں ضم کردیا گیا۔ پہلے ان دونوں کالجوں کو یونیسکو کے تعاون سے وزارت تعلیم اپنے تحت براہ راست چلا رہی تھی۔ انجینئرنگ کالج ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء) میں اور ٹریننگ کالج ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۶ء) میں قائم ہوا تھا۔

● ۸۹/۱۳۹۰ھ (۶۹/۱۹۷۰ء) میں کلیۃ الطب (میڈیکل کالج) کا قیام عمل میں آیا، اور ۹۴/۱۳۹۵ھ (۷۴/۱۹۷۵ء) سے اس کالج میں طالبات کا داخلہ بھی شروع ہوا۔

● پھر باہر سے آنے والوں کو عربی زبان پڑھانے کے لیے ۹۴/۱۳۹۵ھ (۷۴/۱۹۷۵ء) کے وسط ہی میں معہد اللغۃ العربیۃ قائم کیا گیا۔

● ایم اے۔ اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کی کثرت کے پیش نظر ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء) میں کلیۃ الدراسات العلیا

کا قیام عمل میں آیا۔

● تعلیمی سال ۹۶/۱۳۹۷ھ (۷۶/۱۹۷۷ء) کے آغاز میں صوبہ عسیر کے دار الحکومت ابہا میں سعود یونیورسٹی کے تحت ٹریننگ[11] کالج اور دانت اور معاون طبی علوم کے کالج[12] قائم کیے گئے، جسے چار سال بعد ۱۴۰۱/۱۴۰۲ میں باقاعدہ طبیہ کالج بنا دیا گیا۔

● اسی سال جامعہ کی ایک اور شاخ قصیم میں قائم کی گئی جو زراعت[13] و طب بیطری اور اقتصاد و ادارہ کے دو کالجز پر مشتمل ہے۔

● ۱۴۰۴/۱۴۰۵ کے تعلیمی سال کے لیے جامعہ میں مزید دو کالج قائم کیے گئے ہیں (۱) کمپیوٹر[15] اور معلومات کالج (۲) عمرانیات[16] کالج

● جب یونیورسٹی کا آغاز ہوا تھا تو اس کے تحت صرف ایک کالج تھا اور اس میں صرف اکیس طالب علم تھے لیکن صرف ۲۷ سال گزرتے گزرتے یہ تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اب اکیس ہزار سے زیادہ طالب علم ہیں۔

● اور آج یہ یونیورسٹی ایک کے بجائے ۱۸ کالجوں پر مشتمل ہے جن میں ۱۴ ریاض میں ہیں، دو ابہا میں اور دو قصیم میں۔ اور اگلے پانچ برسوں میں ابہا کے اندر آداب و علوم، انجینئرنگ و تعمیرات، علوم ادارہ (اکنامکس) اور زراعت کے مزید چار کالج کھلیں گے۔ اسی طرح قصیم میں بھی سائنس میڈیکل اور انجینئرنگ کالج کھولے جائیں گے۔

● پھر ہر کلیہ، تخصص کے مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ہر شعبہ بی اے کی ڈگری دیتا ہے اور اکثر شعبے ایم اے کی ڈگری بھی دیتے ہیں۔

● اب جامعہ کو اس کی جدید عمارت (واقع طریق درعیہ) میں منتقل کیا جا رہا ہے، اس عمارت کی تعمیر اور اس سے متعلقہ ضروریات کی تکمیل میں ۱۵ ارب ریال کی لاگت آئے گی۔

● اس جدید عمارت میں ایک ہسپتال، میڈیکل کالج، ڈینٹل (دانت) میڈیکل کالج، کلیۃ الصیدلہ، ٹریننگ کالج، ادارہ و آداب کالج، سائنس و انجینئرنگ کالج، کمپیوٹر اور معاون علوم طب کی عمارتیں ہوں گی اور یہ دو سال کے اندر اپنے تمام لوازمات سمیت مکمل ہو جائے گی، اس میں ادارۂ جامعہ اور چھاپہ خانوں کی عمارتیں بھی ہوں گی، ہر کلیہ کے لیے الگ الگ لیکچر ہال ہوں گے جن میں ڈھائی ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہو گی، کھیل کے میدان

ہوں گے، جس میں ڈھائی ہزار افراد کھیل سکیں گے۔

● اسپتال جس کا نام مستشفیٰ ملک خالد ہے اس کی تعمیر ۱۳۹۵ھ میں شروع ہوئی تھی اور یہ تین سال سے کام کر رہا ہے۔ یہ ۲۰۰ بیڈ پر مشتمل ہے۔

● درعیہ کے اندر یونیورسٹی ایریا میں روزانہ چودہ ہزار کاریں اور موٹریں آتی ہیں اور مختلف اداروں کے سامنے مجموعی طور پر ۱۱ ہزار کاروں کے ٹھہرانے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔

شجرکاری کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور ۴۷۵۰۰ مربع میٹر کے علاقے میں ۱۵۵۰۰ درخت اور پودے لگائے جا چکے ہیں۔ فصیل بیلوں سے لدی ہوئی ہے جس کا طول ۱۰۵۰۰ میٹر ہے۔ کھجور کے ساڑھے نو سو پودے لگائے گئے ہیں، ہر طرف پھولوں کے گملے لٹک رہے ہیں اور یونیورسٹی کی دیواروں، گزرگاہوں اور پارکوں میں بطور زینت ساڑھے چار ہزار کھجور کے درخت لگائے گئے ہیں۔

● جامعہ کے ڈائرکٹر نے ۱۴ دسمبر ۱۹۸۴ء کو بتلایا کہ اس سال (۱۴۰۴/۱۴۰۵ھ) جامعہ کو سات سو سے زیادہ علمی مقالات موصول ہوئے ہیں جنہیں مدرسین نے پیش کیا ہے اور یہ طویل المیعاد نتائج کے حامل ہیں۔

● ڈائرکٹر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ کلیۃ الصیدلہ روزانہ ریاض میں سپلائی ہونے والے پانی کی جانچ کرتا ہے۔ اسی طرح مارکیٹ میں آنے والی تمام دوائیں بھی چیک کرتا ہے اور مزید خدمت کے لیے بھی ہمہ وقت تیار رہے۔

● انھوں نے یہ بھی بتایا کہ تیرہ اہم دینی کتابوں کے ترجمہ کے لیے خصوصی مرکز قائم کیا گیا ہے اور امید ہے کہ اس سال اس قسم کی دس کتابوں کے ترجمے ہو جائیں گے۔ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ الیکٹرانک انجینئرنگ کے متعلق ایک کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے، جسے عالمی پیمانے پر اس فن کے لیے مرجع مانا جاتا ہے۔

● موصوف نے یہ بھی بتایا کہ ہر سعودی یونیورسٹی بیرونی ممالک کے ۱۵ فیصد طلبہ کو قبول کر سکتی ہے۔

(الدعوہ ریاض ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء، ۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء) ●●●

امام حرم کی تشریف آوری

۴/اپریل ۸۶ء کو جامعہ سلفیہ نے امام حرم سماحۃ الشیخ عبدالرحمان بن عبدالعزیز السدیس حفظہ اللہ کو خوش آمدید کہنے کا شرف حاصل کیا۔ موصوف اصلاً حیدرآباد کی سیرت وحدیث کانفرنس منعقدہ ۲۹/۳۰/۳۱/مارچ ۸۶ء میں تشریف لائے تھے، لیکن جب ان کے اس پروگرام کا علم ام القریٰ مکہ مکرمہ میں زیر تعلیم سلفی طلبہ کو ہوا تو شیخ جاوید اعظم بنارسی نے ان سے ملاقات کرکے انھیں دعوت دیتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ جامعہ سلفیہ کو بھی اپنی تشریف آوری سے نوازیں۔ امام صاحب نے اس کی باقاعدہ منظوری تو نہ دی لیکن رضامند اور تقریباً تیار ضرور ہو گئے۔ اس کے بعد ہمارا پروگرام یہ تھا کہ جامعہ کا ایک وفد حیدرآباد جائے گا اور امام صاحب سے مل کر ان کی تشریف آوری کے پروگرام کو آخری شکل دے گا۔ مگر کرفیو اور فساد کی خبروں کے پیش نظر یہ وفد حیدرآباد نہ جاسکا۔ البتہ جب امام صاحب ۳/اپریل کو لکھنؤ تشریف لائے تو جامعہ کے وفد نے ان سے مل کر پروگرام طے کیا۔ اور ۴/اپریل کی صبح کاشی وشوناتھ اکسپریس سے موصوف کو بنارس لے آیا۔ اسٹیشن پر امام صاحب کا پروقار خیر مقدم کیا گیا۔ پھر جامعہ کے دارالضیافہ میں پہنچتے ہی موصوف نے جامعہ کے حالات وکوائف دریافت فرمانے شروع کردیے۔ اور ناشتے کے فوراً بعد پورے جامعہ کا ایک چکر لگایا، اس وقت درس جاری تھا، موصوف دو درس گاہوں میں — جہاں عربی زبان میں درس دیا جا رہا تھا۔ تشریف لے گئے۔ درس سنا، پھر طلبہ سے زیر درس مسائل سے متعلق سوالات کیے، اس کے بعد خود بھی بڑی مفید علمی باتیں بیان کیں۔ اور درس کا یہ منظر دیکھ کر اپنی بیحد خوشی کا اظہار فرمایا، اس کے بعد پریس اور لائبریریوں کا معائنہ فرمایا، جامعہ کی عربی مطبوعات میں مرعاۃ

دیکھ کر پھڑک اٹھے اور ازراہِ لطف فرمایا جب تک یہ کتاب مجھے نہ دو گے یہاں سے جا نہیں سکتا۔ مزید مطبوعات دیکھ کر فرمایا، جامعہ کی جتنی مطبوعات ہیں سب کا ایک ایک نسخہ مجھے لازماً ملنا چاہیے۔
اس کے بعد آپ نے بچوں کے مکتب اور شعبۂ حفظ کا معائنہ فرمایا، حفظ کرنے والے دو طالب علموں سے ـــ جن میں سے ایک کا انتخاب خود امام صاحب نے کیا تھا ـــ قرآن مجید کی کچھ آیتیں سنیں۔ پھر ابتدائی درجات کے طلبہ سے بعض دینی مسائل پوچھے۔ اس کے بعد شعبہ بنات کی عمارت دیکھتے ہوئے محلہ کنڈی گر ٹولہ (دالمنڈی) تشریف لے گئے اور یہاں جامعہ کے ایک تجارتی کمپلکس کی بنیاد رکھی۔ اس موقع پر آپ کی خدمت میں ایک مختصر سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں آپ کی آمد پر بے حد خوشی کا اظہار کرتے اور آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس تجارتی عمارت کا مقصد ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان شاء اللہ یہ جامعہ کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہوگا۔
اس کے بعد امام صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں جامعہ سلفیہ تشریف لانے اور یہاں کے لوگوں سے ملنے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ سلفیہ نہ صرف اپنے شہر اور ملک میں بلکہ عرب ملکوں میں بھی شہرت و امتیاز رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس تجارتی مرکز کی تعمیر کا بیڑا اللہ کے بھروسے پر جامعہ سلفیہ نے اٹھایا ہے، اور جس کا آج سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے، یہ ایک مبارک قدم ہے اس آمدنی سے قوت پا کر جامعہ سلفیہ کتاب وسنت کی تعلیم و تبلیغ کا کام زیادہ سرگرمی کے ساتھ کر سکے گا۔
آپ نے فرمایا کوئی تعلیمی درس گاہ ہو یا دینی عمارت یا تجارتی مرکز، مسلمان کو اس کی بنیاد خدا کے خوف، تقویٰ اور صالحیت پر رکھنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام کریں۔
اس لیے امید ہے کہ جامعہ کے ذمہ دار اس تجارتی مرکز کی تعمیر بھی اس ارشاد خداوندی کے مطابق کریں گے۔ پھر امام صاحب نے دعاؤں پر اپنی تقریر ختم کر دی۔ اس کے بعد سنگ بنیاد رکھا اور پھر دعا فرمائی۔ اس کے ساتھ پروگرام اختتام پذیر ہوگیا۔
اس پروگرام کے ختم ہوتے ہی جامعہ کا رخ کیا گیا۔ یہاں دارالحدیث ہال میں اسٹیج تیار تھا اور سامعین منتظر۔ امام صاحب اور ذمہ داران جامعہ اسٹیج پر تشریف لائے اور حافظ عبدالعزیز

متعلم جامعہ رحمانیہ کی کلام پاک سے پروگرام شروع ہوگیا۔ تلاوت کے بعد راقم نے ایک مفصل سپاسنامہ
پیش کیا جس میں امام صاحب کو جامعہ کی طرف سے گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید کہتے اور بے پناہ مسرت
کا اظہار کرتے ہوئے ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے مقصد وجود، کارناموں اور حالات پر
روشنی ڈالی گئی۔ پھر جامعہ سلفیہ کی تاسیس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے اس کے مختلف شعبوں اور
ان شعبوں میں ہونے والے کاموں کا تعارف کرایا گیا، اور اخیر میں مہمان گرامی کو مکرر خوش آمدید کہتے اور ان
کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سپاسنامہ ختم کردیا۔

اس کے بعد امام صاحب نے چالیس منٹ کی مفصل تقریر فرمائی۔ موصوف نے اس جامعہ میں اپنی
آمد پر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور اس بات کی تحسین فرمائی کہ اس کی نسبت سلف کی طرف ہے، جس سے
مراد وہ بزرگان دین ہیں جنھوں نے کتاب وسنت کو اپنے لیے شمع راہ بنایا اور ایسے حالات میں
اسلام کے صحیح عقائد واحکام پر کاربند رہے جب ان کو مٹانے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا
جارہا تھا اور دین کو اس حد تک مسخ کردیا گیا تھا کہ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے اور غیر اللہ سے مدد مانگتے
تھے، یہ بات انتہائی خوشی کن ہے کہ آپ لوگوں نے اس بگڑے ہوئے ڈھرے کے بجائے کتاب
سنت کی پیروی کا راستہ اختیار کیا۔

امام صاحب نے فرمایا میں نے وقت کی قلت کے باوجود جامعہ کی مسجد وعمارت اور طریقہ تعلیم
کا مشاہدہ کیا، جس سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ میں آپ حضرات کی اسلامی خدمات سے بہت متاثر ہوں
اور چاہتا ہوں کہ آپ اس راہ میں مزید عزم وحوصلے سے کام لے کر اور آگے بڑھیں، سارے مسلمان
مل کر کتاب وسنت کی خدمت کریں، اس سے یقیناً تائید الٰہی نازل ہوگی اور اللہ آپ کے ساتھ ہوگا۔
یاد رہے کہ کتاب وسنت ہی دو بنیادی چیزیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے رسول
کی سنت، ان کو پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

امام صاحب نے ذمہ داران جامعہ کو امنگ اور حوصلہ دلاتے ہوئے اپنی بابرکت دعاؤں پر
تقریر ختم فرمادی۔ دونوں موقعوں پر آپ کی تقریروں کا ترجمہ مولانا عبدالسلام صاحب استاذ جامعہ

نے کیا۔ اس پروگرام کے ختم ہوتے ہی ظہر کی اذان ہوئی، اور جامعہ کی وسیع مسجد میں طلبہ اساتذہ اور مقامی حضرات کی ایک بڑی تعداد نے امام صاحب کے پیچھے نمازِ ظہر ادا کی۔

نماز کے بعد امام صاحب نے پھر ایک تقریر فرمائی، جس میں اللہ اور رسول کی اطاعت واتباع کی تلقین کرتے ہوئے اس کے فوائد بیان کیے، اور ان کی نافرمانی سے دور رہنے کی تاکید کرتے ہوئے نافرمانی کے نقصانات بیان فرمائے۔ آپ نے سب سے زیادہ زور نماز کی پابندی اور خشوع وخضوع کے ساتھ ان کی ادائیگی پر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد حدیثیں بیان فرمائیں جن میں نماز کو کامیابی کی کنجی اور ترکِ نماز کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے اس کی بھی تلقین کی کہ نماز کے طریقہ میں ائمہ کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی بنا پر ہرگز الجھنا نہیں چاہیے، بلکہ وسعت قلب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو حرزِ جان بنانا چاہیے کہ صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ تم لوگ نماز پڑھا جیسے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اخیر میں سامعین کی خواہش پر امام صاحب نے نہایت بلند اور پرکشش آواز کے ساتھ قرآن مجید کا ایک رکوع تلاوت فرمایا جس سے سماں بندھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد امام صاحب کو ہوائی اڈے تک کاروں کے کارواں کے ساتھ لے جایا گیا اور بحسرت تمام الوداع کہا گیا۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

سوڈان کے داعی کبیر کی تشریف آوری:

امام حرم کے تشریف لے جانے کے چند ہی دن بعد سوڈان کے داعی کبیر شیخ محمد الحسن بن عبدالقادر بن محمد تشریف لائے۔ موصوف مشرقی سوڈان کے شہر کسلا سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اصلاً وہاں کے صوفی طرق میں سے کسی طریق سے تعلق رکھتے تھے، جو بدعات وخرافات سے پر تھا۔ مگر اللہ نے آپ کو ایک مضمون کے مطالعہ کے ذریعہ ہدایت دی، پھر آپ نے کتاب التوحید مع شرح فتح المجید پڑھی تو توحید کے مسائل

کے سلسلہ میں شرح صدر ہوگیا۔ اور آپ نے پہلے اریٹریا، پھر کسلا میں مسلک حق کی دعوت میں بے مثال جدوجہد کی۔ پہلے صرف دس پانچ آدمی متفق تھے، پھوس کی مسجد تھی، نماز شروع ہوئی تو لوگ باہر سے اینٹ پتھر برساتے، مگر آج کامیابی کا حال یہ ہے کہ شہر کسلا میں موحدین کی دس مسجدیں ہیں۔ ہر ایک پختہ اور منارہ دار ہے، اور ہر ایک کے منارہ پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے ہیں، جہاں سے باقاعدہ تبلیغ ہوتی ہے، موصوف نے جامعہ میں تین دن گزارے۔ طلبہ میں اور مدینہ منورہ کی جامع مسجد میں مجموعی طور پر ۷، ۸ تقریریں کیں اور اپنے پراثر خطیبانہ انداز سے حرارت ایمانی کو زندہ کیا۔

نیپال میں امام حرم کی آمد:

سوڈان کے داعی کبیر کے تشریف لے جانے کے بعد مسلمانان نیپال کی جانب سے ایک وفد جامعہ میں آیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں انجمن خدام المسلمین (مسلم سیوا سمتی) کی طرف سے ایک آل نیپال سیرت کانفرنس ہو رہی ہے اور اس میں امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل تشریف لا رہے ہیں۔ چونکہ نیپال کا یہ پروگرام عین امتحان سالانہ کے زمانہ میں پڑ رہا تھا، اس لیے خاصے کشمکش کے بعد اس دعوت پر لبیک کہنے کا فیصلہ ہوا اور ۲۹ اپریل کو راقم (صفی الرحمان) اور مولانا احسن جمیل بذریعہ طیارہ کاٹھمنڈو وارد ہوئے۔ بعد نماز مغرب امام صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ بھی تشریف لائے تھے۔ نماز مغرب نیپالی مسجد باغ بازار کاٹھمنڈو میں امام صاحب نے پڑھائی اور اس کے بعد مسجد ہی میں پروگرام شروع ہوگیا۔ تلاوت، سپاسنامے، نظم وغیرہ کے بعد امام صاحب کی تقریر کی باری آئی، مولانا احسن جمیل اناؤنسری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ راقم نے امام صاحب کی تقریر کا ترجمہ کیا۔ یہ تقریر حکومت اور دوسرے اہل ادیان سے مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت، نیز توحید کے موضوع پر بڑی پرمغز تقریر تھی۔ خاتمہ تقریر کے بعد عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ نے سیرت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ پھر امام صاحب کی دعاؤں پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ دوسرے دن صبح تفریح کا پروگرام تھا۔ کاٹھمنڈو سے باہر جانا روڈ پر مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے دھیلا کھیلی نامی ایک پہاڑی مقام پر پہنچے جو نہایت

خوبصورت تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، کاٹھمنڈو شہر اور اس کے یہ مضافاتی مقامات، اپنی صفائی ستھرائی، سڑکوں کی آراستگی، شادابی، قدرتی بناوٹ اور پہاڑی کیانوں کی تراش خراش کے سبب دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام صاحب اور ان کے دو عرب رفقاء شیخ سلیمان منیعی اور فاروق بہلول تو مہندس تو گویا اس حسن وجمال قدرت میں کھوئے سے رہے۔ کافی سیر وتفریح کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں بھی اتر اتر کر پیدل چلے۔ پھر گوداوری پہنچے اور وہاں نباتات پھولوں اور کانوں کے عجائبات دیکھے، وہاں سے رخصت ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر آئے تو سر شام پھر اجتماع ہوا۔ آج مغرب سے پہلے خاکسار نے سیرت کے موضوع پر تقریر کی۔ اور مغرب کے بعد امام صاحب اللہ کے بندوں کے اوصاف پر ایک جامع تقریر فرمائی، اس کی ترجمانی کا شرف بھی راقم کو حاصل ہوا۔ عشاء کی نماز پر پروگرام کا اختتام ہو گیا۔

ہماری تفریحات کے روح رواں کاٹھمنڈو کے ظفر نامی ایک صاحب تھے، جنھوں نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اپنی کاروں پر پورے قافلہ کو تفریح کرائی تھی، آج عشاء بعد ان کے گھر نہایت پر تکلف دعوت تھی، ادھر بالکل علی الصباح پھر ان کی گاڑی پہنچ گئی۔ آج ایک بہت بلند چوٹی سے طلوع آفتاب کا نظارہ کرنا تھا، جو قدرے تاخیر اور زیادہ بادلوں کے سبب نہ ہو سکا، تاہم ہمالیہ کے وسط میں ایک نہایت فلک بوس چوٹی پر کھڑے ہو کر، پہاڑوں، بادلوں، اور سورج کی شعاعوں کا جو نظارہ کیا گیا وہ امام صاحب اور شیوخ عرب کیا خود ہمارے لیے بالکل نیا اور ناقابل فراموش ہے واپس ہوئے تو قریب کے ایک اور مقام چوبارہ کو دیکھنے چلے گئے اور وہاں سے دیر سے واپس آئے تو طیارہ کا وقت اتنا قریب تھا کہ ایک لمحہ رکنے کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ سامان لے کر بھاگم بھاگ ہوائی اڈے پر پہنچے، اور تمام ضروری کارروائیوں سے فارغ ہوتے ہی جہاز میں داخلہ کا آرڈر ہو گیا۔ مولانا مختار احمد صاحب ندوی ایک روز پہلے جا چکے تھے۔ آج ہماری باری تھی۔ مگر امام صاحب ابھی آج بھی رک رہے تھے اور مغرب بعد ان کا خطاب ہونے والا تھا۔

جامعہ کا سالانہ امتحان :

حسب دستور اس سال ۲۷؍ اپریل سے جامعہ کا سالانہ امتحان شروع ہو کر ۳؍ مئی کو ختم ہو گیا۔ طلبہ

نے مہینوں کی زبردست محنت اور کد و کاوش کے بعد امتحان میں شرکت کی اور ان کی محنت کا ثمرہ نتیجہ کی صورت میں ۶ رمئی تک تقریباً مکمل ہو گیا۔ ۷ رمئی سے جامعہ کی تعطیل کلاں شروع ہوئی جو ۱۰ ر شوال تک ممتد رہے گی۔

ماسٹر اکبر خان لودھی کا انتقال:

موصوف جامعہ کے قدیم انگریزی استاد تھے۔ آپ اس سے قبل اسلامیہ اسکول للہ پورہ بنارس سے بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہو چکے تھے، انگریزی کی بہت اچھی صلاحیت رکھتے تھے اور ہمارے جامعہ سے ناظم اعلیٰ صاحب سمیت بنارس کی بہت سی معروف اور اہم شخصیتوں کے استاد تھے، بڑے با اخلاق، اور وضع کے پابند تھے۔ اخیر عمر فریضہ حج ادا کرنے کے بعد دینداری کی طرف بہت اچھا خاصا رجحان ہو گیا تھا، افسوس کہ ۳ ر اور ۴ رمئی جمعہ و شنبہ کی درمیانی رات میں ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر تقریباً اچانک انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ مغفرت فرمائے

جلسے اور اجتماعات:

۱۰ ر ۱۱ رمارچ کو بمبئی میں اجلاس عام ہوا، جس میں جامعہ سے جناب ناظم اعلیٰ صاحب اور راقم نے شرکت کی۔ اس موقع پر ادارہ اصلاح المساجد بمبئی، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس بھی ہوئے۔ بڑی رونق رہی اور بڑے اہم اور دور رس فیصلے ہوئے۔ اسی میٹنگ میں بنگلور کے اجلاس عام کے پروگرام کو آخری شکل دی گئی۔ راقم تو بمبئی ہی سے واپس چلا آیا۔ مگر دیگر علماء بمبئی سے گجرات تشریف لے گئے۔ ۱۵ ر ۱۶ ر اور ۱۷ رمارچ کو نڑیاد میں اجلاس عام ہوا اور متعدد ذیلی پروگرام بھی ہوئے۔ ۱۸ رمارچ کو ایک روز کے لیے نڑیاد کے قریب ہی ایک مقام آنند میں اجلاس ہوا، ان کے علاوہ تقریباً ہندوستان بھر میں ماشاء اللہ جلسوں وغیرہ کی اتنی کثرت رہی کہ ان کی تفصیلات کیا صرف فہرست دینا بھی ایک طویل کام ہے۔ بہار، بنگال، یوپی کے بہت سے جلسوں میں جامعہ کے اساتذہ نے شرکت کی۔ بنارس میں جمعیۃ الشبان المسلمین کی بدولت ہر ہفتے تبلیغ و دعوت کے لیے بڑی چہل پہل رہتی ہے اور الحمد للہ نوجوانوں میں خصوصاً اور دیگر طبقوں میں عموماً حرکت و عمل اور بیداری کے آثار محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اللہ مزید توفیق دے۔ آمین۔

قرارداد تعزیت و دعائے صحت

مرکزی جماعت اہلحدیث متحدہ عرب امارات (شارجہ) کے ایک اجتماع میں پاکستان کے نامور عالم و فاضل محقق اور جماعت اہلحدیث کے اہم رکن اور وزارت امور اسلامیہ اوقاف (الامارات) کی طرف سے کلیا میں امام مولانا کرم الدین سلفی اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے اسکالر، فاضل مدینہ یونیورسٹی اور مکہ یونیورسٹی میں ایم اے فائنل کے طالب علم مولانا عبدالمجید اصلاحی کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ مولانا سلفی کی گرانقدر خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کیا اور مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی۔

حقیقت یہ ہے کہ سلفی صاحب کی ذات گرامی پاکستانی جماعت کے لیے بالعموم اور جماعت امارات کے لیے بالخصوص ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی، جبکہ اصلاحی صاحب ایک ہونہار طالب علم ہی نہ تھے بلکہ ایک فاضل نوجوان تھے، مگر بھرپور عملی زندگی میں قدم رکھنے سے قبل ہی دیار مقدسہ میں ایک ٹریفک حادثہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ع

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دعائے صحت: ایسے ہی ایک اجتماع میں مرکزی جماعت اہلحدیث (یو۔ اے۔ ای۔) کے تاسیسی رکن اور برصغیر کے عظیم دینی وفنی ادارے معہد الشریعہ و الصناعہ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) کے مؤسس و مہتمم مولانا عبداللہ سلفی کے لیے دعائے صحت کی گئی جو پاکستان میں ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔ انھیں کافی چوٹیں آئی ہیں اور بائیں ہاتھ اور بازو کی چوٹیں انتہائی شدید ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کو صحت کاملہ و عاجلہ سے نوازے، آمین

محمد منیر قمر سیالکوٹی، ترجمان ام القیوین کورٹ
ص، ب، ۳۰ ام القیوین، یو اے ای

شمارہ: ۷ • جولائی ۱۹۸۵ء / شوال المکرم ۱۴۰۵ھ • جلد: ۴

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

پتہ

خط وکتابت کے لیے

ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

بدل اشتراک کے لیے

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH

REORI TALAB . VARANASI-221010

ٹیلی گرام

" دارالعلوم وارانسی

ٹیلی فون

۶۳۵//

بدل اشتراک:

سالانہ: ۳۰ روپیے

ششماہی: ۱۶ روپیے

فی پرچہ: ۳ روپیے

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس

طابع: عبدالوحید

مطبع: سلفیہ پریس بنارس

تزئین وکتابت: انور جلال

ہمارے دل میں بھی تم ہو سر میں بھی تم ہو
بچے گا کون بھلا جب نظر میں بھی تم ہو

نہ جہل شرک نہ بدعت نہ غالیوں کا غلو
میں حق پسند ہوں میری نظر میں بھی تم ہو

جہاں میں ہم اسی اعزاز سے معزز ہیں
ہمارے ساتھ تو ہر خشک و تر میں بھی تم ہو

حیات و موت کی منزل تمھارے نام سے ہے
کہ مبتدا میں بھی تم ہو خبر میں بھی تم ہو

عجب تعلق خاطر تمھاری ذات سے ہے
کہ منزلوں پہ بھی تم ، رہگذر میں بھی تم ہو

جو داعیانِ نبوت تھے خاک ہو کے رہے
دلوں میں نورِ خدا ہو تو سر میں بھی تم ہو

یہ پل صراط یہ ظلمت ، یہ نور کی منزل!
خدا کا شکر ہے اس رہگذر میں بھی تم ہو

کوئی لکیر نہیں اس لکیر سے بہتر
ہنر یہ ہے کہ ہمارے ہنر میں بھی تم ہو

کوئی امام ہمارا نہیں تمھارے سوا
اگر میں بھی ہو ہمارے نگر میں بھی تم ہو

عبادتیں ہوں کہ جنگ و جدل ہو جو کچھ ہو
ہمارے خیر میں بھی تم ہو شر میں بھی تم ہو[1]

رؤف خیر
گولکنڈہ ۔ حیدرآباد

[1] یعنی اچھے برے دونوں طرح کے حالات میں ہم آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے کے قائل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنگلور کانفرنس

ماحول و پس منظر

۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر مئی کو بنگلور کی سرزمین پر منعقد ہونے والا اجلاس آزادیٔ ملک کے بعد جماعت اہلحدیث کی تاریخ میں کل ہند پیمانے کا دوسرا اجلاسِ عام تھا۔ اس سے قبل ۱۶ر تا ۱۹ر نومبر ۱۹۶۱ء کو نوگڈھ میں ایک اجلاسِ عام منعقد ہوا تھا، مگر دونوں کے ماحول اور انداز میں بڑا فرق تھا۔ اجلاسِ نوگڈھ کا فیصلہ وقتِ مقررہ سے خاصا پہلے ہوا تھا، اس کے بعد شاعروں، خطیبوں ادیبوں، قلم کاروں، مضمون نگاروں، صحافیوں اور رزم و بزم کے شہسواروں نے اس زور و شور سے اس کی تشہیر اور احساس نمایاں دلا دلا کر اس میں شرکت کے لیے ایسی ہماہمی پیدا کر دی کہ دور و نزدیک سے نوگڈھ کی سرزمین پر افرادِ جماعت کا سیلاب امنڈ پڑا۔ خود یہ علاقہ اور اس کے گرد و پیش کے علاقے بھی اتنے مردم خیز تھے کہ یہیں کی آبادیوں سے آنیوالے لوگ اجلاس کے میدان کو انسانوں کے سمندر میں تبدیل کر دینے کو کافی تھے۔

اس کے برخلاف بنگلور کا اجلاس عام ان تمام امتیازات سے محروم تھا۔ اس کی کل حقیقت اتنی تھی کہ بنگلور کے اہلِ جماعت اپنے صوبہ کرناٹک کا ایک صوبائی اجلاس بلانا چاہتے تھے، چونکہ انھیں علم تھا کہ مرکزی جمعیۃ کی مجلس شوریٰ کا انتخابی اجلاس بھی ان کی مجوزہ تاریخوں کی لپیٹ میں ہونے والا ہے، لہٰذا ان کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی ضیافت بھی کر لیں، اور ایک بار مرکزی جمعیۃ کے انتخاب کا تاریخی عمل ان کی سرزمین سے ہو جائے اس لیے انھوں نے شوریٰ کا اجلاس بنگلور میں منعقد کرنے کی دعوت دی۔ مگر اس کے بعد جماعت کے عالی ہمت بزرگوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور ان کے مشوروں اور خواہشات کی روشنی میں کل ہند پیمانے کے اجلاس عام کے انعقاد کا فیصلہ ہو گیا۔ مگر اس فیصلے اور اجلاس کی تاریخوں کے درمیان وقت کا فاصلہ اتنا کم تھا کہ نہ خطیبوں اور شاعروں کو اپنے جوشِ بیان اور زورِ کلام کے اظہار کا موقع ملا، نہ ادیبوں اور قلمکاروں کو جوش و ولولے ابھارنے کی

فرصت ملی، نہ صحافیوں اور مضمون نگاروں کو ترغیب و تشہیر کے مواقع ہاتھ آئے، نہ رزم و بزم میں کوئی ہما ہمی پیدا ہوئی۔ پھر علاقہ بھی جماعتی آبادی کے لحاظ سے کچھ زیادہ مردم خیز نہ تھا، اس لیے یہ اندازہ پہلے ہی سے تھا کہ اس "اچانک" منعقد ہونے والے اجلاس میں وہ بے کرانی پیدا نہیں ہو سکتی جو اجلاس نوگڈھ کا طرۂ امتیاز تھی۔ تاہم آنے والے بنگلور کے اس اجلاس میں بھی ملک کے گوشے گوشے سے کھنچ کر آئے۔ مدراس اور جنوبی ہند تو خود علاقہ بنگلور کی وسعت کا ایک حصہ ہیں اس لیے یہاں سے شرکت کرنیوالوں کی کثرت ایک فطری بات ہے، لیکن ان کے علاوہ کشمیر سے لے کر آسام تک کے افراد جماعت نے شرکت کی۔ تخمیناً چھ ہزار سے دس ہزار افراد تک یہاں باہر سے تشریف لائے تھے۔

بنارس سے بنگلور تک بنارس اور اطراف بنارس سے بھی ایک قافلۂ شوق نے بنگلور کا سفر کیا۔ جس میں خاکسار ایڈیٹر محدث بھی تھا۔ خیال ہے کہ اس سفر کی روداد و واردات قلم بند کر دی جائیں تو ان شاء اللہ یہی چیز کافی ہوگی۔

ہمارا قافلہ ۲ مئی کو بنارس سے بذریعہ گنگا کاویری صبح سات بجے روانہ ہوا۔ ریاستی جمعیۃ کے نمائندگان برائے مرکزی مجلس شوریٰ کے علاوہ جمعیۃ الشبان المسلمین کے نوجوان اور کچھ دوسرے بزرگان جماعت بھی اس قافلے کے رکن تھے۔ ریاستی جمعیۃ کی طرف سے جبل پور، ناگپور، وجے واڑہ اور مدراس کے اخوان جماعت کو سفر کے پروگرام سے مطلع کر دیا گیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبل پور میں بابو گوہر علی صاحب، جو اچانک اپنے وطن چلے گئے تھے۔ ان کے صاحبزادے نے قافلے کا استقبال کیا۔ ناگپور میں محترم وکیل پرویز صاحب بیسیوں افراد کا مجمع لے کر قافلے سے ملنے آئے، حالانکہ وہاں گاڑی آدھی رات کو پہنچتی ہے۔ پھر چونکہ گاڑی تین گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ لیٹ تھی، اس لیے کچھ افراد تو واپس چلے گئے، لیکن بقیہ افراد نے پوری رات جاگ کر فجر کے وقت قافلے کا استقبال کیا۔ وجے واڑہ میں بھی جماعت کے ذمہ داروں نے بڑی گرم جوشی دکھلائی۔ ان کے استقبال نے جھلستی ہوئی دھوپ اور گرمی کی شدت میں باد بہاری کا مزہ دے دیا۔ ۸ مئی کی رات کو مدراس پہنچے تو جناب مولانا سید رفیع اللہ صاحب اپنی تنظیم حزب الانصار کے نوجوانوں کو لے کر اور جناب عبداللہ پاشا صاحب بادشا پیٹری اپنے رفقاء و معاونین کو لے کر پلیٹ فارم پر منتظر تھے۔ ان کے علاوہ مولوی سراج الحق صاحب سلفی مدرس مدرسہ رحمانیہ مدراس اور بنارس کے بعض پرانے باشندے بھی تشریف لائے تھے۔ قافلہ کے افراد ان چاروں مقامات پر

تقسیم ہوگئے۔ جمعیۃ الشبان کے جوانوں کا قیام ہمارے جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے مکان (واقع ا
مدراس) پر رہا۔ اہلِ مدراس کی اس تدبیر نے بیحد سہولت پیدا کردی، اور مسافرت کا ذرا بھی احساس نہ ہوا، اس ک
وہ یقیناً بے حد شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے آمین۔

۹ رمئی کو عصر بعد آکندور کی جامع مسجد اہلحدیث کا افتتاح تھا۔ اور سید رفیع اللہ صاحب نے خاکسار سے ا
تقریر کرنے کی فرمائش کر رکھی تھی۔ یہ مسجد ادارۂ اصلاح المساجد بمبئی کی توجہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ اور خاصی وسیع و عریض
مسجد کے ساتھ مکتب بھی ہے۔ افتتاحی تقریب عصر بعد تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ استقبالیہ کلمات، تامل اور اردو
کہے گئے، پھر ایک دو تقریریں ہوئیں۔ خاکسار نے مسجد کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی اور اس کے بنیادی اور ذیلی مقاصد
نشاندہی کی۔ مولانا عبدالمبین صاحب منظر اور مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی نے تقریریں کیں۔ اس کے بعد۔۔ اجلاس برخاست ہوگ
کوئی دس بجے رات ہمارا قافلہ مدراس سے روانہ ہوکر صبح منزلِ مقصود یعنی بنگلور پہنچا۔

جلسے اور اجتماعات

آج ۱۰ رمئی تھی اور اجلاسِ عام کا پہلا دن، مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ نے
میں جماعت کے اصول و مبادیات اور راہِ عمل پر ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر عصر
بعد اجلاسِ عام کی پہلی نشست ہوئی۔ مولانا حافظ عبدالمتین صاحب جوناگڈھی نے اہالیانِ بنگلور کی طرف سے استقبالیہ
ارشاد فرمائے۔ موصوف کی پوری گفتگو جذب و اخلاص کا مرقع تھی۔ پھر مولانا عبدالوحید صاحب ۔ امیر مرکزی جمعیۃ
اہلحدیث ہند نے اپنا مطبوعہ تاریخی خطبہ صدارت پیش فرمایا۔ (جو محدث کے اسی شمارے میں ہدیۂ ناظرین کیا جارہا۔
اس خطبہ صدارت کو سن کر ایک نیا ولولہ اور جوشِ عمل پیدا ہوا، پھر رات عام معمول کے مطابق نماز عشاء کے بعد جلسہ عام ہ
پھر روزانہ فجر کے بعد درسِ قرآن و حدیث، ناشتہ کے بعد اجلاسِ عام اور عشاء کے بعد اجلاس عام ہوتے رہے۔ ا
ہندوستان کے مجھے ہوئے مقررین نے انھیں خطاب فرمایا۔ آخری اجلاس بارش کی وجہ سے چھوٹا میدان کے پنڈال کے بجا
نیو مارکیٹ روڈ کی جامع مسجد اہلحدیث میں ہوا۔ ۱۲ رمئی کو بنگلور کی تفریح گاہ لال باغ کے گلاس ہاؤس میں ایک شاندار ع
بھی دیا گیا، جس میں کرناٹک کے ایک غیر مسلم وزیر اور دو مسلم ممبرانِ اسمبلی نے شرکت کی، اور جماعت کو مبارکباد اور دعائیں
اجلاس میں شرکت کے لیے بیرونِ ملک، مدینہ منورہ سے جناب فضیلۃ الشیخ عمر محمد فلاتہ سابق جنرل سکریٹری اور موجو
صدرِ امور دینیہ مدینہ یونیورسٹی، ریاض سے جناب فضیلۃ الشیخ محمد لقمان صاحب سلفی پرسنل سکریٹری فضیلۃ الشیخ
عبدالعزیز بن عبداللہ ابن باز صدر دارالافتاء ریاض، جدہ سے جناب فضیلۃ الشیخ محمود باحاذق صاحب (سعودی ایر لائ

بعده) اور مکہ سے جناب جاوید اعظم صاحب سلفی دراسات علیا جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔ فضیلۃ الشیخ محمد عمر فلاتہ مدظلہ نے اکثر اجلاسوں کو خطاب فرمایا اور دل کھول کر رکھ دیا۔ ان کی تقریر عربی فصاحت و بلاغت، زور بیان، طلاقت لسانی، جذب و کشش، محبت و اخلاص، اور عالمانہ وقار کا نمونہ ہوا کرتی تھی۔ محمود یا حاذق صاحب نے پہلے بعد عشا ربعد خطاب فرمایا، اور اردو میں خطاب فرمایا، مسلمانوں کی زبوں حالی پر روشنی ڈالی، پوری تقریر غیرت اور جذبۂ اسلامی کی آئینہ دار تھی۔ فضیلۃ الشیخ محمد لقمان مدظلہ نے دوسرے دن خطاب فرمایا اور اہلحدیث کے اصول و مبادی پر کتاب و سنت کی روشنی میں نہایت پُر مغز اور عالمانہ تقریر کی۔ انھوں نے ہر ہر اصول کے لیے کتاب و سنت کا جس فراوانی سے حوالہ دیا اُس نے تقریر کی قوت میں بڑا زبردست اضافہ کر دیا۔

اجلاس عام کے علاوہ اِس موقع پر دو اور

مجلسِ شوریٰ کا انتخابی اِجلاس اور امیر و عہدیداران کا انتخاب

پروگراموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، ایک مرکزی مجلس شوریٰ کے انتخابی اجلاس کو اور دوسرے نوجوانوں کے نمائندہ اجتماع کو۔ اشتہارات میں یہ اطلاع آچکی تھی کہ ۱۱ر مئی کو مرکزی جمعیۃ کے نئے عہدیداران کا انتخاب ہوگا۔ بعض موقع پرست، بعض انقلاب پسند اور بعض طالع آزما حضرات اِس وقت کے لیے کچھ مخصوص قسم کی تیاریاں بھی کر کے آئے تھے۔ اور ایک صاحب تو انقلاب جدید کا اِس قدر یقین کیے بیٹھے تھے کہ انھوں نے مہینوں پہلے سے بے نیازی اور خودسری کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا، کچھ انقلاب پسندوں نے ۱ر مئی کے ۱۰ بجے دن سے ۱۱ر مئی کے کوئی ۔ ابجے دن تک اپنی انقلابی مہم جاری رکھی۔ اِس پس منظر میں ۱۱ر مئی کو اہلحدیث منزل، جامع مسجد اہلحدیث پنو مارکیٹ روڈ بنگلور میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا، تلاوتِ کلام پاک اور رپجپلی کارروائی کی خواندگی کے بعد دستور کی بھی کچھ ۔ برمحل ۔ دفعات کی تلاوت کی گئی۔ چونکہ عاملہ اور شوریٰ کی منظوری کے بغیر اس کی ایک دفعہ میں تحریف کر دی گئی تھی اِس لیے راقم الحروف نے اس دفعہ کی تبدیلی پر اعتراض کیا۔ اس کے بعد خاصی رد و قدح ہوئی۔ بالآخر شیخ عطاء الرحمٰن صاحب نے اعتراف کیا کہ دستور کی رجسٹری کے وقت رجسٹریشن آفس سے اعتراض کے سبب وہ دفعہ ترمیم کر دی گئی تھی۔

اِس کے بعد ایک انتخابی بورڈ تشکیل دیا گیا، جس کے ممبران راقم کے علاوہ جناب مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی سابق و موجودہ جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند اور جناب ضمیر الحق صاحب منڈل ایڈوکیٹ، جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب فیضی اور جناب صابر صاحب عوزی تھے۔ ہم نے علیحدہ ہو کر انتخاب کے طریقۂ کار پر غور کیا، اور اتنے میں فضیلۃ الشیخ جناب

عمر محمد صاحب فلاتہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے ایک تقریر شروع کر دی، جو نہایت مختصر ہونے کے باوجود بڑی درد انگیز تھی۔ شیخ نے چند لفظوں میں جماعت کی ماضی کی خدمات کا نقشہ پیش کرتے ہوئے جماعت سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرماتے ہوئے یوں کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھے اِس اجلاس میں شرکت کے لیے سر کے بل چل کر آنا پڑتا اور مجھے یقین ہوتا کہ میں یہاں تک پہنچ سکوں گا تو مدینہ سے یہاں تک سر کے بل چل کر آتا۔ اور اس میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا۔ ان کلمات کو ارشاد فرماتے ہوئے شیخ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھا اور اس کے اثر سے پوری مجلس اشکبار تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کی جماعت اہلحدیث اور علماء اہلحدیث کی نیکیوں اور دینی خدمات کے اثرات عرب سے عجم تک ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ آج عرب کا کوئی بڑا عالم ایسا نہیں ہے جس کے سر پر ہندوستان کی اس جماعت کے احسان کا بار نہ ہو۔ وہاں کا ہر بڑا عالم یا تو براہِ راست یہاں کے کسی اہلحدیث عالم کا شاگرد ہے یا ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں بھی اسی جماعت کی نیکیوں کا ثمرہ ہوں، اس لیے آج اس جماعت میں، اختلاف و انتشار کی کیفیت دیکھ کر مجھے بے حد دکھ ہو رہا ہے۔ موصوف کے خطاب کا ترجمہ ڈاکٹر محمد لقمان صاحب سلفی نے کیا۔ پھر مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ نے سمع و طاعت کی اہمیت پر ایک مختصر خطاب کیا۔

ہم انتخابات کے طریقۂ کار کا فیصلہ کر کے خطابات سُن رہے تھے۔ ووٹ دینے کے لیے انتخابی کارڈ چھپے ہوئے تھے جو ہمارے حوالے کر دیے گئے تھے۔ خطابات ختم ہوتے ہی ہم نے اپنے مجوزہ طریق کار کے مطابق اعلان کیا کہ پہلے ہر ہر عہدہ و منصب کے لیے مجلس شوریٰ کے ارکان جن جن حضرات کے نام بحیثیت امیدوار پیش کرنا چاہتے ہیں پیش کر دیں۔ اس کے بعد انتخابی کارڈ تقسیم کیے جائیں گے اور ہر رکن جس کے حق میں ووٹ دینا چاہے گا، دیدے گا۔ مگر اس طریق کار پر بعض ارکان کی طرف سے اعتراض ہوا۔ اور ایک دستوری بحث پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن بحث وتمحیص کے بعد طے پایا کہ پہلے امیدواروں کے نام پیش کیے جائیں پھر ووٹنگ ہو گی۔ امارت کیلیے راقم نے مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کا نام پیش کیا۔ پھر ایک صاحب نے حافظ نور الٰہی صاحب کا نام پیش کیا، پھر مولانا محمد امین صاحب ریاضی ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلحدیث بمبئی عظمیٰ نے جناب پی۔ کے محی الدین عمری کا نام پیش کیا۔ اس کے بعد آوازیں خاموش ہو گئیں اور ہم کارڈ تقسیم کرنے کے لیے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ حکیم اجمل خاں صاحب نے شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی حفظہ اللہ سے کچھ سرگوشی کی وہ مولانا پر زور دے رہے تھے کہ آپ مولانا مختار احمد صاحب ندوی کا نام پیش کریں، چنانچہ مولانا شکراوی حفظہ اللہ نے کھڑے ہو کر حمد و صلوٰۃ کے بعد مولانا ندوی کا نام پیش کیا، پھر خاموشی ہو گئی اب ہم پھر کارڈ تقسیم کرنے کے لیے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں مولانا ندوی مدظلہ نے کھڑے ہو کر اپنا نام واپس لینے کا اعلان فرما دیا۔ ان کے بعد حافظ نور الٰہی نے اور پھر

مولانا محی الدین عمری نے بھی بعد دیگرے اپنے اپنے نام واپس لے لیے۔ اتنے میں مجلس شوریٰ کے بہت سارے ممبران نے بیک زبان مولانا عبدالوحید صاحب سلفی حفظہ اللہ کو مخاطب کرکے کہا کہ اب آپ بلا مقابلہ امیر منتخب ہوگئے اور آپ اپنا نام واپس نہیں لے سکتے۔ حافظ عبدالمتین صاحب جوناگڈھی جو دور ایک گوشے میں تھے دوڑ کر تشریف لائے اور بیعت اطاعت کی اس کے بعد مولانا عبدالوحید صاحب سلفی نے نائب امیر کے لیے مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ کا نام پیش کیا، اور مجلس نے بالاتفاق منظور کرلیا۔ ناظم اعلیٰ کے لیے مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی کا نام پیش کیا گیا اور اسے بھی مجلس شوریٰ نے بڑی گرمجوشی سے قبول کیا۔ مولانا نے بھی اپنی شدید مصروفیات کے باوجود بزرگوں کے حکم کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے قبول فرمالیا۔ مگر اس کے بعد مولانا احسان اللہ صاحب نے یہ اشکال پیش کیا کہ موصوف معہد سراج العلوم بونڈیہار کے وکیل مقرر کیے گئے ہیں اور انھیں اس عہدے کے ساتھ نظامت کا کام دیکھنے کا موقع نہیں مل سکتا، اور ہماری طرف سے انھیں اس کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس پر مولانا رحمانی نے مجبوراً اپنا نام واپس لے لیا۔ اس کے بعد ایک صاحب نے حکیم اجمل صاحب کا نام نظامت کے لیے پیش کیا مگر مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ نظامت کے لیے کوئی متشرع آدمی ہونا چاہیے۔ پھر انھوں نے مولانا عبدالوہاب خلجی کا نام پیش کیا۔ مگر انھیں نائب ناظم کی حیثیت سے زیادہ موزوں سمجھا گیا۔ اس پیچیدہ مرحلہ پر ڈاکٹر محمد لقمان صاحب سلفی نے مجلس سے اجازت لے کر مداخلت کی اور یہ تجویز پیش کی کہ مولانا رحمانی ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے ماہ ڈیڑھ ماہ میں مرکزی دفتر دہلی جاکر تمام کاموں کی نگرانی فرمالیا کریں اور مولانا عبدالوہاب خلجی بحیثیت نائب مستقلاً دفتر کی نگرانی کریں۔ یہ تجویز معمولی رد و قدح کے بعد قبول کرلی گئی۔ اس کے بعد مولانا محی الدین صاحب عمری کو نائب امیر ثانی اور حافظ نور الٰہی صاحب کو خازن منتخب کیا گیا۔ اور مجلس نصیحتوں اور دعاؤں پر اختتام پذیر ہوئی۔

نوجوانوں کا نمائندہ اجتماع: دوسرے دن ۱۲ر مئی کو ٹھیک اسی جگہ نوجوانوں کا پروگرام شروع ہوا۔ طے یہ تھا کہ ہر علاقے کے نوجوانوں میں سے دو دو تین تین ذمہ دار نوجوان اکٹھا ہوں گے۔ ان سے ان کی سرگرمیوں یا سردمہریوں کی داستان مختصر لفظوں میں سنی جائے گی اور پھر ہندوستان گیر پیمانے پر نوجوانوں کو متحرک کرنے کے مختلف طریقوں پر غور کیا جائے گا اور مناسب ہوا تو آل انڈیا پیمانے پر نوجوانوں کی ایک تحریک کی داغ بیل ڈالی جائے گی، جو پوری قوت کے ساتھ عمل بالکتاب والسنہ کو فروغ دینے کی منظم کوشش کرے گی، مگر جب پروگرام کا وقت آیا تو نوجوان اتنی اچھی خاصی تعداد میں جمع ہوگئے کہ اہلحدیث منزل میں جگہ نکالنی مشکل ہوگئی اور ابھی اپنے اپنے علاقوں کی سرگرمیوں کا تعارف ہو ہی رہا تھا

کہ اس اجتماع کو مسجد میں منتقل کرنا پڑا۔ اس اجتماع سے پہلی بار علم ہوا کہ بحمداللہ نوجوانوں میں ہر جگہ حرکت موجود ہے اور وہ جلسوں، تقریروں، خطبوں، ہفت روزہ یا پندرہ روزہ یا ماہانہ اجتماعات، درسِ حدیث و درسِ قرآن وغیرہ کی شکلوں میں اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم، منظم، فعال اور وسیع الحرکت کیرالا کے نوجوان نظر آئے، جو اتحاد الشباب المجاہدین کے نام سے اپنی تحریک چلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بنارس کی جمعیۃ الشبان المسلمین بھی زیادہ متحرک اور فعال نظر آئی۔ امید ہے کہ تمام مقامات کی سرگرمیوں کو مربوط کر دیا جائے تو ایک مضبوط تحریک اُبھر آئے گی۔

انجینئر شیخ عمر احمد ملیباری نے اس اجتماع کو خطاب کیا اور اس کے بعد راقم نے ایک تقریر کی۔ پھر ذمہ داران مشورے کے لیے بیٹھ گئے اور حسبِ ذیل دو باتیں طے ہوئیں۔

(۱) پہلے اس اجتماع میں شریک تمام نوجوان اپنے اپنے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا کام منظم کریں اور اس میں تیزی لائیں۔ پھر ایک ہندوستان گیر اجتماع بلا کر ایک کل ہند پیمانے کی تنظیم قائم کی جائے۔

(۲) طریق کار یہ اختیار کیا جائے کہ مساجد میں درسِ قرآن و درسِ حدیث کا اہتمام کیا جائے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ہفت روزہ، پندرہ روزہ یا ماہانہ اجتماعات کیے جائیں، اور انفرادی ملاقاتیں بھی کی جائیں۔ مختلف مجالس میں حسبِ موقع دینی بات چھیڑی جائے۔ اور لوگوں کو حتی المقدور ارکانِ اسلام کا پابند بنانے اور حلال و حرام کی عملی تمیز پیدا کرنے کی تلقین اور کوشش کی جائے۔ ممکن ہو تو لائبریری کھولی جائے اور ان کے ذریعہ دینی کتابیں اور رسائل و جرائد فراہم کر کے لوگوں کو مستفید کیا جائے، اس کے علاوہ وقتی اور مقامی ماحول کے لحاظ سے جو صورت مناسب نظر آئے اسے زیرِ عمل لایا جائے۔

ان دو فیصلوں کے بعد دعا اور شکریہ پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

بنارس واپسی

۱۳ رمئی کی صبح ہمارے قافلے کا ایک بڑا حصہ مدراس روانہ ہوا۔ سید رفیع اللہ صاحب رکن حزب الانصار مدراس نے دو بوگیاں مدراس۔بنگلور آمد و رفت کے لیے ریزرو کرا رکھی تھیں۔ اس کی وجہ سے ہم بڑی سہولت کے ساتھ اپنے لوگوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے مدراس واپس آئے۔ کاکا محمد عمر اور کاکا محمد سعید صاحبان نے عمر آباد جامعہ دار السلام دیکھنے کی دعوت دی تھی، اور ہماری خواہش بھی تھی، مگر افسوس قلتِ وقت کے سبب یہ دیرینہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ واپسی میں بھی مدراس اسٹیشن پر جناب عبداللہ

پاشا صاحب باڈنا بیڑی اور دوسرے حضرات استقبال کے لیے موجود تھے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔
۱۴ر مئی کی صبح مدراس سے بذریعہ گنگا کاویری بنارس کے لیے روانگی ہوئی اور ۱۵ر مئی کو رات گئے ہم بنارس آپہنچے۔

بعض واقعات سفر

سفر مختلف تجربات کا بھی حامل ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کے مزاج وکردار اور خلوص وتصنع کا بھی امتحان ہوجاتا ہے۔ بہت سی پس پردہ کمزوریاں بھی منظر عام پر آجاتی ہیں۔ اور بہت سی دبی ہوئی خوبیاں بھی اُجاگر ہوجاتی ہیں۔ ہمارے اِس سفر میں محترم حاجی وکیل احمد صاحب بھدوہی بھی شریک قافلہ تھے، ان کے جذبۂ خدمت وایثار سے ہم عرصۂ دراز سے واقف ہیں۔ اِس سفر میں بھی انھوں نے بے حد مستعدی کا ثبوت دیا، اللہ انھیں دنیا وآخرت میں اس کی بہترین جزا دے۔ آمین۔

اِس سفر کے دو تجربے قابل ذکر ہیں۔ بنارس جاتے ہوئے ہماری ٹرین کوئی ایک بجے رات کو اٹارسی پہنچی، اُس وقت رفقاء سفر میں سے ایک صاحب بیرونی کھڑکی پر ہاتھ رکھے کنارے کی برتھ پر تشریف فرما تھے، جوں ہی گاڑی نے حرکت کی، پلیٹ فارم سے کسی نے ان کی کلائی گھڑی جھپٹ لی۔ گھڑی اس چور اُچکے کے ہاتھ لگی اور سیاہ پٹہ موصوف کی کلائی میں رہ گیا۔ مدراس سے واپسی پر محترم مولانا انور صاحب نے اپنا تہ بند کھڑکی پر سوکھنے کے لیے ڈال رکھا تھا، اس پر انھیں ٹوکا بھی گیا اور بعض ظریفانہ فقرے بھی چست کیے گئے مگر انھوں نے تہ بند اپنی جگہ سے نہ ہٹایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اسٹیشن پر گاڑی رک کر روانہ ہوئی تو تہ بند کسی نے باہر کھینچ لیا اور باوجودیکہ مولانا اسے دبائے ہوئے تھے، اس اُچکے کے ہاتھ جا لگا۔ بعد میں ایک دوسری بوگی میں موجود ہمارے بعض رفقاء نے بتایا کہ ان کے ڈبے میں ایک صاحب نے تولیہ بھگو کر کھڑکی پر لٹکا رکھا تھا، اسے باہر سے کسی نے کاٹ لیا۔

سفر کے یہ تجربات ہر اُس شخص کو ،، دعوتِ غور وفکر ،، دیتے ہیں جو اپنی جان ومال کا تحفظ چاہتا ہے، یا جسے عورت کی حکمرانی سے قوم کے تباہ ہونے میں شک وشبہ ہے۔ « فاعتبروا یا أولی الأبصار » ...

درخواست دعائے صحت: حضرت میاں محمد زکریا صاحب جھنڈا نگر، نیپال، جنھوں نے اپنے اطراف مسلک عمل بالکتاب والسنہ کی نشر واشاعت کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، کچھ عرصہ سے صاحبِ فراش ہیں، ناظرین ان کی شفائے عاجل وکامل کے لیے دعا کریں

سائنسی انکشافات اور قیامت

محمد فاروق اعظمی جلگاؤں

قیامت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب چاند تاروں کا یک گام بکھر جائے گا، سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائے گا، نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا، انسانوں کی پُر رونق بستیاں جائیں گی، روئے زمین کی ہر ذی روح چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی، انسانی صناعی کے تمام نقش و نگار مٹ جائیں گے۔ وہ ساعت کب آئے گی؟..... اس کا علم سوائے خالق کائنات کے کسی کو نہیں ہے۔ البتہ اتنا یقینی ہے کہ ایک دن وہ ساعت اپنی تمام تر ہلاکت خیزیوں کے ساتھ ضرور آئے گی۔

قیامت کی علامات سے متعلق احادیث میں کثرت سے پیشین گوئیاں موجود ہیں، مثلاً علم دین کا اٹھ جانا، زنا ناچ اور موسیقی کا عام ہونا، شراب نوشی کی کثرت ہونا، عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا، امانت و دیانت کا اٹھ جانا، کاروبار ریاست نا اہلوں کے ہاتھ چلا جانا۔ ہرج (قتل) کا بڑھ جانا وغیرہ۔ یہ وہ چھوٹی چھوٹی علامتیں ہیں جو ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔ روزمرہ ہر ایک کے مشاہدہ میں آرہی ہیں۔ منجملہ ان پیشین گوئیوں کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی حدیث میں یوں آئی ہے۔

"ان فتنوں سے پہلے جلدی جلدی نیک اعمال کر لو جو تاریک رات کی طرح چھا جائیں گے اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا۔ دنیوی سامان کے عوض اپنے دین کو فروخت کر ڈالے گا۔" (مسلم)

لوگوں کے مزاج اور انداز فکر میں اس قدر انقلاب انگیز تبدیلیاں کیوں رونما ہوں گی؟ ان کا ایمان صبح و شام میں کیوں تبدیل ہو جائے گا؟ اس کا سادہ سا جواب تو یہی ہے کہ لوگوں پر لذائذ حیات اور عیش دنیا کا اتنا غلبہ ہوگا کہ یہی ان کا مرکز توجہ بن جائے گا اور آخرت کا تصور محض اندیشہ ہائے دور دراز بن کر رہ جائے گا۔ مگر اس

حدیث میں ایک زبردست نفسیاتی اور سائنٹفک پہلو یہ بھی پوشیدہ ہے کہ انسانی ترقی کے ساتھ لوگوں کے بود وباش رہن سہن، طور طریقے اور نظریے میں لازمی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں ہمارے مشاہدے اور تجربے میں آتی ہیں کہ وہ کل تک بری اور معیوب سمجھی جاتی تھیں مگر آج رفتارِ زمانہ کے ساتھ انھیں معیوب اور برا سمجھنا تو دور کی بات ہے، انھیں تہذیب وترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب لوگوں کا ایمان بازاری چیز بن کر رہ جائے گا، اسے کوڑیوں کے بھاؤ خریدا اور بیچا جا سکے گا۔ آج مسلمانوں کا ایمان وعقیدہ کہاں کہاں کس بھاؤ بک رہا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ہر آدمی اپنے حال پر اور اپنے گرد وپیش کے ماحول پر نظر ڈال کر اس کا جواب آسانی سے پا سکتا ہے۔

دوسری حقیقت جو اس حدیث سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قربِ قیامت کے وقت بڑی تیزی کے ساتھ زبردست تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ آج زندگی اس قدر تیز رو اور تیز گام ہوگئی ہے کہ

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

آئے دن نئے تجربات، نئے انکشافات، نئی ایجادات، نئے نظریات، نئے ماڈل، نئے فیشن دنیا کے نقشے پر ابھر رہے ہیں اور اتنی تیزی کے ساتھ معاشرۂ انسانی میں اثر ونفوذ کر رہے ہیں کہ ابھی ایک تبدیلی پورے طریقے سے جلوہ نمائی کرنے بھی نہیں پاتی کہ دوسری تبدیلی اپنی پوری دلربائی کے ساتھ آن موجود ہوتی ہے۔ ہر نیا دن نئے تغیرات کو جنم دیتا ہے۔ تبدیلیوں اور تغیرات کا یہ سیلِ رواں بلکہ سیلِ بے اماں جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کر رہے ہیں در اصل مذکورہ بالا حدیث کی منہ بولتی تصویر ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ دو صدی میں جس بھیانک رفتار سے سائنس نے ترقی کی ہے، اس کا اندازہ بی۔ سی تھارنلے کے مضمون "ہماری تغیر پذیر دنیا" (Our Changing World) کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے کہ "انگلینڈ میں اٹھارہویں صدی میں چلنے والی بگھی گاڑی اپنی بناوٹ اور رفتار میں دو ہزار قبل روم میں چلنے والے رتھ کے مانند ہوا کرتی تھی۔ یعنی اس دو ہزار سال کے وقفہ میں سواری کی شکل اور رفتار میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ لیکن آج سے کوئی ڈیڑھ پونے دو سو سال قبل جب جارج اسٹیفنسن نے پہلا بھاپ کا انجن بنایا تو اس کی رفتار ۵۰ میل فی گھنٹہ تھی اور یہ اپنے زمانے کا راکٹ تصور کیا جاتا تھا۔ مگر آج قریب دو

صدی بعد آواز سے زیادہ تیز رفتار ہوائی جہاز وجود میں آچکے ہیں۔ اسی طرح طب، جراحی، صنعت، زراعت، تجارت، رسل ورسائل، سامانِ حرب وضرب، سامانِ عیش وعشرت اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ایسی انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں کہ اگر گزشتہ صدی کے لوگ لوٹ کر اس دنیا میں آجائیں تو وہ یقین ہی نہیں کرسکتے کہ یہ وہی دنیا ہے جس میں وہ رہتے بستے تھے۔"

دنیا آج بھی ہر لمحہ اور ہر آن کروٹ لے رہی ہے، جس کی آغوش میں نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ ایٹمی دور خلائی دور، کمپیوٹر کا دور، صبح وشام میں یہ دور رونما ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے ساری تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور اخلاقی قدریں الٹ پلٹ کر رہ گئی ہیں اور ابھی مستقبل میں کیا ترقیاں اور تبدیلیاں ہونے والی ہیں وہ تو آنے والا کل ہی بتلائے گا۔

ایک بار صحابہ کرامؓ باہم گفتگو کررہے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھانک کر دیکھا اور فرمایا کیا تذکرہ کر رہے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! قیامت کا ذکر چل رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے، قیامت برپا نہیں ہوگی۔ وہ دس نشانیاں ہیں (۱) دخان (دھواں) (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے دنیا میں نازل ہونا (۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۷) مشرق میں زمین کا دھنس جانا (۸) مغرب میں زمین کا دھنس جانا (۹) جزیرۂ عرب میں زمین کا دھنسا (۱۰) آگ کا یمن سے ظاہر ہونا۔

جب قیامت کی اہم اور بڑی علامتیں ظاہر ہوں گی، ایک سلسلہ شروع ہوجائیگا اور جس طرح موتی کی لڑی ٹوٹ جانے پر موتیاں مسلسل گرتی رہتی ہیں، یہ علامتیں قلیل عرصہ میں ایک کے بعد ایک پیش ہوکر رہیں گی۔ یعنی قیامت کے قریب بڑے زبردست تغیرات بہت قلیل عرصہ میں ہوں گے۔ جس کا آغاز ہوچکا ہے۔

اوپر کی حدیث میں جس دخان (دھوئیں) کا ذکر ہوا ہے، اس کی عملی تصویر ہمارے سائنسی دور نے پیش کردی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب امریکہ نے ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے صنعتی شہر ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم گرایا تو یہ بم زمین سے اٹھارہ سو پچاس (۱۸۵۰) فیٹ کی بلندی پر فضا میں پھٹا، اگر خدانخواستہ یہ بم سطح زمین پر پھٹتا تو زمین کے پرخچے اڑ جاتے، زمین پھٹ جاتی، زبردست زلزلہ آجاتا، اور گرد وغبار سے پوری فضا اٹ جاتی، مگر زمین سے قریب دو ہزار فیٹ کی بلندی پر بم پھٹنے کے باوجود بھی ہوا کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا

کہ پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا کا بہاؤ ریکارڈ کیا گیا۔ تمام درخت اور عمارتیں زمین دوز ہو گئیں۔ درجۂ حرارت اس قدر شدید تھا کہ پورے شہر میں آگ لگ گئی، تمام شہر جل کر راکھ ہو گیا۔ دریاؤں میں طوفانی لہریں اٹھنے لگیں اور جن لوگوں نے آگ سے بچنے کے لیے دریاؤں میں پناہ لی تھی، وہ غرق ہو گئے، پورا شہر منٹوں میں مسطح ہو گیا، لاکھوں انسان چند ثانیے میں لقمۂ اجل بن گئے۔ اس کے بعد آسمان میں پچاس ہزار فیٹ کی بلندی پر گاڑھے دھوئیں کی ایک چھتری بن گئی، جس سے گریز کے مانند گاڑھی رطوبت ٹپکتی رہی۔ یہ اس ایٹم بم کی تباہی اور ہلاکت کا ایک مختصر حال ہے جو جدید ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے طاقت میں ہزاروں گنا کم تر تھا۔ یاد رہے کہ ایک ہائیڈروجن بم پانچ ٹن کا نمونہ ہیروشیما پر پھینکے گئے دس ہزار ایٹم بموں کی طاقت کا مساوی ہوتا ہے۔ جہاں یہ بم پھٹے گا وہاں صدیوں تک کسی جاندار کے لیے زیست ناممکن ہو گی۔

آسمان پر دھواں چھا جانے کی طرف قرآن نے بھی یوں اشارہ کیا ہے: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ یعنی انتظار کرو اس دن کا جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ مفسرین نے اس دھوئیں سے وہ زبردست قحط مراد لیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکہ میں پڑا تھا۔ لوگ بھوک کی شدت میں جب آسمان کی طرف نظر کرتے تھے تو آسمان دھواں دھواں نظر آتا تھا، مگر یہ قحط کی شدت تھی جو آیتِ مذکورہ کی تعبیر بن گئی تھی، تاہم اس آیت سے اس دھوئیں کا مراد لینا بھی ممکن ہے جو قیامت کے قریب آسمان پر چھا جائے گا۔ چنانچہ آج کل کے حالات اس کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں اور ان واقعات و حالات کے لیے فضا سازگار کر رہے ہیں جن کے تحت فضائے بسیط پر گاڑھا دھواں چھا جائے گا۔ گزشتہ نومبر میں سویڈن کے دارالسلطنت اسٹاک ہوم کے ریسرچ سینٹر سے ایک کتاب بزبان انگریزی شائع ہوئی ہے جس میں ایٹمی جنگ کی ہلاکت خیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ "کسی بڑی طاقت کا سفینہ بحری فوج کا ایک دستہ کسی بحرِ اعظم میں ایک ایٹم بم پھینک کر ایسا تلاطم پیدا کر سکتا ہے کہ موجوں سے تمام لبِ ساحل مقامات غرقاب ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک طیارہ جس پر غیر فوجی (civilian) کا نشان ہو گا اپنی پرواز کے دوران کسی آتش فشاں پہاڑ پر جو دشمن کے علاقہ میں ہوگا ایک نیوکلیائی بم پھینک کر اس خفیہ آتش فشاں کو پھٹنے اور لاوا اگلنے پر مجبور کر سکتا ہے اور اس کے باعث آس پاس کے تمام علاقے چشم زدن میں تباہ ہو سکتے ہیں اور اس کے دھوئیں کے بادل سورج کی روشنی کو ایک عرصہ تک ڈھانک سکتے ہیں۔"

شاید یہ دھواں یوں ہی پردۂ غیب سے نمودار نہیں ہوگا کیونکہ اسباب و علل کی اسی دنیا میں اس کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ یہ مہیب دھواں کسی وقت بھی انسانی نادانی کے نتیجہ میں چھا سکتا ہے۔

آج اسلحہ کی دوڑ میں دنیا کے تمام ممالک سرگرداں ہیں۔ دنیا کی دو بڑی طاقتیں امریکہ اور روس اپنی مادی طاقت اور کج کلاہی کے سامنے کسی کے ابھرتے ہوئے وجود کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی تانا شاہی سے خشک اور تر فضا اور خلا میں ہر جگہ فساد برپا ہے اور یہ لوگ جس قسم کے خوفناک جنگی منصوبے بنا رہے ہیں اور جس قسم کی خوفناک جنگی مشقیں کرنے میں مصروف ہیں، اس سے یہ بات پایۂ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ یہی وہ یاجوج و ماجوج ہیں جو "مفسدون فی الارض" کی زندہ تفسیر ہیں، اور انھی کی وجہ سے یہ ارض و سماء مکمل تباہی کی زد میں آنے والے ہیں۔ قرآن قیامت کے حادثۂ عظیم کی جو خبر ان الفاظ میں دے رہا ہے۔

اذا الشمس کورت	جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔
و اذا النجوم انکدرت	اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے
و اذا الجبال سیرت	اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے
و اذا العشار عطلت	اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔
و اذا الوحوش حشرت	اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے
و اذا البحار سجرت	اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔

اور جسے ہم اپنے ایمان و یقین کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں، اب اس کی عینی اور عقلی شہادتیں خود سائنس نے فراہم کر دی ہیں۔ قرآن واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے، جب سورج چاند اور تاروں کے چراغ گل کر دیے جائیں گے اور قیامت کا جھٹکا لگتے ہی زمین اپنی کشش کھو دے گی۔ تارے بکھر جائیں گے اجرام سماوی کا سفر رک جائے گا اور سمندر کا پانی آبادیوں کی طرف ابل پڑے گا۔ زمین ایک زبردست زلزلہ سے دوچار ہوگی۔

حالات بتا رہے ہیں کہ وہ عظیم دھواں ایٹمی جنگ کے نتیجے میں عنقریب رونما ہونے والا ہے۔ ایٹمی جنگ کے نتیجہ میں سمندر میں تلاطم پیدا ہونا اور اس کے پانی کا جوش مارنا اور آبادیوں کی طرف بڑھ جانا عین ممکن ہے ایٹمی بمباری کی وجہ سے پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں میں روئی کے گالوں کی طرح اڑنا اور عالمگیر عظیم زلزلہ کا

جھٹکا لگنا، زلزلے کی وجہ سے زمین کا دھنسنا، پھٹنا اور دابۃ الارض کا نکلنا، کسی وقت بھی ممکن ہے ۔
دُنیا جانتی ہے کہ آج کل روس اور امریکہ کے درمیان ایٹمی ہتھیاروں کو محدود کرنے پر زبردست مباحثہ چھڑا
ہے، وہ اس حقیقت اور انجام سے واقف ہیں کہ اگر اسلحہ سازی کا یہ سلسلہ جاری رہا تو دنیا کا یوم حساب عنقریب ہے
امریکہ نے ایک نیا جنگی منصوبہ بنایا ہے جسے "ستاروں کی جنگ" (Star Wars Project) کہا جاتا ہے؛
منصوبہ کے تحت خوفناک قسم کے ایٹمی ہتھیار اور میزائیل خلا میں ذخیرہ کی جائیں گی اور ان سب کو کمپیوٹر سے کنٹرول
کیا جائے گا۔ کمپیوٹر دشمن کے حرکات وسکنات کا سگنل دے گا اور اسی کے مطابق یہ ہتھیار حرکت میں آئیں گے۔
رہے کہ پچھلے تیس سالوں میں کمپیوٹر نے ایک سو پچیس بار غلطیاں کی ہیں، اگر ان غلطیوں کا فوراً ازالہ نہیں
ہوتا تو پورا عالم اب تک جوہری جنگ کا نشانہ بن گیا ہوتا۔ کیا بعید ہے کہ جب خلا میں ایٹمی میزائیلوں کا ذخیرہ
رہا ہے تو کبھی دونوں بڑی طاقتوں کی جنوں پسند طبیعتوں پر جنگ کا بھوت سوار ہو جائے اور خلائی نظام شکست وریخت
کے عمل سے دوچار ہو جائے اور پھر تمام اجرام فلکی کے قدرتی نظام میں زبردست خلل پیدا ہو جائے، ستارے جھڑ
چاند سورج بے نور ہو جائیں یا سورج ہلکی روشنی کے ساتھ بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہو ـــــ
سائنس کی وجہ سے قیامت کے قریب ہونے والی زبردست تبدیلیوں کے امکانات جتنے روشن ہو گئے ہیں اس سے پہلے
کبھی نہیں ہوئے تھے۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ سائنس کی ہر تحقیق اور نظریہ اسلامی عقائد کے عین موافق ہی ہو۔ تضادات ہو
ہیں اور ہو سکتے ہیں، اور جہاں جہاں تضادات رونما ہوتے ہیں وہ انسانی عقل وعلم کی کوتاہی و کج روی کی وجہ سے
ہوتے ہیں۔ سائنس کی ہر ایجاد اور تحقیق کو کھینچ تان کر زبردستی اسلامی اصول وعقائد پر منطبق کرنا کوئی دانشمندی کی
نہیں ہے، مگر جوں جوں انسانی علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات وجود میں آرہے ہیں
حیرت ناک انداز سے کلام الٰہی اور اسلامی عقائد کی تصدیق کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا سطور میں اسی حقیقت
کو منکشف کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔ ●●

رمضان شریف میں عالم عرب کے دو خاص واقعات قابل ذکر ہیں (۱) دوسرا عربی مصنوعی سیارہ خلا
میں بھیجا گیا (۲) شاہ فہد کے بھتیجے سلطان بن سلمان بن عبدالعزیز نے پہلے عرب خلانورد کی حیثیت سے خلا کا چکر لگایا

خطبۂ صدارت

از مولانا عبدالوحید صاحب سلفی

امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند و ناظم اعلیٰ مرکزی دارالعلوم بنارس، یوپی ہند

(یہ خطبہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے ۲۶ ویں اجلاس عام منعقدہ ۱۰ / ۱۱ / ۱۲ / مئی ۱۹۸۵ء بمقام معسکر بنگلور میں پڑھا گیا۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ لِلّٰہ ربِّ العالمین، والصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ عبدِہٖ ورسولِہٖ محمدٍ سیّدِ الرُّسلِ وخاتمِ النّبیّین وعلیٰ آلِہٖ وصحبِہٖ اجمعین، وعلیٰ من تبعھم باحسانٍ الیٰ یومِ الدّین من عبادِہِ المؤمنین، الّذین بعضھم اولیاءُ بعضٍ یامرون بالمعروفِ وینھون عنِ المنکرِ ویُسارِعون فی الخیراتِ باذنِ اللّٰہ، واللّٰہ معَ المتّقین، اما بعد۔

برادران اسلام!

مجھے بے حد خوشی ہے کہ ہماری جماعتی تنظیم کی اسّی سالہ تاریخ میں چھبیسویں بار، آزاد ہندوستان کی تاریخ میں دوسری بار، اور جہادِ آزادی کے گوہر آبدار، صاحب شمشیر وسناں، شیر میسور، سلطان ٹیپو کی مملکتِ خداداد کے شہر بنگلور میں پہلی بار، کل ہند پیمانے پر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کا اجلاس عام ہو رہا ہے۔ یہ یقیناً ہماری جماعتی سعادت و خوش بختی کی علامت ہے اور خدا کرے کہ یہ ہماری جماعتی پیش رفت کی تاریخ میں ایک سنگِ میل بھی ثابت ہو۔ آمین۔

مجھے سعادت کے ان لمحات میں اُن اکابر کی یاد خصوصیت سے آرہی ہے جو کل تک ہمارے مربّی و سرپرست یا ساتھی اور رفیق کار یا معاون اور مددگار تھے، اور ہمارے علمی اور جماعتی وقار کی علامت اور رزم و بزم کی رونق تھے۔ اُن کی موجودگی سے جذبوں، حوصلوں، اور ولولوں کو جلا ملتی تھی، مگر آج وہ ہم سے الگ تھلگ آغوشِ لحد میں آسودۂ خواب ہیں۔

آج اس عظیم اجتماع کے موقع پر اُن کی غیر موجودگی شدت سے علماء و زعماء کا احساس دلا رہی ہے ۔ اللہ ان سب کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے ، جنت الفردوس میں بلند درجات سے سرفراز کرے ، اور ہمیں ان سب کا نعم البدل مرحمت فرمائے ۔ آمین ۔

ہماری دعوت اور اس کے چند اصولی نکات : بزرگو ، اور بھائیو ! ہماری دعوت کوئی نئی دعوت نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اصول و فلسفہ سازی کی محتاج ہو ، بلکہ یہ عین اسلام کی دعوت ہے ، ہم ادیان و مذاہب ، عقائد و نظریات اور اصول و تحریکات کی گھنگھور گھٹاؤں میں ہر مشکوک دروازے اور ہر تاریک پگڈنڈی کو چھوڑ کر صرف اسی روشن اور تابناک شاہراہ پر چلنے کے قائل و عامل ہیں جس کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے :

" وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ "

(یہ ہے میری سیدھی شاہراہ ، اسی پر چلو ، اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اللہ کی شاہراہ سے الگ تھلگ پھینک دیں گے ۔)

اور جس کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مژدۂ جانفزا وارد ہے کہ اس شاہراہ پر چلنے والے اللہ تعالیٰ کی وہ مدد یافتہ جماعت (طائفہ منصورہ) ہیں کہ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ اَوْ مَنْ نَاوَاهُمْ اس کی مخالفت کرنے والے اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے بلکہ لَا يَحِيدُ عَنْهَا اِلَّا هَالِكٌ (جو اس شاہراہ سے کترائے گا وہ خود تباہ ہو جائے گا ۔)

یہ شاہراہ کیا ہے ؟ یہ درحقیقت اللہ کی توحید خالص اور اس کے رسول کی بے لاگ ، بے لوث ، بے چون و چرا ، بےکم و کاست اطاعت کی شاہراہ ہے ، کہ توحید کے بغیر نجات کا امکان نہیں اور اطاعت رسول کے بغیر ایمان کی سلامتی نہیں اور عمل کا اعتبار نہیں ۔ اللہ کا ارشاد ہے : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ، اور اس کے ماسوا کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا ۔ اور " اِنَّهٗ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ " (جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ، اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔)

پس اللہ کو اُس کی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ماننا اور اُس کے حقوق و عبادات میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرانا ہماری دعوت کی اولین بنیاد ہے اور یہی کلمۂ اسلام کے پہلے جزو کا مطلب ومقتضا ہے۔

دوسری طرف اللہ نے "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" کی بار بار تاکید کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ رسُول کی اطاعت ہی دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ کیوں کہ رشد وہدایت کے خزانے سے اللہ تعالیٰ نے افرادِ اُمّت تک جو کچھ بھیجا ہے، آپؐ ہی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہے۔ "وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔ اور یہ اطاعت ایسی ہے کہ اسی کی بدولت ہدایت مل سکتی ہے۔ ارشاد ہے: "وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا" (نور: ۵۴) (اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسولؐ کی) اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔) اور اگر اُس کی اطاعت میں کھوٹ ہے تو ایمان خطرے میں ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبرانہ حکم کے سامنے دم مارنا یا پیغمبرانہ فیصلے پر دل کے کسی گوشے میں تنگی محسوس کرنا بھی ایمان کے خلاف ہے، اور کھلی گمراہی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لیے اس کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اُس کے رسُول کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو اُن کے لیے اپنے معاملے میں اختیار باقی رہے۔ اور جس نے اللہ اور اُس کے رسُول کی نافرمانی کی وہ کھلم کھلا گمراہ ہوا۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نہیں! تیرے پروردگار کی قسم، لوگ مومن نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ اُن کے درمیان جو اختلافات واقع ہوں اُن کے بارے میں آپؐ کو حکم مان لیں، پھر آپؐ جو فیصلہ کریں اُس کے متعلق اپنے نفسوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور بے چون وچرا تسلیم کرلیں۔)

اِسی لیے یہ اطاعت نہ ہو تو اچھے سے اچھا عمل بھی کارآمد نہیں بلکہ سب کا سب اکارت اور غارت ہے۔

ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد: ۳۳)

(اے اہل ایمان! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال غارت نہ کرو۔)

پھر آپ کی یہ اطاعت نہ تو کسی دوسرے انسان کی تائید و تصدیق کی محتاج ہے نہ اس اطاعت سے فرار کی کسی کے لیے گنجائش ہے، خواہ وہ اپنے دائرہ میں مجتہد اعظم کیا معنی اولوالعزم پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کی کہ ہم یہود سے کچھ پسندیدہ احادیث سنتے ہیں، تو کیا ایسی بعض حدیثیں لکھ لیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا:

أَمُتَهَوِّكُونَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي۔ (مسند احمد، بیہقی، مشکوٰۃ ص ۳۰) (کیا تم بھی اسی طرح حیران و سرگرداں ہو جیسے یہود و نصاریٰ حیران و سرگرداں ہوئے تھے۔ یاد رکھو! میں تمہارے پاس ایک صاف اور تابناک ملت لے کر آیا ہوں، اور اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ کار نہ ہوتا۔

ایک اور موقع پر یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو تورات کا ایک نسخہ پڑھنے لگے۔ روئے مبارک پر تغیر آگیا، حضرت ابوبکرؓ کی توجہ دہانی پر حضرت عمرؓ نے چہرۂ انور دیکھا تو فوراً اٹھے اور اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا کا کلمۂ رضا و خود سپردگی دہرایا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي۔ (مسند دارمی، مشکوٰۃ ص ۳۲) (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اگر تمہارے لیے موسیٰ علیہ السلام نمودار ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی میں لگ جاؤ تو راہِ راست سے بھٹک کر گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور اگر وہ بھی زندہ ہوتے اور مجھے پالیتے تو میری ہی پیروی کرتے۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بالکل بے لوث طریقے پر کی جائے اور اس کو کسی امتی کی تائید و تصدیق پر موقوف و مشروط نہ قرار دیا جائے۔ یہ ہے کلمۂ اسلام کے دوسرے حصہ "محمد رسول اللہ" کی حقیقت اور یہ ہے ہماری دعوت کا دوسرا بنیادی اور اصولی نکتہ۔ اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امور رسالت میں کسی پہلو سے کسی کی مداخلت گوارا نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حاکم صرف اللہ ہے۔ "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (حکم محض اللہ کا ہے) أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" (اللہ ہی تخلیق ہے اور اسی کا حکم بھی

چلے گا)۔ اور اللہ نے شریعت سازی کا کام یا تو اپنے ذمہ لیا ہے یا پیغمبروں کو اس کا منصب عطا کیا ہے، اور وہ اللہ کے اذن سے شریعت سازی کرتے ہیں۔ اسی لیے پیغمبروں کے بارے میں فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔)

اور جو لوگ اللہ کی اذن کے بغیر شریعت سازی کرتے ہیں، ان کے اقدام کو شرک قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ حق الوہیت پر قبضہ کرنے کے ہم معنی ہے۔ چنانچہ مشرکین پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ۔ (کیا ان کے کچھ شرکاء ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی ایسی باتیں مشروع کر دیں، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کے اذن کے بغیر دین کی کسی بات کے مشروع کرنے کو صراحۃً شرک کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ۔ (انھوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے ماسوا رب بنالیا۔)

حضرت عدی بن حاتم رض کی مشہور حدیث میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور راہبوں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے علماء اور راہب جس چیز کو حلال ٹھہرا دیتے، اُسے حلال مان لیتے اور جس چیز کو حرام ٹھہرا دیتے اُسے حرام مان لیتے۔ پس یہی ان کو اللہ کے ماسوا رب بنانا تھا۔ یعنی اللہ کے اذن کے بغیر ان کو شریعت سازی اور حلت و حرمت کے فیصلے کا حقدار تسلیم کر لینا ہی ان کو رب ٹھہرانا ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر کے سوا کسی اور کو دین میں کچھ گھٹانے بڑھانے اور ترمیم و اضافہ کرنے کا قطعاً کوئی اختیار نہیں، بلکہ یہ خدائی حق اور پیغمبرانہ منصب کو غصب کرنے کے ہم معنی ہے، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری) (جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ بات مردود ہوگی۔) اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں عموماً فرمایا کرتے تھے۔ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ

ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (ہر ایجاد کردہ بات بدعت ہے ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔) اور اسی لیے آپ نے بدعت ایجاد کرنے والے کے بارے میں فرمایا: مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔ (جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کی پشت پناہی کرے، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل۔)

اور یہی وجہ ہے کہ جب قیامت کے روز حوض کوثر پر بدعتیوں کو جانے سے روکا جائے گا، اور آپ کو حقیقت حال بتلائی جائے گی، تو آپ یوں پھٹکار بھیجیں گے: سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔ (برباد اور غارت ہو وہ شخص جس نے میرے بعد تبدیلی کی۔)

یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی قسم کی بدعت کو بدعت حسنہ نہیں کہا ہے، بلکہ ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے۔ کیوں کہ کوئی بدعت خواہ کتنی ہی بھلی کیوں نہ لگتی ہو، بہرحال وہ اللہ کے اذن کے بغیر وجود میں لائی جاتی ہے، اس لیے اس کا ایجاد کرنے والا اللہ کے حق اور رسول کے منصب کا غاصب ہوا اور یہ صریح اور شدید گمراہی ہے۔ پھر دین میں کسی بدعت کی پیوندکاری اگر اس بنیاد پر ہے کہ دین میں اتنی کسر رہ گئی تھی تو یہ اللہ کے جھٹلانے کے ہم معنی ہے، کیونکہ اللہ نے دین کو کامل و مکمل قرار دیا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔) اور اگر دین کو مکمل تسلیم کرتے ہوئے اضافہ کیا جارہا ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت سخت گستاخی ہے۔ اور جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے، یہ درحقیقت آپ پر اس بات کی تہمت ہے کہ آپ نے پورے دین کی تبلیغ نہ کی بلکہ نعوذ باللہ سستی اور خیانت کی۔ حالانکہ آپ نے کوئی بھی بھلائی نہیں چھوڑی جو ہمیں بتلا نہ دی ہو اور کوئی بھی برائی نہیں چھوڑی جس سے ڈرا نہ دیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ دین اور احکام شریعت کو جوں کا توں قبول کیا جائے اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ کی جائے کہ اس کے بغیر دین خالص پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں، جس کی تاکید اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے

ہوئے اس کی عبادت کرو۔ یاد رکھو، اللہ ہی کے لیے دینِ خالص ہے۔)

یہاں تک ہم نے اپنی دعوت کے تین اصولی اور بنیادی نکتے ذکر کیے ہیں: (۱) توحید (۲) اتّباعِ سُنّت (۳) پیروی دینِ خالص۔ یہ نکات دین کے تمام اعتقادی اور عملی دائرے کو محیط ہیں۔ اس کے بعد ہمارے مقاصد کی راہ روشن ہو جاتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان کی تربیت اس ڈھنگ سے ہو کہ عقائد و نظریات سے لے کر عبادات و اعمال تک، جذبات و احساسات اور عزائم و خیالات سے لے کر اخلاق و معاملات اور گفتار و کردار تک ہر معاملے میں صفائی پاکیزگی اور نکھار آجائے کہ یہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غایتِ عظمیٰ تھی اور یہی کامیابی کی کلید ہے۔ ارشاد ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ - (آل عمران ۱۶۴)

(اللہ نے اہلِ ایمان پر احسان کیا۔ جبکہ خود انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا کہ وہ ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، ورنہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ظاہر ہے کہ اس مقصد میں جس رفتار سے کامیابی حاصل ہوتی جائے گی، اُسی رفتار سے سچے مسلمان وجود میں آتے جائیں گے اور صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہوتا جائے گا۔ نیز اس مقصد کے لیے جو تگ و دو کی جائے گی اس کے نتیجے میں دو قسم کے لوگ اُبھریں گے۔ ایک وہ جو اس حق کو پہچان کر اسے قبول کرلیں گے اور دوسرے وہ جو اس کو پہچان کر بھی اس کے سامنے سرنگوں نہ ہوں گے، ایسے لوگوں کی رہنمائی کے لیے کی جانے والی جد و جہد بھی لاحاصل نہیں ہے کیونکہ رسولِ اکرمؐ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تمام انسانوں پر حق واضح ہو جائے اور اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔ (تاکہ جو ہلاک ہو کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔) پھر یہی سرکش طبقہ ہے جس کے شر کو مٹانے اور صالح معاشرہ کو فروغ دینے کے لیے اسلام نے جہاد مشروع کیا ہے۔ اور اسے اسلام کی کوہان کی سب سے بلند چوٹی قرار دیا ہے، اس لیے ہمارے طریقِ کار میں دعوت الی اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پہلو بہ پہلو جہاد فی سبیل اللہ بھی ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے۔

اب تک میں نے جو کچھ عرض کیا وہ ہماری دعوت کے اصولی نکات اور مقاصد کی جانب چند

ہماری تاریخ: مختصر اشارے تھے۔ اب چند اشارے تاریخ کی طرف کر دینا بھی مناسب ہے۔ ہماری تاریخ اسلام ہی کی تاریخ ہے اور وہ اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم خود مذہب اسلام ہے۔ البتہ امت مسلمہ میں جیسے جیسے انحراف آتا گیا، تاریخ کے صفحات پر ہمارے امتیازی نقوش اُبھرتے گئے۔ خلافت راشدہ کے اخیر میں خروج اور تشیع کی صورت میں دو لہریں اُٹھیں تو بقیہ امت حق کی نمائندہ تھی۔ اس کے بعد اعتزال و تجہم اور جبر و قدر کے فتنہائے بلاخیز اُٹھے تو امت کا وہ حصہ حق کا نمائندہ تھا، جس کی قیادت تابعین و تبع تابعین کے علماء ربانیین کر رہے تھے۔ پھر جب فقہی تنازعات نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر اپنے اپنے ائمہ کی رایوں پر جمود اور اس کے لیے جنگ و جدال کی صورت اختیار کی تو حق کی نمائندگی امت کا وہ طبقہ کر رہا تھا جو فقہاء محدثین کے دامن سے وابستہ تھا۔ فقہاء محدثین نے اس جمود کو توڑنے کے علاوہ دین و شریعت کے رخ زیبا کو مسخ کرنے کی کوششوں کے جواب میں حفاظت حدیث تدوین حدیث اور فنون حدیث کی تالیف و تصنیف اور ترتیب و تبویب وغیرہ کے سلسلے میں ایسے معجزانہ کارنامے انجام دیے جن کی نظیر سے پوری نوع انسانی کی تاریخ خالی ہے۔ اور جس پر آج تک بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کوئی مزید اضافہ نہیں کیا جا سکا ہے۔ پھر ان علوم و فنون کی تہذیب و تنقیح، تشریح و توضیح، تدریس و تعلیم اور ان کی روشنی میں امت کی اصلاح و تجدید کا کارنامہ آج تک انجام پا رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک انجام پاتا رہے گا۔ اس سلسلے میں محل وقوع کے لحاظ سے ہندوستان کا ذکر ہمارے لیے خصوصی توجہ چاہتا ہے۔

ہندوستان میں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام کی آمد خلافت راشدہ کے دور سے شروع ہوئی، پھر ۹۵ھ تک محمد بن قاسم کے زیر قیادت اسلامی افواج نے سندھ کی جابر و قاہر حکومت کو زیر و زبر کر کے شہروں اور قریوں پر اسلامی علم لہرایا۔ اس پورے عہد میں جو مسلمان آئے وہ انھی اصولوں پر عمل پیرا تھے، جن کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں اور ان کے ذریعہ جو اسلام پھیلا وہ ٹھیٹھ اور خالص اسلام تھا۔ مگر اس کے بعد ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ کوئی تین صدیوں تک رکا رہا۔ ۳۹۲ھ سے غزنوی حکمرانوں کی توجہ ہندوستان کی طرف منعطف ہوئی، اور پھر ڈھائی صدی کے عرصہ میں اسلامی علم ہندوستان کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب پر لہرا گیا۔ مگر اس دوران عالم اسلام اعتزال و تجہم، رفض و خروج، تصوف و باطنیت، بدعات و خرافات، تقلیدی جمود اور فقہی و کلامی موشگافیوں اور معرکہ آرائیوں کا اکھاڑا بن چکا تھا اور امت مسلمہ " ظلمات بعضها فوق بعض " جیسے فتنوں کا

شکار ہو چکی تھی، اس لیے اس دوران جو اسلام آیا وہ پہلی صدی کی طرح خالص اور بے داغ نہ تھا، اور اس نے وہ اثر انگیزی ہی نہ دکھائی جو محمد بن قاسم کے دور میں دیکھی گئی تھی۔ مغلوں کا دور نسبتہً زیادہ تاریک تھا اور مغل حکمراں اکبر کا دور تو درحقیقت اسلامی ہند کی ضلالت کبریٰ کا دور تھا۔ اس دور میں اسلام کے ایک ایک نقش کو مٹا کر اس کی جگہ کفر و ضلالت کے مراسم و اطوار کو نافذ کرنے کی جابرانہ و قاہرانہ کوشش کی گئی۔ اس پوری مدت میں طرح طرح کے علوم و فنون، یونانی فلسفوں اور خرافاتی خیالات کی تعلیم و تعلّم کو تو عروج و فروغ حاصل ہوتا رہا، مگر علوم کتاب و سنت کے حاملین خال خال دکھائی پڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ علاء الدین خلجی کے عہد میں ایک جیّد مصری عالم شمس الدین ترک ۱۳۰۰ء میں حدیث کی چار سو کتابیں لے کر ملتان تشریف لائے، دہلی کا ارادہ تھا مگر سنا کہ بادشاہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور دہلی کے حالات سن سن کر ملتان ہی سے واپس چلے گئے اور واپسی سے پہلے سلطان علاء الدین خلجی کو یہ خط لکھا کہ "میں مصر سے دہلی کا ارادہ کر کے چلا تھا کہ دہلی میں قیام کر کے علم حدیث کی اشاعت کروں گا، اور محض خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے آیا تھا کہ لوگوں کو علم حدیث کی طرف متوجہ کر کے خیانت پیشہ مولویوں اور بددیانت عالموں کی روایتوں سے نجات دلاؤں گا، لیکن چونکہ آپ خود ہی نماز نہیں پڑھتے، اور نمازِ جمعہ بھی ادا نہیں کرتے، لہٰذا میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں حدیثِ نبوی پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ میں حیران ہوں کہ وہ شہر جس میں حدیث کے بجائے دوسرے لوگوں کی روایتوں پر عمل ہوتا ہے، تباہ کیوں نہیں ہو جاتا، اور عذابِ الٰہی اس پر کیوں نہیں نازل ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں سیاہ رو بدبخت مولوی فتوے اور نامعقول روایتوں کی کتابیں کھولے ہوئے مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور روپیہ پیسہ لے کر لوگوں کو قسم قسم کے حیلے اور جھوٹی سند دلیلیں بتاتے رہتے ہیں، مسلمانوں کے حق کو بھی باطل کرتے اور خود بھی غارت ہوتے ہیں۔" (تاریخ زوالِ ملّتِ اسلامیہ ص ۱۳۸، ۱۳۹)

بہرحال ایسا نہیں کہ ان تیرہ و تار صدیوں میں اصلاحِ اُمّت کی مخلصانہ سعی نہ کی گئی ہو۔ یا ایسی کوششیں کی گئی ہوں تو بالکل بے اثر رہی ہوں، لیکن ہندوستانی مسلمان صوفیانہ بدعات و خرافات اور گمراہی کی جس دلدل میں پھنسے تھے، اس سے انہیں نکالا نہیں جا سکا۔ آخری دور میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نمودار ہوئے اور انہوں نے اکبری دور کی گمراہیوں اور تصوف کی خرافات پر ضرب کاری لگانے کے علاوہ اصولی طور پر تمسک بالکتاب والسنہ کی طرف ملّتِ اسلامیہ ہند کی عنانِ توجہ موڑنے کی سعی بلیغ کی۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبقری شخصیت نمودار ہوئی۔ انھوں نے بے لاگ تحقیق وتنقید سے اسلامی معاشرہ واقتدار اور امت کے فکری زوال کے ایک ایک سبب کی کھوج لگائی اور ہمہ گیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے تمام ذرائع کی نشاندہی کرکے تجدید واحیائے دین کی داغ بیل ڈالی اور اپنے تلامذہ اور خواص کی ایک ایسی جماعت تیار کردی، جو آپ کے بعد اس امانت کبریٰ کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا سکے۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان کے حین حیات ہی آپ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی کا کھلم کھلا آغاز ہوگیا، اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے الفاظ میں "دعوت واصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کردیے گئے تھے، اب اس سلطان وقت اور اسکندر عزم کی بدولت شاہ جہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا، اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے،" گویا ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی

"زمیں ہند کی جس نے ساری ہلادی،

شاہ صاحب کے اس تلاطم میں سید احمد شہید کی شکل میں ایک اور لہر رائے بریلی سے آکر ضم ہوگئی اور پورے ہندوستان میں تجدید امت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ شہیدین جہاں خود نہ پہنچ سکے، وہاں ان کے خلفاء تشریف لے گئے اور اپنے اپنے دائرے میں اصلاح وتجدید کا بازار گرم کردیا۔ پھر اسلامی جہاد کی باری آئی۔ ۱۲۴۲ھ میں شہیدین ایک منظم گروہ کے ساتھ صوبہ سرحد تشریف لے گئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سربکف میدان میں اتر پڑے ایک خالص اسلامی حکومت کی بنیاد بھی استوار کی، مگر مقامی مسلمانوں کی پیہم غداریوں اور ناروا مظالم کے سبب وہاں سے بھی ہجرت کی نوبت آئی اور ہجرت ہی کے دوران ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو رزم گاہ بالاکوٹ میں شہیدین اور ان کے رفقاء جہاد کی نصف تعداد نے مومنانہ پامردی کے ساتھ سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے جان جان آفریں کے حوالے کردی۔

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس حادثۂ فاجعہ سے کار جہاد اور کار اصلاح وتجدید کو دھچکا تو ضرور لگا مگر تسلسل نہ ٹوٹ سکا۔ خانوادۂ

صادق پور کے نیرِ تاباں مولانا ولایت علی رحمہ اللہ نے عَلَم اپنے ہاتھ میں لیا، اندرونِ ملک نظمِ جماعت کو پختہ کیا، اور میدانِ جہاد میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی رحمہ اللہ کو بھیجا اور پھر خود بھی تشریف لے گئے۔ ایک بار پھر اسلامی جہاد کا علم لہرا گیا۔ بالاکوٹ فتح ہوا اور مزید فتوحات کے بعد ایک بار پھر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی، مگر اس حکومت کی عمر بھی طویل نہ ہو سکی۔ ۱۲۶۳ھ میں بڑے بھائی نے اور ۱۲۷۴ھ میں چھوٹے بھائی نے وفات پائی۔ ان کے بعد مولانا ولایت علی رح کے صاحبزادے مولانا عبداللہؒ نے ۱۳۲۴ھ تک اور ان کے بعد اس خانوادے کے دوسرے افراد نے، پھر مولانا محمد بشیرؒ اور مولانا فضل الٰہی وزیر آبادیؒ نے آزادیٔ ملک کے بعد یعنی ۱۹۴۸-۴۹ء تک رہ رہ کر میدانِ جہاد گرم کیے رکھا۔ سوا سو سال کے عرصہ میں کوئی ساٹھ لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان حضرات کی کوششوں اور مجاہدات کی بدولت برطانیۂ عظمیٰ کی وہ سلطنت جس کے دائرے میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، اس کے عزائم صوبہ سرحد کی چوکھٹ پر دم توڑتے رہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ اہلحدیث مجاہدین کی ان قربانیوں کے اثرات آج بھی نقوش و سوادین کر صفحۂ عالم پر ثبت ہو رہے ہیں۔ افغانستان کا وہ علاقہ جو ان مجاہدین کی جولان گاہ نے تسلسل تھا، یعنی وادی نورستان، وہاں آج جماعت اہلحدیث کی باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہے، جو تمام اسلامی احکام کا نفاذ کرتی ہے اور روس کی جابرانہ طاقت کا ہر موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اللہ اسے تا دیر قائم رکھے۔ آمین۔

جماعت اہلحدیث کے ان مجاہدات کے پہلو بہ پہلو دیگر علمی اور تحریری سرگرمیاں بھی پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہیں۔ تحریکِ شہیدین کی بدولت حدیث کی تعلیم و تدریس کا رواج عام ہوا تو وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اور اس فن کے کبار علماء وجود میں آئے، تا آنکہ تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے آغاز کی نصف صدی میں یہ سلسلہ انتہائی عروج کو پہنچ گیا۔ اس وقت دہلی کے تعلیمی مرکز پر شیخ العرب والعجم حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز تھے اور بھوپال کا علمی مرکز نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ کی تابانی کے سبب پورے عالم اسلام پر اپنی ضیا پاشیاں کر رہا تھا۔ ان بزرگوں اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ کتبِ حدیث کی نشر و اشاعت، شروح و تراجم اور تعلیم و تدریس کی وہ ہماہمی ہوئی کہ محدثین کے دورِ عروج کی یاد تازہ ہو گئی اور علمِ حدیث کو نہایت سنگین دورِ زوال میں سنبھالا مل گیا۔

سید رشید رضا مصری لکھتے ہیں: اگر اس زمانے میں ہمارے ہندوستانی علماء کی توجہ علومِ حدیث

کی طرف نہ ہوتی تو بلاد شرقیہ سے اس کا زوال یقینی تھا۔ جبکہ مصر و شام اور عراق و حجاز میں یہ علوم دسویں صدی ہی سے کمزوری کا شکار تھے اور چودھویں صدی کے اوائل میں تو کمزوری کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔"

(مقدمہ مفتاح کنوز السنہ)

ایک اور مصری محقق عبدالعزیز خولی لکھتے ہیں: "اس دور میں کوئی ایسی مسلم قوم نہیں پائی جاتی، جس نے ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کی طرح حدیث کو اس کا پورا حق ادا کیا ہو، ان کے درمیان حفاظ حدیث پائے گئے اور تیسری صدی کی طرح فہم میں حریت اور اسانید پر نظر رکھتے ہوئے حدیث کا درس دینے والے وجود پذیر ہوئے۔ انھوں نے حدیث کی بہت سی ایسی نفیس کتابیں بھی طبع کیں جو اہمال کے ہاتھوں نایاب اور حوادث زمانہ کے ہاتھوں فنا ہوا چاہتی تھیں........"

"ہندوستان میں اس تحریک کی بنیاد چند جلیل القدر اور یگانۂ روزگار ہستیاں ہیں جو دورِ جدید کا جوہر ہیں اور جنھوں نے تحصیل علوم میں سلف کی روش اپنائی ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ بڑے عالی مرتبہ بلند پایہ اور عظیم شہرت کے مالک ہوئے، اور اس کا بہت عمدہ اثر اور بڑی واضح پیش رفت ہوئی۔ (اور انھی میں ہمارے مربی و سرپرست حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مدظلہ کی ذات گرامی ہے جنھوں نے خدمت حدیث کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و سلامتی سے رکھے، ان کا سایۂ عاطفت ہم پر قائم و باقی رکھے اور ان کی رہنمائی سے ہمیں فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ آج وہ علالت و نقاہت کی وجہ سے ہمارے درمیان تشریف نہیں لا سکے ہیں، لیکن ان کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم سب کو دست بدعا رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامل صحت عطا فرمائے اور مرعاۃ کو جلد مکمل کرا دے۔)

"درحقیقت ہندوستان میں ایک ایسی جماعت ہے جو تمام امورِ دین میں سنت سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور فقہاء اور متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی، اور یہ محدثین کی جماعت ہے۔" اسی کے متعلق شیخ محمد منیر دمشقی کا ارشاد ہے کہ: "یہ بڑی عظیم تحریک ہے جو باقی بلادِ اسلامیہ پر اثر انداز ہوئی اور بیشتر اسلامی ممالک نے حدیث و تفسیر کی کتابوں کی طباعت ایس اسی کی پیروی کی۔" (نموذج من الاعمال الخیریہ ص ۶۸۴)

مجھے یہ عرض کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آج سعودی عرب میں جن ہستیوں کی بدولت علم کی گرم بازاری ہے، ان میں کتنے ہی افراد ہیں جو ہمارے اسلاف کی اس تحریک سے کسی نہ کسی شکل میں فیضیاب

ہوئے ہیں۔ فللہ الحمد۔

بہرحال ہمارے بزرگوں نے اس جہدِ مسلسل کے دوران حالات کی تبدیلیوں اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں "آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس" کے نام سے ایک جماعتی تنظیم کی تشکیل کی، جس کے صدر جناب حافظ عبداللہ صاحب محدث غازی پوریؒ اور سکریٹری مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ منتخب کیے گئے۔ اور ارکان کارکنان اور سرپرست کی حیثیت سے جماعت کی چیدہ چیدہ ہستیاں جلو میں تھیں۔ مثلاً مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، مولانا شمس الحق محدث ڈیانویؒ، مولانا شاہ عین الحق پھلواردیؒ، مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ، مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھیؒ، پھر مولانا محمد یونس پرتاب گڈھی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد صاحب جوناگڈھی وغیرہم ... رحمہم اللہ ان بزرگوں نے جماعت کے دیرینہ عزائم و مقاصد کی تکمیل کے لیے شب و روز ایک کردیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس تنظیم نے علمی دعوم دھام اور مثبت دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلامی دفاع کی خاطر ہر طرح کی بدعات و خرافات، قادیانیت، بہائیت، شدھی و سنگٹھن کی تحریکوں اور آریہ و عیسائی مشنوں وغیرہ کا مقابلہ جس عزم و استقلال اور مومنانہ پامردی کے ساتھ کیا، اس کی نظیر ہندوستان کی کسی اور تنظیم اور جماعت کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ اس تحریک کے علم بردار ہمالہ کی چوٹی سے بحر عرب کے ساحل تک رواں دواں رہتے تھے اور اپنے اور غیروں کے مظالم سہتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے دعوت و تبلیغ کا میدان گرم رکھتے تھے۔ اس تحریک کے کارناموں کا تجزیہ مختصراً یوں کیا جاسکتا ہے:

(۱) اس کی برکت سے کوئی نصف لاکھ غیر مسلم مسلمان ہوئے اور آج برصغیر کے بارہ کروڑ سے زیادہ مسلمان اسی کی بدولت صحیح العقیدہ اور موحد ہیں۔

(۲) فقہی جمود اور کورانہ تقلید کا طلسم ٹوٹا پہلے حدیث کا حوالہ دینا جرم سمجھا جاتا تھا، مگر اب اس حوالے کے بغیر کوئی دعویٰ تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔

(۳) ہندوستان میں شرعی اور اسلامی فنون کا دریا موجزن ہوا اور دنیا نے اس تحریک کی برتری کا اعتراف کیا۔

(۴) ایسے بے شمار مدارس وجود میں آئے جہاں یونانی منطق و فلسفہ کی جگہ علوم نبوت کی ضیاپاشی ہوتی ہے۔

(۵) قرآن قرآن کے بعد علوم حدیث وتفسیر کی نادر و نایاب کتابیں منظر عام پر آئیں۔
(۶) اصول دین، تفسیر، حدیث اور شروح حدیث وغیرہ پر بیش بہا کتابیں تصنیف کی گئیں۔
(۷) مسلمانوں کے معاشرہ سے بہت سی بدعات اور شرکیہ رسوم کا خاتمہ کیا گیا۔
(۸) دین کے متروک شعائر زندہ کیے گئے۔ مثلاً دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز، حج وعمرہ کی ادائیگی۔
(۹) بیوہ عورتوں کے عقد ثانی کی ترویج ہوئی، جس نے سماج کو فسادات کے انبار سے بچا لیا۔
(۱۰) ایک خدا پرست قدسی جماعت کا وجود ہوا اور ان کے ذریعہ خالص اسلامی معاشرہ کا پر جمال نقشہ سامنے آیا۔
(۱۱) جہاد کا احیاء ہوا اور اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔
(۱۲) اسلام کے دشمنوں کی یلغار سے اسلام کا دفاع کیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

... ...

عزیزو اور بزرگو! یہ ساری داستانِ دلپذیر آزادیٔ ملک سے پہلے کی ہے۔ آزادی کے بعد جماعت بکھر گئی۔ اس کے چھوٹے کے ادارے ختم ہو گئے اور انتشار کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا، لیکن کچھ مخلصین نے ہمت نہ ہاری اور ان کی کوششوں سے امید کی کرن پھوٹی، تنظیم کا دوبارہ احیاء ہوا اور اللہ کے فضل سے ہماری جماعت آگے بڑھی، موت وحیات کی اس کشمکش میں ہمارے مختلف گوشہ گیر مدارس نے نہایت جاں بخش کارنامہ انجام دیا۔ ان کے ذریعہ علمی روح کی پرورش ہوئی اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی جاری رہا تاآنکہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی ضلعی اور صوبائی جمعیتیں چھوٹے بڑے اجلاس بلانے لگیں، اور ہلکی پھلکی حرکت شروع ہوئی۔ پھر ایک ایسا موڑ آیا کہ ہمارے ابتدائی درجات کے لیے زبان اور دینیات دونوں پہلو سے ایک نصاب تیار ہو گیا۔ پھر جماعتی اخبار نے زیاں کا مزید احساس دلایا اور بیداری کے جذبات کروٹیں لینے لگے تو آزادی سے پہلے کے ۴۰ آل انڈیا اجلاس کے نمونہ پر آزاد ہندوستان کی فضا میں پہلا اجلاس عام بلانے کا فیصلہ ہوا، اور جماعت کے افراد ملک کے گوشے گوشے سے امنڈ کر نوگڈھ کے میدان میں جمع ہو گئے۔ ڈھائی تین لاکھ کے ایسے مجمع کا سماں یہاں کی سرزمین نے کبھی دیکھا نہ تھا۔

ادھر جب سے ہماری تنظیم قائم ہوئی تھی، ہمارے بزرگوں کی دو دیرینہ آرزوئیں تھیں۔ ایک یہ کہ جماعت کا ایک اپنا مرکزی دارالعلوم ہو اور دوسرے یہ کہ جماعت کی اپنی ایک بلڈنگ ہو۔ آزادی کے بعد ان دونوں ضرورتوں کا احساس زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا، اور ہمارے طلبہ کے ساتھ مقلدین کی کورانہ عصبیت اور سوتیلے برتاؤ نے تازیانے

کا کام کیا اور جماعت کے لیے عزت و وقار کا مسئلہ بن گیا۔ تاآنکہ اللہ پاک نے بنارس کو یہ اعزاز بخشا کہ وہاں ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے مرکزی دارالعلوم وجود میں آگیا، اور اللہ کا فضل ہے کہ صرف بیس سال کے عرصہ میں اس نے کیا تعلیم و تدریس، کیا ترجمہ و تصنیف اور کیا شرح و تحقیق ہر میدان میں اتنے وقیع کارنامے انجام دیے کہ آج اس کی بدولت پوری جماعت کا سر فخر سے بلند ہے اور ساری دنیا کے سلفی بڑے اعزاز کے ساتھ اسے اپنا مرکز قرار دیتے ہیں۔ بکھری ہوئی صلاحیتوں نے اس مرکز پر اکٹھا ہو کر جس طرح اپنے پوشیدہ جوہروں کے نقوش ثبت کیے ہیں اور یہ ادارہ تعلیم و تدریس کے میدان میں اپنوں اور غیروں کے لیے جس طرح مشعل راہ ثابت ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرکزی دارالعلوم کے لیے ہمارے بزرگوں کی تڑپ کس قدر گہری، دور بینی اور دور اندیشی پر مبنی تھی۔ آج یہ ادارہ اس شعر کی مکمل ترجمانی کر رہا ہے۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

افسوس کہ ہمارے بیشتر بزرگ اور اس مرکزی دارالعلوم کے اولین معمار مثلاً مولانا عبدالوہاب صاحب آروی، مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا عبدالمتین بنارسی، مولانا عبدالاحد بنارسی، مولانا عبدالمجید الحریری ناسی، عبدالشکور، حاجی عبدالعزیز بالوباغ بنارس (؟)، قاری احمد سعید مرحومین وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس دیرینہ خواب کی تعبیر دیکھنے کے لیے اب اس دنیا میں موجود نہیں، اللہ تعالیٰ انکی نیکیوں کو قبول فرمائے اور انھیں ان کے نیک عزائم کی بہترین جزا دے۔ آمین۔

ہمارے بزرگوں کی دوسری آرزو، جماعت کے لیے ایک بلڈنگ کی تھی، اس کے لیے اتنی کوششیں، اتنی نشستیں اتنی تجویزیں اور اتنی گفتگوئیں ہوئیں کہ جماعت مایوس ہو گئی، پھر ایک وقت آیا کہ خود جماعت ہی کی کشتی مشکلات کے طوفان میں خطرناک ہچکولے کھانے لگی، ہمارے پاس کاغذ کے چند ٹکڑوں کے سوا کچھ باقی نہ بچا، اور ان ہی ناسازگار حالات میں جمعیۃ کی ذمہ داری بھی میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی۔ آپ جانتے ہیں کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صبر و تحمل کے ساتھ، نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے کی توفیق بخشی اور سب کے تعاون سے جماعت کی یہ کشتی پھر چل پڑی اور آج رفیق محترم مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ العالی کی معیت، معاونت اور پر خلوص کوششوں سے دہلی کے بالکل مرکزی مقام میں عین جامع مسجد

کے سامنے ہماری خرید کردہ ایک وسیع و عریض بلڈنگ "اہلحدیث منزل" کے نام سے کھڑی ہے۔ نیز پہلے کے تیار شدہ نصاب تعلیم کے علاوہ مزید کئی کتابیں شائع کی جاچکی ہیں اور مکتبہ ترجمان اپنے میدان میں رواں دواں ہے۔

جمعیۃ کے بنیادی مقاصد کی تکمیل کے لیے گزشتہ سال اپریل ۸۴ء میں بمبئی کے اندر جو اہلحدیث کنونشن ہوا، وہ بھی ہماری تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہے۔ اس موقع پر جماعت کا پورا جوہر ملک کے گوشے گوشے سے جس طرح کھنچ کر بمبئی پہنچا تھا، اور تمام مختلف الخیال شخصیتیں ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جس شان سے جمع ہوئی تھیں وہ ہماری جماعتی زندگی کا بین ثبوت ہیں، اور بیرون ملک سے آئے ہوئے ہمارے سلفی اکابر اور رہنماؤں نے جو وجد انگیز سماں دیکھا تھا وہ بذات خود ایک بڑی بات ہے، مگر اس سے بھی بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اس موقع پر جماعت کی ہمہ جہتی تعمیر و ترقی اور بیداری و سربلندی کے لیے جو ٹھوس اہم، گہرے اور دور رس فیصلے کیے گئے وہ ہماری فلاح و کامرانی کی کلید ہیں الحمد للہ خاکہ تیار ہے اور اب اس میں رنگ بھرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

میں اس موقع پر جماعت کے بعض افراد کے اس تاثر کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ جماعت متحرک نہیں ہے اور دعوت و تبلیغ کا کام کما حقہ انجام نہیں پا رہا ہے۔ میں ایسا تاثر رکھنے والے احباب سے عرض کروں گا کہ وہ سارے حالات کو نظر میں رکھیں، جمعیۃ کی موجود جدوجہد جن نامساعد حالات میں ہوئی ہے اور اس دوران چند ناسمجھ، خود غرض اور مفسد افراد نے جس طرح ہمیں الجھانے اور ہمارے قدم کو روکنے کی کوشش کی ہے، اس کے باوجود ہم آگے بڑھے ہیں اور جمعیۃ کی بنیاد کو مستحکم کرنے میں ہمیں کامیابی ہوئی ہے۔ یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ایسا تاثر انہی علاقوں میں پایا جارہا ہے، جہاں کی ریاستی جمعیتیں متحرک نہیں ہیں اور جہاں کے افراد اپنے وقت کی قربانی دینے میں پست و لعل کرتے ہیں۔ میں ان تمام احباب سے اپیل کروں گا کہ وقت کا تقاضا سمجھیں، اور دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے اپنے کو مستعد اور تیار کریں تو یہ شکایت باقی نہیں رہے گی۔ جمعیۃ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ریاستی اور مقامی افراد ہی کی کوششوں سے کامیابی ممکن ہے۔ اپنے مقاصد پر یقین کامل اور جہد مسلسل سے ہی ہم سب مل کر موجودہ مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں اور موجودہ تیز رفتار دنیا کے سامنے قدم سے قدم ملا کر ہم تیز رفتاری سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائے اور اپنی توفیق اور عنایت سے ہم سے نوازے آمین۔

بزرگو اور بھائیو! اب ہمارے سامنے اہلحدیث منزل کی تعمیر جدید کا مسئلہ ہے۔ ابھی ہمارا اپنا ابتدائی نصاب تعلیم

مکمل نہیں ہو سکا ہے، اسے مکمل کرنے کا منصوبہ ہے، لائبریری، ریسرچ، صحافت، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، ائمہ و خطبار اور مبلغین کی ٹریننگ اور قریہ بہ قریہ، مسجد بہ مسجد قرآن و حدیث کے درس کے بیشمار منصوبے اور مسائل ہیں، جن میں سے بعض پر ادارہ اصلاح المساجد کے ذریعہ رفیق محترم مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدظلہ العالی کی ادارت اور نگرانی میں عمل ہو رہا ہے۔ اس ادارہ نے اب تک مساجد کے سلسلہ میں جس قدر نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ بعض دوسرے مسائل ابتدائی مرحلے میں ہیں اور بعض ابھی خاکے اور تجویز کے درجے میں ہیں۔
جماعت کے باصلاحیت علمار درس و تدریس، امامت و خطابت، تصنیف و تالیف وغیرہ کے لیے ضروری کاموں میں مشغول ہیں کہ ان کو ان کی جگہوں سے ہٹانا خود جماعت کے مفاد کے منافی ہے اور ان کو مستثنیٰ کرنے کے بعد نظر دوڑائیں تو قحط الرجال نظر آتا ہے۔ لیکن ہمیں اللہ کے فضل سے واثق امید ہے کہ ہمارے یہ سارے منصوبے قدم بہ قدم پورے ہوں گے، اور جس طرح ایک مرکزی دار العلوم کی جماعتی آرزو ساٹھ برس کے بعد اور بلڈنگ کی آرزو پچھتر برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پوری کردی، اسی طرح ہمارے دوسرے مقاصد کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کوئی راستہ ہموار کرے گا اور ہمیں یقین ہے کہ وہ وقت اب دور نہیں۔ اُس کا ارشاد ہے:-
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۔ (جنھوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا، ہم انھیں اپنے راستے کی رہنمائی کریں گے، اور بے شک اللہ اچھائی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

اخیر میں میں آپ تمام حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت سکون و توجہ سے میری معروضات سنیں اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ بارِ الٰہا ہمارے اس اجلاس عام کو ہمارے جماعتی کاز کے لیے مہمیز کا درجہ دے، ہماری بیداری عام ہو اور پیش رفت تیز تر۔
یا اللہ! ہمیں حسنِ عمل کی توفیق دے، اور تو نے جس امانتِ کبریٰ کا بار ہمارے ناتواں کندھوں پر ڈالا ہے اس سے بہ احسن طریق عہدہ برآ ہونے کی صورت پیدا کر، اور ہم سب کو اپنی رحمت سے نواز، ہمیں اپنا بنا لے، اور ہم سے راضی ہو جا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ وَصَلَّى اللهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۔

شاہ فیصل ایوارڈ

امین محمد افضل انصاری

چند سال قبل تک عالمی پیمانے پر صرف "نوبل انعام" کا نام لیا جاتا تھا، اور انعام یافتگان کا وقار بین الاقوامی سطح پر کافی بلند ہوتا تھا۔ نوبل انعام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ سویڈن کے عظیم سائنسداں الفرڈ نوبل نے ۱۸۶۷ء میں ڈائنامائٹ ایجاد کرنے کے بعد جب اس بات کو محسوس کیا کہ یہ مادہ بے انتہا ہلاکت خیز اور لڑائیوں میں مزید تباہ کاری کا باعث ہوگا تو اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ایک عالمی انعام کی بنیاد رکھ کر اس کو اپنے نام "نوبل" کی جانب منسوب کیا۔ اس میں مختلف موضوعات کے لیے پانچ سالانہ انعامات اس نے مقرر کیے:

۱۔ ادب ۲۔ کیمیا ۳۔ فزکس ۴۔ طب یا فزیالوجی ۵۔ امن (۶۔ اقتصادیات بعد میں شامل کیا گیا ہے۔)

لیکن اس کا اصل کفارہ "امن انعام" تھا جو درحقیقت اس کے پیش نظر تھا، کیوں کہ ڈائنامائٹ کی ایجاد نے دنیا کی جنگوں کو بربادی اور تباہی کی جانب ایک نیا رخ دیا تھا اور ان حالات میں امن کے لیے کام ایک اچھی چیز تھی۔

نوبل انعام کی حیثیت اپنی جگہ مسلم اور امن کی اہمیت سے متعلق اس کا تہذیبی نقطۂ نظر درست اور برمحل لیکن الفرڈ نوبل نے امن کو یورپ کے مادیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا تھا، اس کا جو حقیقی پس منظر ہے اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ اسلام جو امن و سلامتی اور نوع انسانیت کے درمیان بھائی چارگی کا حقیقی نقیب ہے، اگر ایک سویڈش سائنسداں کی نظر سے اسلام کا یہ عدیم المثال پیغام اوجھل رہا تو یہ کوئی عجیب چیز بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ تو اس شخص کا نصیب ہے، جس کے نصیب میں اسلام کی حقیقی دولت بھی ہو۔

نوبل انعام کو دنیا کے واحد انعام کی حیثیت سے ادبا، سائنسداں، علماء، حکماء اور عباقرہ کی ذوق پروری اور ہمت افزائی کے لیے ایک سو سال تک حکومت حاصل رہی، حتیٰ کہ شاہ فیصل شہید کے صاحبزادوں کو اللہ نے

توفیق بخشی اور انھوں نے صحیح اسلامی پس منظر میں اور امن وانسانیت کے صحیح ترین تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک دوسرے بین الاقوامی انعام کی طرح ڈالی جس میں تہذیب و ثقافت کی اصل بنیاد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور خدمتِ اسلام، علوم اسلامیہ، عصری علوم اور سائنس و طب کے لیے الگ الگ انعامات رکھے گئے ہیں۔

شاہ فیصل ایوارڈ میں اسلام کو جو برتری دی گئی ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ جس شخص کی طرف اس کو منسوب کیا گیا ہے وہ مسلمان یا اسلام کا خادم تھا، بلکہ درحقیقت اسلام کی خدمات انسانیت، امن، علوم اور فنونِ لطیفہ کی خدمت ہے اور اسلام ہی دنیا کا وہ واحد دین ہے جو دین و دنیا میں اور مذہب و سیاست میں اندھی تفریقات کا قائل نہیں ہے:

اذا كانت في يد احدكم فسيلة وعلم ان القيامة ستقوم فليغرسها۔ (اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی پودا ہو، اور اسے عنقریب قیامت کے وقوع کا علم بھی ہو جائے تب بھی چاہیے کہ اس پودے کو لگا دے۔)

پس جس نے اسلام کی خدمت کی اُس نے امن اور انسانیت کے لیے کام کیا۔ اس طرح ہمارا امن اور جذبہ انسانیت اخلاصِ عبودیت اور اللہ کی اطاعتِ کاملہ سے عبارت ہے۔ اسی طرح علم و فن اور تمدن کے دیگر میدانوں میں مسلمانوں کو جو برتری اور سیادت حاصل رہی ہے وہ مسلمانوں کی علمی، اور ثقافتی تاریخ کا روشن باب ہے۔ کیا اس حقیقت سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ جدید یورپ کو اس کی ترقی اور سائنسی تحقیقات میں جو ابتدائی بنیادیں فراہم ہوئی ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں ہی کی رہینِ منت ہیں۔

شاہ فیصل ایوارڈ برائے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء

امسال شاہ فیصل ایوارڈ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر احمد الضبیب نے پانچوں موضوعات پر درج ذیل فیصلہ کیا:

۱۔ خدمتِ اسلام : پروفیسر عبدرب الرسول سیاف (افغانی)

۲۔ دراساتِ اسلامیہ : عنوان: البحوث التي تناولت العقيدة الإسلامية دراسة وتحقيقاً

۱۔ ڈاکٹر فاروق احمد حسن دسوقی (مصری)

۲۔ ڈاکٹر محمد رشاد سالم (سعودی)

۳۔ ڈاکٹر مصطفیٰ محمد حلمی سلیمان (مصری)۔ یہ تینوں حضرات مشترکہ طور پر انعام کے حقدار ہیں۔

۳ - عربی ادب : عنوان : " النقد الادبی عند العرب "
مذکورہ موضوع پر آنے والی تمام تحقیقات انعام کے معیار سے فروتر تھیں، اس لیے اس موضوع کو آئندہ سال تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

۴ - طب (جگر کے امراض) : پروفیسر ماریو ریزیٹو (اٹلی)
پروفیسر رابرٹ پالمر بیسٹرلی (امریکہ)

۵ - سائنس : اس موضوع کے تحت انعام اسی کو ملتا ہے جس کی کوئی تحقیق یا انکشاف غیر معمولی اہمیت کا حامل ہو۔ چوں کہ کوئی امیدوار اس شرط پر پورا نہ اتر سکا لہٰذا ادب ہی کی طرح یہ انعام بھی موخر رکھا گیا۔

انعام یافتگان کا مختصر تعارف :

۱۹۷۹ء سے جب سے اس انعام کا اجراء ہوا ہے، اب تک دنیا کی مختلف شخصیات کو اس کا مستحق قرار دیا گیا ہے، ان میں مشہور یہ : ڈاکٹر فواد سزگین، شاہ خالد مرحوم، شیخ عبدالعزیز بن باز، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، امیر تنکو عبدالرحمٰن، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، ڈاکٹر احسان عباس فلسطینی، احمد شوقی، محمود محمد شاکر، مصطفےٰ ازرقا وغیرہ۔

۱ - عبدرب الرسول سیاف :-

امسال خدمتِ اسلام کا انعام مشہور افغان مجاہد رہنما جناب عبدرب الرسول سیاف کو دیا گیا ہے۔ ان کا امتیازی کام یہ ہے کہ تمام افغان جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے افغانستان کے اسلامی جہاد کو عالمی حیثیت عطا کی ہے، یہاں تک کہ آج ان کا نام افغان جہاد کی علامت بن چکا ہے۔ افغانستان میں سُرخ استبداد کے خلاف مورچہ بندی، اسلامی تشخصات کا دفاع اور مختلف عالمی مجالس میں افغانستان کی اسلامیت کے تعارف نے ان کی شہرت میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ طائف کی اسلامی چوٹی کانفرنس، بہتوں کو یاد ہے جب افغانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے انھوں نے افغانستان کے روایتی لباس میں ملبوس، فصیح و بلیغ، درد انگیز اور پرجوش عربی تقریر کی تھی تو کتنے عرب سربراہوں کے چہروں سے کرب کا اظہار ہوا اور کتنوں کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔

مختصر حالات: پیدائش ۹/۴/۱۹۴۵ء

پرائمری، اسکنڈری اور انٹر کی تعلیم لغمان اور کابل کے مختلف مدارس میں حاصل کر کے کابل یونیورسٹی کے شریعت کالج سے ۱۹۶۷ء میں بی۔ اے کیا اس کے بعد جامعہ ازہر چلے گئے جہاں سے "الوضع فی السنۃ وجھود العلماء فی مقاومتہ" کے عنوان پر کلیہ اصول الدین کے شعبہ حدیث سے ایم اے کیا۔

افغانستان لوٹنے کے بعد کابل یونیورسٹی کے شریعت کالج میں استاذ مقرر ہوئے اور اسی ملازمت کے دوران افغانستان میں پہلی اسلامی جماعت کی تشکیل کی اور اس ذریعہ سے جوانوں کا کردار اسلامی بنانے میں زبردست رول ادا کیا ۱۹۷۳ء میں داؤد انقلاب کے بعد سرکاری مشنری میں کمیونسٹوں کے نفوذ اور کمیونزم کے فروغ کے خلاف کام کیا اور اسی جرم میں دوسرے سال جیل گئے، جہاں چھ سال گذار کر آپ کی رہائی اس طرح عمل میں آئی کہ حکام نے آپ کے بدلے ایک دوسرے شخص کو فریب کھا کر تختہ دار پر چڑھا دیا اور آپ کسی طرح چھوٹ گئے اور پشاور پہنچ گئے، وہاں مجاہدین کا ایک اتحاد قائم کیا اور اس کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔

۲۔ ڈاکٹر فاروق احمد حسن الدسوقی، مصری

ڈاکٹر فاروق صاحب کو ان کی کتاب "القضاء والقدر فی الاسلام" پر انعام دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے صحیح اسلامی عقیدہ، درست اسلوب اور تسلی بخش دلائل کے ساتھ اس نازک مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔

آپ کی پیدائش اسکندریہ میں ہوئی اور ۱۹۷۸ء میں جامعہ قاہرہ سے آپ نے علوم اسلامیہ پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور اب جامعۃ الملک سعود ریاض میں آپ استاذ ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر محمد رشاد سالم سعودی

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب "درء التعارض العقل والنقل" (گیارہ اجزاء) کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے پر یہ انعام دیا گیا ہے۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود نے اس کتاب کو ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ جامعہ مذکور نے شیخ الاسلام کی کتابوں کو شائع کرنے کا ایک وسیع منصوبہ تیار کیا ہے۔

آپ کی پیدائش قاہرہ میں ہوئی، جامعہ قاہرہ سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کرنے کے بعد کیمبرج یونیورسٹی سے ۱۳۷۹ء میں "موافقۃ العقل للشرع عند ابن تیمیہ" کے موضوع پر پی، ایچ۔ ڈی۔ کی۔

۱۹۷۳ء تک آپ مصر ہی میں رہے پھر جامعۃ الریاض۔ حالیہ ملک سعود یونیورسٹی۔ میں چلے آئے ا
الاسلامیہ کے پہلے صدر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۶ء میں سعودی جنسیت اختیار کر لینے کے بعد جامعۃ الامام محم
منتقل ہو گئے۔

آپ کی مشہور کتابوں میں "کتاب المدخل الی الثقافۃ الاسلامیۃ" اور "المقارنۃ بین الغزالی وابن تیمیۃ
علاوہ علامہ ابن تیمیہ کے مختلف رسائل و کتب کی تحقیق بھی شامل ہے، جن میں شیخ الاسلام کی مشہور کتاب "
السنۃ النبویہ"، جامع الرسائل اور صفدیہ وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر مصطفیٰ **محمد حلمی** سلیمان مصری کو فیصل ایوارڈ ان کی تین کتابوں پر ملا ہے۔

۱۔ منہج علماء السنۃ والحدیث فی اصول الدین۔ ۲۔ قواعد المنہج السلفی والنسق الاسلامی فی
الألوہیۃ والعالم والانسان عند شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ۳۔ السلفیہ بین العقیدۃ الاسلامیۃ والفلسفۃ الغ
ڈاکٹر صاحب کی ان کتابوں کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں، کہ صحیح اور اسلامی مآخذ سے ان میں معلومات حاصل کی گئ
اور استدلالات میں فکری صراطِ مستقیم پر قائم رہ کر ترجیحات کو اختیار کیا گیا ہے، نیز صوری و معنوی ژولیدگی کہیں نہیں

آپ نے اسکندریہ یونیورسٹی میں اپنے تعلیمی مراحل طے کیے اور وہیں سے ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگر
کی۔ اس کے بعد آپ نے مختلف عرب جامعات میں کام کیا۔ آپ کی دیگر تالیفات: نظام الخلافۃ فی الفکر الاسل
قواعد المنہج السلفی فی الفکر الاسلامی، ابن تیمیہ والتصوف، الزہاد الاوائل، النظریات السیاسیۃ والاجتما
الاسلام ابن تیمیہ۔

۵۔ پروفیسر ماریو ریزیٹو (اٹلی) جگر کے امراض کے لیے ایک بیش قیمت دوا کی ایجاد پر یہ انعام دیا گیا۔

۶۔ پروفیسر رابرٹ پالمر بسرلی (امریکہ) واشنگٹن یونیورسٹی تا ٹوان میں وبائی امراض کے استاذ ہیں۔
امراض اور ان کے جراثیم پر دو قابلِ قدر انکشافات پر انعام کمیٹی نے اول الذکر اطالوی پروفیسر کے ساتھ طب
میں انعام میں شریک قرار دیا ہے۔

آئندہ سال ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء کے لیے کمیٹی نے درج ذیل موضوعات منتخب کیے ہیں۔

۱۔ خدمتِ اسلام، ۲۔ دراساتِ اسلامیہ: الدراسات التی تناولت التاریخ الاسلامی۔ ۳۔ ادب عربی
التی تناولت الأدب العربی فی القرنین الخامس والسادس الہجریین فی تاریخہ او رجالہ او قضایاہ۔
۴۔ طب: مرض السکر
۵۔ سائنس۔ بایوکیمسٹری (حیاتی کیمیا)

برلن لائبریری میں عربی مخطوطے

ترجمہ: راختر عظیم بستوی مدینہ منورہ

گمر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا (اقبال)

برلن لائبریری، جسے سرکاری طور پر جرمن حکومت کی لائبریری کہتے ہیں، برلن شہر کے مغربی خطے میں نئی تعمیر شدہ عمارت میں واقع ہے، اس میں ۹۰۰۰ عربی، ۴۵۰۰ فارسی، ۳۵۰۰ ترکی اور ۶۰ اردو مخطوطے موجود ہیں۔ اس فکری و ثقافتی ذخیرے کے تاریخی مراحل کے حوالے سے اُمّت اسلامیہ کے تمدن و ثقافت نیز معاصر اسلامی فکر کی تشکیل میں اس کے کردار کے مختلف گوشوں کے بارے میں مختلف سوالات سامنے آسکتے ہیں، لیکن ان سب سے اہم سوال یہ ہے کہ امت اسلامیہ کا یہ بیش قیمت خزانہ، جو امت کی طویل تاریخ کے علمی پہلو کا مظہر ہے، مختلف اوقات میں اتنا عظیم ذخیرہ مغربی ممالک تک کیسے پہنچ گیا؟ نیز ان میں سے خاص اجزاء و نوعیت کا انتخاب اور ان کی اشاعت کیسے ہوتی ہے، جبکہ جدید تکنیک کی مدد سے ان کی حفاظت، جدید آلات کی مدد سے ان کی تحقیق، ان کی فہرست سازی اور ترتیب کے مراحل مکمل ہوتے ہیں۔

اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جغرافیائی حدود علم و معرفت کی اشاعت نہیں روک سکتیں۔ لیکن طبع شدہ کتابوں اور مطبوعہ مواد کی بہ نسبت مخطوطات کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ یہ مخطوطے طویل عرصہ تک ان کے اصل مالکوں کے پاس محفوظ تھے۔ یہاں تک کہ خاص حالات کی وجہ سے ان سے بہت دیر میں فائدہ اُٹھایا جا سکا۔ یہ اسلامی نسلوں کی مختلف انداز میں نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ عظیم ذخیرہ جہاں ایک طرف امت کی بدقسمتی کا ثبوت ہے کہ وہ اس معتبر ترین کتب خانے سے استفادہ نہیں کر سکی، وہیں اس سے اہل مغرب کا ایک خاص مقصد بھی نمایاں ہوتا ہے، یعنی وہ ایک ایسی خلیج پیدا کرنا چاہتے ہیں جو موجودہ مسلمانوں کو اپنے ماضی سے بے تعلق کر دے بلکہ ایک طرح کی اجنبیت پیدا کر دے۔ (احیاء تراث کی اصطلاح سب سے زیادہ امت اسلامیہ کی

پر ر چسپاں ہوتی ہے جبکہ تحقیق تراث کا منصوبہ صحیح علمی اسلوب کی روشنی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے ۔)

برلن لائبریری میں یہ مخطوطات معتبر اور غیر معتبر دونوں ذریعوں سے پہنچے ہیں ۔ بیشتر یورپی ممالک نے مختلف ذرائع سے اپنی لائبریریوں میں ان کی اچھی خاصی تعداد جمع کرلی ہے ۔ نیز مشرقی علوم کے مطالعہ اور ریسرچ کے لیے خصوصی درس گاہیں کھولے ہوئے ہیں ۔ ڈپلومیسی وسائل اس سلسلہ میں خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں ۔ یہ ہدیۂ وتحفہ اور خرید وفروخت کے طریقوں سے عبارت تھے ۔ بطور مثال :۔ پروشیا کے بادشاہ فریڈرک ولیم (۱۶۲۰ – ۱۶۸۸ء) جو برلن لائبریری کے بانیوں میں رہا تھا، اس نے اسلامی اور عربی مخطوطات کے حصول کے لیے قابل قدر کوششیں کی تھیں ۔ مخطوطات جمع کرنے کے لیے اس نے اپنے دو معاون "ریچرڈ جیمیوس" اور "ہنرلیس تیرمان" کو سیاحت پر روانہ کیا ، یہ دونوں مشرقی علوم میں خصوصی مہارت رکھتے تھے ۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برلن لائبریری میں عربی ، ترکی اور فارسی مخطوطات جمع ہونے میں ملک پروشیا اور عثمانی حکومت کے گہرے تعلقات اور دونوں جنگ عظیم کے دوران دونوں کی تاریخی دوستی نے اہم کردار ادا کیا ہے ، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشرقی اور مغربی اسلامی ممالک کے ساتھ یورپ نے جو نام نہاد تجارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے ، مخطوطات کی اس ذخیرہ کی حصولیابی میں اس تجارت کا کافی اثر رہا ہے ۔ ان تاجروں نے بڑی حرص کے ساتھ مخطوطات جمع کرنے اور انھیں منتقل کرنے کا پروگرام بنایا تھا کہ علمی وتاریخی طور پر ان کی بڑی قیمت تھی ۔ مثال کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی ، کہ برطانیہ نے اپنے استعماری معاملات کی خاطر اس کی بنیاد ڈالی تھی ۔ مسلمانوں کے نادر تاریخی ذخائر پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہی ۔ چنانچہ کمپنی کے ملازمین وحکمران کی واپسی اگر مخطوطات اور تاریخی چیزوں کے ساتھ ہوتی تو اپنے مشن میں یہ ان کی کامیابی کی دلیل ہوتی ۔

اسلامی ممالک سے یوروپین کتب خانوں میں مخطوطات کی منتقلی کا سب سے بڑا اثر یہ نظر آیا کہ مسلم ممالک پر اہل مغرب کا

علم ومعرفت قوت کا اہم وسیلہ ہے

قبضہ وتسلط اور بڑھ گیا اور یہ معلوماتی وثقافتی ذخیرے ، اسلامی تشخص ، اسلامی افکار وتقالید کی فوقیت کا ذریعہ بن گئے ۔ اور جیسا کہ کہتے ہیں ، علم ومعرفت باعث تقویت ہے ، یہ پہلو استشراق اور استعمار کے مابین گہرے تعلقات کے آفاق واضح کرتا ہے ۔ بہت سے مستشرقین نے اپنے ملک کی وزارت نوآبادیات میں بحیثیت مشیر کام کیا ہے ۔ مثال کے طور پر مستشرق ڈی ریاس نے فرانس میں اور مستشرق ماسینوں نے فرانس کی وزارت نوآبادیات کے اسلامی

امور سے متعلق شعبہ کے مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں، اس لیے مخطوطات کے ساتھ اتنے اہتمام و انتظام اور ترتیب و فہرست سازی پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔

یورپ کی لائبریریوں نے اہل مغرب کے اسلامی ثقافت و تمدن اور علم و فکر کے وسیع مطالعہ میں بہت تعاون کیا ہے۔ برلن لائبریری اس سلسلے کی ایک اہم ترین کڑی ہے، جس نے اپنے بیش بہا خزانے سے مستشرقین کی پوری ایک نسل کو فائدہ پہنچایا ہے۔ برلن ریسرچ اسکالرس کے لیے تراث کی تحقیق کا ایک اہم مرکز ہے اور عالمی کتب خانوں میں پانچویں نمبر پر ہے۔ پہلے نمبر پر دمشق کی ظاہریہ لائبریری، پھر ترکی میں استنبول کی لائبریریاں، امریکہ میں پرسٹن یونیورسٹی کی لائبریری پھر قاہرہ اور اسکندریہ کی لائبریریاں ہیں۔

برلن شہر کے مغربی حصے میں لائبریری کی عمارت واقع ہے۔ جس پر تقریباً ۲۰۰ ملین جرمن مارک لاگت آئی ہے اس سے قبل یہ کتب خانہ چند پرانی عمارتوں پر مشتمل تھا، اس کی زیارت کے دوران ہماری ملاقات مشرقی علوم اور مخطوطات کے خصوصی ماہر سے ہوئی۔ جو الجزائر کی تاریخ میں متخصص ہیں۔ انھوں نے شمالی جرمنی میں عربی کی تعلیم حاصل کی ہے اور لائبریری میں تقریباً ۱۲ سال سے کام کرتے ہیں، ان سے ہم نے مخطوطوں کی تعداد، ان کی نوعیت و خصوصیات، ان کی حفاظت اور فہرست وغیرہ کے متعلق باتیں کیں، جواب میں انھوں نے بتلایا۔

برلن لائبریری میں تقریباً ساڑھے تین ملین کتابیں ہیں جن میں ۹ ہزار عربی اور باقی ترکی، فارسی ہندوستانی اور چینی مخطوطے ہیں۔ یہ تمام مخطوطے ایک خاص فہرست میں مدون ہیں، نیز جرمن کی مخطوطات کی عمومی فہرست میں بھی درج ہیں۔ مخطوطات کی فہرست اس طرح ہے۔

جرمن مستشرقین کی جمعیت کی فہرست جو ہالے سال HALLE-SALL میں چھپے ہانس وہر HANS-WEHR نے ۱۹۴۰ء میں مرتب کیا۔

دوسری سگائیل A. SIGGAEL کی وضع کردہ "مخطوطات السمیاء" کی فہرست ہے جسے برلن کے علمی بورڈ نے شائع کیا۔ یہ دراصل مخطوطات السیمیا کی فہرست سازی میں ایک تعاون تھا جو بروکسل میں واقع متحدہ قومی کمیٹی کی طرف سے شائع ہوتی ہے۔ اس فہرست کے تین اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

پہلا جزء (برلن ۱۹۴۹ء) یہ جزء برلن لائبریری کے مخطوطات پر مشتمل ہے۔

دوسرا جزء (برلن ۱۹۵۰) یہ گوتا لائبریری کے مخطوطات پر مشتمل ہے۔

تیسرا جز (برلن ۱۹۵۶ء) یہ ڈرسڈن اور میونخ لائبریری کے مخطوطات پر مشتمل ہے۔
ہمارا اگلا سوال تھا۔ کیا جرمنی میں واقع نئی لائبریریوں نے حاصل کردہ نئے مخطوطوں میں بغیر فہرست کے مخطوطے بھی موجود ہیں؟

جواب میں ذمہ داران نے بتایا ۱۹۵۵ء میں مخطوطات کے باب میں خصوصی مہارت رکھنے والے ڈاکٹر ایچ۔ رومر نے جرمنی کی تمام لائبریریوں میں موجود مخطوطات کی فہرست سازی اور ان کے شمار کی تجویز پیش کی کہ فہرست سازی کے بعد بہت سے مخطوطے ان کتب خانوں میں پہنچے ہیں، متعلقہ ذمہ داروں نے یہ تجویز منظور کرلی اور عملی تنفیذ شروع ہوئی۔ ابتدائی تحقیقات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ جرمنی کی لائبریریوں میں تقریباً ۴۱ ہزار ایسے مخطوطے ہیں، جن کی ابھی فہرست نہیں بنی ہے۔ جن کتب خانوں میں یہ مخطوطے ہیں، انہیں زبان کی حیثیت اور سلسلے سے توان کی ترتیب ہوئی ہے، چنانچہ مخصوص ماہرین کو اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ یا تو خود یا دوسرے تجربہ کاروں کی مدد سے ان کی فہرست تیار کریں۔

یہ مہتم بالشان کام ڈاکٹر اوٹو اسپلیس استاذ بون یونیورسٹی اور رودولف سلہم Sellheim استاذ فرانکفرٹ یونیورسٹی کی سرکردگی میں ڈاکٹر ایوالڈ واجز استاذ ٹیبنز یونیورسٹی کے تعاون سے انجام پا رہا ہے۔

عربی مخطوطے :۔ مشرقی مخطوطات کے ماہر نے بتایا: یہ عربی مخطوطے قرآنی نسخوں، علوم تفسیر، علوم حدیث علم کلام، تصوف، شعروادب، علم اللغۃ، نحو، صرف، تاریخ اور قبائلی تراجم وغیرہ سے عبارت ہیں۔ البتہ شعروادب کے مخطوطے تعداد میں بہ نسبت زیادہ ہیں، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جو لوگ مخطوطے جمع کر رہے تھے، یا توان کے علاوہ پاتے ہی نہیں تھے، یا یہ مخطوطے بآسانی حاصل ہو جاتے تھے۔

ہمارے سوال کے جواب میں کہ لائبریری میں موجود مخطوطے اور قرآن کے نسخے کس صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔
انھوں نے بتایا۔ قرآن کے مخطوطے تقریباً ۲۰ نسخوں پر مشتمل ہیں اور چھٹی، ساتویں، نویں اور دسویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔

جرمن لائبریریوں میں مخطوطات کی منتقلی کے سلسلے میں انھوں نے بتایا۔ ہم نے یہ مخطوطے انیسویں صدی میں حاصل کیے۔ اس میں ملک پروشیا اور عثمانیوں کے گہرے تعلقات نے کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور سے ترکی عربی اور فارسی مخطوطے ملک پروشیا کی کاوشوں کا ثمرہ ہیں۔ حکومت پروشیا نے دمشق میں پروشی سفارت خانے

کے قونصلر کو اہم مخطوطوں کی تلاش اور انھیں جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی، اس کی کامیاب کوششوں کے نتیجے میں
۶۰ مخطوطے لائبریری میں موجود ہیں، لائبریری میں مخطوطات کے یہ ذخیرے ڈپلومیسی تعلقات کی رہین منت ہیں
اسی طرح منظم وفود اور سیاحت وغیرہ کے ذریعہ اس ضمن میں کافی کام ہوا۔ چنانچہ جرمن سیاح ایڈورڈ گلازر نے
یمن کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں سے ۲۵۰ عربی مخطوطے خریدے۔ جنھیں وہ پروشیا لایا، پھر وہ لائبریری میں
منتقل ہوئے۔ اسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی میں کام کرنے والے شپرنگر نے تقریباً ۲ ہزار مخطوطے جمع کیے۔ پھر پچھلی صدی
کے اواخر میں "لانت بیرج" کا وفد روانہ ہوا، جو جنوبی جزیرۂ عرب میں دستی صنعت کاری کے نمونوں اور مقامی
عامی زبانوں میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا، اپنے کام کے دوران اس گروپ نے خاطر خواہ تعداد میں مخطوطے جمع کر لیے۔

دس سال تک برلن لائبریری میں کام کرنے کے بعد آپ کا کیا اندازہ ہے کہ اسلامی اور عربی امور کے متعلق یورپ اور
جرمنی میں ہونے والی تحقیقات اور مطالعے میں یہ مخطوطے کہاں تک اضافے اور پیش رفت کا سبب بنے ہیں۔؟

جواب میں انھوں نے بتایا کہ لائبریری نے یہ مخطوطات ایک صدی میں حاصل کیے ہیں۔ یورپ میں ہونے والے
اسلامی مطالعہ کی پیش رفت میں ان مخطوطات نے بہت کام کیا ہے۔ مثال کے طور پر مشہور مستشرق کارل بروکلمان
جس نے پانچ جلدوں میں عربوں کے علوم و آداب کو جمع کیا ہے، اس نے برلن لائبریری ہی سے اپنا کام شروع کیا
اور یہیں بیٹھ کر وہ معلومات جمع کیں جو اس کی تاریخ الادب العربی میں موجود ہیں۔

ہمارا سوال تھا کہ مشرقی علوم سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ اور محققین مخطوطوں سے کیسے استفادہ کرتے ہیں۔؟
انھوں نے بتلایا۔ مثال کے طور پر برلن یونیورسٹی میں سامی زبانوں اور اسلامیات پڑھنے کے لیے درسگاہیں
موجود ہیں، اس میں زیر تعلیم لوگ ان مخطوطوں سے براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس
بلادِ عرب سے متخصصین اور محققین کی بہت فرمائشیں آتی رہتی ہیں، جنھیں خاص خاص مخطوطوں کی فوٹو کاپی مطلوب
ہوتی ہے، جواب میں ہم فوری طور پر مطلوبہ صفحات کی تصویر لیتے ہیں اور لائبریری کا متعلقہ شعبہ ایک یا دو مہینہ کے
اندر انھیں بھیج دیتا ہے۔

یورپ کی یونیورسٹیوں اور لائبریریوں میں اسلامی مخطوطوں سے استفادہ کے ضمن میں ان کی نشر و اشاعت کا
بیان ضروری ہے۔ کیونکہ شائع شدہ مخطوطوں کی کثیر تعداد غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث ہیں۔ عمومی طور پر اب تک مستشرقین
نے جن مخطوطوں کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے ان کی نسبت ۲۰ فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی تقریباً ۹۵۰ کتابیں

(باقی ص ۴۵ پر)

تقیّہ ایک دینی اصول کی حیثیت سے

صوفی نذیر احمد کاشمیری

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی شیرِ خدا نے حضرت ابوبکر حضرت عمر و حضرت عثمان کی امارت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ان کے مشیرِ خاص رہے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت علی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ اسلام کو جو فتوحات حضرت شیخین کے زمانہ میں حاصل ہوئیں ان کا عشرِ عشیر بھی حضرت علی کے زمانے میں نہ ہوا تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ یہ اس لیے ہوا کہ اُن کے مشیر تو ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔ شیعہ علماء حضرت شیر خدا کی اس سماعت و اطاعت کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ صرف مسلمانوں کو قتالِ باہم سے بچانے کے لیے اپنے حقِ امامت سے دست بردار بھی ہو گئے۔ غالباً شیعہ علماء اسے بھی تقیہ پر محمول کرتے ہوں گے۔ اس تقیہ کا جو فائدہ امت کو ہوا وہ واضح ہے۔ یہ شیعہ فرقے کا مسلّمہ اصولِ دین ہے۔

ایک فیصلہ کن سوال: آج دین و امت جس طرح بحرانِ کفر و ارتداد کے مقابل ایک دینی وحدت بن کر کھڑی ہونے کے لیے مجبور ہو چکی ہے۔ علامہ خمینی اور شیعہ علماء اس کو دیکھتے ہوئے بر سبیل تقیہ اگر امت کے ساتھ کامل ہم آہنگی کریں اور امامت کے سوال کو ایک طرف چھوڑ کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو اس اصولِ تقیہ کے ماتحت وہ برسرِ حق ہوں گے اور امت کو اس کا جو فائدہ پہنچے گا، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

ضرورت ہے کہ اس سوال کو ساری دنیا میں ایک فیصلہ کن سوال بناتے ہوئے سارے علماء کے سامنے لایا جائے۔

بلاشبہ تقشّفِ دین اس وقت شیعہ فرقے کے پاس ہے اس میں سے کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ سارے مسلّمہ فرائض و واجبات دینی پر امت کے ساتھ عمل کرنے کے لیے وہ بھی مجبور ہوگا اور دین پر ایک عالمگیر بہار آئے گی۔

یہ ہے سرفرازیٔ دارین کا وہ نسخہ جو آج بھی امت کو عالمگیر کر سکتا ہے۔ لادینیت و لا اخلاقیت دنیا جہاں سے لوٹ رہی ہے اور اس کی جگہ کوئی عالمگیر دینی صورت عملاً موجود نہیں ہے۔ اصولاً وہ موجود ہے اور وہ ہے

توحید رب العالمین اور عالمگیر اخوتِ انسانی ۔ مگر اس کے بہتر ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں، جسے شیعہ فرقہ کے علماء تقیہ کے ایک جدید عالمگیر اظہار سے ختم کر سکتے ہیں۔

کیا تاریخ کی اس سعادتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لیے شیعہ علماء اقدام کر سکتے ہیں؟ وہ یہ اقدام کرتے ہوئے ان تمام تاریخی گناہوں کا کفارہ کر دیں گے جو تمام تاریخ میں ان سے ہو گئے ہیں، اور جس کی عظیم تر مثال نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی کی وہ سازش بھی ہے جو چنگیزی مغلوں کے ساتھ ان لوگوں نے کرکے عالمِ اسلامی کو تاخت و تاراج کر دیا اور عبرت یہ ہے کہ اس گناہِ کبیرہ کے نتیجہ میں خود انہیں کچھ بھی تو حاصل نہ ہوا۔)

اے اللہ پاک! تو علماء کو توفیق دے۔ اے اللہ مسلمانوں کی اصلاح کر، ان کے دلوں کو ملادے اور انہیں دشمنانِ دین پر فاتح و منصور کر۔"

"برس اے ابرِ کرم دیر نہیں ہے"

والسلام　　فقیر نذیر احمد　　•••

باقی ص ۳۴ کا: برلن لائبریری

۔ ۲ سالوں کے اندر چھاپی گئی ہیں۔ (مستشرقین نے مخطوطے چھاپنے کا کام دوسری جنگِ عظیم کے بعد شروع کیا ہے۔) محققین کا خیال ہے کہ یہ ایک خاص نوعیت کے مخطوطے تھے۔ وہ اخلاقی افکار اور باطنی مذاہب سے متعلق تھے، جو مسلمانوں کے تمدنی انحطاط اور تاریخی تنزلی کے دور کے نمائندہ ہیں۔ کتابیں شائع کرنے والی مشہور سیریز کا نام "المکتبۃ الاسلامیہ" ہے جس کی بنیاد ہیلیٹ ریچرڈ نے ڈالی۔ اور ۱۹۵۳ء میں آر۔ سٹروتھمین نے فرقہ نصیریہ کے متعلق دو رسالے شائع کیے، جن کے مؤلفین مجہول ہیں۔ دوسرا رسالہ شیخ محمود بابرہ الحسین النصیری کا ہے۔ اسی اسٹروتھمین نے ۴۳ - ۱۹۴۵ء کے درمیان جو تیتن کے علمی بورڈ کی طرف سے "مزاج التسنیم" نامی کتاب شائع کی، جو قرآن کی ایک اسماعیلی تفسیر ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجلۃ الاسلام کی ستائیسویں جلد میں سبیل الارداح و دلیل السرور والافراح الی خالق الابصار نامی کتاب شائع ہوئی جو مجموع الاعیان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مصنف کا نام ابوسعید میمون بن القاسم النصیری ہے۔"　　•••

عالم اسلام

ایک بار پھر صبرا اور شاتیلا

۱۹۸۲ء میں بیروت پر اسرائیلی قبضہ اور فلسطینی انخلا کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں صبرا اور شاتیلا کے کیمپوں میں جو قتل عام ہوا تھا، ابھی اس کے خون کے دھبے قائم ہی تھے کہ سال رواں ۱۴۰۵ھ کا رمضان شریف شروع ہوتے ہی بیروت کے ان فلسطینی کیمپوں صبرا، شاتیلا پر نیز برج البراجنہ اور داؤک پر چنگیز و ہلاکو کے ہمنواؤں کی اولاد شیعوں کے توپ خانوں اور ٹینکوں وغیرہ کی گولہ باری شروع ہو گئی، اور تقیہ کے سیاہ پردے میں چھپے ہوئے خونخوار چہرے اور خون آشام پنجے منظر عام پر آ گئے۔

دس سال پہلے ۱۹۷۵ء میں جب امریکہ اور اسرائیل جیسے فسادیوں کی بدولت لبنان میں خانہ جنگی چھڑی تھی تو محاذ آرائی صرف مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تھی۔ اس وقت مسلمانوں کے محاذ میں مسلمان کہلانے والے تمام فرقے شیعہ سنی وغیرہ کسی تفریق کے بغیر شانہ سے شانہ ملا کر شامل تھے۔ لیکن عین اس وقت جب مسلمانوں کا توپ خانہ عیسائیوں کے آخری محاذ پر گولے اگل رہا تھا اور صبح و شام میں لبنان کی قسمت کا فیصلہ ہوا چاہتا تھا، شیعوں نے جنگ سے علیحدگی اختیار کر لی اور شام کی شیعہ حکومت نے لبنان میں اپنی فوجیں داخل کر کے، مشرقی عیسائی بیروت اور مغربی مسلم بیروت کے درمیان سرخ لائن قائم کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس کے پیچھے دھکیل دیا، اور ان کے تمام بڑے بڑے کمانڈروں اور لیڈروں کو گرفتار یا نظر بند کر دیا۔ فلسطینی جو مسلمانوں کے ساتھ تھے اور عیسائیوں کے ہاتھوں جن کے قتل عام سے اس خانہ جنگی کی آگ بھڑکی تھی، شامیوں نے ان کے تین کیمپوں، مسلخ، کرنتینا اور تل الزعتر کا محاصرہ کر کے عیسائیوں کے ہاتھوں ان کا صفایا کروا دیا۔ جن میں تل الزعتر کی تباہی کو عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

اس وقت لبنان میں ایک چوٹی کے شیعہ عالم اور لیڈر موسیٰ صدر ہوا کرتے تھے، جو خمینی کے خلیفہ خاص تھے۔ اور عراق میں خمینی کی جلاوطنی کے دوران ان سے "علمی" اور "تحریکی" تربیت حاصل کی تھی۔ موسیٰ صدر شام و لبنان کی دوہری شہریت رکھتے تھے، اور بظاہر مسلمانوں کے "اتحاد" و "تعاون" اور "ترقی و سربلندی"

کے داعی و نقیب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اس کے عوض انھیں لیبیا جیسے ملک سے خطیر رقم بھی ملتی تھی۔ لبنان کی خانہ جنگی کے فیصلہ کن مرحلے پر شیعوں نے انھی کے مشورے پر جنگ سے ہاتھ کھینچا تھا۔ اور اُس وقت پہلی بار مسلمانوں کو محسوس ہوا تھا کہ موسیٰ صدر مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی جو باتیں کہتے ہیں، ان کا طرز عمل اُس کے برعکس ہے۔ اِدھر شام کی مداخلت کے سبب چوں کہ مسلمان بے دست و پا ہو گئے تھے اس لیے موسیٰ صدر کچھ زیادہ ہی کھل کر سامنے آئے۔ انکے زیر سایہ شیعوں کی تنظیم "امل" وجود میں آچکی تھی۔ اور چوں کہ موسیٰ صدر اثنا عشری تھے، اس لیے ان کی عنایتیں اور نوازشیں اس فرقے کے لیے خاص ہوتی گئیں۔ انھوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو جتنے دستوری حقوق حاصل ہیں وہ کل کے کل اثنا عشری شیعوں کو مل جائیں، اور اس کے لیے ان کا تعصب اور ان کی تنگ نظری اور سازباز اس طرح سامنے آئی کہ سُنی تو درکنار دروزی شیعہ بھی ان سے الگ ہو گئے اور ان کے لیڈر کمال جنبلاط کو اپنی وسعت قلبی کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

یہ سارا کام اگرچہ موسیٰ صدر بڑی احتیاط سے تقیہ کے سیاہ پردے کے پیچھے انجام دے رہے تھے اور لیبیا سے برابر رقمیں بھی اینٹھ رہے تھے، لیکن ؂

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

بالآخر رازہائے سربستہ طشت ازبام ہونا شروع ہوئے۔ اسی دوران موسیٰ صدر لیبیا رقم لینے گئے تو لیبیا نے کوئی ایسی کارروائی کی کہ موسیٰ صدر اس طرح لاپتہ ہو گئے، جیسے گیارہ بارہ صدیوں سے ان کے "امام غائب" لاپتہ ہیں۔

ان تفصیلات کے بعد یہ سمجھنے میں کچھ دشواری نہیں ہونی چاہیے کہ بیروت میں فلسطینی کیمپوں پر جو قیامت ڈھائی گئی اس کے پیچھے کون سے محرکات اور کون سی طاقتیں ہیں۔ درحقیقت امریکہ اور اسرائیل کی کوشش یہ ہے کہ لبنان عملاً چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے، اور ہر ٹکڑے پر کوئی ایسا لیڈر مسلط ہو جو امریکہ و اسرائیل کا پکا وفادار بھی ہو، اور اس ٹکڑے میں کوئی دوسری مقامی طاقت اسے چیلنج بھی نہ کر سکتی ہو۔ چوں کہ وادی بقاع اور شمالی لبنان پر شام مسلط ہے اور وہ اسرائیل سے درپردہ سازباز رکھتا ہے، اس لیے اس خطے کی فکر نہیں۔ عیسائی علاقہ بھی ان کا اپنا ہے۔ دردِ سر سُنیوں کا مسلم بیروت، صور، صیدا اور جنوبی لبنان کے سرحدی علاقے ہیں۔ شوف کی پہاڑیاں بھی دردِ سر بن سکتی تھیں، مگر وہاں دروزیوں کی اکثریت ہے۔ اور دروزیوں نے شروع ہی میں اسرائیل

سے مکمل وفاداری اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا، بلکہ ابتدائے جنگ میں ان کے لیڈر ولید جنبلاط نے مختارہ میں اپنے مکان کے پاس کھڑے ہو کر حملہ آور اسرائیلی فوجوں کا باقاعدہ استقبال کیا تھا۔ اور خاتمۂ جنگ پر نہ صرف بیروت سے الفتح کے فلسطینی فوجیوں کے انخلاء کے اسرائیلی مطالبے کی حمایت کی تھی بلکہ یہ بھی اعلان کیا تھا کہ لبنان میں فلسطینیوں کو رہنے نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں اسے شوف کے پہاڑی علاقے کا ناقابل تسخیر لیڈر بنا دیا گیا اور اسے اتنی طاقت پہنچائی گئی کہ لبنانی فوج اور عیسائی ملیشیا مل کر بھی اسے زیر نہ کر سکیں۔ بلکہ خود تتر بتر ہو گئیں۔ تاہم چوں کہ ولید جنبلاط نے مسلمانوں پر کوئی فوج کشی نہ کی، بلکہ صرف ان کے دشمنوں سے ہی لڑ بھڑ کر اپنی طاقت ثابت کی، اس لیے مسلمان اسے قابل اطمینان نظر سے دیکھتے رہے۔

شوف سے فارغ ہو کر مسلم بیروت اور جنوبی لبنان کے سنی اکثریت کے علاقوں کا مسئلہ حل کرنا تھا۔ اس کے لیے شیعوں کے لیڈر نبیہ بری کو تیار کیا گیا۔ چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ اگر جنوبی لبنان میرے حوالے کر دیا جائے تو میں اسرائیلی سرحد کی طرف ایک بھی فلسطینی گولی نہیں چلنے دوں گا۔ اس اعلان کے بعد ایک طرف لبنانی عوام کی نگاہ میں اسے مقبول بنانا اور دوسری طرف اسرائیل سے اس کی وفاداری کا امتحان لینا ضروری تھا۔ ادھر جنوبی لبنان میں سنی مسلمانوں اور فلسطینیوں نے مل کر اپنی چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعہ اسرائیل کا ناطقہ بند کر رکھا ہے، اور اس سے تنگ آ کر اسرائیل نے جنوبی لبنان کا ایک بڑا حصہ خالی کر دیا ہے اور اس تیز رفتاری سے خالی کیا ہے کہ اپنے مقررہ ٹائم ٹیبل تک بھی نہیں رہ سکا ہے۔ اسرائیل نے جنوب کی اس صورت حال کو نبیہ بری کی مقبولیت کا ذریعہ بنانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ اس علاقے کے متعدد شیعہ لیڈروں اور بہت سے شیعہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کو یہ اطلاع دی کہ یہی لوگ اسرائیلی فوج کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں کرتے تھے، اس لیے انھیں گرفتار کیا گیا ہے، حالانکہ یہ بالکل جھوٹا پروپیگنڈہ تھا۔ کیوں کہ بعض بعض اوقات جب اسرائیلی فوج اور چھاپہ ماروں میں مڈبھیڑ ہوئی تو اس کے نتیجے میں جو چھاپہ مار مارے گئے، ان میں ایک بھی شیعہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں اسرائیل بقول خود سات سو شیعوں کو گرفتار کر کے اس علاقے سے چھاپہ ماروں کا وجود ختم کر چکا ہے۔ حالانکہ آپ اب بھی ریڈیو اٹھائیے تو اسرائیل کے خلاف روزانہ چھاپہ مار کارروائیوں کی اطلاعات ملیں گی۔

بہر حال ایک طرف تو لبنانی عوام کو بیوقوف بنا کر نبیہ بری کو مقبول بنانے کے لیے شیعوں کی گرفتاری کا یہ ڈرامہ رچا گیا۔ اور دوسری طرف اسرائیل کے ساتھ نبیہ بری کی وفاداری اور خلوص کا امتحان لینے کے لیے اسے یہ ذمہ داری

سونپی گئی کہ وہ بیروت کے فلسطینیوں اور سنی مسلمانوں سے ہتھیار لے لے، اس کے بعد یہ بری جو موسیٰ صدر کا پروردہ ہے، اس نے رمضان شریف کے تپتے ہوئے ایام میں جس بے دردی کے ساتھ فلسطینی کیمپوں کا محاصرہ کرکے اور انہیں تمام ضروریاتِ زندگی سے محروم کرکے بوڑھوں، بچوں، عورتوں، معذوروں اور مجبوروں ہر ایک پر بلا امتیاز گولہ باری کی وہ چنگیز و ہلاکو کی خون آشامیوں کی یاد دلانے کے لیے کافی ہے۔ اور جیالے فلسطینیوں نے جس بے جگری سے ان درندوں کا مقابلہ کیا ہے وہ ان کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ طاقت یہودیوں کے خلاف صرف کرنے کے بجائے ان کے ان آلۂ کاروں کے خلاف صرف کرنی پڑی جو مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویدار اور ان کی لیڈری کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور جنھوں نے اپنے "امام" خمینی کو دنیا کے سارے مسلمانوں کے درد کا مداوا اور زخم کا علاج قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اس شخص سے ابتک مسلمانوں کو زخم کھانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا ہے۔

فلسطینی فوج کے بیروت سے انخلاء کے بعد اسی خمینی کے بھیجے ہوئے ایرانی فوجی اور ان کی ہمنوا لبنانی شیعہ ملیشیا ... نے زحلہ میں فلسطینیوں کے کمانڈر انچیف سعد صائل کو ان کے تفتیشی دورے کے دوران اچانک حملہ کرکے بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ اور جب اسپتال میں زیر علاج تھے تو وہاں گھس کر انھیں ذبح کر ڈالا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے زخموں کا علاج وہ کس طرح کریں گے؟۔

بہر حال فلسطینی قوت کا اندازہ ہو جانے کے بعد ایک طرف امریکہ و اسرائیل کے خدمت گار حافظ الاسد صدر شام نے جنگ تو بند کرا دی، مگر فلسطینیوں کو بے ہتھیار بھی کرا دیا، جس کے بعد خدشات بڑھ گئے ہیں۔ دوسری طرف امریکی طیارے کے اغوا کا ڈرامہ رچ کر گرفتار شیعوں کی رہائی کا انتظام کر دیا گیا اور تیسری طرف اسرائیل جنوبی لبنان کی سرحدی پٹی خالی کرتے سے رک گیا۔ کیوں کہ اسرائیل کی پروردہ عیسائی ملیشیا جسے پہلے سعد حداد اور اب انطوان لحد کی سربراہی حاصل ہے، اس علاقہ کا بندوبست سنبھالنے اور حملہ آوروں کو روکنے کی اہلیت سے محروم نظر آرہی ہے۔ اسرائیل غالباً اس وقت تک رکا رہنا چاہتا ہے جب تک کہ یہ بری کی شیعہ ملیشیا اس علاقے کا چارج سنبھال نہیں لیتی۔ لیکن فلسطینی باشتراک سے لبنانی مقاومت نے جس طرح کے تابڑ توڑ چھاپہ مار حملے جاری کر رکھے ہیں اور اب خود اسرائیلی سرزمین میں دور تک گھس کر فلسطینیوں نے جو کاروائیاں شروع کر رکھی ہیں۔ ان کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ ان ساری سازشوں اور پلانوں کے تانے بانے بکھر کر رہ جائیں۔

واللہ الموفق وبیدہ ازمۃ الامور۔

• • •

تنظیم — حزب الانصار — کی روداد

کتاب وسنت کے شیدائی اور عمل بالحدیث کے چند ہونہار نوجوانوں

تفسیر قرآن کے پروگرام کا افتتاح: نئے ماہ دسمبر ۱۹۸۴ء میں تفسیر قرآن کا ایک زریں سلسلہ اپنے اکابر جماعت کی رائے سے محلہ شولہ مدراس میں شروع کیا۔ جناب الحاج سید رفیع اللہ صاحب نے تحصیل برکت کے لیے اس مبارک پروگرام کا افتتاح اپنے مکان پر کرایا۔ اس بابرکت پروگرام کے شروع کرنے میں جناب محمد نعمت اللہ صاحب فرزند مولانا مولوی عنایت اللہ صاحب عمری اور جناب الحاج محمد جاوید صاحب عرف اللہ بخش اور جناب الحاج محمد عبدالحی صاحب کی محنتوں کا بڑا دخل ہے۔ خدا ان کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

اس جلسۂ تفسیر کے افتتاح کے لیے جناب مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب جامی عمری کا نام منتخب تھا مگر آنجناب کو اپنے وطن کا سفر اس دن اچانک پیش آیا، جس کی بنا پر وہ حاضر نہ ہو سکے۔ حسن اتفاق کہ ان دنوں مولانا ظہیر الدین صاحب اثری، استاذ حدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد، مدراس میں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہ پروگرام ان کے مبارک ہاتھوں سے شروع ہوا۔ تفسیر کے بعد دعا ہوئی اور ضیافت طعام کے بعد جلسہ برخاست ہوا

مولانا جامی عمری مدظلہ نے ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب تفسیری پروگرام سنبھالنے کے لیے ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا جس سے ہم سب کو بڑی مسرت ہوئی اور ہم آپ کے مشکور ہیں۔

اللہ کی کتاب کا درس اللہ کے گھر میں ہو: یہ تفسیری پروگرام چند ہفتوں تک محلہ داداشاہ مکان میں وہاں کے ایک صاحب خیر تاجر جناب منیر احمد صاحب عرف چھوٹے صاحب کی عنایت سے ان کے مکان کے ایک وسیع کمرے میں چلتا رہا۔ مگر وہاں سامعین حضرات کی کثرت حاضری سے تنگی محسوس ہوئی اور مولانا جامی صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اللہ کی کتاب کا درس

اللہ کے گھر میں جاری ہو جائے تو زیادہ نفع بخش ثابت ہوگا اور اس کے اثرات بھی زیادہ اچھے ثابت ہوں گے۔
چنانچہ محلہ کے اہلحدیث اور احناف بھائیوں کے دینی ذوق، اتحاد اور میل جول کے پیش نظر اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ مسجد اکبر کی مجلس منتظمہ سے مشورہ کر کے اسی مسجد میں یہ سلسلۂ تفسیر جاری ہو چنانچہ منظوری لے لی گئی اور اب یہ پروگرام باقاعدہ ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب مسجد اکبر دادا شاہ مکان مدراس ۱۲ میں چل رہا ہے۔

تفسیر کے ساتھ درس حدیث بھی شروع ہوگیا:

تفسیری پروگرام میں جمع ہونے والے حضرات کے ذوق و شوق کو دیکھ کر مولانا جامی صاحب نے درس حدیث بھی شروع کر دیا۔ دونوں پروگرام یکساں چلتے ہیں، دونوں پروگراموں میں شامل ہو کر مسلمان بہت محظوظ اور مستفیض ہوتے ہیں۔ پردہ نشین مسلمان عورتیں بھی ہمہ تن گوش ہو کر ان جلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ ان کے لیے مسجد کے بالائی حصے میں پردہ کے ساتھ انتظام کر دیا گیا ہے۔

حزب الانصار کی داغ بیل:

مسلمانوں کے جوش و خروش کے پیش نظر نوجوانوں کی جماعت نے یہ سوچا کہ تبلیغ و اشاعت کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے ایک تنظیم جدید کی ضرورت ہے اور اس تنظیم کا نام ایسا ہو کہ اس سے ملت اسلامی کے اتحاد کو فروغ حاصل ہو اور اس نام پر کسی ابھی فرقے کی چھاپ نہ ہو اور کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کی گنجائش پیدا نہ ہو، چنانچہ بالاتفاق اس کا نام "حزب الانصار" رکھا گیا۔ اس تنظیم کے عہدیدار و اراکین چن لیے گئے چنانچہ اس کا پہلا تبلیغی جلسۂ عام مسجد معدس، پیٹرس لائن کے وسیع میدان میں منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت کے فرائض جناب محمد عثمان خان صاحب تاجر مدراس نے ادا کیے، جو خود بھی تنظیم جدید "حزب الانصار" کے منتخب نوجوان صدر ہیں۔ جلسہ کا افتتاح جناب الحاج قاری محمد عبدالکریم صاحب امام و خطیب مسجد معدس کی تلاوت کلام پاک سے ہوئی۔ اور محترم جناب عبدالکریم صاحب امام مسجد اکبر نے نعت نبوی سنا کر حاضرین جلسہ کو بہت محظوظ فرمایا۔

حزب الانصار کے سکریٹری جناب الحاج قاری محمد عبدالحق ایم۔ اے۔ ایم۔ فل نے اپنی افتتاحی تقریر میں تنظیم کے اغراض و مقاصد بیان فرمائے۔ ان کی تقریر کے بعد معزز مہمان مقررین جناب مولانا مولوی محمد یوسف صاحب رشادی، جناب مولانا عبدالعزیز صاحب جامی عمری اور جناب مولانا محمد عنایت اللہ صاحب عمری نے دیر تک اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کو مستفیض فرمایا۔ جلسہ شب کے دس بجے شروع ہو کر ڈیڑھ بجے ختم ہوگیا۔

خدا کے فضل سے مجمع زیادہ تھا اور جلسہ بڑا کامیاب رہا۔

ہم اس سلسلہ میں مسجد اکبر اور مسجد مقدس کے منتظمین اور مصلیوں کے نہایت شکر گزار ہیں کہ انھوں نے حزب الانصار کے تبلیغی پروگراموں میں پوری طرح تعاون فرمایا۔ معاونین میں جناب - اے - ایچ محمد نعمت اللہ صاحب تاجر اور جناب محمد جعفر صاحب عرف امیر بھائی کے نام قابل ذکر ہیں، جنھوں نے حزب الانصار کے تبلیغی کاموں کو آگے بڑھانے میں ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کیا اور اپنے اخلاص اور دینی حمیت کا کافی ثبوت دیا۔ جزاہم اللہ۔

اب ہم سارے مسلمانان مدراس سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا کافی تعاون فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ ملت اسلامیہ کے تمام افراد محبت و اخلاص کے ساتھ توحید و سنت پر گامزن ہوکر اخوت اسلامی کا مظاہرہ کریں اور اپنی ساری انفرادی رنجشوں کو دور کرکے اپنے خدا کو ہمیشہ راضی رکھیں اور یہ دعا پڑھیں۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! تو ہم سب کو بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی بخش دے جو تیرے پاس ایمان کے ساتھ ہم سے قبل آگے گزر گئے اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف کینہ کپٹ پیدا نہ کر۔ بیشک تو بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

والسلام

عہدیداران و اراکین حزب الانصار

جامعہ میں مدینہ یونیورسٹی کا وفد

رمضان کی تعطیل کلاں کے بعد حسب معمول جامعہ ۱۰ شوال کو کھل گیا اور دیکھتے دیکھتے داخلہ کے امیدوار طلبہ اور ان کے سرپرستوں کا اژدہام ہوگیا۔

اسی دوران ۱۲ شوال یوم دوشنبہ کو مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ نے جامعہ کو رونق بخشی (۱) ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی جو خاصا عرصہ پہلے مرکزی دارالعلوم میں دو سال درس دے چکے ہیں۔ (۲) شیخ عبدالصمد بن محمد الکاتب، جن کے والد کرامی موجودہ سلفی تحریکوں کے بانی مبانی تھے۔

دونوں حضرات نے جامعہ کے طلبہ کو متعدد بار خطاب کیا۔ اساتذہ کی بھی ایک خاص مجلس کی۔ ایک دن کے لیے مئوناتھ بھنجن اور مبارک پور تشریف لے گئے اور پھر ۱۶ شوال کو شیخ ربیع نے مدینہ منورہ اور شیخ عبدالصمد نے جامعہ میں جمعہ پڑھا کر آگے کے لیے رخت سفر باندھا۔

مولانا حافظ محدّث گوندلویؒ کا سفرِ آخرت

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم شوق یک دانائے راز آید برون

استاذ الاساتذہ، محدّثِ دوراں حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی ۴ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ (۲۴ جون ۱۹۸۵ء) کی سہ پہر طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت حافظ صاحب مرحوم نہ صرف پاکستان بلکہ پورے برصغیر کے سلفی بزرگوں میں بقیۃ السّلف شمار ہوتے تھے۔ بیسویں صدی کے جن علماء و افاضل نے قرآن و سنّت کا علَم برصغیر میں لہرا رکھا تھا، حضرت حافظ صاحب مرحوم ان میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آپ کے علم و فضل، زہد و ورع، ذہانت و فطانت، ذکاوت و دیانت اور متانت و امانت کا اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی اعتراف تھا۔ بود و باش میں سادگی اور طہارت آپ کا طرّہ امتیاز تھا، جس کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ شرافت و نجابت کا یہ پیکرِ جمیل، ہر ایک کے لیے سراپا شفقت اور ہر خُرد و کلاں کے لیے سر بسر محبّت کا خواہاں اور خیر کا طلبگار تھا۔ علم و فضل کا یہ بحرِ بیکراں فخر و ریا سے مبرّا اور نمود و نمائش سے کوسوں دور تھا۔ ظاہر دار علماء کے جبّہ و دستار اور کلاہ تاتاری کی ہوس کبھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ ستّر برس تک چٹائی پر بیٹھ کر طلبہ کو درس دیا اور نہایت خاموشی اور بے لوثی سے سایہ ظلمتوں میں قرآن و سنّت کی قندیلیں جلائیں۔ دار الحدیث رحمانیہ دہلی اور جامعہ دار السلام عمر آباد (مدراس) کے منبر و محراب آپ کے وعظ و ارشاد اور درس و تدریس کے شاہد عدل ہیں۔ مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور آخر میں درس الاعظم مسجد ٹاہلی والی (گوجرانوالہ) اس پر فخر کرتی ہیں کہ ان کی چٹائیوں پر محدّثِ عصر نے برسہا برس تک بخاری شریف کا درس دیا اور ملک کے گوشے گوشے سے آنے والے تشنگانِ علم کو سیراب کیا۔

آپ علم و معرفت کا ایک درخشندہ مینار تھے۔ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کا روحانی اور علمی سرمایہ بیک وقت آپ کی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع ہو گیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام، منطق، تاریخ و سیر، لغت

صرف و نحو، غرض علم و عرفان کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جس میں آپ کو حظِ وافر نہ حاصل ہو۔ مسائلِ عقائد و فروع پر گہری نظر اور شرح و بیان میں قوتِ استدلال آپ کا خاصہ تھا۔ درس و تدریس میں آپ کی فتوحات کا یہ عالم تھا کہ اس وقت آپ کے فیض یافتہ علماء کی تعداد شمار سے باہر ہے جو اپنے اپنے مقام پر شیوخ الحدیث، شارحینِ حدیث، مفسرین، محققین و اعیان ذی وقار اور اصحابِ قلم و قرطاس ہیں مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث اور مولانا نذیر احمد رحمانی نے بھی موصوف سے کسبِ فیض کیا ہے۔

آپ محض معلم یا واعظ ہی نہیں تھے بلکہ زہد و ورع میں زاہد مرتاض اور شب زندہ دار تھے۔ آپ اس تصوف کے قائل و فاعل تھے جو شرعِ مصطفوی کے مطابق ہے۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ جو حضرت حافظ صاحب کے عظیم المرتبت شاگرد ہیں، بیان فرماتے ہیں کہ کم و بیش پچاس سال تک آپ سے نماز میں تکبیرِ اولیٰ خطا نہیں کی۔ اللہ اکبر۔

۴ رجون کو آپ کی وفات کی خبر نے ہر عقیدت مند کو تڑپا دیا۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف جو خود گزشتہ تین سال سے بعارضۂ فالج صاحبِ فراش ہیں اور نقاہت کے باعث جسمانی طور پر کہیں آنے جانے سے معذور ہیں۔ اس خبر سے دیر تک ساکت و صامت رہے اور عزم و ہمت اور صبر و استقلال کا عظیم پیکر ہونے کے باوجود اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ اپنی کمزوری اور معذوری کے باعث جنازے میں شریک نہ ہو سکنے پر ان کو بڑا قلق رہا۔

حضرت کے جنازے میں گوجرانوالہ شہر ہی نہیں، دور دراز سے عقیدت مند کھنچے چلے آئے تھے اور باغِ جناح کا وسیع و عریض پارک اس جمِ غفیر کے سامنے تنگ ہو کر رہ گیا اور یہ مشہور مقولہ کہ کسی کی عظمت کا اندازہ اس کے جنازے سے کیا جائے" ان پر صادق آ رہا تھا، ہر مسلک و مکتبِ فکر کے لوگ اس مردِ حق آگاہ کو الوداع کہنے اور آخری دعاؤں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے موجود تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نابغۂ روزگار اور درویشِ خدامست ہستی پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے پسماندگان کو ان کے علم و عمل کی پیروی کی توفیقِ ارزانی فرمائے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ"

(الاعتصام لاہور)

۲-۹ رشوال ۱۴۰۵ھ / ۲۱-۲۸ رجون ۱۹۸۵ء

●●●

مضامینِ مجیب (حصہ اول)

محمد افسر علی ایم۔ اے۔

مصنف : ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی

صفحات : ۱۶۸ (چھوٹا سائز) سادہ ٹائیٹل، قیمت : ۵ روپئے

ناشر : الفضار السنۃ ۲۲ بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ ۷۰۰۰۷۳ ۔ بھارت

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن صاحب مختلف زبانوں میں کافی کتابوں کے مترجم و مصنف ہیں۔ آپ راجشاہی یونیورسٹی بنگلہ دیش کے مشہور و معروف پروفیسر اور ایک ادبی، علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ برصغیر کے جید عالم دین اور پروفیسر مولانا عبدالغنی مرحوم کے فرزند ارجمند اور ممتاز و گرجوش سلفی عالم، مفسر قرآن و مناظر اسلام، مولانا محمد صاحب جوناگڈھی رحمہ اللہ کے داماد ہیں۔ اس لحاظ سے جوناگڈھ اور بمبئی کی بزم محمدی کے ساتھ ان کے گہرے مراسم و تعلقات ہیں۔ آپ نئی دہلی اور ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے تشریف لایا کرتے ہیں، اور انھی تقریبات میں ہم جیسے احباب و متعلقین کے ساتھ ان کی ملاقاتیں ہو جایا کرتی ہیں۔

پروفیسر صاحب موصوف بنگلہ زبان کی بیشتر دینی، علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہیں اور بنگالی نژاد ہونے کے باوجود اردو کے کہنہ مشق ادیب اور منجھے ہوئے انشا پرداز و قلمکار ہیں ان کی بیش قیمت نگارشات وقتاً فوقتاً ہند و پاک کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں اور علما معاصرین سے خراج تحسین بھی حاصل کرتی رہی ہیں۔ زیر نظر کتاب موصوف کے علمی و تحقیقی اردو مضامین کا حصہ اوّل ہے۔ جسے بڑی کاوش سے یکجا کر کے جناب محمد یوسف صدیق و عبید الرحمٰن صاحبان نے شائع کیا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب تک جو قیمتی مضامین و مواد مختلف جرائد و رسائل کے صفحات پر منتشر و متفرق پڑے ہوئے تھے وہ کتابی شکل میں ایک جگہ جمع ہو گئے اور قارئین کرام کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مخصوص ماہنامے اور ہفت روزوں کے دائرۂ اشاعت سے نکل کر تمام حلقوں میں پہنچنے کے باعث اشاعت میں ہمہ گیری وسعت پیدا ہو گئی۔

کتاب مذکور کا سب سے دلچسپ حصہ اس کا مقدمہ ہے جس میں مصنف کے حالات زندگی درج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب

موصوف کن ناگفتہ بہ اور ناسازگار حالات میں اپنی دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرتے ہوئے دھیرے دھیرے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوئے، وہ اپنی جگہ پر ایک زندہ تاریخ ہے، جو دوسروں کے لیے باعث عبرت بھی ہے اور سبق آموز نصیحت بھی۔ اس سے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گیا۔ اس مقدمہ کے علاوہ کتاب کے اکثر مضامین بلند پایہ، علمی، معلوماتی اور فکر انگیز ہیں، جن سے ڈاکٹر صاحب موصوف کی عالمانہ وجاہت، تاریخ دانی، ریسرچ نگاری اور شریعت اسلام سے ان کی والہانہ اور بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے دینی و علمی حلقوں میں آپ ایک جانی پہچانی شخصیت ہو چکے ہیں۔ موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نصف صدی قبل ان کے خسر محترم حضرت مولانا محمد صاحب جوناگڈھی نے جس طرح مقبول ترین تفسیر ابن کثیر کو اردو میں منتقل کیا تھا، اسی طرح اب ان کے داماد (ڈاکٹر صاحب موصوف) نے اسے بنگلہ کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اس طرح بنگال کے باشندوں کے لیے عربی تفسیر ابن کثیر کو اپنی مادری زبان میں اچھی طرح سمجھنے پڑھنے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کا زریں موقع ہاتھ آگیا۔ زبان میں ماشاءاللہ اس قدر سلاست و روانی ہے کہ قارئین یہ محسوس نہیں کر پاتے کہ عربی سے بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مجیب الرحمٰن صاحب نے جو تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی ہے، اس کا عنوان ہے "بنگلہ زبان میں قرآن مجید کا چرچا" علاوہ ازیں احادیث نبویہ کو بھی آپ نے بنگلہ زبان میں منتقل کر دیا۔ اسی طرح "مضامین مجیب" بھی اہل تحقیق کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔

یہ کتاب ہندوستان میں مکتبہ ترجمان ۱۱۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۶۔۔۔۱۱ اور مصری گنج مسجد ۱۸ ماؤکوئیس لین کلکتہ، مغربی بنگال، اور پاکستان میں پروفیسر غلام نبی گورنمنٹ کالج باغبانپورہ لاہور سے طلب کی جا سکتی ہے۔

●●●

وفیات - (۱) جناب حافظ عبدالحمید صاحب محلہ امان اللہ پورہ بنارس ۷ ار مئی کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف بڑے دیندار، مخلص اور پرکشش باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ غریق رحمت کرے۔ آمین

(۲) جمعیۃ المحدث اڈکور کے رکن رکین جناب حکیم محمد قاسم علی صاحب امرچنتوی ۲۳ جون ۸۵ کو ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ۔ اللہ اپنی رحمتوں سے نوازے۔
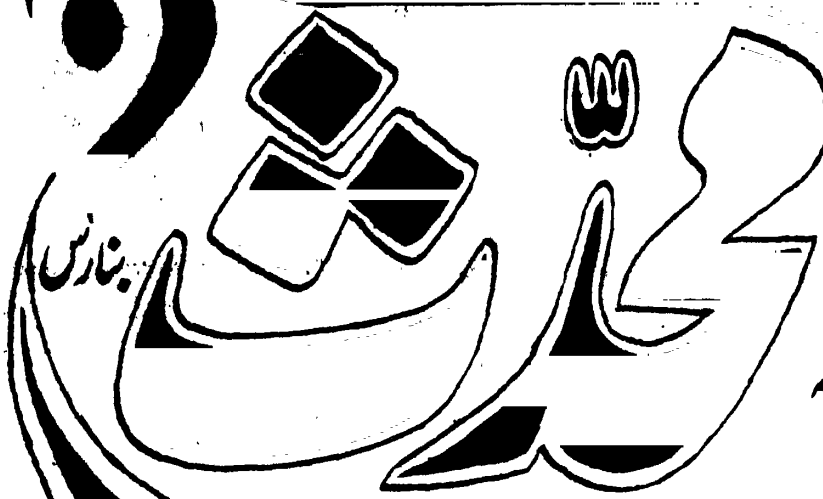
جامعہ سلفیہ کا علمی ادبی اور اصلاحی رسالہ
ماہنامہ
محدث
بنارس
جلد ۴ شمارہ نمبر ۸
اگست ۱۹۸۵ء ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ
ترتیب
صفی الرحمن مبارکپوری
بدل اشتراک:-
سالانہ :- ۲۵ روپئے
ششماہی: ۱۳ روپئے
فی پرچہ ۲/۵۰ روپئے
بیرون ملک سے ۱۵ ڈالر
پتہ:-
خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB
VARANASI - 221010
ٹیلی گرام:- "دارالعلوم" وارانسی، ٹیلیفون: ۶۳۵۷۷
تزئین وکتابت:-
انور جمال
ناشر:- جامعہ سلفیہ بنارس طابع: عبدالوحید مطبع: سلفیہ پریس بنارس

قربانی

حسن منظور حسن
ایم اے

کسی کی بھی خدا کرتا نہیں برباد قربانی
بشرطیکہ اسی کے حکم پر ہو صاد قربانی

مصائب میں وسیلے بیش قیمت کام آتے ہیں
کرے گی بالیقیں اک دن ہمیں بھی شاد قربانی

مٹا جب جذبۂ ایثار تو سمجھو زوال آیا
اسی کو زندہ رکھنے کی ہے یہ بنیاد قربانی

براہیمی یہ سنّت بہر اُمّت اک نمونہ ہے
مسلسل دے رہی ہے ہم کو اُن کی یاد قربانی

عمل پیرا ہو کیا جو خود ہو استعمال کا خوگر
جو کہیے بھی تو شاید ہی کرے صیّاد قربانی

مُوحّد اور مُشرک کا ہے اس میں فرق پوشیدہ
خدا ہی سے تعلّق کی ہے اک بنیاد قربانی

ذبیحُ اللہ کی تاریخ ہے رونے رُلانے کی
حسن کس کو سنائے غم فزا روداد قربانی

نقشِ راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کا درس

قربانی کا موقع اپنے دامن میں حکمت و موعظت کے بہت سے درس لیے آتا اور گزر جاتا ہے۔ مگر رسالوں اور اخبارات میں پُرزور مضامین اور منبروں پر پُرشور خطبات کے باوجود ہماری روزمرہ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، جو اس بات کی علامت ہے کہ حکمت و موعظت کا یہ سارا شور اوپر ہی اوپر رہ جاتا ہے، ہماری حلق کے نیچے نہیں اترتا اور یہی وہ مزمن بیماری ہے جو ہمارے وجود کی بنیادوں کو کھوکھلا اور ناپائیدار کرتی چلی جارہی ہے۔

قربانی اس واقعے کی یادگار ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار کے ایک ہلکے سے اشارے پر جو خواب میں کیا گیا تھا اپنی جان سے بھی زیادہ گراں بہا اور عزیز تر متاع یعنی بڑھاپے میں ملنے والے اپنے اکلوتے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس کٹھن آزمائش کے ہر اس مرحلے کو عملاً برت گئے جس کے بعد امتحان و آزمائش کا کوئی اور مرحلہ باقی نہیں رہ جاتا۔ پس اس واقعے کی یادگار کے طور پر قربانی کی سنت کو زیرِ عمل لانا درحقیقت اس عہد و اقرار کا اعلان کرنا ہے کہ ہم بھی اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان سے زیادہ عزیز تر متاع کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس عہد و اقرار کو ملحوظ رکھ کر اور اس طرح کے جذبات وعزائم لے کر قربانی کرتے ہیں؟ اگر ہمارے عمل کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا اور جواب نفی میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہماری قربانی صرف ایک عملی ڈھانچے کی حیثیت سے باقی رہ گئی ہے، اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ کاش ہم اتنی اہم یادگار سے کچھ بھی فائدہ اٹھاتے اور اپنے آپ میں تبدیلی لانے کی کوشش کرتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کی برکتیں اور اس کے فوائد کا ظہور بھی ان شاء اللہ یقیناً شروع ہو جائے گا، جس طرح آج ہماری بےعملی کے نقصانات کا ظہور ہو رہا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ۔

●●●

عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن :

سوال :۔ ہم احادیث کے حوالہ سے شریعت کا یہ حکم سنتے آئے ہیں کہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے کے بعد دسویں تاریخ کو قربانی سے پہلے تک بال اور ناخن نہیں کاٹنا چاہیے ۔ مگر پچھلے سال ایک مولوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ۹ھ میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حج کا امیر بنا کر بھیجتے ہوئے ان کے ہمراہ اپنی طرف سے قربانی کے جانور بھی بھیجے ۔ اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آپ پر وہ چیز حرام نہ ہوئی جو محرم پر حرام ہوتی ہے ۔ مولوی صاحب نے بتلایا کہ چوں کہ محرم پر بال اور ناخن کاٹنا حرام ہے ، اس لیے حضرت عائشہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ پر بال اور ناخن کاٹنا حرام نہ ہوا تھا ۔ لہٰذا عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن کاٹنے کے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی ۔ مولوی صاحب نے اس دلیل کو پیش کر کے اپنی علمیت کی بڑی ہوا باندھی اور دوسروں کی جہالت ۔ کا ماتم بھی کیا ۔ لہٰذا گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں ۔ (سائل یکے از بنارس)

جواب :۔ عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم صحیح حدیث سے ثابت ہے ۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانور بھیجنے کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے ، اس میں اور اس حکم میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے ۔ بال نہ کاٹنے کا حکم پہلی ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ذی قعدہ میں سفر حج پر روانہ ہوئے تھے ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور بھیجنے کے بعد پہلی ذی الحجہ سے پہلے بال اور ناخن کٹوالیا ہو تو یہ بات بھی صحیح ہوگی کہ جانور بھیجنے کی وجہ سے آپ پر احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوئیں اور اس حکم پر بھی عمل ہوگا کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں ۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں انھوں نے درحقیقت ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے ، جن کا خیال تھا کہ کوئی شخص گھر رہتے ہوئے قربانی کے جانور منیٰ بھیج دے تو جب تک اس جانور کی قربانی نہ ہو جائے بھیجنے والے کو احرام کی پابندیاں برتنی پڑیں گی ۔ چوں کہ احرام کی ایک بہت اہم پابندی یہ ہے کہ آدمی حالتِ احرام میں بیوی کے پاس نہ جائے ۔ اس لیے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ عرصہ میں بال و ناخن تو نہ کٹوائے ہوں لیکن مجامعت کی ہو تو یہی اس بات کو جاننے کے لیے کافی ہے کہ آپ پر احرام کی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی ۔ لہٰذا اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکر ذی قعدہ نہیں بلکہ ذی الحجہ میں سفر حج پر روانہ ہوئے تھے تب بھی حضرت عائشہ کے بیان میں اور بال و ناخن نہ کاٹنے کی پابندی میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوگا ۔ بلکہ

دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہوں گی۔ واضح رہے کہ یہ محض کوئی عقلی احتمال نہیں ہے، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کا منشا بھی یہی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد دوم ص ۸۳۵ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں خود اس کی صراحت موجود ہے۔ روایت یہ ہے کہ مشہور تابعی حضرت مسروق ؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ اے ام المؤمنین! ایک آدمی خانہ کعبہ کے پاس قربانی کا جانور بھیجتا ہے، اور اپنے شہر میں بیٹھ جاتا ہے۔ وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کے جانور کو (ہدی ہونے کی علامت کے طور پر) قلاوے پہنائے جائیں۔ اس کے بعد وہ اسی دن سے اس وقت تک حالت احرام میں رہتا ہے جب تک کہ لوگ حلال نہیں ہو جاتے۔ مسروق کہتے ہیں کہ اس سوال کے بعد میں نے پردے کے پیچھے سے حضرت عائشہ رضؓ کے ہاتھ پیٹنے کی آواز سنی، اور انھوں نے فرمایا:

لقد کنت افتل قلائد ہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیبعث ہدیہ الی الکعبۃ فما یحرم علیہ مما حل للرجال من اہلہ حتی یرجع الناس۔ یعنی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے قلاوے بٹتی تھی۔ پھر آپ انھیں خانہ کعبہ کے لیے بھیج دیتے تھے۔ پھر آپ پر وہ چیز حرام نہیں ہوتی تھی جو مرد کے لیے اس کی بیوی سے حلال ہے۔ یہاں تک کہ لوگ واپس آجاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے آپ پر احرام کی پابندی عائد نہ ہونے کی بنیاد یہ قرار دی تھی کہ آپ کے لیے بیوی حرام نہیں ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ آپ نے بال اور ناخن کاٹے تھے۔ اور عشرہ ذی الحجہ میں بال و ناخن کاٹنے کی ممانعت تو ہے مگر بیوی کے پاس جانے کی ممانعت نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے بال و ناخن نہ کاٹنے کے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

آخر میں یہ وضاحت بھی بے جا نہ ہوگی کہ بال اور ناخن نہ کاٹنے کا حکم واجب و لازم نہیں بلکہ مستحب ہے۔ مگر اس کے مستحب ہونے کی وجہ وہ روایت نہیں ہے جسے سوال میں ذکر کیا گیا ہے۔ نہ اس روایت سے استدلال کی وہ تکنیک صحیح ہے جو سوال میں مذکور ہے۔

● ● ●

سلطان احمد اصلاحی

انسانی سماج میں اخوت و مساوات کی آبیاری — اسلام کا تاریخی کردار

(زیرِ طبع کتاب "اسلام میں تصورِ مساوات" کا ایک حصہ)

انسانی سماج میں آزادی اور اخوت و مساوات کی آبیاری میں اسلام کا جو امتیازی کردار ہے وہ نظری طور پر اتنا مکمل اور معیاری ہے کہ اسے ایک حقیقت مسلّم قرار دینے کے لیے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں، لیکن خوشی کا مقام ہے کہ اسلام کی اس حقانیت پر تاریخ کی شہادت بھی ثبت ہے۔ اسلام سے قبل عرب کے سماج کو قبائلی عصبیتوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا اور ہر شخص دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے سماج میں قبیلوں اور خاندانوں کی یہ تقسیم کتنی گہری اور تہ در تہ تھی، اس کا اندازہ ہمیں ان الفاظ کی لغوی تحقیق سے ہو سکتا ہے، جنھیں قرآن نے اسلام کے تصورِ مساوات کی وضاحت کے ضمن میں سورہ حجرات کی دستوری آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔ (۱۳) میں استعمال فرمایا ہے۔ یعنی "شعوب" اور "قبائل"۔ علامہ زمخشریؒ جو لغت اور ادب کے امام ہیں، اس کی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والشعب: الطبقة الاولیٰ من الطبقات الست التی علیها العرب وهی: الشعب والقبیلة والعمارة والبطن والفخذ والفصیلة فالشعب تجمع القبائل والقبیلة تجمع العمائر والعمارة تجمع البطون والبطن تجمع الافخاذ والفخذ تجمع الفصائل۔ خزیمة شعب وکنانة

"شعب" ان چھ طبقات کا سب سے بالائی طبقہ ہے جن پر تمام عرب منقسم ہیں اور وہ ہیں: شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ، فصیلہ۔ پس شعب مختلف قبائل کو شامل ہوتا ہے اور قبیلہ مختلف عمائر کو شامل ہوتا ہے، اور عمارہ مختلف بطون کو شامل ہوتا ہے اور بطن مختلف افخاذ کو شامل ہوتا ہے اور فخذ مختلف فصائل کو شا

قبیلة وقریش عمارة وقصی بطن وهاشم فخذ والعباس فصیلة وسمیت الشعوب لان القبائل تشعبت منها۔[1]

(خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے۔ قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے۔ عباس فصیلہ ہے اور شعب کو شعب اس لیے کہا جاتا ہے کہ سارے قبائل اسی سے پھوٹ کر نکلتے ہیں۔) ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر

اسلام سے قبل عربوں کی یہ قبائلی آویزش اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی اور پورا سماج اِس کی لائی ہوئی آفتوں سے کراہ رہا تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا اور ہر خاندان کی دوسرے سے ٹھنی ہوئی تھی۔ اِس صورتِ حال نے زندگی کے امن وسکون کو غارت کر رکھا تھا اور ان کا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو کے رہ گئی تھی۔ یہ قبائلی آویزش کتنی گھناؤنی اور کتنی وحشیانہ تھی اِس کا نقشہ علامہ الطاف حسین حالیؔ نے اپنی شاہکار مسدس میں ان لفظوں میں کھینچا ہے:

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے — سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے — تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر وہاں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی — صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اور اک خوں ریز بیدا — عرب میں لقب ہے حرب داحس ہے جس کا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا — بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
سبب جس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چھیڑ کی تھی کسی نے

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل ۲/۳۹۶۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن منظور: لسان العرب اور الراغب الاصفہانی: المفردات فی غریب القرآن۔ مادہ: ش ع ب، ق ب ل۔

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

لیکن اسلام کے آتے ہی یہ ساری قبائلی آویزشیں کافور ہوگئیں اور وہی لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ابھی دس سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ آپ نے رشتۂ اسلام کی بنیاد پر مکہ کے اندر ہی مسلمانوں کے درمیان ہمدردی وغمخواری کا معاہدہ کرادیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ کے اندر ہمدردی وغمخواری کا یہی معاہدہ مہاجرین اور انصار کے درمیان وسیع پیمانے پر انجام پایا۔ [۱] مسلمانوں کے درمیان کلمہ توحید کی بنا پر پیدا ہونے والی اس الفت ویگانگت کا حوالہ خود قرآن نے بھی دیا ہے اور اسے مسلمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ایک احسانِ عظیم کے طور پر پیش کیا ہے:

---

[۱] واضح رہے کہ مسلمانوں کے درمیان ہمدردی وغمخواری کا یہ معاہدہ (مواخاۃ) دو بار عمل میں آیا تھا۔ ایک بار مکے ہی میں ہجرت سے پہلے۔ یہ مواخاۃ آپؐ نے حضرت ابوبکر وعمرؓ، حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت بلالؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ حضرت سعید بن زید اور طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت علیؓ اور خود اپنے درمیان کرائی تھی۔

(قسطلانی: ارشاد الساری جلد ۶/۱۹۱)

ہجرت کے بعد مدینہ کے اندر آپ نے مواخاۃ وسیع پیمانے پر مہاجرین وانصار کے درمیان کرائی۔ جن کی تعداد بعض روایات کے لحاظ سے نوے اور بعض کے لحاظ سے سو ہے۔

(فتح الباری ۷/۱۹۱۔ نیز طبقات ابن سعد ۱/۲۳۸)

مواخاتِ مکہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا جلال الدین انصر عمری کا تحقیقی مقالہ بعنوان مذکور مطبوعہ زندگی رام پور جون ۱۹۷۸ء۔ نیز دیکھی جائے رحمۃ للعالمین ۳/۳۰۵، ۳۰۶ مکتبہ رحمت دیوبند۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۔

(العمران: ۳-۱۰۳)

اور یاد کرو اللہ کے احسان کو اپنے اوپر جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم (اپنی گمراہی کے سبب) ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، شاید کہ تم راہ پاؤ۔)

اسلام کے اس پیغام محبت نے صرف عرب کے قبائل کو ہی الفت و محبت کے رشتے میں پرونے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے اس نے قومیت و وطنیت کے تمام حصاروں کو مسمار کردیا، جس کے نتیجے میں انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ عالمی پیمانے پر اخوت و مساوات۔ (FRATERNITY & EQUALITY) کی بنیاد قائم ہوئی۔

حضرت سلمان فارسی النسل تھے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے خانوادے کا ایک فرد قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ ۔[1] (سلمانؓ ہم اہل بیت میں سے ہیں)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

ذٰلِكَ امْرُؤٌ مِنَّا وَإِلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ ۔[2]

یہ تو ہمارے خانوادے کے آدمی ہیں اور ہم اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت بلال حبشی تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے انھیں اپنا آقا قرار دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ:

أَبُوبَكْرٍؓ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا يعني بلالاً ؓ ۔[3]

(ابوبکرؓ ہمارے آقا ہیں اور انھوں نے ہمارے آقا یعنی بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔)

---

[1] طبقات ابن سعد ۴/۸۳ - [2] ایضاً طبقات ۴/۸۹ - [3] بخاری جلد ۱۔ کتاب المناقب باب مناقب بلال بن رباح مولیٰ ابی بکرؓ۔ نیز طبقات ابن سعد ۳/۲۳۳۔ سیر اعلام النبلاء ۱/۲۵۲ ۔

ایک دوسرے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان غیر عربی غلاموں کو اپنے دوش بدوش کھڑا کرتے ہوئے انھیں ان لفظوں میں خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔

اَلسُّبَّاقُ اَربَعَۃٌ: اَنَا سَابِقُ العَرَبِ وَسَلمَانُ سَابِقُ الفُرسِ، وَ بِلَالٌ سَابِقُ الحَبَشَۃِ وَصُھَیبٌ سَابِقُ الرُّومِ[۱]

سبقت لے جانے والے چار ہیں: میں عربوں میں سبقت لے جانے والا ہوں۔ سلمانؓ اہل فارس میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ بلالؓ حبشہ والوں میں سبقت لے جانے والے ہیں اور صہیبؓ رومیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔

...

حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے:

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ ز روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

تاریخ کے ہر دور کی طرح عرب کی سرزمین میں بھی سماج کا سب سے پسا ہوا طبقہ غلاموں کا تھا جو عدم مساوات (INEQUALITY) کی زنجیر میں بری طرح جکڑا ہوا اور زندگی کے ہر میدان میں امتیازی سلوک (DISCRIMINATION) کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ اسلام نے اس کچلے ہوئے طبقۂ انسانیت کو ترقی کے زینے دکھائے اور زندگی کے ہر میدان میں اسے سیادت و مرجعیت کا مقام عطا کرکے اس بات کا ناقابل انکار تاریخی ثبوت فراہم کردیا کہ اگر روئے زمین پر کوئی نظام فکر وعمل صحیح معنوں میں تمام انسانوں کے درمیان اخوت و مساوات کی آبیاری کرسکتا ہے تو وہ یہی اسلام اور صرف اسلام ہے۔

لشکر کی قیادت: فوج اور لشکر کو انسان کی اجتماعی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے ہر شخص واقف ہے کہ اسے بجا طور پر کسی قوم کی آبرو کہا جاسکتا ہے اور اس کی قیادت و سربراہی وہ بڑے سے بڑا منصب ہے جس کی کوئی شخص تمنا کرسکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار غزوات و سرایا میں لشکر کی قیادت غلاموں کے سپرد کی۔

غزوہ موتہ ۸ھ میں آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو امیر لشکر مقرر کیا، حالانکہ اس کے اندر حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ جیسے معزز صحابہ موجود تھے۔[۲]

---

۱ سیر اعلام النبلاء ۱/۲۵۲ ـ ۲ بخاری جلد ۲۔ کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ نیز سیر اعلام النبلاء ۱/۱۶۸، ۱۶۵

اسی طرح آپ نے اپنے مرض الموت میں، وفات سے چند دن قبل دنیا کی اس وقت کی سب سے بڑی طاقت روم کے مقابل ایک لشکر روانہ کرنا چاہا، تو اس کی امارت حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اسامہ بن زیدؓ کے سپرد کی۔ حالانکہ اس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے لوگ شامل تھے۔ [۱] اور جب اس کے سلسلے میں بعض صحابۂ کرامؓ کی طرف سے کچھ چہ میگوئیاں ہوئیں تو آپ نے واضح لفظوں میں فرمایا کہ:

اِنْ تَطْعَنُوْا فِیْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِیْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ ايْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمَارَةِ وَ اِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ وَ اِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ بَعْدَهٗ۔ [۲]

اگر آج تم اس کی امارت پر طعن کرتے ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ اس سے پہلے اس کے باپ (زید بن حارثہؓ) کی امارت پر بھی تم لعن کرتے رہے تھے۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ امارت کا اہل تھا، اور میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور بے شک اس کے بعد یہ (اسامہ) میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

بلکہ حضرت زیدؓ کے سلسلے میں تو حضرت عائشہؓ یہاں تک بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں جب بھی کوئی لشکر روانہ کرتے اور اس میں حضرت زیدؓ ہوتے تو لشکر کی قیادت انھی کے سپرد کرتے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فِیْ جَيْشٍ اِلَّا اَمَّرَهٗ عَلَيْهِمْ [۳]

حضرت عائشہ کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی لشکر بھیجا اور اس میں حضرت زید بن حارثہؓ ہوتے تو اس کا امیر آپ انھی کو بناتے تھے۔

چنانچہ حضرت سلمہؓ بن اکوع کا بیان ہے کہ میں حضرت زیدؓ کے ساتھ نو غزوات میں شریک ہوا اور سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر لشکر انھی کو مقرر کیا۔

---

[۱] فتح الباری جلد ۸/۱۷۰، جلد ۷/۶۲۔ نیز طبقات ابن سعد ۲/۱۹۰

[۲] بخاری جلد ۲۔ کتاب المغازی۔ باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ۔ جلد ۱۔ کتاب المناقب۔ باب مناقب زید بن حارثہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز طبقات ابن سعد ۴/۶۶۔ سیر اعلام النبلاء ۱/۱۶۳۔

[۳] فتح الباری ۷/۶۲ بحوالہ نسائی نیز سیر اعلام النبلاء ۱/۱۶۴ طبقات ۳/۴۶

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ وَمَعَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ تِسْعَ غَزَوَاتٍ يُؤَمِّرُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا۔ [1]

سلمہ بن اکوع کی روایت ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں لڑا اور زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نو غزوات میں لڑا ہر مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر امیر انہی کو بناتے تھے۔

نماز کی امامت: نماز کی امامت کی اسلام میں جو اہمیت ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے کہ وہ امت کی امامتِ کبریٰ کی ترجمان ہے۔ اسلام نے اس دائرے میں بھی غلاموں کے مظلوم ترین طبقے کو آگے بڑھاکر اس بات کی تاریخی شہادت فراہم کردی کہ اس کی نظر میں شاہ وگدا دونوں یکساں ہیں اور حسب ونسب کے امتیازات کی اس کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ قبا کی مسجد میں مہاجرین اولین اور عام طور پر صحابہ کرامؓ کی امامت کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے لوگ موجود ہوتے تھے۔ [2] بلکہ حضرت عبداللہؓ کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں بھی مہاجرین کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ [3]

حضرت سالم تو خیر آزاد کردہ غلام تھے، لیکن دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے غلام، غلامی کی حالت میں بھی، امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اسلام میں غلامی سے آزادی کی ایک صورت (مکاتبت) ہے کہ آقا کسی متعین معاوضے یا خدمت پر اپنے غلام کو آزاد کرنے پر آمادہ ہو۔ جبکہ اس مدت میں اس کی غلامی بدستور برقرار رہتی ہے۔ حضرت ابوسفیان (تابعی) عبداللہ بن ابی احمد کے ایسے ہی غلام تھے جو بعد میں آزاد ہوکر ان کے شریکِ خاندان (مولیٰ) ہوگئے تھے۔ مکاتبت کی اس مدت میں بھی وہ لوگوں کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ داؤد بن الحصین کا بیان ہے کہ:

اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ كَانَ يُؤُمُّ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ فِيْ مَسْجِدِهِمْ وَهُوَ

ابوسفیان (تابعی)، رمضان میں بنی عبدالاشہل کی مسجد میں ان کی امامت کرتے تھے، جبکہ وہ مکاتب غلام تھے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱/۲۲۴ [2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الاحکام۔ باب استقضاء الموالی واستعمالہم نیز طبقات ابن سعد ۳/۸۷ [3] طبقات ابن سعد ۳/۸۷

مُکَاتَبٌ فِی رَمَضَانَ وَفِیْهِمْ قَوْمٌ قَدْ شَهِدُوا بَدْرًا وَالْعَقَبَةَ۔ ؎۱

دراں حالیکہ اس میں وہ لوگ (حضرات صحابہ) ہوتے تھے جو بدر کی لڑائی اور عقبہ کی بیعت میں شریک ہو چکے تھے

داؤد بن الحصین کی دوسری روایت میں بعض صحابہ کرام رضؓ کے ناموں کی صراحت ہے، جو ابوسفیان کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ كَانَ يَؤُمُّ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ وَفِيهِمْ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَسَلَمَةُ بْنُ سَلَامَةَ بْنِ وَقْشٍ كَانَ يَؤُمُّهُمْ وَيُصَلِّي بِهِمْ وَهُوَ مُكَاتَبٌ۔ ؎۲

ابوسفیان جو ابن ابی احمد کے آزاد کردہ شریک خاندان (مولی) تھے۔ بنی عبد الاشہل کی امامت کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں بہت سے حضرات صحابہ موجود ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر محمد بن سلمہ اور سلمہ بن سلامہ بن وقش۔ وہ ان کی امامت کرتے اور ان کو نماز پڑھاتے تھے، دراں حالیکہ وہ مکاتب غلام تھے۔

یہ واقعہ ان کے مکاتب ہونے کے زمانہ کا ہے لیکن خود انھی کا بیان ہے کہ یہ اس وقت بھی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، جبکہ غلام محض تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

كُنْتُ أَؤُمُّ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ فِي رَمَضَانَ فَاسْتَمَعَ قِرَاءَتِي مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَسَلَمَةُ بْنُ سَلَامَةَ بْنِ وَقْشٍ فَوَقَفَا يَسْتَمِعَانِ قَالَ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، فَقَالَ مَا بِهٰذَا مِنْ إِمَامٍ بَأْسٌ ؎۳

میں رمضان میں بنی عبد الاشہل کو تراویح کی نماز پڑھاتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ محمد بن سلمہ اور سلمہ بن سلامہ کے کانوں میں میری قرأت کی آواز پڑی تو وہ رک کر دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں ان دنوں غلام محض تھا، بعد میں ان دونوں آدمیوں کا کہنا تھا کہ اگر یہ شخص امام ہو تو کچھ حرج نہیں۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کے غلام ذکوان (تابعی) بھی لوگوں کی امامت کرتے تھے اور لوگ بھی کون، جو قریش کے چیدہ افراد ہوتے تھے۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ:

كَانَتْ عَائِشَةُ مُجَاوِرَةً بَيْنَ حِرَاءٍ

حضرت عائشہ رضؓ حراء اور ثبیر کے درمیان ایک مقام پر

؎۱ طبقات ابن اسعد ۵/۳۰۸ ؎۲ حوالہ مذکور ؎۳ طبقات ۵/۳۰۷

وشبيبة فكان يؤمها رجالات قريش فاذا حضرت الصلوٰة أمّنا عبد الرحمن بن أبي بكر فاذا لم يحضر عبد الرحمن أمّنا فتاها ذكوان [1]

فروکش تھیں۔ قریش کے بڑے بڑے لوگ ان سے ملنے آتے تھے تو جب نماز کا وقت ہوتا تو عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ہماری امامت کرتے اور جب عبدالرحمنؓ نہ ہوتے تو حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ ہماری امامت کرتے۔

بلکہ ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی موجودگی میں بھی وہ امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ حضرت عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

إن ذكوان غلام عائشة كان يؤم قريشا وخلفه عبد الرحمن بن أبي بكر لأنه كان أقرأهم للقرآن [2]

حضرت عائشہ کے غلام ذکوانؓ قریش کے لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ دراں حالیکہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں عبدالرحمن بن ابی بکر بھی ہوتے تھے، اس لیے کہ وہ قرآن پڑھنے میں ان سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت جام شہادت نوش کرنے سے پہلے حضرت صہیبؓ کو نماز کی امامت کے لیے مامور کیا تھا، جس کی بنا پر آپ کی نماز جنازہ کے لیے بھی لوگوں نے انھی کو آگے بڑھایا۔ حضرت سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ:

لما توفي عمر نظر المسلمون فاذا صهيب يصلي بهم المكتوبات بأمر عمر فقدموا صهيبا فصلى على عمر [3]

جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت صہیب آنجناب کے حکم سے لوگوں کو فرض نمازیں پڑھا رہے ہیں تو لوگوں نے حضرت کی نماز جنازہ کے لیے بھی حضرت صہیبؓ ہی کو آگے بڑھایا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ انھی نے پڑھائی۔

قرآن اور علم دین کی تعلیم: قرآن اور علم دین کی تعلیم کے سلسلے میں بھی اسلام نے غلاموں کو اسی مرجعیت کا مقام عطا کیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار اصحاب سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی تھی ان میں حضرت سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ

[1] طبقات ۵/۲۹۶ [2] حوالہ بالا ۲۹۵/ [3] حوالہ بالا ۳/۲۳۰

کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

اِسْتَقْرِءُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ[1]

قرآن کا علم چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود رضؓ سے، ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام (مولی) سالم رضؓ سے اور ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبل سے۔

اسی طرح یزید بن عمیرہ سکسکی جو حضرت معاذ بن جبل کے شاگرد ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ نے انھیں جن چار افراد سے علم دین حاصل کرنے کی تاکید کی تھی ان میں ایک حضرت سلمان فارسیؓ بھی تھے:

اَنَّ مُعَاذًا اَمَرَہٗ اَنْ یَطْلُبَ الْعِلْمَ مِنْ اَرْبَعَةٍ اَحَدُھُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ۔[2]

گورنری: یہ تو خیر علمی سیادت کا مقام تھا۔ اسلام نے غلاموں کو سیاسی سیادت کا مقام بھی عطا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ مریسیع (۵ھ) کی مہم پر روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔[3] اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے اور اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔[4] حضرت عمار بن یاسرؓ کو حضرت عمرؓ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اس کی بابت کوفہ والوں کے نام جو فرمان جاری کیا، اس میں انھیں شریف ترین لوگوں، نجباء میں سے قرار دیا، اور پورے اخلاص کے ساتھ ان کی اطاعت کا حکم دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پورا فرمان آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس کے الفاظ تھے:

اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ بَعَثْتُ عَلَیْکُمْ عَمَّارَ ابْنَ یَاسِرٍ اَمِیْرًا وَابْنَ مَسْعُوْدٍ مُعَلِّمًا وَوَزِیْرًا وَقَدْ جَعَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَلٰی بَیْتِ مَالِکُمْ وَاِنَّھُمَا لَمِنَ النُّجَبَاءِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مِّنْ اَھْلِ بَدْرٍ فَاسْمَعُوْا لَھُمَا وَاَطِیْعُوْا وَاقْتَدُوْا بِھِمَا۔[5]

اما بعد! میں نے عمار بن یاسرؓ کو تمھارے اوپر امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو تمھارے لیے معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور میں نے عبداللہ بن مسعود رضؓ کو تمھارے بیت المال کا ذمہ دار مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات رسول اکرم کے اصحاب اور شریف ترین لوگوں میں سے ہیں اور انھیں بدری ہونے کا شرف حاصل ہے، پس تم ان کی بات سنو اور مانو اور ان کی راہ پر چلو۔

---

[1] بخاری جلد ۱ کتاب المناقب باب مناقب سالم مولی ابی حذیفہ۔ مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل۔ باب فضائل عبداللہ بن مسعود [2] طبقات ۳/۸۶ [3] طبقات ۳/۴۵ [4] طبقات ۴/۸۷، ۹۳ [5] طبقات ۳/۲۵۵

یہ خلیفۂ وقت کی طرف سے غلاموں کو امیر اور حکام مقرر کرنے کی بات تھی۔ لیکن دورِ اول میں اخلاقی فضیلت کے سکے کا ایسا چلن تھا کہ اپنی جانشینی کے لیے دوسرے حکام کی نگاہیں بھی انھی غلاموں کی طرف اٹھتی تھیں اور خلیفۂ وقت کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ عامر بن واثلہ کی روایت ہے کہ نافع بن عبدالحارث حضرت عمر بن الخطابؓ سے عسفان کے مقام پر ملے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں مکہ والوں پر گورنر مقرر کیا تھا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کو سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب جو تم یہاں ہو تو وادی کے لوگوں (یعنی اہل مکہ) پر اپنا جانشین کس کو مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا میں نے (عبدالرحمن) ابن ابزیٰ کو ان کے اوپر اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابن ابزیٰ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہیں۔
فَقَالَ عُمَرُ: وَمَنِ ابْنُ أَبْزَى؟ فَقَالَ مَوْلًى مِنْ مَوَالِينَا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے (ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) سوالیہ انداز میں فرمایا کہ: کیا تم نے ان کے اوپر اپنا جانشین ایک آزاد کردہ غلام کو مقرر کیا ہے؟
فَقَالَ عُمَرُ: فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى؟ انھوں نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین! وہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا اور احکام دینیہ کا علم رکھنے والا ہے۔ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّهُ لَقَارِئٌ لِكِتَابِ اللَّهِ وَعَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ
اس پر حضرت عمرؓ نے مسرت آمیز لہجے میں فرمایا کہ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ۔ [1] — بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو اوپر اٹھائے گا اور کچھ لوگوں کو نیچا کرے گا۔

امان : اسلام نے اپنے ابنائے معاشرہ کو بلا لحاظ رنگ و نسل یکساں طور پر جو حقوق عطا کیے ہیں، اس میں امان اور معاہدے وغیرہ کا حق بھی شامل ہے۔ اسلامی تاریخ نے اپنے دامن میں اس کی مثالیں محفوظ رکھی ہیں۔ عہد فاروقی کا واقعہ ہے کہ فارس کے علاقہ میں مسلمان ایک شہر (شہر یاج) کا محاصرہ کرتے ہیں اور محصورین کی مزاحمت اس حد تک کمزور پڑ جاتی ہے کہ شہر کا فتح ہو جانا بالکل یقینی ہو جاتا ہے۔ عین اس حالت میں اسلامی فوج کا ایک غلام شہر والوں کے نام امان نامہ لکھتا ہے اور اسے تیر میں باندھ کر شہر میں پھینک دیتا ہے۔ دوسرے دن جب اسلامی فوج شہر پر حملہ کرتی ہے تو اہل شہر دروازہ کھول کر باہر آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہم کو امان

---

[1] دارمی۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بھا آخرین نیز فتح الباری ۱۳/۱۳۶ بحوالہ مسلم۔

دے چکا ہے۔ اب تم کیوں بر سر پیکار ہو؟ امان نامہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک غلام کی تحریر ہے۔ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ سے استصواب کیا جاتا ہے کہ اس امان نامے کی کیا وقعت ہے؟ جواب میں آپ لکھتے ہیں کہ مسلمان غلام بھی عام مسلمانوں کی طرح ہے، اس کے ذمہ کی وہی قیمت ہے جو عام مسلمانوں کے ذمہ کی ہے، لہٰذا اس کی دی ہوئی امان نافذ کی جائے: إِنَّ العَبْدَ المُسْلِمَ مِنَ المُسْلِمِيْنَ، ذِمَّتُهُ كَذِمَّتِهِمْ فَلْيُنْفَذْ أَمَانُهُ۔ [1]

عام زندگی میں: اس کے علاوہ عام انسانی زندگی میں بھی اسلام نے اس پسے ہوئے طبقۂ انسانی کو شرف و منزلت کا یہی مقام عطا کیا ہے۔ خلیفۂ دوم ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ سردارانِ قریش ان سے ملاقات کو آئے۔ جن میں سہیل بن عمروؓ، ابوسفیانؓ اور حارث بن ہشامؓ جیسے لوگ شامل تھے۔ انھی کے ساتھ حضرت صہیبؓ و بلالؓ و عمارؓ وغیرہ بھی تھے جو گو اس سے پہلے غلام رہ چکے تھے، لیکن غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو بدری صحابہؓ سے جو غیر معمولی محبت تھی، معلوم ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلے انھی حضرات کو شرفِ ملاقات سے نوازا۔ یہ دیکھ کر ابوسفیانؓ سے نہ رہا گیا اور ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ اِنَّهُ يُؤْذَنُ لِهٰؤُلَاءِ الْعَبِيْدِ وَنَحْنُ جُلُوْسٌ لَا يُلْتَفَتُ اِلَيْنَا۔	میں نے آج جیسا دن تو کبھی دیکھا ہی نہیں، ان غلاموں کو باریابی کی اجازت مل رہی ہے اور ہم بیٹھے منہ تک رہے ہیں، ہم پر کوئی توجہ نہیں ہو رہی ہے۔

جس کا جواب حضرت سہیل بن عمروؓ نے (جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے) ان لفظوں میں دیا:

وَاللّٰهِ قَدْ أَرَى مَا فِيْ وُجُوْهِكُمْ فَإِنْ كُنْتُمْ غِضَابًا فَاغْضَبُوْا عَلَى أَنْفُسِكُمْ دُعِيَ الْقَوْمُ وَدُعِيْتُمْ فَأَسْرَعُوْا وَأَبْطَأْتُمْ أَمَا وَاللّٰهِ لَمَا سَبَقُوْكُمْ بِهِ مِنَ الْفَضْلِ أَشَدُّ عَلَيْكُمْ فَوْتًا مِنْ بَابِكُمْ هٰذَا	بخدا میں تمھارے چہروں کی متغیر حالت کو دیکھ رہا ہوں اب اگر تم کو غصہ آ رہا ہے تو اپنے اوپر ہی آنا چاہیے۔ قوم اسلام کی طرف بلائی گئی اور تم بھی بلائے گئے، انھوں نے سبقت دکھائی اور تم بیٹھے رہے۔ سن لو خدا کی قسم! اس سبقت کے نتیجے میں خدا کے حضور تمھارے مقابلے میں

[1] فتوح البلدان للبلاذری ۵۵/۵۔ ذکر کور فارس۔ ترجمہ کے الفاظ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ہیں الجہاد فی الاسلام ۱۴۱-۱۴۲۔

الَّذِیْ تَنَا فَسُوْنَ عَلَیْہِ ۔ [۱] ... ...

ان کو جو شرف و منزلت کا مقام حاصل ہوا ہے اس کی حسرت تمہارے لیے اس محرومی سے کہیں زیادہ ہوگی جو آج تمہیں اس دروازے پر مل رہی ہے جہاں تم میں کا ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے اپنا پورا زور لگا رہا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضؓ ملنے آئے تو آپ نے خود بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ہمیز کی ۔ آپ نے فرمایا۔

اُخْرُجُوْا بِنَا نَتَلَقَّ سَلْمَانَ ۔ [۲] چلو چلیں ، سلمان رضؓ کا استقبال کریں۔

ان سب سے زیادہ عبرت ناک واقعہ حضرت خالد رضؓ کی معزولی کے سلسلے میں حضرت بلال رضؓ کے کردار کا ہے حضرت عمر رضؓ نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد جو غیر معمولی اقدامات کیے ، ان میں حضرت خالد بن ولید رضؓ کی معزولی بھی شامل ہے ۔ حضرت عمر رضؓ نے عین اس حالت میں جبکہ اسلامی لشکر دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ۔ (دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ جنگ یرموک ۱۵ھ کا ہے) حضرت خالد رضؓ کی معزولی کا فرمان جاری کیا ۔ اور ان کی جگہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کو امیر لشکر مقرر کیا ۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے اس فرمان کو پوشیدہ رکھا ۔ انھیں تامل ہوتا تھا کہ فتح مکمل ہونے سے پہلے اسے ظاہر کریں ، حضرت عمر رضؓ کو جب اس کا جواب ملنے میں تاخیر ہوئی تو آپ نے ابو عبیدہ رضؓ کو دوبارہ لکھا ، اور تاکید کہ اس خط کو برسر عام مسلمانوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے اور معزولی کے ساتھ ہی حضرت خالد رضؓ کے پورے دور امارت کا احتساب کیا جائے ۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو حضرت خالد رضؓ کے خاندانی شرف ، ان کی بہادری اور جنگی مہارت نیز ان کے تئیں فوج کی وارفتگی کے پیش نظر اس فرمان کی تعمیل میں یک گونہ جھجھک محسوس ہوتی ، لیکن جب انھوں نے برسر مجمع یہ خط پڑھا تو حضرت بلال حبشی رضؓ نے جو ایک نادار آزاد کردہ غلام (من فقراء الموالی) تھے ان کی معزولی کی کارروائی مکمل کرتے ہوئے ان کے دور امارت کا احتساب بھی کیا [۳]

اس واقعہ سے جہاں حضرت خالد رضؓ کی صالحیت اور دین اسلام کے لیے ان کی فدائیت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص جو ایک معزز ترین قبیلے بنی مخزوم کی سرداری کا شرف رکھتا ہے اور جس کی شجاعت اور جنگی مہارت کا تمام عرب کلمہ پڑھتا ہے وہ خلیفۂ وقت کے فرمان کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے دل میں کسی قسم کا خیال نہیں

---

[۱] اسد الغابہ ۲/ ۳۷۲ تذکرہ سہیل بن عمرو رضؓ [۲] طبقات ۴/ ۸۶ [۳] تفسیر المنار ۴/ ۳۷

لاتا ہے وہیں اس واقعہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے معاشرے کو نابرابری (INEQUALITY) کے جراثیم سے کس طرح پاک کردیا تھا کہ حضرت خالدؓ کے پوتے کا آدمی ایک فقیر بے نوا کے آگے اپنا سر جھکا دیتا ہے اور اسے اپنے خاندانی وجاہت کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا ہے۔

خیر یہ تو دور اول کی مثالیں ہیں جسے انسانی تاریخ میں ایک منارہ نور کی حیثیت حاصل ہے، جس کو کہ خود امت بھی زیادہ عرصہ تک سہار نہیں سکی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک آزادی و مساوات کی ان قدروں کا تعلق ہے صدر اول سے لے کر آج تک امت میں ہر دور میں کم و بیش اس کا ایک ہی رنگ رہا ہے۔ امت نے اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کے اس طویل عرصے میں ہر زمانے اور ہر سطح پر ہر کلمہ گو کو مساوات و برابری کا درجہ عطا کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان میں ارباب فضل و کمال کو ہمیشہ سیادت و مرجعیت کا مقام حاصل رہا ہے، بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس خاندان اور کس نسل سے تعلق رکھنے والے ہیں اور آج بھی مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلا ہوا عالم اسلام کا چپہ چپہ اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے، جہاں ہر جگہ اور ہر سطح پر ایسے افراد کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے جو خاندانی اور نسلی شرف سے محروم ہونے کے باوجود نہ صرف برابری بلکہ سیادت و مرجعیت کے مقام پر فائز ہیں اور امت انہیں اپنا مقتدا اور پیشوا تصور کرتی ہے۔ ●●●

باقی ص ۲۵ کا:

روس کے پروگرام، عزائم، طریق کار اور جناب خمینی کے کعبۃ اللہ پر قبضے کے خواب کو دیکھیں تو ان کے برپا کردہ انقلاب پر روس کی حوصلہ افزا خاموشی اور روس نژاد تنظیموں کی طرف سے انقلاب ایران کی بھرپور حمایت کا معمہ حل ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر اس نکتے کو بھی ذہن میں تازہ کرلیجیے کہ کعبۃ اللہ کو آزاد کرانے کا خواب صرف وہی ملک دیکھ رہے ہیں جو روس کے زیر اثر ہیں یا وہ ملک جو اسرائیل کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں کیونکہ کعبۃ اللہ کی آزادی کا نعرہ لگانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بیت المقدس سے عالم اسلام کی توجہ ہٹائی جائے اور اسرائیل بیت المقدس کے نقشے میں جو تبدیلی کرنا چاہتا ہے وہ کسی مزاحمت کے بغیر کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی پر قبضے کا پروگرام جناب خمینی کا اپنا پروگرام نہیں۔ یہ روس کا پروگرام ہے۔ جناب خمینی کو کعبۃ اللہ میں داخل ہوکر اپنے امام مہدی ہونے کا اعلان کرنے کے لیے رکھا ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مسجد نبوی پر قبضہ کرکے وہ جسد رسول کے دائیں بائیں سونے والے ان مقدس اجسام کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ جن اجسام کو مسلمان رسول کریم کے جسد اطہر کے بعد سب سے زیادہ مقدس سمجھتے ہیں۔

مظہر علی اعظمی
فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

مسلم اور غیر مسلم تعلقات — قرآن و حدیث کی روشنی میں

اسلام امن و شانتی، صلح و آشتی اور نرمی و رواداری کا مذہب ہے۔ حرب و پیکار، ظلم و استبداد اس کی طبیعت نہیں، وہ سراپا سلامتی ہے، اسی لیے اسے قرآن میں سلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (اے ایمان والو! سلم (یعنی اسلام) میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) جس مذہب کی تعلیم یہ ہو:
ارحموا من فی الارض یرحمکم من السماء۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اس کی نرمی و رواداری، عالی ظرفی و فراخدلی سے کس انصاف پسند کو اختلاف اور حق گو کو انکار ہو سکتا ہے؟ در اصل نرمی و رواداری اسلامی مزاج کا ایک ایسا عنصر ہے جو اسلام کے جملہ اصول و مبادی اور احکام و تعالیم میں کارفرما نظر آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نرمی و رواداری، اسلام کی مجموعی فکر یا روح ہے، چنانچہ اسلام کے معاشرتی و سماجی قوانین کی بنیاد جن ہمہ گیر و سیع اصولوں پر رکھی گئی ہے، ان کا بھی سر رشتہ اسلام کی اسی مجموعی فکر سے ملتا ہے۔
اسلام کے معاشرتی و اجتماعی قوانین کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی گئی ہے، ان میں وحدت بشری، عدل و مساوات کو اولیت حاصل ہے، جن کا مقصد یا نتیجہ بھی ساری بنی نوع انسان کے مابین، انسانیت، انس و محبت کے رشتہ کا قیام و دوام ہے۔ اسلام میں عدل و مساوات کی اہمیت و حیثیت سمجھنے کے لیے یہ آیت کافی ہے
لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان کسی قوم کی عداوت کی وجہ سے بے انصافی نہ کرو
لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ عدل ہی کیا کرو، عدل پرہیز گاری کے بہت قریب ہے،
قوم و وطن اور مذہب و ملت کا اختلاف اسلامی قانون اور مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ

ظلم و ناانصافی سے کام لیں کیونکہ اسلام کی نظر میں بحیثیت انسان سب اولادِ آدم برابر ہیں۔ اس لیے عدل و مساوات کا سلوک و برتاؤ ہر ایک سے ہونا چاہیے۔ انسانی محبت و شفقت، نرمی و رواداری کا ہر ابنِ آدم مستحق ہے۔ اسلام اسی جذبہ و خیال کو پیدا کرنے اور خالص انسانیت کی بنا پر رشتہ کے قیام و استحکام کے لیے انسان کو اس کی تخلیقِ اول کی یاد دلاتا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا اور وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

قرآن نے قلوبِ انسانی میں وحدتِ بشری کا بیج بونے کے لیے متعدد مواقع پر اس تصور کو ابھارا ہے۔ کیوں کہ اسلام کا پیغام ہی وہ عقیدہ و فکر ہے جو انسانی قلوب میں محبت و اخوت پیدا کرتا ہے وہ تو ایسا نظام چاہتا ہے جس کے زیرِ سایہ پوری انسانی برادری امن و چین اور سکون و راحت کی زندگی بسر کر سکے۔ بغض و حسد، طبقاتی کشمکش، قومیت، وطنیت، نسلی تفوق، اور مذہبی تعصب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

غرضیکہ اسلامی معاشرہ میں عدل و مساوات، اخوت و محبت اور خصوصاً انسانی وحدت کو اولیت و اہمیت حاصل ہے مگر عقیدہ و فکر کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر کسی لحاظ سے انسانی برادری کو تقسیم کیا جا سکتا ہے تو وہ یہی عقیدہ و فکر کا اختلاف ہے۔ ارشادِ باری ہے: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ (وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں کوئی کافر ہے کوئی مومن۔)

اسی اختلاف سے مقصد و منزل اور نصب العین میں اختلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک خدا پرست مومن کا مقصد رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت ہے اور بت پرست کافر کا مقصد عیشِ دنیاوی۔ مومن رحمتِ الٰہی کا مستحق ہے اور کافر عقوبتِ الٰہی کا۔ اس لیے ایسے دو مختلف العقیدہ انسان کبھی بھی مقصد و نصب العین کے حصول و طلب میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار نہیں ہو سکتے اور نہ اس مسئلے میں ایک دوسرے پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اسی لیے مسلمانوں کو غیر مسلموں پر کلی اعتماد کرنے، محبت و مودت اور تعلقِ خاطر کا مرکز اور ہمراز و دمساز بنانے سے روکا گیا ہے۔ ان کو اپنا رازداں بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب سے رشتۂ عقیدت کمزور ہے اور مذہبی وجود کے تحفظ سے لاپروائی برتی جا رہی ہے۔ اسی مفہوم کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا۔ (مسلمانو! اپنی قوم کے سوا غیر قوموں کو رازدار نہ بنانا وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے میل جول اور تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں بلکہ الگ تھلگ رہنے کا حکم ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا اسلام کی عالی ظرفی اور فراخدلی کے منافی ہے بلکہ ہر مسلمان پر دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری ہے وہ بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ غیر مسلمین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات اچھے ہوں اور ان کے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آیا جائے۔ صلۂ رحمی، احسان اور حسن سلوک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (جن لوگوں نے دین کی وجہ سے تم سے لڑائی نہیں کی، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اللہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے تمہیں منع نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ قتال اور عدم موالات پر دلالت کرنے والی آیتوں پر ایک نظر ڈال لی جائے جس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ غیر مسلمین کے ساتھ حرب و پیکار، بغض و عداوت کے علاوہ عہد و پیمان، صلح و معاہدہ، صلۂ رحمی و حسن معاملہ یا کسی اور قسم کا حسن تعلق نہیں ہو سکتا۔ اور جن کو دلیل بنا کر معاندین اسلام ہمیشہ سے اشاعتِ اسلام کو زورِ شمشیر کا مرہونِ منت بتاتے رہتے ہیں اور مسلمانوں پر تنگ نظر، مذہبی تعصب اور فتنہ انگیزی کا الزام لگاتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

بلاشبہ قرآن میں بعض آیاتِ قتال مطلق ہیں۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (براۃ) مگر اس اطلاق کے باوجود یہاں وہ مشرکین مراد ہیں جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے، کیوں کہ سلسلۂ کلام انہیں سے متعلق ہے۔ اسی لیے جہاں پہلے سے کوئی قرینہ موجود نہیں وہاں وضاحت کردی گئی ہے کہ لڑائی صرف ان مشرکین سے کی جائے جو خود لڑائی کرنے اٹھیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (بقرہ) یعنی ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑائی کریں اور زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی لیے علماء مجتہدین و فقہاء اسلام نے ان مطلق آیات کو مقید پر محمول کیا ہے۔ یہی امام ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ وغیرہما کا مذہب ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی جن جن مقامات پر مشرکین سے قتل و قتال کا حکم ہے وہ سب حمایتِ دعوت یا دفعِ ظلم و عدوان کی قید سے مقید ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ ۔ جن لوگوں سے لڑائی کی جارہی ہے انھیں بھی اجازت دی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے ۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے : وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے ، اور دین کل کا کل اللہ کے لیے ہو جائے ۔

معلوم ہوا کہ آیاتِ قتال کا تعلق محاربین کے ساتھ خاص ہے ۔ یعنی قتل و قتال کی اجازت انھی لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ظلم و عدوان ، سرکشی اور فتنہ انگیزی برپا کرتے ہیں مسلمانوں کو اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں ، ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کو اپنے حقوق سے بہرہ اندوز ہونے نہیں دیتے ۔ یا ہمارے مقصد و منزل اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہو جاتے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ و خیال اور عبادت و عمل کی حریت و آزادی سلب کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ کسی اور صورت میں قتال جائز نہیں ۔ اسلام کسی کافر مشرک سے محض اس کے کفر و شرک کی بنا پر قتال کی اجازت نہیں دیتا ۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہتا کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی يُسْلِمُوْا ۔ کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اسلام لائیں ، بلکہ یوں کہتا ہے : وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔ یعنی فتنہ کو دفع کرنے کے لیے ان سے قتال کرو ۔ کیونکہ اسلام ایک ہدایت اختیاریہ ہے کسی کو بزور شمشیر بجبر و اکراہ اسلام میں نہیں داخل کیا جا سکتا ۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ اسلام ہر ایک شخص کو فکر و اعتقاد کی حریت اور عبادت و عمل کی آزادی عطا کرتا ہے ۔ اس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے : وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ (اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے سارے لوگ ایمان لاتے ۔ تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے ، یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں ۔)

بہر حال آیتِ قتال کا تعلق محاربین سے ہے ، مسالم و معاہد سے نہیں ، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر سے محض اس کے کفر کی بنا پر جنگ کی جائے گی اگرچہ اس کے کفر کا ضرر دوسرے تک متعدی نہ ہو ، ان کی بات درست نہیں کیوں کہ قرآن نے خود ایسے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کو ناجائز قرار دیا ہے : فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۔ اگر وہ تم سے الگ تھلگ ہو جائیں اور صلح پر اتر آئیں تو اللہ نے تمھارے لیے ان پر کوئی راہ نہیں بنائی ہے ۔

اسی طرح عدم موالات پر دلالت کرنے والی آیتوں کا تعلق بھی انھی لوگوں سے ہے ۔ چنانچہ اس کو واضح طور پر

سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے: اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (جن لوگوں نے تم سے دین کی وجہ سے لڑائی کی اور تم کو تمھارے وطنوں سے نکالا اور انھوں نے تم کو ملک بدر کرنے میں تمھارے دشمنوں کی مدد کی۔ ایسے لوگوں کو ولی (دوست) بنانے سے خدا تم کو منع کرتا ہے، اور جو ان کو اپنا ولی بنائیں تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔)

متعدد مواقع پر اللہ تعالیٰ نے سرکش و محارب مشرکین کو ولی بنانے سے روکا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ الخ (اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو ولی نہ بناؤ کہ تم ان کے ساتھ محبت سے پیش آؤ حالانکہ تمھارے پاس جو حق آیا ہے، اس کے ساتھ انھوں نے کفر کیا۔)

ان آیتوں میں صاف طور سے ان سے عدم موالات کی وجہ بیان کر دی گئی ہے کہ انھوں نے رسول خدا اور ان کے متبعین کو محض ان کے خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے گھر بار، مال و دولت اور وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس لیے ان کو ولی نہ بناؤ۔ ایسا دشمن خدا ایک مومن کی شفقت و محبت کا مستحق کب ہو سکتا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لینے والوں سے دوستی و محبت رکھتی ہو۔)

جو شخص کسی کی راہ میں قدم قدم پر سنگ گراں بن کر حائل ہوتا اور ہمیشہ اس کے درپے آزار رہتا ہو وہ کیسے اس کے ساتھ دلی ربط اور تعلق خاطر رکھ سکتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایمان کا دعویدار کسی ایسے شخص (دشمن خدا) کو اپنی محبت و وفاداری کا مرکز بناتا ہے تو اس کا یہ فعل اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہب سے اس کا رشتۂ عقیدت کمزور ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے تعلق خاطر اور ان کی عسکری امداد و اعانت جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، لازماً مسلمانوں کے مفاد و مصالح پر ضرب لگاتی ہے اور یہ منافقین کا شیوہ و طرز عمل ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ یعنی مومنوں کو چھوڑ کر یا ان کے مفاد و مصالح کے برخلاف کافروں سے دوستی گانٹھنا یا ان کی حمایت کرنا اور قرآن کی وسیع تر تعبیر میں موالات کا رشتہ قائم کرنا سراسر منافقت ہے۔

مگر یہ ملحوظ رہے کہ عدم موالات کا حکم عام نہیں ہے بلکہ محاربین کے ساتھ خاص ہے۔ آیات کے سیاق وسباق اور قیود سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ صلح جو اور امن پسند غیر مسلمین کے ساتھ ولار و دوستی اور ربط وتعلق ممنوع ہے۔ علامہ رشید رضا مصری اپنی تفسیر "المنار" میں "لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین" کے تحت فرماتے ہیں کہ بعض حضرات دین اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر یہ گمان کرتے ہیں کہ سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت اور اس معنیٰ کی دوسری آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ حلف وعہد یا ولار و دوستی جائز نہیں۔ حالانکہ ان کے اس خیال کی تردید کے لیے نبی کریم کا صلح حدیبیہ کے موقع پر خزاعہ سے حلف کرنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح بعض متشددین یہاں تک کہہ ڈالتے ہیں جہالت کی بنا پر کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور معاشرت بھی جائز نہیں۔ جبکہ آیت میں "من دون المؤمنین" قید ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کافروں کو ایسے معاملہ میں اپنا ولی ومددگار نہ بنائیں، جس میں کفار کا مفاد مسلمانوں کے مفاد و مصلحت پر مقدم ہو جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کیا تھا۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان کو مسلمانوں پر فضیلت وترجیح دینا ہے بلکہ اس میں ایمان کے خلاف کفر کی اعانت ہے، اس لیے یہ کسی مومن کی شان نہیں کہ اس سے اس طرح کی حرکت سرزد ہو، اگرچہ اس میں اس کی ذاتی مصلحت ہی کیوں نہ ہو۔"

اسی طرح علامہ موصوف "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ" کے تحت رقمطراز ہیں۔ "موادت کے معنیٰ مشارکت فی الاعمال کے ہیں، اور یہ مومن وکافر کے مابین اس وقت ممنوع ہے جب ہمارے دین کی تحقیر وتذلیل ہو یا اہل ایمان کو اذیت وتکلیف اور ضرر پہنچتا ہو، اور ان کے مصالح ومفاد پر ضرب آتی ہو، مگر بصورت دیگر دنیاوی معاملات مثلاً تجارت وغیرہ میں مشارکت اس نفی سے خارج ہے۔ کیونکہ ممنوع وہ معاملہ ہے جس میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ٹکراؤ ہو۔"

پھر وہ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اگر اس مسئلہ میں سورہ ممتحنہ کی طرف رجوع کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ دشمنان خدا ورسول سے اس وجہ سے موالات ومودت ممنوع ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو محض ان کے ایمان لانے کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پس ہر وہ جماعت جو مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے اس سے موالات قطعاً حرام ہے۔ مگر دین اسلام کی عالی ظرفی وفراخدلی دیکھیے کہ اس نے اتنی

سخت عداوت کے باوجود بھی صرف ان کی ولایت و اعانت کو ممنوع قرار دیا۔ حسن سلوک، احسان و صلہ رحمی سے نہیں منع کیا۔

اسی سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ عام مشرکین و کفار کے ساتھ جن کا سلوک و معاملہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح عداوت و محاربہ کا نہیں ہے۔ حلف و موالات، عہد و پیمان درست ہے۔ اس کی واضح دلیل نبی کریم کا فعل ہے۔ یعنی آپ نے صلح حدیبیہ میں خزاعہ کو اپنی حلف میں لے لیا تھا جو اس وقت کفر ہی پر تھے۔ ان جیسے کفار و مشرکین کے ساتھ معاشرت اختلاط اور ارتباط اور تعلقات رکھنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کے حق میں اس کے مثبت اور مفید نتائج بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ یعنی انھیں پکے اور سچے مسلمانوں کے اندر اسلام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اس مصلحت کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی ملتا ہے وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ۔ (یعنی اگر کوئی مشرک پناہ چاہے تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کے مقام امن میں پہنچا دو۔)

اس سے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی و مہربانی اور محبت و شفقت سے پیش آنے کا ثبوت ملتا ہے اور مسلمانوں کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرغوب و محبوب ہے۔

واقعات شاہد ہیں کہ نبی کریم ؐ اور صحابہ کرام ؓ غیر مسلموں کے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے مواساۃ و غمخواری کرتے، احسان و صلہ رحمی کرتے۔ نبی کریم ؐ ان کی دعوت قبول کرتے، ان کے مریضوں کی عیادت کرتے، ان کے سلام کا جواب دیتے۔ غیر مسلموں کے ساتھ آپ ؐ کے حسن سلوک اور اسلامی رواداری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ ؐ ایک یہودی بچے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

صحابہ کرام نے اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کی امداد و اعانت کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ

یہ آپ کے ذمہ نہیں کہ ان کو راہ راست پر لائیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے، اور جو مال تم خرچ کرو وہ تمھارے ہی لیے ہے اور مناسب نہیں کہ اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے سوا خرچ کرو، اور جو مال بھی خرچ کرو گے اس کا

لَا تُظْلَمُوْنَ۔ بدلہ پورا ملے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہ ہوگا

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اسماء بنت ابی بکر نبی کریمؐ کے پاس آئیں اور دریافت کیا کہ میری والدہ کچھ امید کے ساتھ میرے پاس آئی ہیں (اور وہ مشرکہ ہیں) تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے اس کی اجازت دی اور کہا۔ ہاں۔

اسی طرح بخاری کی ایک دوسری روایت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ کرامؓ غیر مسلموں کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو ایک ریشمی جوڑا عطا کیا تھا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

الجیران ثلاثة جار له حق وهو الجار الكافر له حق الجوار (يجعل للكافر حقا بجواره) وجار له حقان وهو الجار المسلم له حق الجوار وحق الاسلام وجار له ثلاثة حقوق وهو الجار الرحم له حق الجوار وحق الاسلام وحق القرابة۔

(طبرانی)

پڑوسی تین ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے، اور وہ کافر پڑوسی ہے، اسے پڑوس کا حق حاصل ہے۔ (دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کے لیے بھی حق ہمسائیگی مقرر کیا ہے) اور ایک وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں، اور وہ مسلم پڑوسی ہے، اسے پڑوس کا حق ہے اور اسلام کا حق ہے۔ اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں اور وہ قرابتدار پڑوسی ہے، اسے پڑوس کا بھی حق ہے اسلام کا بھی حق ہے اور قرابت کا بھی حق ہے۔

اس حدیث میں نبی کریمؐ نے کافر پڑوسی کا حق بھی مقرر کیا ہے۔

ان تمام آیات و احادیث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام جملہ بنی نوع انسانی کے ساتھ انسانی اخوت و محبت کی بنیاد پر تعلقات و معاملات کا حکم دیتا ہے جو اسلام کی عالی ظرفی، فراخ دلی اور نرمی و رواداری کا تقاضا ہے۔ وہ غیر مسلموں کے ساتھ معاشرت و اختلاط، عہد و پیمان، ولایت و دوستی حسن معاملہ، احسان و بھلائی اور صلہ رحمی کی اجازت دیتا ہے اور ان کے ساتھ بغض و حسد اور بدسلوکی و بدمعاملگی سے روکتا ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں ان کے کفر میں شدت اختیار کرنے اور اسلام و مسلمین سے متنفر ہو جانے کا خطرہ ہے، جو اشاعتِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح اسلامی تعلیم کو سمجھیں، غیر مسلموں کے ساتھ وہ طرز معاشرت اپنائیں، جس کا ہمیں مذہب اسلام نے حکم دیا ہے۔ یعنی خندہ پیشانی و فراخدلی سے پیش آئیں، حسن معاملہ اور احسان و بھلائی کا سلوک کریں، ان شاء اللہ ہم سے ان کی نفرت و عداوت ختم ہو جائے گی، ناگواری و بداعتمادی دور ہو جائے گی وہ ہمیں اپنا ہمدرد و بہی خواہ سمجھنے لگیں گے۔ عسى الله ان يجعل بينكم وبين الذين عاديتم منهم مودة والله قدير والله غفور رحيم۔ (قریب ہے کہ اللہ تمہارے درمیان اور ان میں سے جو لوگ تمہارے دشمن ہیں ان کے درمیان محبت پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے) اس طرح اشاعت اسلام کی راہ میں جو بند حائل ہے وہ ٹوٹ جائے گا اور اسلام کا سیل رواں کفر و شرک اور الحاد و ارتداد کی تمام آلائشوں اور خس و خاشاک کو بہالے جائے گا۔ واللہ ولی التوفیق۔ ●●●

باقی ص ۲۹ کا (ماحول سے مطابقت)

مرغ وغیرہ وہ حیوانات ہیں جنہوں نے انسان کی سربراہی کو تسلیم کر لیا۔ یہ معاملہ ہرگز انسان کی حیوان سے مطابقت کا نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل میں خوب سے خوب تر اور خوب تر سے خوب ترین کا سلسلہ ہے۔ جسے مادہ پرستوں نے Theory of Adaptation کا نام دے کر سارے نظم و نسق کو بدل دیا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ جنگ برائے جنگ کا سلسلہ نہیں ہے بلکہ خوب سے خوب تر کی طرف ارتقاء ہے۔ یہ حکمتِ ارتقاء ہے۔ لہٰذا صرف مذہبی اعتبار سے ہی یہ نظریہ ایک باطل نظریہ نہیں ہے بلکہ خالص مادی واقعیت کے لحاظ سے بھی بے بنیاد اور غلط ہے۔ پھر دہریہ کا وہ گردہ جو دنیا کو ایک جنگ گاہ بتاتا ہے اور ساری دنیا کو دارالفساد بنائے رکھتا ہے مذہبی نقطۂ نگاہ اسے بھی باطل قرار دے کر کائنات کو خوب سے خوب تر کی طرف ایک سلسلۂ ارتقاء بناتا ہے۔ یہ ہے اس سلسلے کی ساری حقانیت بھی اور تمام مادی واقعیت بھی۔

مسٹر وحید الدین خاں نے کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ کو اہل حدیث کہنا شروع کیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اپنے لیے معاشرے کے اندر مقام پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اللہ کرے کہ یہ گمان غلط ثابت ہو اور خانصاحب موجودہ باطل موقف کو باطل قرار دے کر وحدتِ امت و دین کے لیے کام کریں۔ موجودہ وقت میں وہ تفرقۂ امت کا کام کر رہے ہیں۔ ●●●

مذہب ماحول کے ساتھ مطابقت کی تلقین کرتا ہے
یا
ماحول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے

صوفی نذیر احمد کاشمیری

جناب شیخ عطاء الرحمٰن نے وحید الدین خانصاحب کی ایک تقریر کے متعلق، جو انھوں نے جامعہ ملیہ میں کی تھی، مجھے بتایا کہ انھوں نے اپنی تقریر میں بڑے زور دار دعوے سے اعلان کیا کہ مذہب انسان کو ماحول کی مطابقت کی تلقین کرتا ہے۔ شیخ صاحب اس تقریر میں موجود تھے۔ پھر اسی تقریر کو خان صاحب نے عربی کے اندر منتقل کر کے شائع کر دیا۔ شیخ صاحب نے ان کی کتاب کا یہ حوالہ بھی مجھے سنایا۔ میں اس وقت ازحد کمزور اور بیمار تھا۔ اس پر بھی میں نے وحید الدین خان صاحب کے اس اعتقاد پر تنقید کر کے شیخ صاحب کو دیا کہ اسے شائع کرا دیں۔ پھر مجھے معلوم نہ ہوا کہ شیخ صاحب نے اس کا کیا کیا۔ آج کل وہ بنگلہ دیش کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں اور میں صحت کی بحالی کے لیے سہارنپور آ گیا ہوں اور ڈاکٹر برکت علی صاحب مرحوم کے مکان نخاسہ بازار میں ٹھہرا ہوں۔

اب چونکہ راقم کی صحت قدرے اچھی ہو رہی ہے لہٰذا غور و خوض کے بعد محسوس ہوا کہ اس فتنے کا ابھی علاج ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا کچھ عرض ہے:۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر رکھ لیجیے اور جواب سنیے۔

(۱) شرک و کفر کی جمی ہوئی چٹانوں کے خلاف توحید کے پیغام کو پھیلانے کے لیے اللہ پاک نے آپ کو مبعوث کیا اور آپ نے اس جمے ہوئے کفر کے خلاف آواز بلند کی۔ سوال یہ ہے کہ یہ ماحول سے مطابقت تھی یا ثابت شدہ ماحول کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھا؟ قوم نے آپ کی دعوت کو نہ صرف کانوں رد کیا بلکہ حالات اتنے بگاڑ دیے کہ آپ کو اور عام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ کہیے یہ ماحول سے مطابقت تھی یا ماحول کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ اس کے بعد مخالفین نے دارِ ہجرت کے یہود کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا دیا اور سارے عرب میں اس آواز کو دبانے کا دور

شروع ہوا اور مسلمان جنگ کے لیے مجبور ہوگئے اور پھر ان جنگوں کا خاتمہ فتح مکہ پر ہوا۔ کہیے یہ ماحول سے مطابقت تھی یا مخالفت؟ اور ماحول کے خلاف اعلانِ جہاد تھا؟ پھر رسولِ خدا نے ایران و روم کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے خطوط لکھے، جس کے نتیجے میں یہ جنگی فضا اسلام کے خلاف عالمگیر شکل اختیار کر گئی۔ کہیے یہ عالمگیر اعلانِ جہاد تھا یا ماحول کے ساتھ مطابقت تھی۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

درحقیقت یہ فرقہ مادہ پرستوں کی تھیوری آف اڈاپٹیشن کو مذہب کے نام سے رواج دیتا ہے۔ چوں کہ موجودہ لادین مادی تہذیب کے خلاف آواز بلند کرنا ساری تہذیب کے خلاف اعلانِ جنگ ہے لہٰذا مادہ پرستوں کے ماحول سے مطابقت کے اسی نظریے کو خان صاحب نے مذہب بنا کر رائج کرنے کا آسان راستہ اختیار کیا ہے۔

ماحول سے مطابقت کا نظریہ

(قسط دوم)

مضمون کی پہلی قسط میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایک مسلمان کے لیے کافی ہے۔ اس کی رو سے یہ ماحول سے مطابقت کا نظریہ Theory of Adaptation محض باطل ہے اور "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" کا مذہب نفاق ہے۔

لیکن محض مادی واقعیت کے لحاظ سے بھی یہ غلط ہے۔ ذیل کے واقعات پر غور کیجیے:

ماحول میں سب سے اولیت بے حس مادے کو حاصل ہے۔ اس بے حس مادے میں زندگی کا سب سے پہلا ظہور نباتات کی صورت میں ہوا اور اس سلسلہ نباتات نے مادے کی سطح کو جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ کر اپنا مقام خود پیدا کیا۔ یہ ہرگز مادے کے ساتھ مطابقت نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ جنگ کر کے نباتات نے اپنا مقام پیدا کیا۔ نباتات کے بعد حیوانات کا ظہور ہوا۔ اس وقت زمین کی سطح کو نباتات نے گھیر لیا تھا۔ اور حیوانات نے مادے کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور نباتات کو جس طرح چاہا استعمال کیا۔ یہ بھی ہرگز ماحول سے مطابقت نہ تھی بلکہ اپنے زورِ بازو سے نباتات سے اپنا مقام اور بالادستی منوائی تھی۔ پھر دیو ہیکل حیوانات کے مقابل جب انسان کا ظہور ہوا تو باوجود نحیف و ناتواں ہونے کے انسان نے بے شمار قسم کے حیوانات کو اپنا پالتو غلام بنا لیا۔ گائے، بھینس، بکریاں، بھیڑ

(باقی ص ۲۸ پر)

کچھ علاج اس کا بھی ہے اے چارہ گرو....

محمد اکبر بجاڑ ٹنگمرگ کشمیر

مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ء

محترم ایڈیٹر صاحب ماہنامہ محدث بنارس! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ آپ کا ماہنامہ محدث کچھ عرصہ سے مسلسل ہمارے درس گاہ کو مل رہا ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

جب سے ہمیں آپ کا یہ ماہنامہ مل رہا ہے، ہم مسلسل اس کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کر رہے ہیں۔ کیوں کہ اس سے ہمارے علم میں کافی اضافہ ہوا اور بہت سارے مسائل سلجھ گئے۔ چوں کہ رسالے کے سارے مضامین اسلامیات پر مبنی ہونے کے علاوہ تحقیقی، معیاری، ادبی اور اصلاحی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ توقع ہے کہ آپ آئندہ اسے مزید دلچسپ اور معیاری بنانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ مزید عرض ہے کہ محدث میں آپ سوال و جواب کا باب بھی کھول دیں تاکہ لوگ اسلام سے درپیش مسائل کے حل بآسانی اس میں حاصل کر سکیں۔

اس سلسلے میں ایک مسئلہ درپیش ہے جو اکثر دعوت کے میدان میں دیوار کی طرح حائل ہو کر پیش قدمی کے لیے روک بن جاتے ہیں۔ چوں کہ دعوتِ اسلامی یا دعوت الی اللہ کا ایک اہم اور ضروری پہلو لوگوں کو پابند نماز بنانے کی جدوجہد کرنا یا ان کو نماز کی طرف رغبت دلانا ہے۔ یہی وہ مرحلہ (Stage) ہے جہاں سے امتِ مسلمہ میں اختلافات اور تضادات کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جو نہ ختم ہونے والی نفرت اور حسد میں تبدیل ہو کر بالآخر مختلف فرقوں اور گروہوں کی شکل اختیار کر کے رسول اللہ کے اس ارشاد «تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ» کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

چوں کہ جب پہلے پہل مسلمانوں پر نماز فرض ہوئی تو اللہ نے اپنے خصوصی انتظام کے تحت خانہ کعبہ[1] میں حضرت جبرئیل کو امام بنا کر رسول اللہ کو (بحیثیت جبرئیل کا مقتدی) نماز پڑھائی۔ جس میں ان کو مضمونِ نماز کے علاوہ طریقہ نماز بھی

---

[1] خانہ کعبہ کی تعیین نہ معلوم کس روایت سے کی ہے؟

(یعنی صوت، حرکات، سکنات وقرأت) سکھلایا گیا۔ اس مبارک واقعہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے امتیوں کو ارشاد فرماتے ہیں۔ (صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی (بخاری شریف) ترجمہ: ۔ نماز پڑھو جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا[1]۔

اس ضمن میں اب مندرجہ ذیل مسائل اُبھرتے ہیں۔ مہربانی کرکے ان سب کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے ماہنامہ "محدث" میں جلد از جلد شائع فرمادیں، تاکہ عوام الناس میں دعوت کی راہ ہموار ہوجائے۔

(۱) کیا ہمیں نماز اس طرح پڑھنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ کو جبرئیل کے ذریعے سکھلایا گیا تھا۔ یا اُس طرح ادا کرنی چاہیے جس طرح ہم چاہیں گے؟

(۲) کیا رسول اللہ نے نماز کے فرض ہونے سے اپنی وفات تک اسی طرز اور اسی طریقہ پر نماز ادا فرمائی، جس طرز و طریقہ سے جبریلؑ نے آپ کو سکھلایا تھا۔ یا کبھی اس میں تبدیلی بھی لائی۔

(۳) وہ کون سا مبارک طرز و طریقہ تھا جو جبریل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ کو سکھلایا تھا؟ شافعی، حنبلی، حنفی، مالکی، شیعہ یا اور کوئی طریقہ۔

(۴) یا کیا بات یوں تھی کہ رسول اللہ روزانہ ہر نماز (مثلاً نماز فجر یا اور کوئی اور نماز) پانچ بار بالترتیب پانچ مختلف طریقوں سے ادا فرماتے تھے۔ یا انھوں نے اپنی عمر مبارک کو پانچ یا اس سے زیادہ حصوں میں تقسیم کرکے بالترتیب پانچ یا اس سے زائد طریقوں سے نماز ادا فرمائی (یعنی پہلے چار برس ایک طریقے سے دوسرے چار برس دوسرے طریقے پر.......

(۵) کیا اللہ تعالیٰ کو نماز کا وہ پہلا طریقہ اور طرز ادا پسند نہیں آیا۔ جو آپ نے جبرئیل کے ذریعہ رسول اللہ کو سکھلایا تھا کہ بار بار اس کو اس میں تبدیلی لانی پڑی۔

(۶) قرآن شریف کی ایک آیت ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۔ پس ویل ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہے۔ چوں کہ نماز کی طرز ادا یعنی نماز کی حرکات وسکنات بھی نماز کے جز ہیں۔ اب کیا یہ نماز سے بے خبری نہیں ہے کہ نماز ادا کرنے کا وہ طریقہ معلوم نہ کیا جائے جو جبرئیلؑ نے رسولﷺ کو سکھایا تھا، اور اپنے آپ کو یہ اطمینان دیا جائے کہ نماز جس طرح چاہو پڑھو، نماز

[1] یہ حدیث اس واقعہ کے فوراً بعد کی نہیں بلکہ مدنی زندگی کے آخری برسوں کی ہے

عنداللہ قبول ہو جائے گی۔ کیا اس قسم کا مطمئن شخص اس مذکورہ آیت کا مصداق ہے یا اس سے مستثنیٰ ہے۔ الزحف
کتاب وسنت کی روشنی میں نماز کا مسنون طریقہ بتائیں ؟

اب آپ سے عرض ہے کہ مہربانی کر کے اپنے تمام مدلل اور مفصل دلائل سے کتاب وسنت کی روشنی میں مذکورہ مسائل کے جوابات جلد از جلد اپنے ماہنامہ محدث میں شائع فرما دیں تاکہ امت مسلمہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے۔ آمین
آخر پہ تاکیداً گزارش کی جاتی ہے، ہمارا یہ خط مع ان میں مرقوم مسائل کے جوابات من وعن اپنے ماہنامہ محدث میں شائع فرما دیں۔ بہر حال ذمہ داری اب آپ پر ہے۔ چاہے آپ اسے شائع فرما دیں یا نہ فرمائیں۔ ہم یہی توقع رکھیں گے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ باقی والسلام

آپ کا مخلص محمد اکبر نجار ٹنگمرگ (کشمیر)

...

ہم نے یہ خط اس لیے نہیں شائع کیا ہے کہ اس میں پوچھے گئے سوالات کا جواب دیں۔ کیوں کہ ہر سوال کا

محدث جواب بالکل واضح اور معروف ہے۔ ہم نے یہ خط صرف ان لوگوں کی عبرت کے لیے شائع کیا ہے۔ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے امت میں تفرقے اور مصائب کا بیج بوتے ہوئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے دوسری شخصیتوں کو مرکز عقیدت واطاعت بنا کر اس مبارک راہ میں حائل ہیں جو امت کی اجتماعی خیر و فلاح اور بہبود و کامرانی کی منزل تک لے جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری احادیث کتابوں میں جمع ہو چکی ہیں اور ان میں جو کچھ رطب ویابس اور ضعیف و ناقابل اعتماد ہے۔ اس کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ صحیح اور قابل قبول احادیث بھی متعین ہو چکی ہیں۔ اب جو شخص چاہے صرف چند دن کی محنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا پورا طریقہ کتب حدیث کے ذخیرے سے نکال سکتا ہے۔ اب اس سلسلے میں بحث وتحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے اس کے باوجود کسی غلط طریقہ نماز پر اڑے رہنا اور امت کے اندر باہمی عصبیت اور جنگ وجدل کی گھناؤنی فضا پیدا کر کے حقائق کو دھوئیں اور دھول کی تہ میں دبانا اور لوگوں کی نظر سے دور رکھ کر اس کی قبولیت کی راہ میں حائل ہونا ایک نہایت سنگین المیہ ہے جو کسی مومن قانت کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس راستے پر چل کر کبھی فلاح حاصل کی جا سکتی ہے بلکہ ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ کاش مسلمان اس موٹی سی حقیقت کو مدنظر رکھ کر سلامتی روی کی راہ اپنائے۔ واللہ الموفق۔

...

از قلم : الاستاذ سعید بن عزیز یوسف زئی
امیر جمعیۃ برادران اہلحدیث۔ پاکستان
۱۸/۵۹۱ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

"کنز الایمان ۔ ایک اہلحدیث کی نظر میں"

چند دن پیشتر مجھے ہندوستان سے آنے والے ایک خط کے ذریعہ علم ہوا ہے کہ وہاں بریلوی حضرات نے میرا ایک کافی قدیم مضمون پمفلٹ کی صورت میں بعنوان "کنز الایمان ۔ ایک غیر مقلد کی نظر میں" شائع کیا ہے، جس پر میرا نام بحیثیت مصنف درج ہے ۔ میں نے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے بعد پاکستان میں بھی یہ مضمون کسی بریلوی ادارے نے بعنوان "کنز الایمان ۔ ایک اہلحدیث کی نظر میں" شائع کیا ہے ۔ اس کے علاوہ تقریباً دو سال پہلے "معارف رضا" نامی مجلے میں بھی یہ مضمون شائع ہو چکا ہے ۔

میں نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ پمفلٹ حاصل کروں مگر تاحال ان کے حصول میں تو کیا ان کی رویت سے بھی محروم رہا ہوں ۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصنف کا مضمون سے کہاں تک تعلق ہے ۔

ہندوستان و پاکستان میں شائع ہونے والے پمفلٹ تو مجھے نہ مل سکے البتہ "معارف رضا" نامی مجلہ مجھے مل گیا اس طرح مجھے اپنے آپ سے منسوب یہ مضمون پڑھنے کا موقع نصیب ہوا ۔ میں اس مجلے کے شائع کنندگان کو بھی داد دوں گا کہ جہاں انھوں نے میرے ایک قدیم مضمون میں جابجا جدید پیوند نہایت کامیابی سے لگا کر اسے اپنے حق میں مفید بنانے کی کوشش کی ہے وہیں انھوں نے یہ بھی ظاہر کردیا کہ حق وہی ہے جس کی اہلحدیث تائید کردے گویا کنز الایمان اس وقت ہی کنز الایمان ہے کہ جب اہلحدیث حضرات بھی اس کی تائید کر رہے ہوں ۔

میں چاہتا ہوں کہ اس پمفلٹ کے ذریعہ جو مغالطہ بریلوی حضرات نے عوام میں عموماً اور اہلحدیث حضرات میں خصوصاً پھیلایا ہے اس کو وضاحت و صراحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کردوں تاکہ وہ بھی حقیقت کو جان لیں ۔

میں نے شروع میں لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ "(میرا ایک کافی قدیم مضمون)" ۔ مضمون مذکورہ میرا ہی تحریر کردہ ہے مگر میں اس کے ان جدید اضافوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جنھیں بریلوی حضرات نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مضمون میں جا بجا مناسب مقامات دیکھ کر چسپاں کیا ہے ۔

آج سے تقریباً پانچ سال قبل جب کہ میں بریلوی مسلک پر قائم تھا میں نے دیوبندی حضرات کے مطالبے "کہ کنز الایمان پر پابندی لگائی جائے" کے خلاف کنز الایمان کی حمایت میں ایک مضمون بعنوان "کنز الایمان - میری نظر میں" تحریر کیا جو کہ تقریباً چالیس سے زائد بڑے صفحات پر مشتمل تھا ۔ کیوں کہ یہ مضمون کافی طویل تھا ۔ لہذا کسی بھی رسالے نے اسے ابتک شائع نہیں کیا ۔ پھر ان ہی دنوں میں نے اس مضمون کا ایک اختصار لکھا ۔ وہ بھی کسی رسالے نے شائع نہیں کیا ۔ اس بات کا وعدہ تو سب نے ہی کیا کہ مضمون شائع کر دیا جائے گا مگر وعدہ وفا کسی کے ہاتھوں نہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ مضمون شائع ہو مگر تاخیر سے ۔ چنانچہ عرصۂ دراز کے بعد اب جب یہ مضمون شائع ہوا ہے تو یہاں دل و دنیا سب کی کایا پلٹ چکی تھی ۔ جہالت کی جگہ بصارت نے لے لی ، ہٹ دھرمی کی جگہ اعتدال پسندی نے لے لی بدعت کی جگہ سنت نے لے لی اور بریلویت کی جگہ وہابیت نے لے لی اور یہ سب کرم اس رب العالمین کا ہے جس نے مجھے شرک و بدعت و جہالت و خرافات کی اندھیری وادیوں سے نکال کر ایسی دنیا میں پہنچا دیا ہے جہاں توحید و سنت کا اور قرآن و حدیث کا راج ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے ۔ حضرت مولانا کرم الدین سلفی پر جن کی محبت بھری شخصیت نے پہلے تو مجھے ان کا گرویدہ بنایا اور پھر ان کی پر خلوص مساعی جمیلہ کے نتیجے میں مجھے اہلحدیث بنا دیا ۔

میں نے مسلک اہلحدیث قبول کیا اور بریلوی حضرات میری جان کے دشمن بن گئے روزانہ مجھ سے بحث کی جاتی کہ اس مسلک کو چھوڑ دو ۔ میرے بہت سے بریلوی دوست مجھے "راہِ راست" پر لانے کے لیے مجھے اپنے مولویوں کے پاس لے گئے ، جن میں مفتی وقار الدین ، شاہ تراب الحق قادری ، محمد شفیع اوکاڑوی اور قاری مصلح الدین وغیرہ شامل ہیں مگر ان تمام علماء میں سے کوئی بھی مجھے بریلویت کا قائل کر کے مسلک اہلحدیث سے نہ ہٹا سکا تو وہی بریلوی دوست اب میرے دشمن ہو گئے ۔ دو تین مرتبہ انھوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی ۔ ایک مرتبہ دھوکے سے بلا کر میری مرمت کرنے کا ارادہ کیا ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہر دفعہ میرے شامل حال رہی ۔ اب جب انھوں نے دیکھا کہ مجھے کراچی کے اہلحدیث عوام میں ایک نمایاں مقام نوجوانان اہلحدیث کی انجمن کے جنرل سکریٹری اور بانی کی حیثیت سے ، شبان اہلحدیث کی مجلس شوریٰ کے

رکن کی حیثیت سے، جمعیت اہلحدیث کے ایک رکن کی حیثیت سے، جماعت غرباء اہلحدیث کے مدرسہ المعہد العربی کے استاذ ہونے کی حیثیت سے، بعد ازاں جامع مسجد محمدی اہل حدیث روشن باغ کراچی کا خطیب ہونے کی حیثیت سے اور جمعیت برادران اہلحدیث کا امیر ہونے کی حیثیت سے حاصل ہو گیا ہے تو میری کردارکشی کی خاطر انھوں نے میرے اس قدیم مضمون کو میرے نام کے ساتھ امیر جمعیت برادران اہلحدیث پاکستان کا اضافہ کرتے ہوئے شائع کیا ہے۔

میں یہ اعتراف کر چکا ہوں کہ یہ مضمون میرا ہی تحریر کردہ ہے، سوائے چند اضافوں کے۔ مگر اس وقت کا تحریر کردہ ہے کہ جب نہ میرا قبلہ درست تھا اور نہ ہی میری فکر کا قبلہ درست تھا۔ آج جبکہ میری فکر، میری سوچ اور میرے مسلک میں تبدیلی آچکی ہے تو اب اس مضمون سے میری ذہنی اور فکری وابستگی کی کوئی صورت یا کوئی بھی رابطہ ممکن نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اپنی اس قدیم تحریر سے رجوع کر چکا ہوں اور کنزالایمان کو کسی بھی صورت میں لائق استحسان نہیں جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اسی طرح مولوی احمد رضا خاں کی ذات بھی میرے نزدیک نہ تو لائق تعریف ہے اور نہ ہی لائق تعظیم ہے۔ اس لیے کہ بدعتی کی تعظیم سے ہمیں امام اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہ کنزالایمان والے احمد رضا خان ہی تو ہیں جن کے فتاویٰ کی رو سے آج کوئی بھی اہلحدیث مسلمان نہیں ہے۔ اور یہ بھی تو ان ہی کا فتویٰ ہے کہ سنی مسلمان کا وہابی عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح اہلحدیث کی دعوت قبول کرنا بھی ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ جو شخص ہمیں مسلمان تسلیم نہ کرتا ہو تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ ہم اس کو مومن اور اعلیٰ وارفع ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک ان کے ترجمۂ قرآن مجید کی بات ہے۔ میرے نزدیک وہ بھی غلط ہے۔ انھوں نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ امت مسلمہ میں افتراق کا بیج بونے کی کوشش کی ہے اور یہ چاہا ہے کہ صدیوں سے برصغیر کے مسلم باشندے جس ڈگر پر چل رہے ہیں، اس سے ان کو ہٹا کر ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جائے اور اسلاف سے محبت کے بجائے انھیں ان سے نفرت کا خوگر بنایا جائے۔ یہ تب ہی ممکن تھا کہ خود کو اچھا بنا کر ان کو برا کہلوایا جاتا۔ چنانچہ ان کی نگہ انتخاب اس مقصد کے لیے قرآن مجید پر پڑی اور کنزالایمان کے نام سے اس کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ان گنت مقامات پر یہ کوشش رہی کہ دوسرے تراجم میں غلطیاں ڈھونڈ کر اور ان تراجم کو غلط بتا کر عوام کو ان سے برگشتہ کیا جا سکے۔ مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ انھوں نے یوں کیا ہے کہ اللہ کا نام اس کے شروع میں آگیا ہے۔ جبکہ دیگر مفسرین میں سے بہت سوں نے ترجمہ یوں کیا ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے" یا ،ساتھ

نام اللہ کے "یا "شروع نام اللہ سے " وغیرہ وغیرہ ۔ اب بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ ترجمہ کرنے میں جو درستگی احمد رضا خاں لائے ہیں وہ کوئی اور نہ کر سکا ۔ میں کہتا ہوں نام کی اولیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ اگر نام الٰہی کو فوقیت دینی ہوتی تو کیا خود وہ ذات اقدس جل اللہ جلالہ یہ نہ کر سکتا تھا کہ سورت کی ابتداء اپنے نام نامی سے کرتا ۔ الحمد للہ رب العالمین کے بجائے وہ یوں بھی اپنا کلام نازل کر سکتا تھا کہ اللہ لہ الحمد وہو رب العالمین مگر خود جب وہ اپنا نام موخر کر رہا ہے تو اس میں عیوب نکالنا کیونکر درست ہے کہ ہمارے مُلّا جی نے تو یہ کیا اور تمہارے والوں نے غلط کیا ۔ ایک مثال اور لیجیے ۔ بریلوی حضرات وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کے ترجمہ "اور جب ہم نے تمہیں بھٹکتا یا گمراہ پایا تو ہدایت دی یا راہ دکھائی " پر بڑی تنقید کرتے ہیں اور اسے شانِ مصطفےٰ میں کفر کہتے ہیں ۔ ساتھ ہی مولوی احمد رضا خاں کا ترجمہ جو انھوں نے یوں کیا ہے کہ "اور جب ہم نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا " یعنی ضالاً کے معنی ان کے نزدیک محبت میں خود رفتہ ہونے کے ہیں ۔ پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ بتائیے ۔ اس آیت کریمہ کے کیا معنی آپ اور آپ کے اعلیٰ حضرت صاحب کرتے ہیں ۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ مولوی احمد رضا خاں کے مطابق اس کے معنی یہی ہونے چاہئیں کہ "محبت میں خود رفتہ کرتا ہے ساتھ اس کے (قرآن) بہتوں کو اور راہ دکھاتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور نہیں اپنی محبت میں خود رفتہ کرتا ہے وہ ساتھ اس (قرآن) کے مگر فاسقوں کو ۔ مگر آپ دیکھیں کہ کنز الایمان میں یہاں آپ کو یہ ترجمہ نہیں ملتا ۔ میری نظر میں یہ عجیب ترجمہ ہے کسی لفظ کا ترجمہ درست نہیں ہے ۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کا ترجمہ کہیں کچھ کیا ہے اور کہیں کچھ کیا ہے ۔ کیا ایسے مہمل اور غیر معیاری ترجمہ کو کنز الایمان کہا جا سکتا ہے ؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں بلکہ میں تو اسے خباثۃ الاذہان کا نام دیتا ہوں کہ اس سے ایمان تو نہیں بڑھتا بلکہ اذہان میں خباثت ضرور بڑھ جاتی ہے ۔

اذہان میں خباثت پھیلانے کی ایک اور مثال برائے مشاہدہ پیش کرتا ہوں ۔ سورۃ النساء کی آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ اس آیت کا ترجمہ مولوی احمد رضا خان نے تقریباً ان الفاظ میں کیا ہے ۔ "اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں " میں نے اس سے بڑی بد دیانتی اور بے ایمانی نہیں دیکھی

کہ اپنے کافرانہ عقیدے کی خاطر قرآن مجید کو استعمال کیا جائے اور اس کا غلط ترجمہ کیا جائے۔ آیت کے شروع میں حرف شرط "لو" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خانصاحب نے بڑی بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اس پوری آیت کے معنی مستقبل کے کردیے ہیں۔ حالانکہ تمام ہی مفسرین اور طبقاتِ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے۔ مگر خان صاحب نے اِذْ ظَلَمُوْا سے اِذَا ظَلَمُوْا کا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اِذ اگر مستقبل کے معنی کرتا ہے تو پھر وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کا آپ کیا ترجمہ کریں گے۔؟

میں کتنی آیتیں بطور مثال لکھوں؟ یہاں تو عالم یہ ہے کہ خباثت در خباثت انھوں نے اپنے ترجمے میں بھر رکھی ہے۔ مگر جب میری آنکھوں پر تقلید کی پٹی بندھی ہوئی تھی، تحقیق سے ہمارے علماء ہمیں سانپ کہہ کر ڈراتے تھے۔ تب مجھے یہ خباثت نظر نہ آتی تھی۔ اسی لیے میں نے اس کی تعریف میں اپنا وہ رسوائے زمانہ مضمون قلم بند کیا جسے آج بریلوی حضرات کنز الایمان کی صحت کے سارٹیفکیٹ کے طور پر شائع کر رہے ہیں۔ اصل مضمون جو کہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے وہ بھی ان ہی حضرات کے پاس ہے کراچی ہی کے ایک معروف بریلوی عالم جو کہ میرے شناسا بھی ہیں ان کے پاس میرا وہ مضمون موجود ہے اور میرے کئی بار واپس طلب کرنے کے باوجود انھوں نے مجھے وہ مضمون واپس نہیں کیا۔ جبکہ میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ اب میں اس مؤقف سے رجوع کر چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ بات بھی ریکارڈ پر آجائے کہ کل اگر اس مضمون کو بھی بریلوی حضرات شائع کریں تو یہ بات عوام کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے کہ میں اپنے پرانے موقف سے، پرانی فکر سے، پرانی سوچ سے اور پرانے مضامین وغیرہ سے رجوع کر کے ایک ٹھیٹ اہلحدیث بن چکا ہوں۔ ساتھ ہی میرا علماء اہلحدیث اور علماء دیوبند پاک و ہند کی طرح مطالبہ ہے کہ اس رسوائے زمانہ ترجمۂ قرآن پر پابندی لگائی جائے۔ اس کے جتنے بھی نسخے اس وقت دستیاب ہیں ان سب کو تلف کردیا جائے اور آئندہ کے لیے اس کی اشاعت قانوناً جرم قرار دیدی جائے۔ اس لیے کہ اس ترجمہ میں قرآن مجید کی توقیر نہیں توہین کی گئی ہے، توحید کی نہیں شرک کی دعوت دی گئی ہے۔ سنت کا نہیں بلکہ بدعت سے محبت کا درس دیا گیا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ جگہ جگہ استہزا کیا گیا ہے۔ موحدین کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس شریعت مطہرہ کو نامکمل بتایا گیا ہے۔ جس کی تکمیل کا اعلان خود حق تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ۔ الیوم اکملت لکم دینکم، کہہ کر کیا ہے۔ غیر اللہ سے مدد مانگنے کا اور ان کی قبروں پر پھول چادر چڑھانے کا درس دیا گیا ہے، جو کہ سراسر

تعلیمات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے ساتھ ہی میں اس بات کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ دیوبندی حضرات میرے نزدیک کیسے ہیں؟ ہم اہلحدیث ہیں اور ہمیں قرآن و حدیث میں جو تعلیمات دی گئی ہیں ہم اس کے عامل ہیں۔ اگر دیوبندی حضرات بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو وہ ہمارے بھائی ہیں لیکن اگر وہ قرآن و حدیث کو ناکافی سمجھتے ہوئے شریعت میں اپنی جانب سے اضافہ کرنا چاہتے ہوں تو میں اس پر یہی کہوں گا کہ "ہذا فراق بینی وبینک"۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ ہم ان کو روئے زمین کا سب سے بڑا بدعتی اور مشرک سمجھتے ہیں، جیسا کہ پمفلٹ میں مجھ سے منسوب ایک جملہ ہے تو حاشا وکلا ایسا ہرگز ہرگز نہیں، بلکہ میں تو خود پاکستان میں دیوبندی علماء کی دعوت پر ان کے جلسوں میں جاتا ہوں، ان کے ساتھ تقاریر وغیرہ بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے ساتھ میرے قریبی دوستانہ تعلقات بھی ہیں۔ فروعی اختلافات اپنی جگہ ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں انھیں کافر یا مشرک و بدعتی قرار دوں، وہ جیسے بھی ہیں۔ بریلوی حضرات سے ہزارہا درجے بہتر اور ہم سے قریب تر ہیں۔ میں ان کی اور ان کے اکابر کی ایسی ہی عزت کا قائل ہوں جیسے اپنے اسلاف کی عزت و توقیر کا قائل ہوں۔

آخر میں میری اپنے اہلحدیث بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ میرے لیے دعائے استقامت کریں۔ میری تمنا ہے کہ میں اہلحدیث بن کر زندہ رہوں اور اسی پر میری موت ہو۔ مخالفتوں کے طوفان ہمہ وقت میرے گرد و پیش منڈلاتے رہتے ہیں۔ دشمن چاہتے ہیں کہ میری شمع حیات کو گل کر دیں۔ ان دشمنوں میں شیعہ بھی شامل ہیں۔ یا جیسے بھی ہو سکے میری زبان بند کرا دی جائے۔ مجھے اپنے اللہ پر توکل ہے، بھروسہ ہے، وہی میرا حامی و ناصر ہے وہ جب تک چاہے گا میرا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ آپ حضرات دعائے خیر میں مجھے یاد رکھیں گے، میرے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

(آمین یا رب العالمین۔)

• • •

آہ! ۳ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ / ۲۲ مئی ۱۹۸۵ء کو افطار سے کچھ پہلے کراچی میں **مولانا سعید احمد اکبر آبادی :** رحلت فرما گئے اور دوسرے دن وہیں دارالعلوم کورنگی کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے آپ کے علم و فضل کی وسعت و فائقیت، تواضع و قدر شناسی برصغیر کے لیے محتاج تعارف نہیں، اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ۔

متوا امیر الحسن ندوی

علاقہ کچھ کا ایک مردِ مجاہد

مولانا عبدالرحیم کچھی

قبل اس کے کہ کچھ کے مردِ مجاہد حضرت مولانا عبدالرحیم کچھی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ عرض کروں، ضلع کچھ (گجرات) کا مختصر تعارف کرا دوں۔

علاقہ کچھ ہندوستان کا ایک سرحدی علاقہ ہے، جس کے مغربی کنارے پر بحیرۂ عرب موجیں مار رہا ہے اور شمال میں رن آف کچھ ایک دلدلی لق و دق میدان پڑتا ہے جو ہند و پاک کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ بقیہ مشرقی و جنوبی اطراف میں گجرات ہے۔ گجرات کے اس علاقہ کچھ میں دو علاقے ہیں جو بنّی اور کچھ کہلاتے ہیں۔ یہاں نوے فی صد مسلمان آباد ہیں۔ ان دونوں علاقوں کا تہذیبی و لسانی تعلق عرب و سندھ سے رہا ہے۔ مادری زبان سندھی ہے رسم و رواج سندھی و عربی بدویانہ ہیں۔ اور یہاں جو قبائل و برادریاں آباد ہیں وہ بھی مختلف نوع کی ہیں، ان میں سے کچھ برادریاں ان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جنھوں نے عرصہ دراز تک سندھ پر حکمرانی کی ہے۔ جیسے سومرا، سماں، نوتڑے (ارباب) اور عرب برادریاں وغیرہ۔ اور کچھ خاندان ان عربی و ایرانی و افغانی مسلم قبائل کی باقیات ہیں، جو سندھ و ہند پر حملہ آور ہوئے، یا اپنے دوسرے حملہ آور ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، جیسے سید، قریشی، فاروقی، شیخ، پٹھان، مغل، متوا، جت، بلوچ وغیرہ۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں اور بھی قومیں ہیں جو بہ تحقیق مصنف (پریچنگ آف اسلام) ہندو مسلم خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ مختصر تعارف ہے اس علاقہ کا جہاں آج کثیر تعداد میں موحد، کفر و شرک سے پاک مسلم آبادی موجود ہے۔ یہ فیض و برکت حضرت مولانا عبدالرحیم کچھی رحمۃ اللہ کا ہے۔

... ...

مولانا کی پیدائش اور آپ کا خاندان : مولانا ۱۳۰۷ھ میں بمقام "لڈیا" متصل کھاوڑا تو ڑے (ارباب) برادری میں پیدا ہوئے۔ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی عبدالعزیز تھا۔ موصوف علوم اسلامیہ عربی فارسی کے بہت بڑے عالم اور قاضیِ وقت اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ مولانا کے دادا مولوی عبداللطیف عربی و فارسی کے جید عالم اور نہایت متقی و پرہیزگار اور سخاوت و خیر خیرات کے ساتھ وقت تھے۔ موصوف ایک ذاتی یتیم خانہ چلاتے تھے جس میں نادار اور لاوارث بچوں کی تعلیم و تعلم کا انتظام اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی سہولیات فراہم تھیں۔ تدریسی خدمت مولانا خود ہی انجام دیتے تھے اور دار الیتامیٰ کے قیام و طعام کا خرچ اپنی ذاتی جائداد سے پورا فرماتے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم علم نواز، اہلِ خیر اور معزز ترین خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس خاندانی اثر کی بدولت مولانا نے مستقبل میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو تاریخ کچھ و سندھ کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

تحصیلِ علم : مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر جام نگر میں ایک پٹھان مولانا عبدالہادی نامی بزرگ کے یہاں گئے اور کچھ عرصہ وہاں پڑھتے رہے۔ پھر وہاں سے طلب علم کی خاطر ہندوستان کے بڑے بڑے مدارسِ اسلامیہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ پہلے بمبئی پہنچے۔ وہاں مولانا کو ان کے ایک پڑوسی سویرہ ارس میاں محمد بن عبدالستار ملے۔ انھوں نے مولانا کو گھر لوٹنے کے لیے کہا، مگر مولانا گھر لوٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ بالا محمد صاحب نے مولانا کو خالی ہاتھ دیکھ کر نو چھ روپے دیکر رخصت کیا۔ اس وقت مولانا کی عمر ۱۳ برس کی تھی، مگر اس کم عمری میں بھی مولانا کو تحصیلِ علم کی اتنی تشنگی تھی کہ بغیر کسی تیاری و زادِ راہ کے دس چھ روپے لے کر سفر میں نکل پڑے۔ مولانا بمبئی سے صعوباتِ سفر برداشت کرتے ہوئے کانپور پہنچے اور مدرسہ فیضِ عام میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مدرسہ فیضِ عام کے صدر مدرس مولانا احمد حسن کانپوری تھے جو بہت ہی مشہور و معروف اور با صلاحیت بزرگ تھے۔ موصوف کی تربیت میں رہ کر مولانا نے پورے مدرسہ میں اپنی اعلیٰ صلاحیت کا سکہ جما لیا۔ مولانا کی ذہانت و ذکاوت سے اراکین مدرسہ و طلبہ بہت زیادہ متاثر تھے اور سب لوگ مولانا کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ مدرسہ فیضِ عام کے بعد مولانا بہار گئے وہاں شہر گیا میں ایک مدرسہ میں داخلہ لیا۔ (اس مدرسہ کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں) البتہ ایک واقعہ مولانا کی زبانی سننے میں آیا تھا کہ اس مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ نے ایک موضوع منتخب کر کے اس پر ایک سینئر طالب علم کو تیاری کے لیے کہا۔ پھر مولانا کو بغیر کسی تیاری کے بحث کرنے کے لیے کہا۔ مولانا نے مباحثہ میں حصہ لیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ مولانا کی ہار یقینی ہے، مگر

مگر اللہ کے فضل سے مولانا کی جیت ہوئی ، تمام اہلِ مدرسہ اور طلبہ انگشت بدنداں رہ گئے اور ہمیشہ کے لیے مولانا کا لوہا مان لیا۔ شہر گیا کے مدرسے سے مولانا نے سات سالہ نصاب مکمل کر کے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو والدین کو لکھا کہ میں گھر آرہا ہوں مگر قبل اس کے کہ میں سفر شروع کروں، میرے پاس ایک جوڑا کپڑا اور پاپوش بھجوا دیں۔ کیونکہ مولانا تحصیل علم کے لیے وطن سے بے سروسامانی کی حالت میں نکل پڑے تھے۔ وطن لوٹتے وقت خیال آیا کہ رئیس خاندان کا فرزند ہو کر کس مپرسی اور عزبت کی حالت میں گھر لوٹنا مناسب نہیں۔ خط ملتے ہی گھر والوں نے مطلوبہ اشیاء ارسال کر دیں۔ مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ تمام چیزیں واپس ہو گئیں اور پارسل مولانا کو نہ ملا۔ گھر والوں نے بڑی تگ و دو کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ مولانا نے چند روز انتظار کے بعد وطن کی طرف سفر شروع کر دیا۔ راستہ بھر بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس مردِ مجاہد نے ہمت نہیں ہاری۔ فرماتے تھے کہ گجرات میں ایک مرتبہ ریل کا ٹکٹ حاصل کر رہا تھا کہ ٹکٹ بابو نے میرا ایک روپیہ جعلی قرار دیا، میرے پاس اور رقم تھی ہی نہیں جو ٹکٹ کے لیے دیتا۔ میں مایوس و پریشان ریلوے اسٹیشن پر ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ربہاری (خانہ بدوش) نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحبزادے، کیا بات ہے، ایسے پریشان کیوں بیٹھے ہو؟ جب میں نے اس کو پوری روداد سنائی تو اس ربہاری نے کہا کہ اچھا تم اس بجھیم کے ہو جس کے جام جی ہیں۔ میں نے کہا ہاں میں اسی علاقہ کا ہوں۔ تب ربہاری نے کہا کہ میں اس علاقے میں گیا ہوں اور جام جی کو جانتا ہوں۔ لو یہ صحیح نوٹ لو اور جو تمہارا جعلی نوٹ نکلا ہے وہ مجھے دیدو۔ مولانا اس ربہاری کا اکثر ذکر فرماتے تھے کہ اس بیچارے نے غیر مسلم ہو کر میرے اوپر احسان کیا اور مصیبت میں کام آیا جس کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ قریب دس سال کے بعد مولانا فراغت حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔ جس کے سبب مولانا کو پہلی ملاقات میں والدین بھی بمشکل پہچان سکے۔ مولانا اس وقت بے ساختہ اردو بولتے تھے اور مادری زبان بولنے میں قدرے دشواری ہوتی تھی۔

تھوڑا عرصہ مولانا نے اپنے وطن کچھ میں گزارا۔ اسی دوران والدین نے مولانا کی شادی خاندان ہی میں کر دی مولانا کی علمی تشنگی ابھی بجھی نہ تھی۔ مولانا تھوڑے ہی دن بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور داخلہ لے کر تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی تھے۔ مولانا نے ان سے درس حدیث لیا اور خاص طور سے ان کی خدمت میں رہے، نو مہینہ تک اکتسابِ فیض کیا، پھر کچھ گھریلو مجبوریوں کی بنا پر وطن کچھ لوٹ آئے۔ دیوبند سے واپس ہوئے تو زمانۂ طالبعلمی رخصت ہوا۔ اب مولانا نے مستقل طور سے

گھر ہی پر رہائش اختیار کرلی، اور کتب اسلامی کے عمیق مطالعے میں مشغول ہوگئے۔

مولانا کو صدمہ: مولانا کو جو اللہ نے پہلی اولاد عطا کی وہ نرینہ تھی۔ مولانا کو اپنے اس فرزند سے بے حد محبت اور انسیت تھی۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال سات مہینہ میں ہی یہ بچہ اللہ کو پیارا ہوگیا۔ مولانا کو اس کی مفارقت کا بے حد رنج ہوا۔ غم غلط کرنے کے لیے کچھ کھجوریں اور پانی لے کر آپ پہاڑی کھنڈرات اور جنگلات کی طرف چل دیے وہاں پہاڑ پر ایک سمری[1] نام کی جگہ ہے۔ جہاں چھوٹا سا پانی کا چشمہ بھی ہے۔ وہاں جاکر ریاضت الٰہی اور مطالعہ کلام الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ تین روز تک صرف کھجور اور پانی پر روزہ رکھتے اور افطار کرتے رہے۔ تلاوت کے لیے کتاب اللہ ساتھ تھی۔ اس پہاڑ کی تنہائی میں فکر کی گہرائیوں میں غوطہ زن رہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس تین روزہ ریاضت کے دوران اللہ تعالیٰ نے مولانا کو شرح صدر عطا کیا۔ مولانا پر قرآن کے رموز و اسرار واضح ہوگئے۔ مولانا کے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح صاف ہوگئی کہ ان کا علاقہ اور پورا قبیلہ جو پیری مریدی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے، سراسر شریعت محمدی اور قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مولانا اس پہاڑ کی بلندی سے نیچے آئے اور بستی کی طرف چل دیے۔ درمیان میں شہر کھاوڑا پڑتا ہے، وہاں کھتری میاں احمد کی دکان پر آئے۔ دکان پر کتاب "تقویۃ الایمان" مولانا کی نظر سے گزری۔ مولانا نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہی فرمایا: الحمد للہ ایک تو گواہ مل گیا۔ مولانا نے گھر پہنچتے ہی اپنے بزرگوار سے کہا کہ ابا جان! یہ جو ہم نے پیری مریدی کا جال بچھا رکھا ہے اور عبد و معبود کے درمیان جو فاصلہ کھڑا کر رکھا ہے یہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رو سے کہاں تک درست ہے دیکھیے قرآن شریف کیا کہتا ہے اور ہم کیا کہہ رہے ہیں اور یہ کتاب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان میں کیا لکھا ہے۔ مولانا کی تقریر ان کے والد بزرگوار بہت دیر تک سنتے رہے، پھر کہا کہ بیٹے! یہ سب اپنی جگہ پر ٹھیک ہے مگر تم اس چکر میں نہ پڑو، ورنہ دکھی ہوگے۔ والد بزرگوار سے اس جواب پر مولانا بہت پرجوش اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں بولے۔ ابا جان! اس سلسلے میں حق بات کہہ کر رہوں گا۔ چاہے مجھے کتنی ہی عظیم قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ میں ان پیروں اور مرشدوں کے خلاف علم بغاوت بلند کروں گا، چاہے مجھے وطن مالوف ہی کیوں نہ

---

[1] الحمد للہ اس جگہ اب مسجد اور مدرسہ بھی آباد ہو چکے ہیں۔ اچھی خاصی جماعت بھی ہوتی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ سب اہلحدیث ہیں۔ (محمد یوسف)

چھوڑنا پڑے۔ مولانا کے خیالات گھر سے قبیلہ اور قبیلہ سے پورے علاقہ میں جب پھیل گئے تو مولانا کے خلاف سخت مخالفتیں شروع ہوگئیں اور پورا قبیلہ و علاقہ مولانا کا دشمن ہوگیا۔ مگر یہ مرد مجاہد تن تنہا شرک و بدعت کے خلاف جہاد کے لیے کھڑا ہوگیا اور ہر جگہ کفر و شرک کے موضوع پر مباحثے و مناظرے شروع ہوگئے۔

مولانا نے ہر جگہ کتاب و سنت کی دعوت بہت ہی جوش و ولولے کے ساتھ شروع کی، شرک

پہلا مناظرہ : و بدعت کے بادل دھیرے دھیرے چھٹنے لگے اور مولانا کی دعوتِ حق کو لوگوں نے رفتہ رفتہ قبول کرنا شروع کیا۔ مگر طاغوتی طاقتیں اور حق و صداقت کے مخالفین بھی چپ بیٹھنے والے نہ تھے۔ وہ پیر و مرشد جنھوں نے عوام الناس کو بدعات و خرافات میں غرق کر رکھا تھا، اور پوری طرح ان پر حاوی تھے، ہر سو انکی کا سکہ چل رہا تھا وہ اتنی آسانی سے سپر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔ مولانا کی گونج سے سرحد کچھ کے پیروں مرشدوں کی نیندیں حرام ہوچکی تھیں۔ سندھ میں اس کا بڑا شور تھا کہ کچھ میں ایک وہابی پیدا ہوا ہے جو مریدوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ کچھ ایسی ہی فضا تھی جب سندھ پاکستان کے پیر علی اکبر لموئی اپنے جملہ جاہ و جلال کے ساتھ اپنے مریدوں اور رفیقوں کا ایک جتھہ لے کر کچھ کی طرف نکل پڑے، اور ہر جگہ یہ اعلان کروا دیا کہ آج میں کچھ جا رہا ہوں اور فلاں تاریخ کو شہر کھاوڑا دکچھ) میں مناظرہ ہوگا۔ تمام مریدین شہر کھاوڑا میں آئیں اور تماشا دیکھیں کہ میں کس طرح وہابیوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناطقہ بند کرتا ہوں۔ لوگ جوق در جوق شہر کھاوڑا میں مقررہ تاریخ پر جمع ہوگئے۔ پیر صاحب کے ان مریدین کے جم غفیر کے ساتھ اطراف کے علماء و فقہاء بھی جمع ہوگئے تھے۔ ان علماء نے فریقین کے مشورے سے ایک تحریر تیار کی، جس میں بحث کا موضوع علم غیب متعین کیا اور لکھا کہ فریقین میں سے جس فریق کے دلائل کتاب و سنت کی رو سے بھاری اور قوی ہوں گے، اس فریق کی جیت ہوگی اور ہارنے والے کو اس تحریر پر لکھنا ہوگا کہ ہم ہار گئے، ہمارے دلائل کمزور ہیں اور ہم یہ دستخط کیے دیتے ہیں۔

ان تحریری شکنجوں اور علماء کرام اور امراء کی نگرانی میں کھلے عام مناظرہ شروع ہوا۔ اولاً پیر صاحب نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور بہی منطقی صغری کبری کا۔ جب پیر صاحب خاموش ہولیے تو اس کے بعد مولانا گرجتی ہوئی آواز میں پہلے سامعین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا" پیر صاحب نے جو کچھ فرمایا کیا آپ لوگوں کو اس میں سے کچھ پلے پڑا؟ (مجمع میں بالکل سکوت و سناٹا) پھر فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ عوام الناس کو تو کچھ بھی پلے نہیں پڑا ہے اور علماء و فضلاء مزید تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔ مولانا تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہے اور پورے مجمع کا جائزہ لیتے رہے۔ اس کے بعد لحن داؤدی میں سورہ انعام

کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ الخ بس پورے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور ہر شخص غیر ارادی طور پر جھوم رہا تھا کیونکہ مولانا بہت خوش گلو تھے، جب تلاوت فرماتے تھے تو مجمع پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ مولانا نے اس آیت شریف کا مطلب بیان کیا۔ علماء و فقہاء نے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی اور عوام الناس کو قرآن شریف کی آیات پاک کے سیدھے سادے ترجمہ و مطلب نے اتنا سمجھا دیا کہ ان کو بالکل یقین ہو گیا کہ علم غیب کی تمام کنجیاں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ سچی حقیقت کھل کر ان کے سامنے آ گئی پھر پیر صاحب کھڑے ہوئے تو مجمع میں ایک شور و غوغا سا پیدا ہو گیا۔ پیر صاحب نے بہت کوشش کی، مگر مجمع پر کنٹرول نہ کر سکے۔ آخر میں پیر صاحب سے تحریر پر دستخط کرا لیے گئے۔ اس وقت صورتحال اتنی نازک ہو گئی تھی کہ اندیشہ ہوا کہیں فساد نہ ہو جائے مگر شہر کے امراء اور پولیس نے حالات پر قابو رکھا اور بمشکل پیر صاحب کو اپنے وطن سندھ روانہ کیا۔

دوسرا مناظرہ : ملتان پنجاب کے مخدوم عارف شاہ نام کے ایک پیر صاحب تھے جو اپنے مریدوں کے علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے سندھ تا تھرپارکر ہوتے ہوئے کچھ میں بمقام ڈومو ڈا (بنی) اپنے مریدوں کے یہاں آئے، انھوں نے بھی مریدوں کی خواہش پر مولانا سے مناظرہ — غیر اللہ کے نام پر ذبح کے موضوع پر کیا مگر پیر صاحب کو شکست ہوئی اور پیر صاحب نے آئندہ کبھی کچھ کی طرف رخ نہیں کیا۔

تیسرا مناظرہ : یہ مناظرہ کچھ میں بمقام سھری دیو بندی اور بریلوی حضرات کے درمیان علم غیب کے موضوع پر ہوا تھا۔ بریلویوں نے اپنی اعانت کے لیے مولوی عبدالکریم کو بلایا اور دیو بندیوں نے کھاوڑا سے مولانا کو دعوت دی۔ فریقین کے درمیان جج کی حیثیت سے خان بہادر عبدالرشید خان سابق پولیس کمشنر اسٹیٹ کچھ بھوج کو رکھ لیا تھا۔ سھری میں بھی مولانا نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے دلائل و براہین پیش کیے کہ مخالف فریق کی زبان گنگ ہو گئی۔ مولانا کی اس سچائی و صداقت کو دیکھ کر خان بہادر جو درمیان میں جج تھے مولانا سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ ہمیشہ کے لیے مولانا کے معتقد و محب بن گئے اور تادم زندگی ساتھ دیتے رہے۔

چوتھا مناظرہ : یہ مناظرہ سندھ میں بمقام گوپانگ ۱۹۳۸ء میں غلام علی گوپانگ اور ان کے رفقاء سے ہوا تھا۔ اس موقع پر سندھ پاکستان کے رئیس البحر یہ اور ان کے قبیلہ نے مولانا کے لیے جانی و مالی بہت تعاون کیا اور قدم بہ قدم مولانا کا ساتھ دیتے رہے کیوں کہ مقامی لوگوں کے ارادے کچھ بگڑے ہوئے تھے اور ان لوگوں نے سوچ رکھا تھا کہ کسی طرح فساد کروا کر مولانا کی بے عزتی کرائی جائے مولانا نے

جب یہ خراب پوزیشن دیکھی تو قصبہ پیر جھنڈا ضلع نواب شاہ میں اپنے رفیق پیر احسان اللہ شاہ کے یہاں چل دیے وہاں جاکر پیر صاحب سے مشورہ کیا اور طے فرمایا کہ پہلے تو مولوی محمد اسماعیل تیامی کو دفتر جمعیۃ اہلحدیث بھیجا جائے۔ تاکہ وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری سے پورے حالات ذکر کریں۔ مولوی صاحب دفتر جمعیۃ اہلحدیث گئے اور پورے احوال شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ذکر کیے۔ شیخ الاسلام نے پوری روداد سن کر زیر بحث مسائل پر غور کیا اور فرمایا کہ میرے چلنے کی تو ضرورت نہیں۔ البتہ ان مسائل کے حل کے لیے جمعیۃ اہلحدیث کے مبلغ سید عبدالرحیم شاہ کافی ہیں وہ آپ کے ساتھ جائیں گے۔ شیخ الاسلام نے شاہ صاحب کے لیے حکم فرمایا۔ شاہ صاحب مولوی صاحب کے ساتھ تیار ہو گئے اور مناظرہ میں شرکت فرمائی۔ مناظرہ کا نتیجہ وہی نکلا کہ مولانا کی جیت ہوئی اور مخالف فریق میدان چھوڑ کر بھاگ چلا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے شیخ الاسلام مولانا امرتسری مرحوم سے بھی مراسم تھے۔ اور مولانا ان سے متاثر بھی تھے۔

اس طرح سے مولانا نے کئی مناظرے و مباحثے شرک و بدعت کے خلاف فرمائے مگر ان سب مناظروں اور مباحثوں میں مصنوعی حج لوہاری کے خلاف ستیہ گرہ اور ٹوڈیج کا مناظرہ دو واقعوں کو مولانا اور مولانا کے رفقاء کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

(۱) ۱۹۳۸ء میں سندھ میں بمقام لوہاری ایک پیر صاحب نے مصنوعی حج کا اعلان کر دیا تھا، جس کے سبب پورے سندھ و سرحد کچھ میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ مولوی نیر محمد نظامانی اور حاجی احمد ملاح نے اس مصنوعی حج کے خلاف ایک ستیہ گرہ کی تجویز پاس کی۔ تعاون کے لیے مولانا کو اطلاع دی۔ مولانا اپنے ساٹھ رفقاء کے ہمراہ سندھ آ پہنچے اور مصنوعی حج کے خلاف ولولہ انگیز تقریریں شروع کر دیں یہ وہ ولولہ انگیز بیانات تھے کہ تھوڑی دیر میں رضاکاروں کے پہرے لگ گئے اور چند ہی دنوں میں مجاہدین ملت و نوجوانانِ اسلام سے صوبہ سندھ کی جیل کی کوٹھریاں بھر گئیں، بلکہ مکان تک ٹھس گئے، اور چہار سو اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے۔ آخر اسٹیٹ گورنمنٹ سندھ کو مجبوراً اس نزاع میں مداخلت کرنی پڑی اور بہت جلد ہی اس مصنوعی حج کو غیر قانونی اور ناجائز ٹھہرا کر بند کروا دیا۔ اس عدالتی مقدمہ کی پوری کتاب مصنوعی حج لوہاری میں ہے۔ جو سندھی زبان میں۔ اس کتاب کے ضمیمہ کے مطالعہ سے جو سندھی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے، پوری تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔ اس مقدمہ پر وزیر اسمبلی سر غلام حسین نے بہت اہم رول ادا کیا تھا، آپ ہی نے فتح لوہاری کی خبر بذریعہ تار کے ذریعہ والی حجاز شاہ ابن سعود کو دی شاہ

اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور شاہی خزانہ سے پانی سیتہ گرہ لوہاری کو ایک مخصوص شاہی جبہ سے نوازا جو حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم بچھی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہ شاہی جبہ آج بھی حضرت مولانا کے نواسے مولانا ابوبکر فشکرادی کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ڈوبج کا مناظرہ تعلقہ مٹھی ضلع تھر پارکر مولوی محمد علی جونیجو کے خلاف ہوا تھا۔ فریقین میں کشمکش کے بعد یہ طے پایا کہ دونوں فریق اپنے اپنے علماء کو بلائیں۔ اہلحدیثوں نے مولانا عبدالرحیم، مولوی محمد عمر جونیجو، ڈیپلائی عبدالعزیز عرب صاحب کو بلایا اور مخالف گروپ نے پیر غلام مجدد تسکار پوری۔ مولوی ملا کا تیار موڈیز اسٹیٹ مولوی عبدالغفور رکنزی کو بلایا اور مناظرہ کی تاریخیں ۱۴،۱۵،۱۶ / ۱۹۴۳ء قرار پائیں۔ اور تین عنوان بحث کے لیے متعین ہوئے (۱) حیاۃ النبی (۲) تقلید (۳) استعانت۔ اس مناظرے نے پورے سندھ کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس کے بعد پھر کسی مخالف نے سر تک نہیں اٹھایا۔ اس مباحثے کا پورا حال سندھی زبان میں ایک رسالہ کی شکل میں بنام "اظہار الحق" شائع ہو چکا ہے، جو پڑھنے والوں کو آج بھی نورِ ہدایت سے منور کرتا ہے۔

حضرتُ مولانا کے رفقاء وشاگرد :

مولانا کو درس وتدریس کا بہت کم وقت ملا۔ فراغت کے بعد عمر کا بیشتر حصہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں گزارا۔ سرحد کچھ وسندھ کے مختلف علاقوں میں جا جا کر شرک وبدعت کے قلعوں اور کمین گاہوں کی بیخ کنی فرمائی۔

مولانا کی اس دینی مخلصانہ دعوت اور جد وجہد سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کی معاونت کے لیے کچھ وسندھ میں ایک ایسا پاکیزہ ومخلص گروہ پیدا کر دیا، جس نے ہر دم ہر حیثیت سے مولانا کا تعاون کیا اور اپنی پوری توانائیوں کو مولانا کے اس دینی مشن کے لیے وقف کر دیا۔ سندھ پاکستان میں مولوی خیر محمد نظامانی نے اپنا ماہنامہ رسالہ مولانا کی تقاریر و روداد شائع کرنے کے لیے وقف کر دیا، جو مستقل مولانا ہی کی مشنری کو ہی شائع کرتا رہا اسی طرح سندھ پاکستان میں مولانا کے رفیق خاص، عزیز دوست، مولانا حاجی احمد اللہ مرحوم نے اپنی ولولہ انگیز، پُر جوش، ملوحانہ سندھی شاعری سے سندھ و سرحد کچھ میں کتاب وسنت کا صور پھونک دیا تھا۔ ہر بچہ، بوڑھے، جوان، مرد، عورت کی زبان سے سندھی شاعری میں کتاب وسنت کے ترانے رواں تھے۔ مداح کی کتابیں، ہکڑائی حق، گلشن احمد، گلزار احمد، غزلیات احمد، فتح حج لوہاری وغیرہ۔ یہ وہ روشن مینار اور کتاب وسنت کے جیتے جاگتے چراغ ہیں جن کو آج تک سرحد کچھ وسندھ میں بڑی عقیدت سے پڑھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہزار ہا لوگوں نے

مداح کی اس موحدانہ اور پر جلال خطیبانہ شاعری ہی سے راہِ مستقیم کو پالیا۔ مداح کی شاعری کی یہ خاص خوبی ہے کہ وہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے مخاطب کی کمزوریوں پر طنزیہ انداز میں ایسے تیر ونشتر برساتے ہیں کہ مخالف کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی سے نادم ہوکر راہِ مستقیم کا متلاشی ہوجاتا ہے۔ اسکے علاوہ مداح کا عظیم کارنامہ سندھی زبان کے لیے کتاب اللہ کا منظوم سندھی زبان میں ترجمہ ہے۔ مداح نے سندھی زبان پر وہ جلیل وموقر احسان کیا ہے جس کو سندھ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور مداح کی یہ عظمت تاریخ سندھ میں ہمیشہ امر رہے گی۔ اسی طرح ہندوستان میں کھاڑوا پچھم خطہ میں صاحب ستارؒ، سلیمان ستار، منٹھار، میگھراج کھرڑے، حاجی سلیمان کھرڑے کھتری مولوی محمد طیب وغیرہ جیسے رئیس القوم مولانا کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے، جنھوں نے تبلیغ کے میدان سے لے کر عدالت وکچہریوں تک مولانا کا ساتھ دیا۔ مذکورہ شخصیتوں میں سے مولوی محمد طیب صاحب کی شخصیت جو مولانا کے خاص شاگردِ رشید تھے، بہت بلند تھی۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد کھتری صاحب اپنے علاقہ پچھم کھاڑوا کے امام وقاضی تھے۔ سیاست وقانون میں آپ کا اہل رائے میں شمار ہوتا تھا۔ تقویٰ وپرہیزگاری میں اپنے وقت کے ولی اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے سلسلہ میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ شہر کھاڑوا کی کچھ غیر مسلم دوشیزائیں شام جنگل کی طرف رفع حاجت کی غرض سے گئی ہوئی تھیں۔ چلتے چلتے اس جھرمٹ میں سے کسی نے کہا کہ ارے کوئی آدمی آرہا ہے۔ سنتے ہی سب گھبرا گئیں تھوڑی دیر کے بعد انھی میں سے کسی نے بہت ہی بھولے اور معصوم انداز میں کہا۔" اری وہ تو مولوی طیب کھتری ہیں" یعنی ان کو آپ کے تقویٰ وپرہیزگاری پر اتنا یقین وبھروسہ تھا کہ غیر ارادی طور پر مولوی صاحب کو موجودہ دور کے درندہ صفت انسانوں کی صف سے خارج کردیا۔ یہ مولوی صاحب کے تقویٰ وپرہیزگاری کا معمولی سا اثر تھا جس نے غیر مسلموں کے دلوں میں بھی اتنا اعلیٰ مقام پیدا کردیا تھا۔ بنی علاقہ میں متوا حافظ مصریؒ راقم الحروف کے نانا تھے۔ جو مردِ مجاہد مولانا کی آواز پر لبیک کہہ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ حافظ صاحب اپنے علاقہ کے رئیس اور بااثر انسان تھے، جن کا تقویٰ وپرہیزگاری ایک مثالی چیز تھی۔ علمی اعتبار سے اپنی قوم متوا کے قاضی ومفتی تھے۔ حافظ تو اتنا بلا کا پایا تھا کہ جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو معلوم ہوتا کہ تاریخ امم وسیاسیات ودینی مسائل کا ایک رواں چشمہ جاری ہے۔ یہ مضمون جو پیشِ نظر ہے یہ بھی حافظ صاحب کا رہین منت ہے۔ انھوں نے سندھی زبان میں اس موضوع پہ کچھ خاص مواد محفوظ رکھا تھا، اس مضمون کی ترتیب میں اسی سے فیض حاصل کیا گیا ہے اب بھی کئی افراد بحیات ہیں جنھوں نے مولانا سے کسب فیض کیا۔ یہ حضرات آج بھی قوم وملت کے لیے ایک

روشن منارۂ نور کا کام دے رہے ہیں۔ مثلاً ہوئیلہ کچھیم میں امیر جماعت الحدیث مولوی عبداللہؒ، بھڑے ڈنارا کچھیم میں محترمہ ادب خاتون کریمہ بہن، گھوریوالی بنی میں منتوا حاجی، دلیل خان اور منتوا حافظ مولوی محمد قاسم صاحب شہر بھوج میں حضرت مولانا یوسف مسہتہ اور سیٹھ بجو میر وغیرہ۔ یہ وہ ارکان و ستون ہیں، جن کو علاقہ کچھ میں جماعت اہلحدیث کے لیے محوری و مرکزی حیثیت حاصل ہے بلکہ علاقہ کچھ میں جتنے سماجی سیاسی اور دینی کام چل رہے ہیں، یہ سب ان بزرگوں کے مرہونِ منت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کا سایہ ہماری قوم کے لیے دراز فرمائے۔ آمین

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔

• • •

آہ! منتوا حاجی دلیل خان مرحوم

فما کان قیسٌ هلکه هلك واحد۔ ولکنه بنیان قوم تهدّ ما۔

دنیا میں ان گنت انسان پیدا ہوئے اور اپنے زمانے کے آسمانِ ترقی کے چاند سورج بن کے چمکے، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہوگئے۔ بقاء و دوام صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہے۔ سچ ہے کل من علیها فان و یبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔

ابھی علاقہ کچھ کی جماعت اہلحدیث، جناب مولوی عبداللہ مرحوم کے سانحۂ ارتحال سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس علاقہ کی ایک عظیم شخصیت الحاج دلیل خان منتوا۔ طویل علالت کے بعد۔ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۸۵ء بروز جمعہ دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی وفات کی خبر قرب وجوار کے اکثر دیہات میں آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پورا علاقہ غم سے نڈھال ہوگیا۔ ہر طرف سے لوگ جنازہ میں شرکت کے لیے آنا شروع ہوگئے۔ بعد نماز جمعہ مرحوم کی نماز ادا کی گئی، جس میں آس پاس کے ۹ گاؤں کے احباب جماعت کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اس سے

ؒ افسوس کہ امیر جماعت مولانا عبداللہ صاحب گزشتہ سال انتقال فرماگئے۔ (محمد یوسف)

پہلے اتنا بڑا مجمع شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا تھا۔ اور ایک انبوہ کثیر کی موجودگی میں تقریباً دن کے پونے تین بجے مرحوم کو سپرد خاک کردیا گیا۔

مرحوم کے انتقال پر ملال سے علاقہ کچھ (گجرات) کو جو زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ اس کی تلافی ناممکن ہے۔ مرحوم جماعت اہلحدیث (کچھ) کے سرگرم کارکن، بہت بڑے مخیر، علم دین کی ترویج و ترقی کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرنے والے اور ملت اسلامیہ کے لیے ایک دردمند دل رکھنے والے انسان تھے۔ ان کا پیسہ اور ان کی کوششیں ہمیشہ دینی کاموں کے لیے وقف رہا کرتی تھیں۔ کیا عرض کیا جائے کہ کیا کیا تھے۔ غرضکہ بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ ایسے اوصاف والے بہت کم ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ؎ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرحوم نے جہاں دیگر بہت سے دینی اور ملی کارنامے سرانجام دیے۔ وہیں ایک مدرسہ بھی یادگار چھوڑا ہے، جو ان کے لیے باقیات صالحات میں سے ہے۔ آج سے کم و بیش (۴۵) پینتالیس سال پہلے مرحوم نے اپنے گاؤں، گھوریوالی، بنی میں اس مدرسہ کو ایک مکتب کی شکل میں قائم کیا تھا۔ جو چند ہی سالوں کے بعد ان کی انتھک محنت و کوشش کی بدولت ایک مدرسہ کی شکل اختیار کرگیا۔ جس میں اطراف و اکناف کے طلبہ کو عربی، فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے اور داخل شدہ بچوں کے خورد و نوش نیز رہائش کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے۔ یہ مدرسہ آج بھی، جامعہ سلفیہ کے نام سے جاری و ساری ہے اور یہ اس علاقہ کی واحد دینی درس گاہ ہے جو اس پسماندہ علاقہ کو علم کی شمع سے روشن کیے ہوئے ہے جہاں کافی تعداد میں طالبان علوم نبوت آکر اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ مرحوم تاحیات اور آخر دم تک اس ادارہ کے مہتمم و سرپرست رہے۔ اور ہمیشہ اس ادارہ کی مزید ترقی و عروج کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

اللہ العالمین سے ہماری تہ دل سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال مرحوم کی خطاؤں کو معاف فرمائے، ان کی مغفرت کرے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ نیز ہم پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے آمین ثم آمین۔

آخر میں تمام احباب جماعت سے مرحوم کے لیے دعاء مغفرت اور نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

غمزدہ:۔ امان اللہ سلفی

ناظم:۔ جامعہ سلفیہ گھوریوالی (بنی) بھوج کچھ گجرات۔

مسلمانانِ ہند بنام سپریم کورٹ

ملک کی عدلیہ اور سیکولر حکومت نے مسلمانوں اور ان کے پرسنل لار کے متعلق جو منفی اور خوفناک رویہ اپنایا ہے اس سے نہ صرف دین متین کے بعض جزوی مسائل اور معاملات کو متاثر کیا ہے بلکہ اس سے ساری ملت اور مسلم پرسنل لار کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا ہے۔

اس سلسلہ میں مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۸۵ء کو رات نو بجے تحریک شبان المسلمین مئو کی جانب سے مسلم انٹر کالج کے وسیع و عریض صحن میں ایک عظیم الشان جلسہ عام ہوا جس میں پندرہ ہزار سے زائد افراد نے حصہ لیا اور علمائے کرام و مفتیان عظام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں سپریم کورٹ کے مقدمہ شاہ بانو بنام محمد احمد خاں کے فیصلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔

صدر جلسہ حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے کہا کہ آزادی کے بعد سے آج تک ملت اسلامیہ ہند نے اپنے اوپر ہونے والے طرح طرح کے حملوں کے سلسلہ میں مدافعانہ رخ اپنایا ہے۔ لیکن اب حالات اس بات کے متقاضی ہوتے جا رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ براہ راست موثر اقدام کرے۔ جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو کے مفتی و شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض الرحمٰن صاحب فیض نے حکومت اور اس کے اہلکاروں کو خبردار کیا کہ وہ ذاتی اور پارٹی مفاد کے لیے دین میں مداخلت فوراً بند کر دیں اور ایک نیا درد سر مول نہ لیں، ہم اس صورتحال کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مفتی مدرسہ دار العلوم مئو حضرت مولانا انور علی صاحب نے مطلقہ عورت کے نان و نفقہ سے متعلق شرعی نکات پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جب قانون شریعت میں علمائے اسلام کو بھی کسی ترمیم و تبدیلی کا حق حاصل نہیں تو پھر کسی اور کو مداخلت کا کیا حق ہے؟ انھوں نے مزید کہا کہ ہمارا شرعی قانون اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے لہٰذا حکومت ہمارے شرعی قوانین کو کورٹوں میں چیلنج کرنے کے خلاف کوئی موثر اقدام کرے۔ اجلاس عام میں متفقہ طور پر دو تجویزیں پاس کی گئیں:۔

(۱) حکومت آرٹیکل ۴۴ کو ختم کرے (۲) حکومت مسلم پرسنل لار کا تحفظ یقینی بنائے۔

محمد اسماعیل انصاری
شبان المسلمین مئوناتھ بھنجن

اختر کاشمیری

کیا انقلابِ ایران ایک صیہونی انقلاب ہے؟

الاعتصام لاہور ۱۲ / شوال ۱۴۰۵ھ نے اس مضمون کو حسب ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیا ہے :
محترم اختر کاشمیری منجھے ہوئے صحافی اور دین پسند ادیب ہیں۔ دسمبر ۱۹۸۲ء میں ان کو ایران کے دورے کی دعوت دی گئی تھی واپس پر آپ نے اپنے مشاہدات کو "آتشکدۂ ایران" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ ایک صاحب نے اس کتاب کے چند اقتباسات اشاعت کے لیے روانہ فرمائے ہیں، جو قارئین کی معلومات میں اضافے کے لیے پیش کیے جارہے ہیں۔ (ادارہ)

یہ کہنا کہ انقلاب ایران ایک صیہونی انقلاب ہے، بظاہر ایک عجیب و غریب ناقابل یقین بات لگتی ہے۔ لیکن یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ یہ انقلاب سنی نہیں ہے۔ یہ خالصتہً شیعہ بھی نہیں ہے کیونکہ پاسداروں کے ہاتھ سے قتل ہونے والے مجاہدین خلق خود شیعہ ہیں۔ بنی صدر کی حمایت کے جرم میں گولی کھانے والے بھی شیعہ تھے۔ گو سُنی کردوں، بلوچیوں وغیرہ کو بھی بھاری تعداد میں شہید کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیت اللہ شریعت مداری خود بجرم "حق گوئی" کی سزا پا رہے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں، کیسے ہیں؟

ایک ایرانی بزرگ نے بڑی جرأت اور وضاحت کے ساتھ ایرانی انقلاب کے صیہونی انقلاب ہونے کے حسب ذیل دلائل دیئے ہیں جو کہ قابل توجہ ہیں۔

"ایران کے قائد انقلاب کے نام کو تمام انبیاء کے ناموں پر ترجیح دینا۔ خدا کے نام کے بعد صرف ان کا نام لینے کی تعلیم دینا، اقوالِ رسول اور اقوالِ امیر علیہ السلام کی جگہ قائدِ انقلاب لکھنا، پڑھنا، بولنا، سننا اور سنانا۔ کلمۂ اسلام کے دوسرے جزو کو مٹا کر پیغمبر اسلام کے نام نامی، اسم گرامی کی جگہ قائدِ انقلاب کا نام لینا اور اس طرح ایک نیا کلمۂ اسلام

وضع کرنا، اپنے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھنا، عالم اسلام کے موجودہ نقشے کو بدلنے کے لیے جدوجہد کرنا۔ کعبۃ اللہ پر قبضے کے لیے لوگوں کو تیار کرنا اور اس عمل کو جہاد کا نام دینا۔ تمام مسلم سربراہان حکومت کو کافر قرار دے کر ان کا تختہ الٹنے اور ان کی حکومتوں کو ختم کرنے کے لیے قوم کو آمادہ کرنا۔ مسجدوں میں کیمرے نصب کرنا، تصویریں اتارنا اور اتروانا۔ مسجدوں میں جوتوں سمیت جانا اور محراب مسجد میں تصویریں بنانا یا چسپاں کرنا۔ مسجدوں میں بیٹھ کر سگریٹ نوشی کرنا۔ شہیدوں کے قبرستان "بہشت زہرا" کو تصویروں سے ڈھانپ کر سٹوڈیو میں تبدیل کرنا۔ ہوٹلوں میں مردوں کے کمرے صاف کرنے اور بستر بچھانے پر عورتوں کو مامور کرنا۔ اپنے مخالفوں کو کافر کہہ کر ان کی قبریں اکھاڑنا اور لاشوں کو غیر مسلموں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ اختلاف رائے کا اظہار کرنے والوں کو متعدد مرحلے بغیر گولی مار دینا۔ نماز میں امام کا مقتدیوں سے الگ ہو کر مسلح افراد کی نگرانی میں قیام کرنا۔ امام کی حفاظت کرنے والوں کے اس عمل کو نماز کا بدل قرار دے کر ان کو نماز کے فرض سے سبکدوش کرنا۔ امام کا ایسے شخص کی آواز پر رکوع و سجود کرنا جو نماز میں شریک نہیں ہوتا۔ شہریوں کا رزق درباری مولویوں کے ہاتھ میں دے دینا۔ اشیاء ضرورت کی راشن بندی کر کے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بازاروں میں لانا اور قطاروں میں کھڑا کرنا۔ زنا جیسی قبیح بدکاری کو مذہبی تحفظ دینا۔ ولدیت کی جگہ اسم مادر کو لازم قرار دینا۔ کم سن اور معصوم بچوں کو قتل کرنا۔ جھوٹے الزامات اور تہمتیں تراش کر انسانوں کو زندگی سے محروم کرنا۔ نمازیوں کی جماعت پر صرف اس لیے گولی چلانا کہ وہ سرکاری مولوی کی اقتدا میں کیوں نہیں کھڑے ہوئے۔ آیت اللہ شریعت مدار جیسے امام برحق کو "منافق" کہہ کر نظر بند کرنا۔ قائد انقلاب کی تصویر کی پوجا کرنا۔ ان کے سامنے ان کے نام کا کلمہ پڑھنا۔ اگر یہ اسلام ہے تو تم بتاؤ "ھذا اسلام" کیا ہے؟ یہ اسلامی انقلاب ہے تو صیہونی انقلاب کیا ہوتا ہے؟

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ خمینی صاحب کے حکم پر ایران کے سابق صدر بنی صدر کے زمانہ میں ایران اور اسرائیل کے درمیان ایک انتہائی خفیہ معاہدہ ہوا جس کے تحت کافی عرصے سے ایران کی مسلح افواج کے لیے اسرائیلی اسلحہ، گولہ بارود اور فاضل پرزہ جات سپلائی کر رہا ہے۔ یہی اسلحہ اب عربوں کے خلاف ایران عراق جنگ میں استعمال ہو رہا ہے۔

ایران کے بعض حلقوں کو انقلابی حکومت کے انتہا پسندانہ مزاج، منتقمانہ اقدامات، مخصوص طرز کے انتظامات اور آمرانہ رنگ ڈھنگ کے پیچھے روس کا آہنی ہاتھ بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ حلقے ایران کے اسلامی انقلاب کو برملا

روسی انقلاب کہتے اور پاسداران انقلاب کی اٹھان، پرواز، تربیت اور وحشت و دہشت کو "اشبل وزہرات" کے روسی کیمپوں کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ انقلاب کے محسوس مظاہر سے استدلال کرتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ انقلاب ایران کا اندازِ نظم، طریقِ ضبط اور طرزِ رفتار کمیونسٹ انقلاب کے مشابہ ہے۔ خمینی کے اقوال کی تشہیر، تصویروں کا پھیلاؤ، مخالف قوتوں کا گھیراؤ، کتابوں اور کیسیٹوں کی بھرمار اور خود خمینی کا سیاہ و سفید کا مالک ہونا کمیونسٹ انقلاب کی علامت ہے۔ اس انقلاب کی منصوبہ بندی کمیونسٹ دماغ نے کی ہے، اور اس انقلاب کی گاڑی چلانے میں بھی کمیونسٹ دماغ کارفرما ہے۔

انقلابی حکومت کے روس سے خفیہ رشتے ہیں، اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب شاہِ ایران کے خلاف عوامی تحریک شروع ہوئی اور شاہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور پھر جب امام خمینی ایران میں داخل ہوتے ہیں تو استقبالیہ ہجوم میں لینن اور ٹراٹسکی کی کتابیں، مارکسی تعلیمات کی گائڈ بکس اور کمیونسٹ لیڈروں کی رنگا رنگ تصویریں تقسیم ہو رہی ہیں۔ امام خمینی یہ منظر دیکھتے ہیں لیکن اس "ترجمانِ الٰہی" استقبال کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہتے۔

گویا ان کے نزدیک یہ معمول کی کارروائی ہے۔ پھر جب خمینی صاحب ایران کا انتظام و انصرام سنبھال لیتے ہیں تو ۱۹ نومبر ۱۹۷۹ء کو جناب برژنیف کا یہ انتباہ نشر ہوتا ہے: "اگر امریکہ نے ایران میں کوئی مداخلت کی تو روس اس کارروائی کو اپنی سلامتی کے خلاف سمجھے گا۔"

دنیا میں آج تک جہاں کہیں اور جب کبھی اسلامی تحریک نے سر اٹھایا ہے، روس نے اس کی حوصلہ شکنی کی، اس کے خلاف محاذ قائم کرائے، اس کے قائدین کا تمسخر اڑایا۔ انہیں جاہل اور رجعت پسند قرار دیا۔ لیکن ایران کی مذہبی تحریک کی مخالفت کی گئی نہ اس کے خلاف کوئی محاذ قائم کیا گیا، اس تحریک کے قائدین کو رجعت پسند کہا گیا نہ ان کے خلاف روایتی تنگ نظری کا مظاہرہ ہوا۔ اس کے برعکس دنیا بھر کے کمیونسٹ اور روسی فلسفہ فکر کے پریس اور تنظیموں نے، انقلاب ایران کی بھرپور حمایت کی۔

کسی مذہبی تحریک کے بارے میں روس کے رویے میں اس طرز کی تبدیلی پہلی بار دیکھی گئی، اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایران کے انقلاب پر دنیا کو اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنی روس کے رویے میں آنے والے اس انقلاب پر ہوئی ہے۔ روس کے مزاج میں یہ حیرت انگیز انقلاب کیسے آیا۔ اس سوال کا جواب تاحال کسی نے نہیں دیا اس سوال کا جواب ہی وہ کلید ہے جس سے روس اور ایران کے رابطوں کا سراغ مل سکتا ہے۔

(باقی ص ۱۹ پر)

ہماری نظر میں

الجواہر العالیۃ فی بیان ان طلاق الثلاث تطلیقۃ واحدۃ

تالیف : مولانا ابوعبیدہ اعظمی ناشر : برکت اللہ ابوالقاسم، ڈاکخانہ اعلو، مبارکپور، اعظم گڈھ

قیمت : ۲ روپئے ۵۰ پیسے

ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہیں یا تین ؟ اس مسئلہ پر ہندوستان و پاکستان میں اہلحدیث اور احناف کے درمیان عرصہ سے اختلاف اور بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا آرہا ہے، پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مولف حنفی ہیں۔ موصوف نے تمام مسلمہ اصولوں اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہی ہیں، تین نہیں ہیں۔ اس بارے میں اہلحدیث کا موقف صحیح اور مدلل ہے، جبکہ احناف کا موقف کمزور، صحیح دلیل سے محروم اور واقعیت پسندی سے عاری ہے۔ موصوف نے قدم قدم پر خود حنفی علماء کی شہادتیں بھی پیش کی ہیں جو اتمام حجت کے لیے نہایت مناسب اسلوب ہے۔ رسالہ قابل دید ہے۔ نام عربی میں ہے مگر زبان اردو ہے۔

دونوں ہاتھ سے مصافحہ کی شرعی حیثیت :

تالیف : ابوالزبیر دردمند اعظمی ناشر : ادارۃ التبلیغ اعلو، مبارکپور ضلع اعظم گڈھ، یوپی

کتابت، معمولی۔ طباعت، گوارا قیمت : درج نہیں۔

حقانی صاحب نے مختلف مسائل کو بنیاد بنا کر اہلحدیثوں کے خلاف جو لایعنی ادھم بپا کر رکھی ہے وہ ہندوستان گیر پیمانے پر معلوم و معروف ہے۔ ان کی اسی قسم کی تحریروں کے ایک جارحانہ اور شرپسندانہ مجموعہ کا جائزہ مولانا حافظ عبدالمتین میمن حفظہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب حدیث خیر و شر میں لیا ہے اور اس ضمن میں مصافحہ کی بھی بحث تفصیل سے آئی ہے اس بحث سے چراغ پا ہو کر مولوی جمیل احمد نذیری مفتی جدید مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور نے ایک طویل بے تکا اور جارحانہ مضمون لکھ مارا۔ زیر تبصرہ کتابچہ میں اسی مضمون کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جو عالمانہ استدلال کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں دو ہاتھ سے

مصافحہ کے قائلین کے رہے سہے سہاروں کو بھی رخصت کر دیا گیا ہے، اور ان کی تاویل کے سارے تار و پود بکھیر دیے گئے ہیں۔ ضمناً متعدد لغوی اور فنی مباحث پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

مرقع تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ:

تصنیف: مصطفیٰ حسین منظر بلیسری صفحات: ۵۸۰ قیمت: چالیس روپئے علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ: مولس بکڈپو خسرو نگر قلعہ روڈ علیگڑھ یوپی انڈیا

اس کتاب میں ۱۸۵۷ء کے بعد کے ماحول میں ایک جامع اسلامی تعلیم گاہ کی ضرورت، پھر اس کے ذہنی اور عملی خاکوں سے لے کر درجہ بدرجہ مدرسۃ العلوم، ایم۔ اے او کالج اور پھر مسلم یونیورسٹی کے وجود میں آنے اور قدم بہ قدم ترقی اور وسعت اختیار کرتے ہوئے موجودہ مقام تک پہنچنے کی پوری تاریخ بڑی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ بیان کی گئی ہے، مسلم یونیورسٹی کے محسنوں، ذمہ داروں، زمینوں، کنوؤں، باغوں سڑکوں، عمارتوں، مزاروں، مسجدوں، تعلیمی شعبوں، کھیل کود کی تنظیموں، یونینوں، انتظامی محکموں، ایکٹوں اور ضابطوں وغیرہ وغیرہ کا بڑی تحقیق او ر دقت پسندی سے تعارف کرایا گیا ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی اس عظیم الشان یونیورسٹی کے پورے تاریخی مدوجزر کو اس محنت و جانفشانی اور عرق ریزی و دقت پسندی سے سپرد قلم کیا ہے کہ وہ سارے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور یونیورسٹی کے ذمہ داروں اور متعلقین کی طرف سے خصوصاً شکریہ اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ کتاب ہر اس شخص کے مطالعہ کی مستحق ہے جو مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے ملی مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے۔

دوسرا پہلو: کتاب کی زبان موضوع کے شایان شان نہیں اور کتابت اور املا کی بیحد غلطیاں ہیں، کمزور بندش اور غلط جملے بھی کثرت سے ہیں۔ ترتیب سخت انجھاؤ کا شکار ہے۔ باتیں مکرر لکھ دی گئی ہیں۔ جامعہ اردو کا ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے۔ آزاد ہندوستان میں یونیورسٹی کے ساتھ حکومت کا جو رویہ رہا، اس کا کردار بدلنے کی جو کوششیں ہوئیں اور مختلف شخصیتیں اس کے لیے جس طرح آلۂ کار بنیں وہ بھی تاریخ کا ایک ضروری باب ہے، جسے قلم بند ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال کتاب بیحد ضروری اور مفید ہے۔

اگر آئندہ کوئی صاحب نظر اس پر نظر ثانی فرمادیں تو اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ جائے گا۔

●●●

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ

محدث
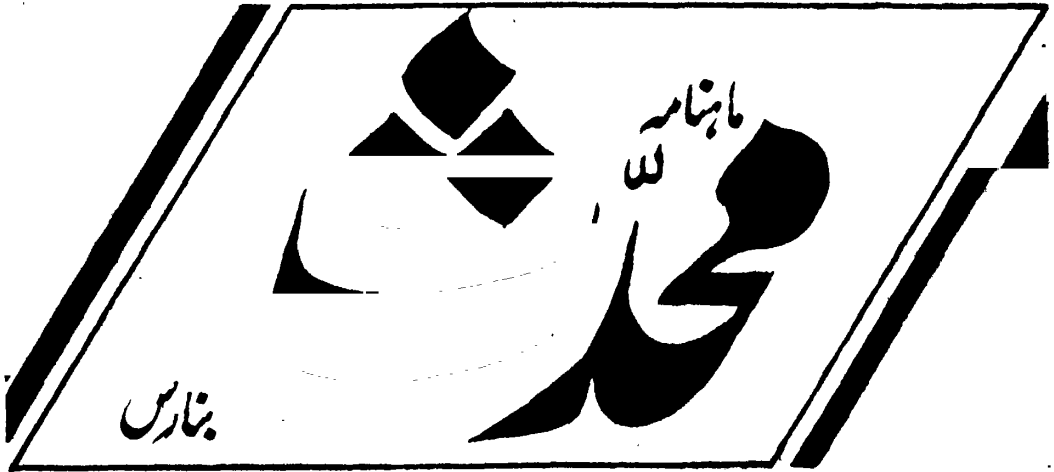
بنارس

شمارہ: ۹ • ستمبر ۱۹۸۵ء • ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ • جلد: ۴

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

ترئین وکتابت: انور جلال

بدلِ اشتراک

سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

• پتہ •

خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدلِ اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010

ٹیلی گرام: دارالعلوم، وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

نعت

فضا ابن فیضی

کوئی بھی نقشِ ہنر اس قدر نہ تھا روشن	عرب عجم تری تعلیم سے ہوا روشن

دھواں دھواں تھا یہاں ہر چراغ تیرے بغیر	نہ آرزو تھی شگفتہ نہ مدعا روشن

کہاں تھی کون دکاں میں یہ آب و تابِ وجود	جو تو ملا تو ہوا ذہن میں خدا روشن

تو انتخاب تمام انبیائے مرسل کا	تری خبر سے ہے ہر ایک مبتدا روشن

یہ حسنِ اسوۂ حسنہ، یہ روشنائی قدس	طرف طرف ہے صد آئینۂ حرا روشن

گلاب چہرے میں جنت کی زر فشاں صبحیں	کشادہ ماتھے پہ جبریل کی دعا روشن

اک افتخارِ رسالت، چمن چمن گلبار	اک آفتابِ ہدایت، گھٹا گھٹا روشن

قدم قدم ہے جہانِ خود آگہی کا سراغ	نظر نظر ہے دریچہ شعور کا روشن

ترے پیامِ مقدس کی یہ ہمہ گیری	اسی ہنر سے ہے محرابِ ارتقا روشن

ترے وجود کا یہ عشوۂ حکیمانہ	معاشرے سے ہے مذہب کا رابطہ روشن

تری نگہ گرہِ نکتۂ ازل کی کشود	ترے قدم سے خیابانِ دوسرا روشن

اب اور کیا کہوں، عالم جو تھا "شبِ اسریٰ"	ضمیرِ عرش تپاں، چشمِ کبریا روشن

عمر نے پھینک دی تلوار کلمہ پڑھتے ہوئے	ہوا کچھ اور بھی قرآں کا معجزا روشن

ترا سلوک ہے "خلقِ عظیم" کی تشریح	ترے خلوص سے ہے آیۂ وفا روشن

بیاضِ آیت و ایماں، سوادِ جاں تجھ سے
ترے نفس سے ہوا سینۂ فضاؔ روشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنگ نظر، تنگ دِل

اگر آپ انسانوں کے خود ساختہ قوانین وضوابط کا تقابل خدائی قوانین سے کیجیے اور ذرا زیادہ وقت لگا کے ساتھ دونوں کے اثرات ونتائج کا جائزہ لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ انسانی قوانین عموماً بے اعتدالی اور عدم توازن کا شکار ہیں ان میں افراط وتفریط کی خاصی گرم بازاری ہے۔ قانون سازی میں کوئی ایک یا چند پہلو مدِنظر رکھے گئے ہیں تو دوسرے بہت سے پہلو نگاہوں سے اوجھل ہوگئے ہیں اور بہت بڑی بڑی اور وسیع الاطراف حقیقتوں کے بہت ہی محدود اجزاء کو دیکھ کر قوانین بنا ڈالے گئے ہیں، اس کے برعکس خدائی قوانین انتہائی مکمل اور جامع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس معاملے سے متعلق جو قانون دیا ہے وہ اس قدر معتدل اور جامع ہے کہ اس معاملے کے اطراف وجوانب، اسباب وعلل اور اثرات ونتائج کا جس قدر وسعت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیجیے اس قانون کی معجزانہ معقولیت اسی قدر قوت وشدت کے ساتھ اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ علیم وخبیر ہے، وہ انسان کی ضروریات، اس کے مزاج، اس کے ظاہری وباطنی احساسات وجذبات، طبعی رجحانات، وجدان وشعور، تحت الشعور ولاشعور، اعصابی عمل وردِعمل، فطرت کے شعوری وغیر شعوری تقاضے، غرض ہر ہر گوشے کے ہر ہر ذرے کی خبر رکھتا ہے۔ پھر اسے یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کے لیے ان ضروریات کے جواب میں کیا کچھ مفید ہے اور کیا کچھ مُضر؟ کون کون سی چیزیں اور کیا کیا طریقۂ عمل اس کی نوع بہ نوع صلاحیتوں اور اجتماعی وانفرادی سعادتوں سے ہم آہنگ اور ان کی تعمیر وترقی میں معاون ہیں، اور کن کن باتوں اور کن کن طریقوں سے اس کی صلاحیتیں اور سعادتیں انتشار وبدنظمی اور تباہی وبربادی کا شکار ہوتی ہیں اور بظاہر ایک چھوٹی سی بے اعتدالی کی زد اس کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے کن کن دائروں پر پڑتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے کتنے دور رس اثر

دردناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس انسان کی معلومات کا دائرہ محدود ہے، وہ انسانی مزاج کے چند حقائق اور خصوصیات جاننے اور سمجھنے کے لیے وسیع تجربات کا محتاج ہے۔ پھر ان باتوں سے واقفیت کے بعد ان کا جو حل وہ اپنی ذہنی اور فکری کاوش کی بنیاد پر دریافت کرتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ صحیح بھی ہو، بلکہ عین ممکن ہے کہ شخصی افتادِ طبع، گردوپیش کے ماحول اور ناہموار موروثی رسم و رواج نے اسے غلط رخ دے دیا ہو۔ یا کم از کم فکر و نظر کی محدودیت کی وجہ سے اس میں جامعیت اور ہمہ گیری نہ آسکی ہو۔ چنانچہ بہت سے ایسے قوانین ہیں، جنھیں انسان نے اپنی دریافت کے آغاز میں نہایت اعلیٰ جامع اور ناقابلِ چیلنج تصور کیا، لیکن صدیوں کے تجربات نے اسے ناکارہ اور غیر مفید ثابت کر دیا۔

نکاح و طلاق کے قوانین و ضوابط بھی کچھ اسی قسم کے ہیں، بہت سے ممالک میں جہاں خدائی قانون کو درخورِ تسلیم نہیں کیا گیا ہے، نکاح و طلاق کے مختلف قوانین کا ڈھائی تین صدیوں سے تجربہ کیا جارہا ہے، مگر حالت یہ ہے کہ مشکلات اور بیماریاں تو سامنے ہیں لیکن ان کا جو قانونی حل اور علاج تجویز کیا جاتا ہے وہ علاج کے بجائے مزید بیماری کا سبب بن جاتا ہے۔ اس حل اور علاج کے ذریعہ انتشار و تباہی کا ایک سوراخ بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو دوسرے کئی سوراخ پھوٹ پڑتے ہیں، اور کسی طرح الجھی ہوئی رسی کا سرا ہاتھ نہیں آتا۔

ہمارے ملک میں اکثریتی طبقہ کی عورتوں کی مظلومیت و محرومی اور ان کے انسانی بلکہ حیوانی حقوق تک کی پامالی کی جو روایت پندرہ بیس صدیوں سے چلی آرہی تھی، موجودہ دور میں اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ کیونکہ اب دنیا سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹا سا جزیرہ بن گئی ہے، اور کوئی چیز درونِ خانہ نہیں رہ گئی ہے۔ پھر ہر طرف حقوقِ انسانی اور حقوقِ نسوانی کا شور و غلغلہ برپا ہے، اس لیے شرما حضوری میں کچھ نہ کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا قدیم روایت کے برخلاف سرکاری قانون میں شوہر اور بیوی کے درمیان علیحدگی کو جائز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ابھرنے والے نو بہ نو مسائل و معاملات کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر خبط کا عالم یہ ہے کہ نہ مقصد کا کوئی واضح تصور ہے، نہ طریقۂ کار میں اعتدال و توازن، نہ انسان کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور گھر بھر کا کوئی لحاظ ہے نہ نتائج و عواقب پر کوئی نظر۔ نہ حالات کا کوئی جامع مطالعہ ہے نہ عدل و انصاف کے تقاضوں کی کوئی رعایت، بس بعض انفرادی، جزوی اور اتفاقی واقعات پر نظر پڑی، کچھ جھوٹے اور غلط پروپیگنڈے سے کچھ بےتکی عصبیت کے جذبات نے انگڑائی لی اور جھٹ ایک بے ڈھنگا اور الجھا ہوا قانون صادر فرما دیا گیا۔ اور

یہ نہ دیکھا گیا کہ یہ معاملہ کتنا مہتم بالشان، وسیع الاطراف اور دقت نظر کا طالب ہے۔ بلکہ یہ ستم ظریفی بھی روا رکھی گئی کہ اپنا الجھاؤ دور کرنے کے بجائے مسلمانوں کو بھی انھی کانٹوں پر گھسیٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اپنی آنکھوں کا شہتیر دیکھنے کے بجائے خدائی قانون میں کیڑے نکالے جا رہے ہیں۔

ابھی حال ہی میں ملک کی "سب سے اونچی اور تنقید سے بالاتر" عدالت نے مشہور مقدمہ شاہ بانو بنام محمد احمد خاں میں طلاق یافتہ عورت کو تا عقدِ ثانی ورنہ تا حیات نفقہ دلانے کا جو فیصلہ صادر کیا ہے وہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، حالانکہ اس قانون کی نامعقولیت اتنی واضح ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اسے بآسانی محسوس کر سکتا ہے۔ میں اس سلسلے کی تمام جزئیات کا دقت پسندانہ تجزیہ پیش کرنے کے بجائے دو ایک موٹی اور عام فہم خرابیوں کی نشاندہی کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ معلوم ہے کہ مرد کو عورت سے ایک مخصوص تمتع حاصل ہے۔ اور جب سے تمتع حاصل کرنے کا حق اسے ملتا ہے، تبھی سے اس پر عورت کے خرچ کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ ادھر عورت اور مرد کے تعلقات بعض اوقات اتنے زیادہ ناہموار ہو جاتے ہیں کہ دونوں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں زیادتی کبھی مرد کی طرف سے ہوتی ہے، کبھی عورت کی طرف سے اور کبھی دونوں کی طرف سے۔ اور اس کے نتیجے میں طلاق اور علیحدگی کی نوبت آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد دوبارہ دونوں کے یکجا ہونے کی گنجائش نہ رہ جائے تو آخر کس منطق کی بنا پر شوہر کو اس کی سابقہ بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا؟ جبکہ عورت سے حاصل ہونے والے جس فائدے کے بدلے شوہر اس کو خرچ دے رہا تھا، اس فائدے کی جڑ ہی کٹ چکی ہے۔ لہٰذا یہ صراحۃً غیر معقول بات ہے کہ علیحدگی کی تکمیل اور تمتع کے ختم ہو جانے کے بعد بھی شوہر پر عورت کے خرچ کا بوجھ لادا جائے۔

اس غیر معقولیت کے علاوہ اس میں ایک کھلی ہوئی خرابی یہ بھی ہے کہ اگر عورت سے ہر طرح زچ اور تنگ آ جانے کے باوجود طلاق دینے کی صورت میں شوہر کے سامنے یہ دشواری ہو کہ اسے زندگی بھر اپنی بے وفا عورت کے خرچ کا بوجھ اٹھانا ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شوہر طلاق دینے کے بجائے ایک بوتل مٹی کا تیل اور ماچس کی ایک تیلی کے ذریعہ یا کسی چوہا مار زہر کے ذریعہ اس عورت کا چراغِ حیات ہی گل کر دے گا۔ اور عورت کے ساتھ ساتھ اس کے اس غیر ضروری بوجھ سے بھی چھٹکارا حاصل کرے گا۔ یاد رہے کہ یہ کوئی خیالی بات نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک کی اکثریت جو اب تک طلاق نہ دینے کے اصول پر کاربند ہے، اس کے سماج میں عورتوں کو زندہ جلانے کے جو واقعات روزمرہ پیش آ رہے ہیں وہ اس کا کھلا ہوا عملی ثبوت ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور بھیانک صورتحال بھی پیش آسکتی ہے اور آئے گی ۔ اس طرح کی خبریں تو روزانہ ہی اخباروں کی زینت بن رہی ہیں کہ کسی عورت نے اپنے آشناؤں کے ذریعہ اپنے شوہر کو قتل کرادیا ، یا پٹوادیا ، یا اپنے شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی ۔ فرض کیجیے کہ کسی شوہر کو اپنی عورت کی بدچلنی کا پتہ چلے تو آخر وہ کیا کرے ؟ اگر عورت کو قتل کردے تو یہ جرم عظیم ہے ، صبر کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ۔ اور طلاق دیدے تو سپریم کورٹ سے فیصلہ صادر ہوگا کہ اس عورت کو زندگی بھر خرچہ دو تاکہ یہ عورت فکر معاش سے بے نیاز ہو کر اپنے یاروں اور دوستوں کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرے ۔ فرمایئے اس طرح کسی سماج کا ڈھانچہ قائم رہ سکتا ہے ؟ افسوس ہے کہ اونچے ایوانوں میں بیٹھنے والوں کی نگاہیں اس قدر پست اور محدود ہیں ۔ ع

نگہ کی تنگ دامانی سے فریاد

پھر مسلمانوں کے لحاظ سے یہ مسئلہ ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہے ۔ ملک کا آئین سیکولر ہے ۔ جس میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے ۔ پھر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ اگر اکثریت یا اکثریت کا ایک طبقہ اپنے لیے کوئی ضابطہ و قانون پسند کرتا ہے تو دل کھول کر اس پر عمل کرے ، اور اس کے اچھے اور برے نتائج کو وہ خود بھگتے ، لیکن جب اقلیت نے اپنے مذہب کی بنیاد پر اپنی ایک دوسری راہ مقرر کرلی ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ — بقول ایک ممبر پارلیمنٹ ، دستور اور قرآن کے احکام میں جوڑ توڑ کر کے — اس پر اکثریت کی ، بلکہ چند نامعقول دانشوروں کی مرضی ٹھونسنے کی کوشش کی جائے ۔ یہ تو صد درجہ تنگ دلی کی علامت ہے کہ اقلیت کا مذہب خود اقلیت کے حق میں بھی برداشت نہ کیا جائے ، اس تنگ دلی کا مظاہرہ اگست کے اوائل میں اس وقت بھی کھل کر ہوا جب پارلیمنٹ کے اندر یہ مسئلہ زیر بحث آیا ، چنانچہ پارلیمنٹ کے تمام مسلم ممبران نے خواہ وہ کانگریسی رہے ہوں یا غیر کانگریسی ، مرد رہے ہوں یا عورت ، متفقہ طور پر ، بیک آواز یہ کہا کہ ہمارے لیے وہی فیصلہ اور قانون لائق عمل اور قابل قبول ہے جو قرآن اور اسلامی شریعت نے ہمیں دیا ہے ، ہم اس کے بدلے کوئی دوسرا فیصلہ اور قانون ماننے کے لیے تیار نہیں ، مگر غیر مسلم ممبران کو (جنھیں ہماری شریعت کے اس قانون سے نہ کوئی مطلب ہے اور نہ ان کو اس پر عمل کرنا ہے ۔) اس پر طرح طرح کے اعتراضات تھے ، فرمایئے اس تنگ دلی اور ستم ظریفی کی بھی کوئی نظیر ہوسکتی ہے ۔

آیئے ذرا ان عقلمندوں کے عقل و ہوش کا بھی ایک تماشہ دیکھ لیا جائے ۔ مباحثے کے دوران ایک غیر مسلم خاتون

ممبر پارلیمنٹ نے ایک دلچسپ بات کہی ۔ انھوں نے نفقہ مطلقہ کے اسلامی قانون پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا "یہ قانون عورتوں پر مردوں کے غلبے کی یادگار یا علامت ہے ۔" یعنی موصوفہ کے نقطۂ نظر سے اب مرد کو عورت پر غلبہ حاصل نہیں رہنا چاہیے ، بلکہ دونوں کی حیثیت مساوی رہنی چاہیے ، یا شاید عورت کو مرد پر غلبہ حاصل ہونا چاہیے ارشاد تو بہت خوب ہے ، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں برابر ہیں تو محترمہ کس منطق کی بنیاد پر اس بات کی وکالت کر رہی ہیں کہ مرد سے عورت کا خرچہ دلایا جائے ۔ محترمہ کو تو یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ چونکہ مرد اور عورت دو برابر ہیں ، اس لیے کیا طلاق سے پہلے اور کیا طلاق کے بعد ، ہر حالت میں مرد اپنے خرچ کا ذمہ دار ہے اور عورت اپنے خرچ کی ذمہ دار ہے ۔ اور اگر محترمہ یہ چاہتی ہیں کہ عورتوں کو مردوں پر غلبہ حاصل رہے تو پھر بالعکس یہ قانون پاس کروانا چاہیے کہ عورت ہی مرد کا خرچہ دے ۔ ان محترمہ کا ارشاد سن کر ایمان لانا پڑتا ہے کہ عورتیں خواہ کتنے ہی بلند و بالا ایوان میں پہنچ جائیں وہ بہر حال ناقص العقل ہی رہتی ہیں ۔ بلکہ جن مردوں پر ان کی ہمنوائی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے ، ان کی عقلیں بھی نقص کا شکار ہو جاتی ہیں ۔ کاش ہمارے ملک کے نظم سیاست کے ذمہ دار اس قسم کے تماشوں میں اپنی صلاحیت برباد کرنے کے بجائے ملک کی تعمیر و ترقی کے میدان میں اپنا فرض سمجھنے اور بجالانے کی کوشش کرتے ۔ اللہ ان کو ہدایت دے اور ہمیں اسلام پر استقامت کی توفیق بخشے ۔

ایک ضروری اعلان

جناب محمد سعادت خان صاحب محبوب نگری کا مقامی جمعیۃ اہلحدیث محبوب نگر سے تعلق نہیں رہا ہے ، لہذا انھیں جماعتی معاملہ میں کسی قسم کا مالی تعاون نہ دیا جائے ۔

فضل الحق ناظم جمعیۃ اہلحدیث محبوب نگر

۳۰ راگست ۱۹۸۵ء

صوفی نذیر احمد کاشمیری

اِنسان کے لیے مطابقت کے تین رُخ

(۱) دہریانہ نقطۂ نگاہ (۲) مشرکانہ نقطۂ نگاہ (۳) مومنانہ نقطۂ نگاہ

(۱) انسان کے لیے جو مادی کائنات اوڑھنا بچھونا بنی ہوئی ہے، اس کے ساتھ انسان کی مطابقت اسے مادہ پرست بنا دیتی ہے۔ چونکہ مادہ حس اور شعور دونوں سے محروم ہے لہٰذا اس سے مطابقت انسان کو بے حسی اور لاشعوریت کی طرف لے جاتی ہے اور وہ مکمل دہریہ ہو جاتا ہے۔ وہ مستقبل میں کسی حیاتِ باقی کا کوئی احساس نہیں رکھتا، یہ ہے مادہ پرستوں کا مذہب۔

(۲) حیواتی ماحول سے مطابقت :۔ انسان کے لیے مطابقت کا دوسرا پہلو حیوانی یعنی حیاتی ماحول ہے۔ اس سے مطابقت کی کوشش انسان کو ہندوؤں کی طرح تناسخ کا قائل کر دیتی ہے، جہاں صرف مفید و مضر کا شعور کام کرتا ہے۔ اس کے قائل انسان و حیوان میں ایک ہی جیسی روح کے قائل ہیں، جو مفید کو اپناتی ہے اور مضر سے بچتی ہے۔ یہ مطابقت کا دوسرا پہلو ہے۔ یہ کسی نہ کسی حد تک عاقبت کا تصور رکھتا ہے، مگر اس عاقبت کے حصول کے لیے وہ کم از کم ۸۴ کروڑ دفعات کے آنے جانے کا قائل ہے۔ یہ مادہ پرستوں کے مقابل منافقت کی پوزیشن رکھتا ہے۔

(۳) انسان کے لیے مطابقت کا تیسرا رُخ اُس ہستیِ مطلق سے مطابقت ہے جو تمام اخلاقی صفاتِ کمال سے متصف اور سب رذائل خصلت سے پاک ہے۔ جو خالقِ کائنات ہے۔ اسے حدیث کے لفظوں میں تخلق باخلاق اللہ کہتے ہیں اور قرآن مجید کی زبان میں اسے "وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا" کہا جاتا ہے۔ حدیث کی رو سے اللہ پاک کے ۹۹ صفاتی نام ہیں جن کے اپنے ضبط میں رکھنے پر نجات کی بشارت ہے۔

در حقیقت مذہبی نقطۂ نظر یہی ہے جہاں حیوان کے شعورِ مفید و مضر کے مقابل انسان کا شعورِ نیک و بد کام دیتا ہے۔

یہ ہے مطابقت کے سارے سلسلے کی کل حقیقت۔ اور مستقبل کے فکری الجھاوے کو معاشرے سے

باقی صفحہ ۵۰ پر

حافظ صلاح الدین یوسف
ایڈیٹر "الاعتصام" لاہور

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم

علمی تبحر، اعتدال، اور فقہی توسّع کی حامل شخصیت

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی، جن کا انتقال رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ (مئی ۱۹۸۵ء) کو کراچی میں ہوا، برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ کے نامور عالم، بلند پایہ مصنف اور صاحب طرز ادیب و انشاپرداز تھے۔ ان کی علمی و دینی اور تدریسی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ، علی گڑھ یونیورسٹی، دہلی کالج اور دیگر جگہوں پر مدرس اور لیکچرار بھی رہے۔ صدیق اکبرؓ، عثمان ذوالنورین، وحی الٰہی، فہم قرآن اور اسلام میں غلامی کی حقیقت جیسی وقیع اور اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور پاک و ہند کے اہم علمی مجلہ "برہان" دہلی کے تقریباً نصف صدی سے مدیر چلے آ رہے تھے۔ اس کے علاوہ اسلامی اور بین الاقوامی اجتماعات میں بھی شریک ہوتے اور اپنے علمی مقالات اور فاضلانہ تقاریر سے اسلام کی نمائندگی اور ملتِ اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ بھی نہایت اخلاص اور دردمندی سے ادا کرتے رہے۔ اس لحاظ سے وہ بلاشبہ ایک متنوع اور بوقلموں شخصیت کے حامل تھے اور اپنی گوناگوں خدمات کی وجہ سے پاک و ہند کی چند نمایاں، ممتاز اور سربرآوردہ شخصیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

تدریسی خدمات کی وجہ سے ان کا حلقۂ تلامذہ و مستفیدین بھی کافی وسیع ہے اور علمی و دینی خدمات کی بنا پر اہلِ علم و فضل میں بھی خوب متعارف ہیں اور مجھ جیسے کیچ مچ بیان ہو ران کے خوانِ علم کے ریزہ چیں بے شمار لوگ بھی ان سے عقیدت و ارادت کا تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے تعلق اور ارادت کے مطابق ان کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت اور ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کریں گے، جس سے یقیناً ان کی سیرت و شخصیت کے نقوش اجاگر اور ان کی متنوع خدمات کے گوشے واضح ہوں گے جو نسلِ نو کے لیے دلیلِ راہ اور سنگ ہائے میل ثابت ہوں گے۔

راقم خاکسار بھی ان کی شخصیت کے ایک پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہے ۔ ایسا پہلو جو راقم کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور شاید اس کی طرف کسی اور کی توجہ گرامی اس طریقے سے مبذول نہ ہو سکے جس کا وہ مستحق ہے اور وہ پہلو ہے اختلافی مسائل اور فقہیات میں ان کا اعتدال وتوازن، وسعت و رواداری، اور فقہی جمود سے پاک ہونا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ دیوبند کے فاضل تھے اور آخر دم تک اس سے وابستہ رہے، لیکن اس کے باوجود وہ حنفیت میں اتنے متصلب اور غلو پسند کبھی نہ رہے جو حلقۂ دیوبند کے وابستگان کا بالعموم طرۂ امتیاز رہا ہے ۔ وہ بلاشبہ حنفی تھے اور حنفی رہے، لیکن بہت سے مسائل میں انھوں نے حنفیت کے مقابلے میں نصوص قرآن وحدیث کو ترجیح دی اور بلا تامل حنفی فقہ کو نظر انداز کر دیا۔

● جس طرح مجلس واحد کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے، اس میں انھوں نے دلائل کی رو سے حنفی فقہ کے مقابلے میں حافظ ابن القیم اور امام ابن تیمیہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے، جس کے حامل پاک وہند کے اہلحدیث بھی ہیں انھوں نے بہ دلائل اس امر پر زور دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی شمار کرنا چاہیے ۔ تاکہ حلالہ جیسے لعنتی اور دیگر معاشرتی خرابیوں سے بچا جاسکے ۔ مولانا مرحوم کا یہ فاضلانہ مقالہ ۔ ایک مجلس کی تین طلاق ۔ نامی کتاب[1] میں چھپا ہوا ہے اور اس قابل ہے کہ دیگر حنفی علماء بھی سنجیدگی سے اس کا مطالعہ فرمائیں اور پورے اخلاص سے اس مسئلے کو اسی تناظر میں دیکھیں جس میں مولانا اکبرآبادی مرحوم نے دیکھا تھا۔

● فقہ حنفی میں ایک مشہور مسئلہ ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کا کافروں سے سود لینا جائز ہے ۔ مولانا اکبرآبادی ۱۹۶۴ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی کانفرنس میں تشریف لے گئے اور وہاں کے علمی مباحث میں حصہ لیا جس کی مختصر روداد انھوں نے ماہنامہ "برہان" دہلی میں خود اپنے قلم سے لکھی تھی ۔ اس کانفرنس میں بنک کے سود پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی، اس میں شیخ ابو زہرہ مرحوم نے بنک کے سود کی حرمت پر بڑی زوردار تقریر کی۔ لیکن شیخ نے فقہ حنفی کا مذکورہ مسئلہ بھی اپنی ایک تقریر میں ضمنی طور پر بیان فرمادیا اور کہا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حربی اور مسلم میں ربوٰ نہیں ہے، یعنی وہ جائز ہے ۔ مولانا اکبرآبادی مرحوم لکھتے ہیں :-

"اس سلسلے میں میں نے ایک مختصر تقریر کی اور اس میں کہا کہ اگر امام صاحب کی طرف اس قول کا انتساب صحیح ہے تو میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ جب قرآن میں وحرم الربوٰا عام اور مطلق ہے تو

---

[1] یہ کتاب پہلے ہندوستان میں چھپی تھی، اس کے بعد لاہور (پاکستان) میں بھی چھپ گئی ہے۔

کسی نص یا حدیثِ متواتر کے بغیر اس کی تخصیص اور تقیید کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے؟ مزید وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ائمہ اور فقہا اس بات میں اختلاف کر سکتے ہیں کہ فلاں معاملہ ربوا کے تحت میں آتا ہے یا نہیں؟ لیکن اگر کسی معاملے کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ ربوا کی تعریف اس پر صادق آتی ہے تو اب دنیا میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ وہ معاملہ جائز ہے۔"

(برہان دہلی اگست ۱۹۶۵ء ص ۱۱۷)

● اسی طرح حرمتِ مصاہرت اور طلاقِ مکرہ کا مسئلہ ہے، جس میں مولانا اکبرآبادی مرحوم نے فقہ حنفی سے اختلاف کیا اور شوافع اور ائمہ ثلاثہ کی رائے کو ترجیح دی۔ چنانچہ مولانا نے ڈاکٹر تنزیل الرحمان ایڈوکیٹ کی مرتبہ کتاب "مجموعہ قوانین اسلام" کی جلد اول، دوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

حرمت مصاہرت کے باب میں ہمارے نزدیک شوافع کا مسلک عملاً اقرب الی الصواب ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غایتِ ورع اور تقوی کی بات ہے، اسی طرح طلاقِ مکرہ کے معاملے میں ائمہ ثلاثہ کی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔"

("برہان" دہلی اکتوبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۸۲)

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس کتاب کی بھی انھوں نے اسی لیے خوب تحسین کی کہ اگرچہ انھوں نے اکثر و بیشتر ائمہ احناف کا تتبع کیا اور ان کی رایوں کو ترجیح دی ہے، لیکن متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جہاں دوسرے ائمہ کی رائے کو اقرب الی الصواب یا یسیر العمل قرار دیا ہے۔ (حوالہ مذکور)

● اسی طرح "دیارِ عرب کے مشاہدات و تاثرات" میں مولانا مرحوم نے تسمیہ عند الذبح کے مسئلے میں امام شافعی کے قول کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ اس کی تائید روایاتِ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو "برہان" دہلی۔ فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۱۴-۱۱۵)

● عورتوں کا مساجد میں جاکر نماز پڑھنا وغیرہ بھی فقہ حنفی کی رو سے صحیح نہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے ایک مسلم زنانہ کالج میں جب مسلمان خواتین کے لیے نماز پڑھنے کے لیے وہاں ایک مسجد کا قیام عمل میں لایا گیا تو بہت سے لوگوں نے اس پر شور مچایا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک سلفی فاضل نے عورتوں کی امامت اور ان کے مساجد میں نماز پڑھنے وغیرہ پر ایک مدلل مضمون لکھ کر "برہان" میں اشاعت کے لیے بھیجا، جسے مولانا مرحوم نے نہ صرف شائع کیا بلکہ

اس پر ذیل کا نوٹ بھی تحریر فرمایا :

" گزشتہ سال مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی نے مدراس کے ایک مسلم زنانہ کالج میں ایک نہایت شاندار مسجد کا افتتاح کیا تو بعض شورش پسندوں نے اس پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور انھوں نے کہا کہ عورتوں کے لیے نہ مسجد میں جاکر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ ان کے لیے امامت اور خطبہ دینا جائز ہے۔ یہ ہنگامہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رہا بلکہ اردو کے بعض ذمہ دار اخبارات میں اس نوع کی تحریریں بھی شائع ہوئیں۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ہمارے فاضل دوست مولانا محمد یوسف صاحب (کوکن عمری) نے جو جنوبی ہند کے اکابر علماء میں سے ہیں پیش نظر مقالے میں اس موضوع پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے، جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔"

("برہان" دہلی فروری ۱۹۶۷ء ص ۶۹)

یہ مفصل اور فاضلانہ مقالہ جو برہان "کے ۴۱ صفحات پر مشتمل ہے، فقہ حنفی کے خلاف ہے، لیکن مولانا نے اسے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع فرمایا

- اسی طرح اپنے مرض الموت میں وہ حنفی فقہ کے برخلاف جمع بین الصلاتین کا اہتمام فرماتے رہے۔

("معارف" اعظم گڈھ، جون ۸۵ء)

اس مختصر مضمون میں استقصا مقصود نہیں۔ یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ان مثالوں سے بہرحال ان کے اس طرز عمل کی نشاندہی ہو جاتی ہے جو ہمارے اس مضمون کا موضوع اور مقصود ہے۔

مولانا مرحوم کا فقہی مسلک، ان کی اپنی تحریرات کے آئینے میں :

پھر ان کا یہ طرز عمل کسی اضطراری تاثر یا وقتی رد عمل کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ ان کے اندر فقہی جمود کے بجائے جو توسع تھا، ان کی فکر و رائے میں جو اعتدال و توازن تھا اور ملت اسلامیہ کو درپیش عصری مسائل کے حل کے لیے وہ جو ولولۂ بے تاب اور جذبۂ صادقہ رکھتے تھے، مذکورہ طرز عمل اس کا مظہر تھا۔ وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ فقہی توسع اور رواداری اور کسی ایک فقہ پر جمود و اصرار کی بجائے تمام اسلامی فقہی سرمائے سے استفادہ کیے بغیر موجودہ دور کے گوناگوں اور پیچیدہ مسائل کا حل ممکن نہیں۔ اس لیے انھوں نے فقہی توسع کو بطور مسلک

اپنایا اور برتا۔ اس کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ وہ بنگلور (جنوبی ہند) کی ایک کانفرنس کی روداد لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ”میں نے مسلم معاشرے میں پائے جانے والے رجحانات کا ذکر کیا، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ رجحانات تین قسم کے ہیں:

(۱) قدامت پرستی (ORTHODOXY) (۲) ترقی پسندی (PROGRESSIVENESS)

(۳) آزاد فکری (LIBERALISM)

اول الذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ موجودہ زمانے کا خواہ کوئی مسئلہ یا کوئی معاملہ ہو بہرحال، اس کا حل کسی ایک خاص فقہی مسلک کی روشنی میں ہی تلاش کیا جائے۔ اور سرِ مو اس سے انحراف روا نہ رکھا جائے۔ اس کے بالمقابل ترقی پسندی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصل قانون قرآن و حدیث میں ہے اور فقہی مسالک کی حیثیت اس قانون کی تشریح و توضیح کی ہے، وہ بجائے خود قانون نہیں ہے، اس بنا پر کسی جدید مسئلے کا حل اولاً براہِ راست قرآن و حدیث میں دیکھنا چاہیے اور اس کے بعد فقہ سے وہی کام لینا چاہیے جو عدالت میں بحث کرتے وقت ایک وکیل نظائر سے لیتا ہے۔

اب رہا تیسرا رجحان۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف قرآن کو ماخذ تسلیم کرتا ہے اور حدیث کو حجت نہیں مانتا پھر اپنے لیے قرآن کی آزادانہ اور بے قید و بند تفسیر و توضیح کا حق بھی مانتا ہے۔ میں نے لکھا کہ میرا تعلق دوسرے طبقے سے ہے، اور یہی رجحان میرے نزدیک صحیح ہے۔“

(برہان، دہلی اکتوبر ۱۹۶۷ء ص ۲۱۳)

- اسی طرح ایک اور موقع پر اپنے مسلک اور نقطۂ نظر کی وضاحت مولانا مرحوم اس طرح کرتے ہیں۔

”راقم الحروف کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ دیوبند کا فیض یافتہ اور جمعیۃ العلماء کا ممبر اور قدر دان ضرور ہے لیکن اپنے دل و دماغ کو ہمیشہ کھلا اور آزاد رکھتا ہے اور کبھی کسی مسئلے پر جماعتی عصبیت اور تحزب کے ساتھ غور نہیں کرتا، اس بنا پر دارالعلوم دیوبند ہو یا ندوہ، جمعیۃ العلماء ہو یا اسلامی جماعت، تبلیغی جماعت ہو یا دینی کونسل، ان سب اداروں کے اکابر اور کارکنوں کے خلوص علم و فضل اور اسلامی حمیت و جوش کا دل سے معترف اور قدر دان ہے اور یہ جماعتیں جو کام کر رہی ہیں ان کی اہمیت و افادیت کا منکر نہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان جماعتوں کی کسی رائے کسی طریقِ کار اور یا کسی نظریے سے بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ ایمانداری سے اختلاف ہر انسان کا قدرتی

حق ہے اور اسے یہ حق استعمال کرنا چاہیے ۔ معاشرے کی شعوری صلاح و فلاح اسی پر موقوف ہے ۔ پھر میں جس طرح کسی جماعت کو بھی تنقید سے بالا نہیں سمجھتا ، اسی طرح کسی شخص واحد کو بھی ، خواہ وہ دنیا کا کتنا ہی بڑا امام اور شیخ وقت ہو ، تنقید سے ماورا نہیں مانتا ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں کہ ارادت و عقیدت ادب و احترام اور تنقید و اختلاف ، ان کے حدود کیا ہیں اور ان حدود میں رہ کر ایک شخص کس طرح دونوں کے مقتضیات و مطالبات سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے ۔ "

(برہان ، دہلی نومبر ۱۹۶۲ ص ۲۶۰ از نظرات)

تلفیق بین المذاہب کی حوصلہ افزائی :

مولانا مرحوم کا یہی وہ مسلک توسع تھا جس کی وجہ سے وہ ہر اس دعوت و تحریک کی حوصلہ افزائی فرماتے جس میں فقہی رواداری ہوتی اور اس کی بنیاد کسی ایک فقہ پر جمود کے بجائے بلا امتیاز تمام فقہی ذخیروں سے استفادے پر ہوتی ۔ چنانچہ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمد بانی تنظیم اسلامی کی بھی انہوں نے حوصلہ افزائی فرمائی ڈاکٹر صاحب موصوف بھی اگرچہ حنفی ہی ہیں مگر ان میں فقہی جمود بہرحال نہیں ہے اور انہوں نے یہ دعوت و تحریک پیش کی ہے کہ فقہ مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کو پانچویں فقہ شمار کر کے اجتہاد و استنباط کا کام کرنا چاہیے ۔ بنیادی طور پر اگرچہ یہ بات صحیح نہیں ۔ اصولاً صحیح بخاری کو قرآن کریم کے بعد فقہ میں اساسی اور اولین حیثیت حاصل ہونی چاہیے اور اس کی روشنی میں دیگر فقہوں سے استفادہ کیا جانا چاہیے ۔ جس طرح کہ خود مولانا اکبر آبادی کا نظریہ بھی تھا جیسا کہ ان کے ایک اقتباس میں یہ بات گزر چکی ہے ۔ تاہم چونکہ ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت میں بھی اک گونہ فقہی جمود سے انحراف تھا ، اس لیے اگرچہ بیشتر علمائے احناف نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس دعوت و تحریک کو سخت فتنے اور گمراہی سے تعبیر کیا ، لیکن مولانا اکبر آبادی مرحوم نے ڈاکٹر صاحب کی تائید کی اور تلفیق بین المذاہب کو وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیا ۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ۔

" ہمارے بعض متقدمین علماء نے تلفیق بین المذاہب کو استعمال کیا ہے اور اس کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے "

(ماہنامہ " میثاق " لاہور ، اگست ۱۹۸۵ء ص ۱۴)

مولانا سے مزید سوال کیا گیا کہ: "ہمارے بعض علماء تو اس تلفیق کو بہت بڑی گالی خیال کرتے ہیں، گویا کہ ان کے نزدیک (تو یہ) درجۂ کفر تک پہنچی ہوئی بات ہے۔"

مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں فرمایا:

"ہمارے نزدیک تمام ائمہ فقہاء سب برابر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے (تلفیق بین المذاہب) کی ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تک نے کی ہے۔ ...... اس (تلفیق) کے بغیر تو چارا ہی نہیں۔ اس کے بغیر ایک صحیح اسلامی ریاست چل ہی نہیں سکتی۔"

(ماہنامہ "میثاق" لاہور، ص ۱۴-۱۵۔ اگست ۱۹۸۵ء)

اسی انٹرویو میں مولانا مرحوم نے تبلیغی جماعت میں بڑھتے ہوئے تحزب اور اس لحاظ سے بعض بین الاقوامی شخصیات کی اس سے وابستگی پر اپنے دکھ اور تأسف کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

علمائے احناف کے غلو فی الحنفیۃ پر سخت تنقید:

مولانا اکبرآبادی مرحوم کے نزدیک فقہی اقوال و آراء کے مقابلے میں نصوصِ قرآن و حدیث کو جو برتری حاصل تھی، اس کی وجہ سے وہ ان غالی حنفی علماء کی کاوشوں پر بھی سخت تنقید کرتے جن میں حنفیت کا دفاع ایسے انداز سے کیا گیا ہوتا جس سے نصوصِ شریعت کا تقدس مجروح ہوتا یا اکابر محدثین کی بے توقیری ہوتی یا حدیث کی جمع و تدوین میں ان کی بے مثال کاوشوں اور بے لوث اور غیر جانبدارانہ سعی و جہد پر حرف آتا۔ ذرا دیکھیے! ایسے بعض غالی علماء کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے حق و انصاف کے تقاضوں کو کس طرح ملحوظ رکھا ہے، مولانا عبدالرشید نعمانی کی عربی کتاب "ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اکبرآبادی مرحوم لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ فاضل مصنف نے جگہ جگہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مخالفین کی بحث اٹھا کر کتاب کو جدل و مناظرہ کا رنگ دے کر اس کی علمی شخصیت کو مجروح ہی نہیں کیا بلکہ خود حدیث کو معرضِ شک و ارتیاب میں لا کھڑا کیا ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض محدثین نے امام اعظم کے ساتھ سخت ناانصافی کی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان محدثین پر اس طرح کے رکیک و سخیف حملے کیے جائیں، جن سے ان کا کمالِ فن ہی داغ دار ہو جائے۔ اس سلسلے میں امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ

اور حافظ ذہبیؒ کی نسبت جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابلِ اعتراض ہے۔ حد یہ ہے کہ امام بخاری کے متعلق یہاں تک نقل کر دیا گیا ہے کہ وہ بر بنائے بغض و عناد امام ابو حنیفہ سے روایت نہیں کرتے لیکن اس کے برخلاف ایسے مستور الحال لوگوں سے روایت کر دیتے ہیں، جن کے متعلق بخاری جانتے بھی نہیں کہ کون تھے، اور کون نہیں تھے؟ (ص ۲۸) اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ جوشِ انتقام میں صحیح بخاری کے راویوں کی عدالت اور اس کے اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول کو متکلم فیہ قرار دے دیا ہے فاضل مصنف خود سوچیں کہ کیا یہ وہی باتیں نہیں ہیں جو منکرینِ حدیث کہتے ہیں اور کیا امام بخاری کی عدالت ثقاہت، تقویٰ، طہارت اور ان کی صحیح کی صحت کو مجروح کر دینے کے بعد بھی کسی اور کتاب حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ بعض متقدمین حنفیہ نے مجادلانہ طور پر امام بخاری، حافظ ابن حجر، ابن عدی اور حافظ ذہبی وغیرہم کے متعلق اس طرح کی باتیں ضرور لکھی ہیں، لیکن ایک محقق کا فرض ہے کہ علمی امانت و دیانت کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے اور غیظ و غضب میں کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے دین کی اصل بنیاد میں ہی رخنہ پڑ جائے۔ اگر امام بخاریؒ بھی روایتِ حدیث ایسے اہم معاملے میں شخصی رضامندی یا نارضامندی کو دخل دینے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تو پھر اس باب میں کسی اور پر کیوں کر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

(ماہنامہ "برہان" دہلی فروری ۱۹۵۶ء ص ۱۲۷-۱۲۸)

● اسی طرح ایک حنفی عالم نے حافظ ابن القیم کی کتاب "زاد المعاد" کا اردو ترجمہ جب اس انداز سے شائع کر حواشی میں جگہ جگہ حنفیت کی ترجیح میں حافظ ابن القیم کی تردید کو انھوں نے ضروری سمجھا تو مولانا اکبر آبادی مرحوم نے اس پر حسبِ ذیل الفاظ میں تبصرہ رقم فرمایا:

"...... ساتھ ہی کوئی چیز حنفی مسلک کے خلاف ہے تو اس کی تردید کر کے حنفی مسلک کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور گویا اس طرح انھوں نے خود اپنے بقول "کتاب کو حنفی" کر دیا ہے (ص ۲) لیکن افسوس ہے اس سلسلے میں مصنف کے قلم کی تیز زبانی اور بے احتیاطی کا وہی عالم ہے، جس کا شکوہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر رقمطراز ہیں "ابن قیم نے اس جگہ بے پر کا کوا بنایا ہے" (حصہ دوم ص ۲۲) یہ فقرہ صرف بطور نمونہ کے نقل کیا گیا ہے ورنہ یہ اندازِ بیان پوری کتاب میں

ہوا ہے۔ علاوہ ازیں موصوف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بہر حال حنفی مسلک کی تائید اور اس کی ترویج
کرنا یہ علم کی خدمت ہے اور نہ دین کی۔ "

("برہان" دہلی، اپریل ۱۹۶۸ء ص ۲۸۷)

- اسی طرح مولانا عبدالرشید نعمانی کی اردو کتاب "ابن ماجہ اور علم حدیث" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔
"مصنف کی رائے سے حنفیت میں ان کے شدت غلو کے باعث ہر جگہ اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں ہے"

("برہان" دہلی جون ۱۹۶۲ء ص ۳۸۳)

علمائے اہلحدیث کی اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف:

علمائے احناف بالعموم فقہی تعصب اور حزبی جانبداری کی وجہ سے علمائے اہلحدیث کی اہمیت و حیثیت کو بھی گھٹانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان کی دینی و علمی خدمات کے اعتراف میں بھی بڑا تامل اور بخل کا اظہار کرتے ہیں، اس کے برعکس مولانا اکبر آبادی مرحوم نے علمائے اہلحدیث کی حیثیت و اہمیت اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

" ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کے علماء بھی بڑی اہمیت کے مالک رہے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان علمائے اعلام کی آراء اس لیے اور بھی لائق توجہ ہے کہ اس جماعت نے ہی سب سے زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ کے زیر قیادت انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے میں حصہ لیا تھا اور اسی بنا پر انگریز انھیں بدنام کرنے کی غرض سے وہابی کہتے تھے۔"

("برہان" دہلی۔ اگست ۱۹۶۶ء، ص ۵ از "ہندوستان کی شرعی حیثیت")

مولانا مرحوم کی زیارت کا شرف:

بدو شعور سے راقم کے کانوں میں جن اکابر اہل علم کا نام بڑا اور ان کی علمی شہرت کا چرچا رہا، ان میں ایک مولانا اکبر آبادی مرحوم بھی تھے، پھر ان کی تصنیفات پڑھنے کا موقع ملا اور "برہان" کے وقتاً فوقتاً مطالعے سے ان

کے ساتھ ارادت مندی بھی ہوگئی ۔ جس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا اور ان کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لیتا رہا تا آنکہ گزشتہ سال مارچ (۲۰۰۴ء) میں مولانا مرحوم لاہور تشریف لائے تو راقم نے مولانا حامد میاں صاحب کے مدرسے جامعہ مدنیہ (کریم پارک لاہور) میں ملاقات کا شرف حاصل کیا وہاں کچھ دیر ان کی علمی صحبت سے بھی فیض یابی کا موقع ملا۔ اس ملاقات میں راقم نے حضرت مولانا سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ ہمارے ادارے دارالدعوۃ السلفیہ کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازیں، جس میں ایک بہترین علمی لائبریری بھی ہے ۔ مولانا مرحوم نے بڑی خوشی دلی سے اس دعوت کو قبول فرمایا اور دوسرے روز رات کو پروفیسر محمد اسلم صاحب اور مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی معیت میں تشریف لائے ۔ افسوس ہے کہ راقم اس روز پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے کراچی چلا گیا اور اس دوسری محفل کی سعادتوں سے محروم رہا۔ تاہم حضرت مولانا حسب وعدہ تشریف لائے حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے ملاقات فرمائی ۔ جو چھ سال سے بعارضہ فالج صاحب فراش چلے آرہے ہیں اور ادارے کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات دیکھے اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا ۔ خیال تھا کہ حضرت مولانا پھر کبھی پاکستان تشریف لائیں گے تو دوبارہ اچھی طرح سے انھیں دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہوگی، کیونکہ پہلی مختصر سی ملاقات تو ع

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

کا مصداق تھی ۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ اب ایسے سفر پر روانہ ہونے والے ہیں، جہاں سے واپسی ممکن ہی نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین و ملت کے اس مخلص خادم کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے اور ان کی وفات سے برصغیر پاک و ہند میں جو علمی خلا واقع ہوگیا ہے، اُسے پُر فرمائے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی مخلص، معتدل و متوازن، اور بالغ نظر شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللھم اغفر لہ وارحمہ وبرد مضجعہ واجعل الجنۃ مثواہ ۔

●●●

سلفی دعوت اور عصرِ حاضر

مولانا ابو العاص وحیدی
مدرس جامعہ سراج العلوم بونڈیہار گونڈہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ عصرِ حاضر میں تعبیر و تشریح اور دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے دین اسلام کی مختلف شکلیں ہیں۔ خالص اسلام اور مخلوط اسلام لیکن اصولی اور بنیادی طور پر انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ خالص اسلام یہ ہے کہ اسلام کے عقائد، فقہیات، اخلاقیات، اجتماعیات اور سیاسیات کی توضیح و تشریح بالکل عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین و تبع تابعین کے منہج کے مطابق کی جائے۔ قرآن و سنت کے اسلوب و مزاج سے ایک سرمو بھی انحراف نہ کیا جائے اور دعوت و تبلیغ میں فطری ترتیب و تدریج کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔

مخلوط اسلام کی مختلف شکلیں

دین اسلام کو اگر اس طرح پیش کیا جائے کہ اس میں بہت سی غیر اسلامی چیزوں کی آمیزش ہو جائے تو یہی مخلوط اسلام ہے۔ ہمارے سامنے مخلوط اسلام کی مختلف شکلیں ہیں۔ کہیں اسلام کے سادہ عقائد کو یونانی علوم و فنون کی آمیزش سے انتہائی دشوار اور مشکل بنا دیا گیا ہے۔ کہیں اسلامی فقہیات کو عجمی مونشگافیوں کے ذریعہ ایسا پیچیدہ فن بنا دیا گیا ہے، جسے فن فقہ کا متخصص ہی سمجھ سکتا ہے۔ کہیں اسلامی اخلاص و احسان کو فلسفۂ یونانی، جوگ اور ویدانت کی ملاوٹ سے ایسا فن اور کرتب بنا دیا گیا ہے، جس میں سب کچھ ہے مگر اسلامی روح موجود نہیں ہے۔ کہیں مغرب زدگی کے نتیجے میں قرآن کو سنت سے الگ کرکے سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور مزاجِ زندگی کے ساتھ اسلام کے نام پر نئے نئے نظریات گھڑے جا رہے ہیں۔ کہیں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ اس طرح کی جا رہی ہے، گویا دین اسلام بزرگوں کی کرامات، مسنون اور غیر مسنون اوراد و وظائف اور احادیث ضعیفہ و موضوعہ کا مجموعہ ہے۔ اور کہیں

اسلامی سیاست کی تشریح و تعبیر میں ہیگل کے فلسفہ کلی ریاست کے تصور کو اس طرح شامل کر دیا گیا ہے کہ اسلام کے نظام رحمت کو فقط ایک قاہرانہ نظام حکومت وسیاست بنا دیا گیا ہے کہ بہت سے انبیاء کرام بھی اس سیاسی اسلام کے برپا کرنے میں ناکام نظر آنے لگے، نیز حکومت الٰہیہ کا قیام ہی امت مسلمہ کا نصب العین قرار دیا گیا ہے اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ شیعی عینک سے کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی اس سیاسی تفسیر میں مجددین امت انتہائی بونے نظر آنے لگے اور صحابہ کرام کی بلند وبالا اور عظیم شخصیتیں بھی اس معیار سے فروتر نظر آنے لگیں۔ نیز دین کی اس سیاسی تشریح میں عقلیت اتنی غالب رہی کہ اس نے محدثین کی عظمت اور سنت وحدیث کی اہمیت خاک میں ملا دی، بدعت وتشیعیت وغیرہ منکرات ومحدثات کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور تحریک فلسفہ اور نظریہ وغیرہ اصطلاحات کے فریب میں مبتلا ہو کر دین واسلام کو ماڈرن شکل ہی نہیں بلکہ نئے ماڈل میں پیش کیا۔

مسلک اہلحدیث ۔ خالص اسلام کی صحیح تعبیر یہ تھیں مخلوط اسلام کی چند شکلیں، لیکن وعدۂ الٰہی کے مطابق تاریخ کے ہر دور میں خالص اسلام کے علمبردار موجود رہے ہیں، اور ان شاء اللہ قیامت تک موجود رہیں گے۔ مسلک اہلحدیث یعنی سلفی دعوت، خالص اسلام کی توضیح وتشریح اور تعبیر وتفسیر کا نام ہے جو بحمد اللہ ہر طرح کے افراط وتفریط سے محفوظ ہے اور خالص کتاب وسنت کے اسلوب اور عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کے مزاج کی روشنی میں اسلامی عقائد وفقہیات اور دوسری دینی تعلیمات کی وضاحت کرتا ہے اور حالات وظروف سے مرعوب ومتاثر ہوئے بغیر اہل عالم کو خالص اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بجا فرمایا ہے کہ: اهل الحديث في اهل الاسلام كاهل الاسلام في سائر الملل ،، (منہاج السنۃ) یعنی اسلامی فرقوں اور مذاہب میں اہل حدیث کی وہی حیثیت ہے جو دوسرے ادیان وملل کے مقابل اسلام کی ہے۔

ہم اس مختصر مقالہ میں مسلک اہل حدیث کی عصری اہمیت پر روشنی ڈالیں گے اور یہ بتائیں گے کہ اسلامی تاریخ ہزاروں انقلاب اور شکست وریخت کے بعد پھر خالص اسلام اور سلفی دعوت کی طرف مائل ہے اور دعوت کتاب وسنت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔

عصر حاضر کا مزاج ہم سب سے پہلے عصر حاضر کے مزاج کا تجزیہ کر رہے ہیں اور اختصار کے ساتھ اس کے اجزاء وعناصر ترکیبی کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ عصر حاضر میں اہل حدیث کی اہمیت وضرورت کی توضیح میں مدد ملے اور آسانی سے ہم اپنا نقطۂ نظر ثابت کر سکیں۔

اگر سنجیدگی سے عصر حاضر کے مزاج کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے چار اجزاء سامنے آتے ہیں۔ ہر پرستش کا انکار، ذوق

استدلال، حقیقت پسندی، اور فکر و نظر کی سادگی ۔ ممکن ہے کسی کو میرے اس تجزیہ و استنتاج سے اختلاف ہو لیکن میں اپنے محدود مطالعہ کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں ۔ آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے ۔

عصر حاضر کا پہلا مزاج یہ ہے کہ سائنس، ٹیکنالوجی اور عقلیت کے ارتقار کے نتیجے میں عصر حاضر نے ہر قسم کے الہ اور ہر قسم کی پرستش کا انکار کر دیا ہے، شخصیت پرستی، اصنام پرستی، حتیٰ کہ خدا پرستی۔ اس دور کا نعرہ ہے " لا الٰہ " کوئی معبود نہیں ۔ گویا اس دور نے کلمۂ توحید کے پہلے جز کو زور وقوت کے ساتھ اور محقق کر دیا ہے ۔ اور اس طرح سے خالص توحید کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے ۔ اب علماء اسلام کے لیے شخصیت پرستی اور اصنام پرستی وغیرہ کی تردید کی کچھ زیادہ ضرورت باقی نہ رہی ۔ یہ خدمت تو عصر حاضر نے انجام دے دی ہے ۔ اب علمار اسلام کا کام یہ ہے کہ جدید علم کلام کی روشنی میں ثابت کر دیں کہ اس کائنات کا خدا ہے ۔ اس کی پرستش اور عبادت تقاضائے فطرت ہے اور بحمداللہ بہت سے مفکرین اسلام نے اپنی گرانقدر کوششوں سے عصر حاضر کے خانہ " لا الٰہ " میں جدید کلامی استدلال کے زور و قوت سے " الا اللہ " کو شامل کیا اور اسے عصر حاضر کے دانشوروں سے منوالیا ۔

عصر حاضر کا دوسرا مزاج یہ ہے کہ وہ جذبۂ عقلیت میں دلائل کا خوگر ہے اور شخصی و جماعتی عقیدت و تعلق سے بلند قطعی دلائل کا طالب ہے ۔ مجموعی حیثیت سے عصر حاضر کا یہ مزاج انتہائی قابل قدر ہے ۔ اس ذہنیت کا صرف خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ دین کے ما بعد الطبیعاتی امور میں بھی عقلی دلائل کی طالب ہے جو عام انسانی ذہن کی سطح سے ذرا بلند ہے ۔ لیکن علمار اسلام اس سے گھبرائیں نہیں ۔ اگر کتاب و سنت کی روشنی میں مظاہر فطرت سے دینی عقائد کے لیے دلائل تلاش کیے جائیں تو عصر حاضر کے اس مزاج کی رعایت ہو سکتی ہے اور معمولی مطالعہ سے عصر حاضر کو یہ باور کرایا جا سکتا ہے کہ توحید خالص انسانی فطرت و مزاج کی آواز ہے اس دور میں جہاں جہاں جن جن لوگوں نے اس طرح کی کوشش کی ہے ۔ وہ کامیاب ہوئی ہے ۔ اور عصر حاضر کے اچھے اچھے دانشور حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور ہوئے ہیں ۔

عصر حاضر کا تیسرا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے انکشافات و ایجادات اور مادی جدوجہد کے نتیجہ میں حقیقت پسند ہو گیا ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ دور اوہام و تخیلات کی وادیوں سے کوسوں دور ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عصر حاضر کا انسان بزرگانہ کشف و کرامت، ٹونا ٹوٹکا، جھاڑ پھونک اور دوسرے طلسماتی کرداروں کو باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مزاج نے عصر حاضر کو فطرت و کائنات کے سچے حقائق و واقعات سے انتہائی قریب کر دیا ہے ۔ یہ ذہن دین اسلام کے بعض حقائق جیسے دعا وغیرہ کو دائرہ قرار دے سکتا ہے، لیکن اس ذہن کو جب دوسرے دینی حقائق سے قریب

کیا جائے گا تو دین کی ساری باتوں کو یہ ذہن بڑی آسانی سے حقائق مان لے گا۔

عصرِ حاضر کا چوتھا مزاج یہ ہے کہ اس وقت کہیں کہیں دورِ حاضر کا انسان مادی دوڑ دھوپ سے اکتا کر، سیاسی واجتماعی شکست وریخت سے پریشان ہوکر اور سائنس وٹکنالوجی کی تباہ کاریوں سے گھبرا کر، ذہن وفکر اور رہن سہن کی سادگی کی جانب لوٹ رہا ہے، اس کا واضح ثبوت یورپ کے وہ ناراض نوجوان ہیں جو مغربی تہذیب کی کوکھ سے پیدا ہوئے مگر مغربی تہذیب کے زبردست باغی ہیں۔ اگر عقلی وذہنی موشگافیوں اور تاویلات سے الگ ہوکر انھیں عصرِ حاضر کی زبان میں خالص کتاب وسنت کی دعوت دی جائے تو یقیناً وہ خالص اسلام کو اپنی منزلِ مقصود سمجھیں گے اور اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لیں گے۔

عصرِ حاضر کے مزاج کے اس تجزیہ وتحقیق کی روشنی میں ہم بے تکلف کہہ سکتے ہیں کہ مغربی تہذیب اپنی ہزار زہرافشانیوں اور فسوں کاریوں کے باوجود افادیت کا یہ زبردست پہلو لیے ہوئے ہے کہ اس نے عالم انسانی کے اندر خالص اسلام یعنی رجوع الی الکتاب والسنۃ کی صلاحیت پیدا کردی ہے اور یہی سلفی دعوت کا منتہائے مقصود ہے۔ ہم ذیل میں اسی عظیم حقیقت کی وضاحت کر رہے ہیں۔

سلفی دعوت اور عصرِ جدید سلفی دعوت اور مسلکِ اہلحدیث کی مفصل توضیح وتشریح سے قطع نظر ہم مختصر طور پر اس کا تعارف اس طرح کراسکتے ہیں کہ مسلکِ اہلِ حدیث توحیدِ خالص کا علمبردار مسلک ہے مسلک اہلحدیث رجال وشخصیات کی اندھی پیروی کی سطح سے بلند ہوکر دلائلِ کتاب وسنت کا خوگر ہے۔ مسلک اہلحدیث انسانی قافلہ کو اوہام وتخیلات اور خوارقِ عادت بزرگانہ واقعات وکرامات کی وادیوں سے نکال کر کتاب وسنت کے سیدھے حقائق کی طرف لاتا ہے اور مسلک اہلحدیث اسلامی عقائد وفقہیات کو فلاسفہ اور متکلمین کی نکتہ سنجیوں اور فقہائے اہل الرائے کی موشگافیوں سے پاک کرکے اسلام کی سادگی کی بھرپور حفاظت کرتا ہے۔ مسلک اہل حدیث کا یہ مزاج بعینہٖ کتاب وسنت کا مزاج ہے، اور ہم بڑی وضاحت کے ساتھ قرونِ اولیٰ میں یہی مزاج جلوہ گر پاتے ہیں اور عصرِ حاضر میں بھی اس مزاج کی ترویج واشاعت کے امکانات بہت روشن ہیں۔

مسلک اہلحدیث کی پہلی خصوصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ توحیدِ خالص کا واحد علمبردار مسلک ہے، قرآن وحدیث کی اصطلاح میں توحید کا مطلب ہے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملکیت اور افعال میں ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اپنی ذات وصفات میں ایک ہے، کوئی اس کا نظیر نہیں، اور اپنی عبادت والوہیت میں ایک ہے، کوئی اس کا مماثل نہیں۔ اس طرح توحید کی تین قسمیں ہوتی ہیں، توحیدِ ربوبیت وملکیت، توحیدِ اسماء وصفات، اور توحیدِ الوہیت وعبادت۔

توحیدِ ربوبیت کا مطلب ہے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب، مالک، خالق اور رازق ہے، وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ وہی نفع و نقصان پہنچانے والا ہے۔ وہی اضطرار کے وقت دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اسی کو ہر چیز کا اختیار ہے، اسی کے ہاتھ ہر طرح کا خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ توحید اسمار و صفات کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ پختہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اوصاف عالیہ و اسمار حسنیٰ کا جو ذکر فرمایا ہے نیز احادیث صحیحہ سے اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفات کے بارے میں جو کچھ ثابت ہے وہ سب کا سب اللہ کے جلال و عظمت و کبریائی کے عین لائق اور زیبا ہے، لہٰذا ان تمام اسماء و صفات پر بلا تمثیل و بلا تاویل و تعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔ توحید الوہیت و عبادت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کو اللہ کے لیے خاص کر لیا جائے۔ عبادت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں، جیسے، محبت، توکل، خوف امید، نماز، رکوع، سجود، دعار، ذبح، نذر، طواف، حج، توبہ، استغاثہ، اور استعاذہ وغیرہ۔

توحیدِ خالص کے اس تجزیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کو خالص خدا پرستی سکھاتی ہے۔ توحید جس طرح اصنام پرستی کی ضد ہے اسی طرح اکابر پرستی کی بھی مخالف ہے۔ توحید کا مزاج موجودہ قبوری شریعت کے بھی مخالف ہے اور کتاب و سنت کے واضح نصوص کے مقابلہ میں علمار و ائمہ کی پیروی بھی مزاج توحید کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ عصرِ حاضر نے توحیدِ خالص کے لیے راستہ ہموار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اس دور نے ہر پرستش کا انکار کیا ہے۔ اب اگر علمار حسنِ عمل اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ چاہیں تو عصرِ حاضر کی پیشانی پر "لاالٰہ" کے بعد "الا اللہ" لکھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا پرستی کی راہ کی ساری رکاوٹیں عصرِ حاضر نے ختم کر دی ہیں۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ خوشگوار موقع توحیدِ خالص کی اشاعت کے لیے نہیں مل سکتا۔

مسلک اہلحدیث کی دوسری خصوصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ رجال و شخصیات کی اندھی پیروی کا سخت مخالف ہے۔ اس مسلک میں رجال و شخصیات کی اہمیت کچھ اس طرح ہے کہ تمام ہی علمار و ائمہ کی علمی و دینی خدمات سے بغیر کسی جانبداری کے بھرپور علمی استفادہ کیا جائے۔ علمار و ائمہ کے اقوال و آرار اگر نصوص کتاب و سنت اور دلائل قرآن و حدیث کے مخالف ہوں تو انھیں ادب و احترام سے رد کر دیا جائے۔ گویا رجال و شخصیت کی بجائے دلائل کی پیروی مسلک اہلحدیث کی فکری و عملی کوششوں کا حاصل ہے اور تمام معتبر علمار و ائمہ اور فقہار و محدثین کی یہی دعوت رہی ہے۔

عصرِ حاضر نے دلائل کی پیروی کو مزید تقویت دی ہے اور بے دلیل کسی کی بات ماننے کو احمقوں کا شیوہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس دور میں مسلکی دعوت اور کتاب و سنت کا پیغام بڑی آسانی سے مقبولِ خواص و عوام بن سکتا ہے۔

مسلک اہل حدیث کی تیسری خصوصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ یہ مسلک ان اوہام و تخیلات بزرگانہ کشف و کرامات اور من گھڑت خوارق عادت واقعات کا سخت مخالف ہے جو شرک و بدعت اور تصوف کے نتیجہ میں پیدا ہوئے، یا جن کو بنیاد بنا کر شرک و بدعت کی دوکان چلائی جاتی ہے۔ اس کے لیے بھی عصر حاضر میں ماحول سازگار ہے۔ چنانچہ نیا تعلیم یافتہ خواہ دیوبندی یا بریلوی ہی کیوں نہ ہو، ان اوہام و کرامات کو عظیم مضحکہ قرار دیتا ہے۔ اس لیے اس دور کا مزاج گویا سلفی دعوت کے لیے بہت مناسب و موافق ہے۔ البتہ عصر حاضر کا مزاج اپنی عقلیت کے زعم میں معجزات اور دوسرے دینی مابعد الطبیعاتی امور کا بھی مخالف ہے مگر یہ اس کی کج فکری اور ذہنی آوارگی کا نتیجہ ہے۔ جسے مناسب قوتِ افہام و تفہیم سے راہِ اعتدال پر لایا جا سکتا ہے۔

بہر حال ہم اسے مغربی تہذیب کا بڑا ہی درخشاں پہلو قرار دیتے ہیں کہ اس نے انسانی قافلے کو بیدار کر دیا ہے اور اب وہ اوہام و تخیلات کی وادیوں میں نہیں بھٹک سکتا۔

مسلک اہلحدیث کی چوتھی خصوصیت یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ عقائد و فقہیات میں سادگی پسند ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے نظام محکم میں سادگی و رعنائی رکھی ہے، اس لیے اس نے قرآن مجید کے اندر بھی فطری سادگی ملحوظ رکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا کلام بلاغت نظام عطا کیا گیا کہ اس کے اندر بھی کمال درجہ کی سادگی پائی جاتی ہے۔ قرآن و سنت کی سادہ و فطری تعلیمات کے نتیجے میں جو امت وجود میں آئی، اس کے عقائد، اعمال اخلاقیات اور اجتماعیات کے اندر بھی بھرپور سادگی اور فطرت کی عکاسی تھی۔ اس کا ایمان و یقین مضبوط چٹان کی طرح اٹل تھا۔ اگر کتاب و سنت کا اسلوب فلسفیانہ و منطقیانہ ہوتا تو مضبوط و محکم ایمان و یقین پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ عقلی نکتہ سنجیوں اور عجمی موشگافیوں کے نتیجہ میں ایسا ایمان و یقین پیدا نہیں ہو سکتا جسے ریب و شک کے شعلے خاکستر نہ کر سکیں۔ چنانچہ جب متکلمانہ و فلسفیانہ مباحث عقائد میں داخل ہوئے تو اس کے نتیجہ میں شک و تردد کے جراثیم بھی پیدا ہو گئے اور فقہیات میں جب عجمی موشگافیاں داخل ہوئیں تو اسلام کا نظام عمل بے روح ہو گیا۔

عصر حاضر سائنسی و ٹکنالوجی ترقیات کی وجہ سے مزید عقلیت پرست ہے، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے نظام عقیدہ و عمل کی سادگی کو قبول نہ کر سکے گا۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دور حاضر اپنے تہذیبی و عقلی اضطراب و انتشار سے حد درجہ گھبرا چکا ہے اور تہذیب و عقل کی جس شاخ نازک پر اس نے اپنا آشیانہ بنایا تھا وہ انتہائی کمزور ہو چکی ہے اور عنقریب ٹوٹ جانے والی ہے اور اس دور کے مفکرین و دانشور مغربی تہذیب کی حشر سامانیوں سے گھبرا کر

(باقی ص ۴۱ پر)

علامہ محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی اور اُن کی تصانیف (۱)

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

آپ کی ولادتِ باسعادت یکم شوال ۱۳۰۷ھ روز چہارشنبہ کو محلہ دارانگر بنارس میں ہوئی۔ آپ کا تعلق راجپوت خاندان سے تھا۔ آپ کے والدِ محترم مولانا محمد سعید صاحب محدث پنجابی ثم بنارسی نومسلم تھے، ان کا نام قبل از اسلام مول سنگھ تھا، اور وہ اپنے وقت کے ممتاز و جید عالم اور بہت سی تصانیف کے مصنّف تھے۔ تورع اور استغنا میں سلف کا نمونہ تھے۔ اور اسی تقویٰ و اعتنیا ط کی بنا پر اپنے والد کھڑک سنگھ کی ایسی خاصی جائداد چھوڑ دی تھی۔

علامہ سیف بنارسی نے ابتدا سے لے کر انتہا تک تعلیم سب سے پہلے اپنے والدِ ماجد کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ، دارانگر بنارس میں حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والدِ محترم کے علاوہ مولانا سید عبدالکبیر صاحب بہاری (م ۱۳۳۱ھ) سید نذیر الدین ہاشمی (م ۱۳۵۲ھ) اور شیخ عبدالمجید صاحب بنارسی (م ۱۳۵۶ھ) ہیں۔ (یہ سب حضرات مدرسہ سعیدیہ دارانگر میں تعلیم دیتے تھے۔)

پھر مدرسہ سعیدیہ سے فراغت کے بعد آپ نے مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) شیخ حسین بن محسن یمانی (م ۱۳۲۷ھ) اور مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی (م ۱۳۳۴ھ) سے علم حدیث و تفسیر حاصل کیا۔

آپ کا اصل نام محمد ہے اور آپ پورے طالب علمی کے دور میں "محمد" کے نام سے ہی پکارے جاتے رہے۔ لیکن حضرت میاں صاحب نے آپ کی سند لکھواتے ہوئے "محمد" کے ساتھ ابوالقاسم کا اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مولانا خود اپنی کتاب — "الزہر الباسم فی کنیۃ ابی القاسم" — کے صفحہ ۱۶ پر اپنے حریف مولانا حکیم ابو تراب عبدالحق کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔۔ میری کنیت تو خود جناب میاں صاحب نے انتخاب کی تھی۔ مجھے تو اس وقت صرف محمد کے ساتھ پکارا جاتا تھا۔ جب سند میں میرا نام "خالی محمد" لکھا گیا تو میاں صاحب نے ارشاد فرمایا "ارے یہ خالی محمد کیا ہے؟! کنیت ابوالقاسم بڑھا لے۔۔" (الزہر الباسم ص ۱۶)

تکمیلِ علم کے بعد آپ اپنے وطن بنارس آ کر ۱۳۰۳ھ سے مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں درس دینے لگے۔ آپ وجود اور درسِ حدیث امت کے لیے ایک نعمتِ خداوندی تھا۔ آپ نے ان جلیل القدر شیوخِ حدیث کی یاد تازہ کر دی تھی جو بے حد وافر حافظہ اور کتبِ حدیث و رجال پر عبور کامل کی بنا پر ایک زندہ کتب خانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے درسِ حدیث میں اطراف و جوانب کے علاوہ دور دراز سے آ کر کافی تعداد میں طلبہ شریک ہوتے تھے۔

آپ مکمل چالیس سال تک مسلسل صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس دیتے رہے۔ آپ نے دو مرتبہ حج کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں، لیکن اس دفعہ صرف مکہ مکرمہ کی زیارت کی۔ کچھ پریشانیوں کی بنا پر مدینہ منورہ تشریف نہ لے جا سکے۔ اس لیے دوبارہ ۱۳۴۴ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے اور بخیریت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اس سفر میں شیخ عبداللہ بن بلیہد قاضی مکہ مکرمہ، شیخ ابراہیم آلِ سبہان حاکم مدینہ منورہ، شیخ محمد بن علی ترکی، شیخ قاضی محمود علی مصری سے مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ ہوا۔ یہ سب حضرات آپ کے علم سے اتنا زیادہ متاثر ہوئے کہ حاکم مدینہ نے اصرار کر کے جمعہ کا خطبہ مسجدِ نبوی میں آپ سے دلوا دیا۔ علاوہ ازیں اس عہد کے علامہ نجد شیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو ۱۳۴۹ھ میں سلطان عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اہلِ حرم کی تعلیم کے لیے حجاز تشریف لائے تھے) مولانا سے سندِ حدیث لی۔ چنانچہ مولانا سیف بنارسی نے "تاریخ نجد" (مولانا اسلم جیراجپوری) کے ص ۴۶ کے حاشیہ پر اپنے قلم سے یہ تحریر لکھی ہے کہ "انھیں شیخ عبداللطیف نے ۱۳۴۴ھ میں مکہ معظمہ میں مجھ سے سندِ حدیث لی۔۔"

۱۹۴۳ء میں آپ پر پہلی بار فالج کا حملہ ہوا، پھر آرام ہو گیا۔ لیکن ۱۳۶۸ھ میں دوبارہ حملہ ہوا اور ۴ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ کو علم و حکمت کا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

درس و تقریر میں اعلیٰ درجے کا فضل و کمال رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ آپ ایک بلند پایہ مناظر اور چوٹی کے مصنف بھی تھے۔ حدیث و تفسیر، فقہ و اصولِ فقہ اور مختلف فنون میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جن میں سے بیشتر تصانیف میں آپ نے اسلام اور اہلِ اسلام، اور حدیث و اہلِ حدیث کی طرف سے بڑا پُر زور دفاع کیا ہے اور حق کی قوت کے سامنے باطل کو سرنگوں کر دیا ہے۔ یہ تصانیف علماء و طلبہ اور خواص و عوام سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ ان کا مختصر تعارف آپ کے

سامنے پیش کیا جاتا ہے ۔ (یہاں میں آپ کی صرف انہی کتابوں کا تذکرہ کر رہا ہوں جو میری نظر سے گزر چکی ہیں ۔)

(۱) حل مشکلات بخاری مسمیٰ بہ الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری جز اوّل (اردو)

صفحات ۱۴۴ طبع اول ۱۳۳۰ھ مطبع سعید المطابع بنارس ۔

ایک صاحب ڈاکٹر عمر کریم حنفی پٹنوی گزرے ہیں جنھوں نے ایک رسالہ "الجرح علی البخاری" شائع کیا (جو اخبار اہل فقہ کے مضامین کا مجموعہ تھا) اس رسالہ میں انھوں نے انتہائی دریدہ دہنی اور بیباکی سے صحیح بخاری شریف پر بیجا حملے اور جھوٹے اعتراضات کئے اور نہایت رکیک و بیہودہ الفاظ امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں استعمال کیے ۔ مثلاً انھوں نے لکھا کہ "ان (امام بخاری) میں اجتہاد کی قوت نہ تھی اور وہ معصوم نہ تھے لہٰذا وقوع خطا ان سے ممکن ہے" ۔

یہ کتاب اسی رسالہ کے اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے ۔ اسکے بعد مولانا سیف اور عمر کریم پٹنوی کے درمیان جواب اور جواب الجواب کا ایک طویل سلسلہ چلا جو آئندہ کتابوں کے تعارف سے واضح ہے ۔

لہ اس کی مثال میں پٹنوی صاحب نے بخاری شریف سے تین حدیثیں نقل کی ہیں اور کہا ہے کہ "ان کو ترجمہ باب سے مطابقت نہیں ہے" ۔ ان میں سے ایک یہ ہے "باب طول القیام فی صلوۃ اللیل" یہ باب تہجد کی نماز میں درازی قیام کے بیان میں ہے عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام للتہجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک (بخاری ج ۱ مطبوعہ احمدی ص ۱۵۳) (حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف کر لیتے) اس باب و حدیث کے متعلق پٹنوی صاحب کہتے ہیں کہ دیکھیے یہ باب اور اس کی حدیث من پہ گوئم و طنبورہ من چہ سراید ۔

مولانا سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے (حل مشکلات بخاری جز اول) میں حدیث مذکور اور باب کے درمیان چار شقوں سے مطابقت دکھلائی ہے ۔

(۱) لفظ قیام "در باب اور "قام" در حدیث سے لفظی مطابقت ظاہر ہے ۔

(۲) مسواک کرنا چونکہ ازالۂ نوم کی معین ہے لہٰذا یہ تنہا خود طول قیام پر دال ہے ۔ بطریق استنباط

(۳) اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ یہ روایت حذیفہ کی ہے اور طوالت قرأت در نماز تہجد کی روایت بھی صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ ہی سے مروی ہے ۔ پس امام بخاریؒ نے اس حدیث سے دوسری حدیث کی طرف اشارہ کر کے سمجھا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں لمبی قرأت کرتے تھے ۔

حلّ مشکلات بخاری ج دوم (اردو) صفحات ۷۷ تاریخ تصنیف ۱۳۳۲ھ / طبع اول ۱۳۳۳ھ
مطبع سعید المطابع بنارس۔

(۳) حدیث مذکور میں ہر دوگانہ تہجد کے بعد مسواک کرنا نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ رائحۂ فم کی ضرورت ایک عرصہ کے بعد ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک دوگانہ میں ایک عرصہ تک قیام کرتے تھے۔ نہ

اس نور الٰہی کی ضیا یونہی رہے گی ؎ افواہ سے ممکن نہیں اطفائے بخاری

ؔ اس کے جواب میں مولانا سیف لکھتے ہیں کہ "امام عالی مقام پر یہ اعتراض کہ وہ معصوم نہ تھے لہٰذا وقوعِ خطا ان سے ممکن ہے" معترض کے انتہا درجے کی بے عقلی پر دال ہے۔ اس لیے کہ لغزش (تقدیمی و تاخیری) کا صدور تو معصومین سے بھی ہوا ہے۔ پھر غیر معصوم کیوں کر بچ سکتا ہے۔ لیکن قابلِ غور یہ امر ہے کہ امام بخاری نے کون سا کام کیا اور ان سے کس امر میں خطا ہوئی؟ امام بخاری نے صرف احادیث شتّی کی تدوین کی۔ متنِ حدیث میں غلطی ممکن نہیں کیوں کہ وہ قولِ نبی ہے جو محلّی بعصمت از خطا ہے۔ یا قولِ صحابہ ہے اور وہ اہلِ لسان ہیں۔ سندِ حدیث میں بھی خطا ممکن نہیں کیونکہ وہ رواۃ نہایت ثقہ اور حجت باتفاقِ امت ہیں۔ پس رہ گئی تدوین، اس میں البتہ امکان کو دخل ہے، لہٰذا اس میں خطا نہیں بلکہ تقدیمی و تاخیری لغزش کو ضرور دخل ہوگا اور ایسی لغزشیں انبیاء کرام معصومین سے ثابت ہیں۔ لیغفر لک اللّٰہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر (سورہ فتح) اور عفا اللّٰہ عنک لم اذنت لہم (سورہ توبہ) وغیرہ آیت قرآنیہ میں اس طرف اشارہ ہے۔ پس ایسی لغزش چونکہ معاف اور قابلِ مواخذہ نہیں ہیں۔ اسی طرح امام بخاری کی یہ لغزش بھی قابلِ اعتراض و صحت کے مضر نہیں۔ فافہم فانہ دقیق و انہ مما الہمنی ربی بمنہ و کرمہ علیّ خاصۃ فالحمد للہ علیٰ کلّ حال۔

ثانیاً امام بخاری کا جامع صحیح کی تالیف کے وقت ایسا انتظام و التزام و اہتمام دیکھ کر عقل باور نہیں کرتی کہ اس قدر محافظ و نگارڈ کے رہتے ہوئے جرم و خطا وہاں پھٹک بھی سکے۔ چنانچہ امام بخاری خود فرماتے ہیں، جس کو ہم ایک معتبر حنفی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

قال البخاری ما وضعت فیہ حدیثا الا بعد الغسل و صلوۃ رکعتین و اخرجتہ من زہاء ستمائۃ الف و صنفتہ فی ستۃ عشر سنۃ (الی قولہ) و ما ادخلت فیہ حدیثا حتی استخرت اللّٰہ و صلیت رکعتین و تیقنت صحتہ انتہی (مرقاۃ ملا علی قاری حنفی ص ۱۳ ج ۱۔)

اللّٰہ اکبر ایک ایک حدیث کی جانچ پڑتال میں ڈیڑھ ڈیڑھ یوم کامل صرف ہوئے اور وہ بھی محض تدوینی امر میں، اور پھر اس پر الزامِ خطا؟ تکاد السموات یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ہدا۔ (حل مشکلات بخاری ج اول ص ۷۶)

یہ جلد "الجرح علی البخاری حصہ اول" کے ص ۷۹ سے لے کر آخر تک کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس میں حدیث "اتی سباطۃ قوم فبال ولم یتوضأ" اور حدیث "من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب" وغیرہما پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات درج ہیں۔

حل مشکلات بخاری ج سوم (اردو) صفحات ۱۵۲ طبع اول ۱۳۳۳ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس جلد میں ان مضامین جرح کا جواب دیا گیا ہے جو بعد اشاعت "حل مشکلات بخاری ج دوم" بذریعہ اخبار اہل فقہ امرتسر شائع ہوئے تھے اور ڈاکٹر عمر کریم پٹنوی نے چند مہینوں کے بعد اکٹھا کر کے "الجرح علی البخاری حصہ دوم" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔

(۲) الامر المبرم لابطال الکلام المحکم (اردو) صفحات ۲۰ طبع اول ۱۳۲۹ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں ڈاکٹر عمر کریم پٹنوی کے ان اعتراضات و اختراعات کا مفصل جواب دیا گیا ہے جو انھوں نے صحیح بخاری شریف کے ایک سو بہتر رواۃ پر کیا تھا۔

(۳) مار حمیم للمولوی عمر کریم (اردو) صفحات ۱۵۲ طبع اول ۱۳۳۳ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم پٹنوی کے ان بارہ سوالات کے مفصل جوابات دیے گئے ہیں جن کو انھوں نے صحیح بخاری شریف پر کیا تھا۔

ؔ ان بارہ سوالات میں سے ایک یہ ہے "کہ اس (بخاری) کی سب حدیثیں بلفظہ روایت کی گئی ہیں۔ یعنی جو الفاظ آنحضرت یا صحابہ کی زبان سے نکلتے تھے، اس کو راویوں نے اس زمانہ سے اس وقت تک پورے طور سے یاد رکھا کر جب تک وہ امام بخاری کو پہنچیں؟ کس واسطے کہ اگر روایت بالمعنی کی گئی ہے اور ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق حدیث کی عبارت بنائی ہے تو اس سے اصل مدعا میں خلل عظیم پڑنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ جیسے کسی واقعہ کو مختلف لوگ مختلف زمانہ میں اپنے اپنے طور سے بیان کرتے ہیں تو وہ بات کہیں سے کہیں جا پڑتی ہے۔ جیسا کہ ہر شخص اس سے بدیہی طور پر واقف ہے۔"

جواب :- پہلے میں آپ کے سامنے روایت بالمعنی کے متعلق عرض کر دوں۔ روایت بالمعنی اس کا نام نہیں ہے کہ ہر شخص سے

(۴) **الرمح العظیم لحسم بناء عمر کریم** (اردو) صفحات ۶۸، طبع اول ۱۳۲۸ھ، مطبع سعید المطابع، بنارس۔

اس کتاب میں مولوی عبدالکریم پٹنوی کی جانب سے صحیح بخاری پر کیے گئے انسٹھ اعتراضات[1] واہیہ کا جواب دیتے ہوئے ان کی بنیاد کا اچھی طرح قلع قمع کیا گیا ہے۔ عمر کریم کے اعتراض کو مریب اور جواب کو مجیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب در اصل "صراط مستقیم" کا دوسرا حصہ ہے۔ (افسوس مجھے صراطِ مستقیم کا پہلا حصہ نہ مل سکا کہ اس کا تعارف پیش کروں۔)

← اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عبارت آرائی کرے، جس سے آپ کو خلل عظیم کا احتمال ہوا، بلکہ روایت بالمعنی کہتے ہیں راوی کے لیے الفاظ بیان کرنے کو جس سے اور اصل الفاظ سے تناقض نہ ہو۔ مثلاً عربی میں بہت سے الفاظ مشترک المعنی ہوتے ہیں۔ کسی نے تیمن کے لیے بجائے اسد کے لیث کہدیا، کسی نے ضرغام کہدیا... اس سے کوئی خرابی یا خلل واقع نہیں ہوسکتا، ہاں بشرطیکہ راوی الفاظ اور ان کے مقاصد کا جاننے والا، مقدار واقعات سے واقف ہو۔ جیساکہ مقدمہ ابن الصلاح فن ۵ میں ہے۔ "فاما اذا کان عالماً عارفاً بذلک فالاصح جواز ذلک۔ انتہیٰ۔ اور .... دلیل دیتے ہیں لان ذلک ہو الذی تشہد بہ احوال الصحابۃ والسلف الاولین وکثیراً ما کانوا ینقلون معنی واحداً فی امر واحد بالفاظ مختلفۃ وما ذاک، لان معولہم کان علی المعنی دون اللفظ، انتہیٰ۔ (ابن الصلاح ص ۱۰۵)۔ یعنی روایت بالمعنی کی شہادت تو خود صحابہ اور سلفِ متقدمین سے ملتی ہے، وہ لوگ اکثر ایک معنی کو مختلف الفاظ سے نقل کرتے، اس لیے ان کا دارو مدار معنی پر ہی تھا۔ نہ کہ لفظ پر۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک جیسے روایت باللفظ معتبر ہے، بالمعنی بھی، اور خود صحابہ سے یہ ثابت ہے، جس کا ثبوت واقعات سے بہت ملتا ہے۔ پس بخاری میں روایت بالمعنی کے ہونے سے محدثین کے یہاں کوئی خرابی و حرج نہیں۔ گو آپ کے نزدیک عقلاً حرج ہے۔ .... پس ثابت ہوا کہ ادائے مقصود میں روایت باللفظ و بالمعنی دونوں یکساں ہیں، گو صحیح بخاری کی اکثر احادیث کی موافقت اور کتب حدیث مثلاً صحیح مسلم وغیرہ سے بخوبی ہوتی ہے، جو صاف شاہد ہے کہ یہ روایات بالفاظ ہیں۔ فتفکر۔

[1] ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض کے چند جزوں میں سے ایک جز کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

مریب: "چند احادیث بخاری کی جو کلام حق یعنی قرآن شریف کے خلاف ہیں.... حدیث سوم "لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"، یعنی جس نے نماز میں الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی (بخاری مطبوعہ احمدی ج ۱ ص ۱۰۴ باب وجوب القرأۃ للامام والماموم)۔ یہ حدیث اس آیت قرآن کے خلاف ہے: واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا (سورۂ اعراف رکوع ۲۴)

(۵) العرجون القدیم فی افشار ہفوات عمر کریم

(اردو) صفحات ۸۰ طبع ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۹ء، مطبع سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں مولوی عمر کریم پٹنوی کے اشتہار ۳۲ کا رد بالدلائل تفصیل سے کیا گیا ہے ۔ اور اس اشتہار میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری کی احادیث و رواۃ وغیرہ کے متعلق جو ہرزہ سرائیاں کی گئی ہیں۔ ان کا معقول اور مدلل جواب دیا گیا ہے اور اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالات زندگی بھی مرقوم ہیں ۔

← ترجمہ : ۔ جس وقت پڑھا جائے قرآن نماز میں پس سنا کرو تم اس کو، اور خاموش رہو ۔

مجیب : ...... ثالثاً" اگر یہ مان لیا جائے کہ آیت مذکور قرأۃ خلف الامام ہی کی بابت نازل ہوئی ہے تو بھی کچھ قباحت نہیں ، اس لیے کہ اس آیت سے ممانعت قرأت خلف الامام کی' ہرگز ثابت نہیں ہوتی ۔ بلکہ اس سے قرأت خلف الامام کا حکم نکلتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ,, وانصتوا ،، اور ,, انصات ,, کے معنی علامہ طاہر حنفی مجمع البحار میں سکوت کے لکھتے ہیں اور سکوت کے معنی عدم الجہر کے کرتے ہیں ۔ بدلیل حدیث ,, ما تقول بین اسکاتک ,, الخ دیکھو مجمع البحار جلد اول ص ۱۲۵ و جلد دوم ص ۳۶۱ ، پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان بھی لگائے رہو اور آہستہ پڑھتے بھی جاؤ ۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے ۔ پس بخاری کی حدیث قرآن مجید کی آیت کے عین موافق ہے ۔

رابعاً" : اگر انصات کے معنی عدم الجہر کے بھی نہ کیے جاویں اور اس آیت کو نماز ہی کے لیے مخصوص مانیں تو بھی اس کے بعد والی آیت کو ملانے سے پورا مطلب حل ہو جاتا ہے ۔ اور مدعا بر آتا ہے ۔ اصل آیت پوری یہ ہے ۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ ودون الجہر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغفلین ۔ (پ ۹ س اعراف) ۔

اب اس کا ترجمہ مع مطلب غور سے سنو ! خود یہ آیت ثبوت قرأت خلف الامام پر کافی دلیل بن جاتی ہے ۔ خدا فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنتے رہو اور خاموش ہو جاؤ ۔ شاید تم رحم کیے جاؤ ۔ (اب یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ کہیں اس آیت کے دیکھتے ہی سورہ فاتحہ خلف الامام کو چھوڑ دو ؟ نہیں نہیں ! بلکہ) اپنے پروردگار کا ذکر (یعنی قرآن بدلیل : ان ہو الا ذکر و قرآن مبین ، یعنی ذکر سے مراد قرآن ہے ۔ اس قرآن کو) اپنے نفس میں کر (یعنی پڑھ) اس جگہ ابو ہریرہ کی مسلم والی حدیث ,, اقرأ بہا یا فارسی فی نفسک ,, بالکل آیت کے موافق ہوتی ہے ۔ اب یہاں سے اس امر کی تشریح خدا کرتا ہے کہ ہم نے ,, فاستمعوا لہ وانصتوا ،، سے کیا مراد لیا ہے ، یعنی دون الجہر من القول) پکار کر ←

(۴) **قضیۃ الدعیث فی حجیۃ الحدیث** : (اردو) صفحات ۳۲ مطبع انتظامی پریس کانپور

اس کتاب میں احادیث کا مقام قرآن مجید و تواریخ کی روشنی میں دکھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ بالکل اسی طرح احادیث کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے۔ اور جس طرح قرآن کا ہر قانون واجب العمل ہے اسی طرح صحیح احادیث نبویہ پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ حدیث کے الفاظ خواہ وہی ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے تھے یا کہ کے ہم معنی ہوں دونوں

ـــه (سورۂ فاتحہ کو) نہ پڑھیں، بلکہ آہستہ اپنے نفس میں پڑھیں۔ اس کی مخالفت نہیں کی جاتی۔ ابھی اور بھی تشریح ہوتی ہے کہ " بالغدو والآصال " یعنی (صبح کے وقت فجر کی نماز میں) شام کے وقت (مغرب اور عشاء کی نماز میں) مطلب یہ کہ انھیں تینوں وقتوں میں امام جہر سے پڑھتا ہے تو تم " فاستمعوا " الخ کو دیکھ کر سورہ فاتحہ نہ چھوڑ دینا، بلکہ تم جہری نماز وں غدو آصال میں بھی برابر نفس میں ذکر کرتے جاؤ۔ یعنی دوسرے الفاظ میں سورہ فاتحہ پڑھو۔ اب اس سے بھی زیادہ تشریح ہوتی ہے " ولا تکن من الغفلین " یعنی کہیں " اقرؤا الصلوۃ کی طرح صرف " واذا قری القرآن (تا) ترحمون کو دیکھ کر سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے غافل نہ ہو جانا۔ (خبردار)۔

خامساً:۔ آیت " واذا قری القرآن " الخ سے کسی قسم کا استدلال کرنا ہی غلط ہے، اور اصول سے بے خبری کی علامت ہے نور الانوار ص ۱۹۳ (جو اصولِ فقہ کی معتبر کتاب ہے) اس کے بحث تعارض میں ہے، " قولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر من القرآن مع قولہ تعالیٰ: واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فان الاول بعمومہ یوجب القرأۃ علی المقتدی والثانی بخصوصہ ینفیہ وقد وردا فی الصلوۃ جمیعاً فتساقطا فیصار الی حدیث بعدہ " انتہی۔

یعنی آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن، اور واذا قری القرآن الخ دونوں آپس میں معارض ہیں۔ کیونکہ پہلی آیت سے مقتدی پر قرأت واجب معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے ممانعت، اب کوئی تیسری آیت نہیں جو کسی کو ترجیح دے تو بحکم " اذا تعارضا تساقطا " دونوں آیتیں موضِ استدلال سے ساقط کر دی جائیں گی اور اب حدیث کی طرف رجوع کیا جاوے گا۔ پس اب دیکھیے کہ صحیح حدیث کون سی ہے۔ وہی جس کو بخاری سے آپ نے نقل کیا، اب وہی واجب العمل ہوئی۔ ؎

سنبھل کے پاؤں رکھنا میکدہ میں مولوی صاحب کہ یہاں پگڑی اچھلتی ہے، اسے میخانہ کہتے ہیں۔

(الرحیق العقیم ص)

واجب العمل ہیں کیونکہ نقل بامعنی خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ احادیث کی صحت کا ثبوت مولانا نے اس طرح بھی پیش کیا ہے کہ احادیث میں موجود بہت سی پیشین گوئیاں متعلقہ کتابوں کی تالیف کے صدہا سال بعد وقوع پذیر ہوئیں۔ مثلاً مدینہ کے قریب ایک بڑی آگ کا نمودار ہونا۔ ترکوں و تاتاریوں سے جنگ وغیرہ۔

(۷) **جمع القرآن[1] والاحادیث** (اردو) مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر۔ صفحات ۶۴ طبع اول محرم ۱۳۴۴ھ

اس کتاب میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید آج جس ترتیب سے موجود ہے۔ عہد نبوی میں اسی ترتیب کے ساتھ جمع کیا جا چکا تھا۔ اسی طرح احادیث نبویہ بھی آخری زمانۂ رسالت میں کتابی صورت میں جمع کی جا چکی تھیں، نہ کہ دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں، جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے۔

(باقی ص ۴۸ پر)

---

[1] مولانا شاہ معین الدین ندوی حنفی اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "بعض روایات کی بنا پر عام مسلمانوں میں یہ عجیب غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ قرآن عہد رسالت کے بعد حضرت ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مرتب ہوا۔ اور احادیث کی تدوین عباسی عہد میں عمل میں آئی۔ اور اس غلط فہمی میں نہ صرف عوام بلکہ بہت سے خواص تک مبتلا ہیں۔

اسی غلط شہرت کی وجہ سے مسلمانوں کے مخالفین طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ کلام اللہ اسی ترتیب کے ساتھ عہد رسالت میں مرتب ہو چکا تھا اور حدیثیں بھی لکھی جاتی تھیں، گو آج ہمارے پاس اس عہد کا کوئی مجموعۂ حدیث نہیں ہے۔ بعض صاحب نظر اور محقق علماء نے اس سے پہلے بھی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مضامین اور مستقل رسالے لکھے، خصوصاً تدوین حدیث کی تاریخ پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن کی تدوین کی تاریخ کا تعلق ہے مولانا ابوالقاسم صاحب کا رسالہ سب سے زیادہ جامع اور مدلل ہے۔ اس میں احادیث اور آثار صحابہ کی ناقابل تردید شہادتوں سے دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید عہد رسالت میں پورا مرتب ہو چکا تھا اور موجودہ قرآن اسی عہد کا مرتب شدہ ہے۔ تمام دلائل نہایت مستند اور موثق ہیں۔ ان کے دیکھنے کے بعد کسی صاحب نظر کو قرآن کے زمانۂ ترتیب میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ یہ بھی ایک تعجب خیز امر ہے کہ احادیث کی محض ایک آدھ روایتوں اور بعض تاریخی بیانوں سے تو یہ غلط فہمی اتنی عام ہو گئی لیکن کسی نے ان بے شمار حدیثوں کی طرف توجہ نہیں کی جن کے ہوتے ہوئے عہد رسالت میں قرآن کی تدوین میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔"

(معارف جلد ۴۰ نمبر ۱، ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۷ء)

آیات اللہ — ایڈیٹر "رفیق" پٹنہ کے نام ایک مکتوب

صفی الرحمان
جامعہ سلفیہ، بنارس
۲۴/ شوال ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی جناب ایڈیٹر صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی؟

ماہنامہ رفیق (جون ۱۹۸۵ء) کے ص ۱۲ کا یہ ابتدائی فقرہ پڑھ کر کہ "زیر نظر مضمون میں قارئین کو علم کے خزانوں کی ایک کنجی دینا چاہتا ہوں"، پورا مضمون پڑھنے کی تحریک ہوئی۔ ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب نے اس اصول کا انکشاف فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے "واحد متکلم کا صیغہ وہاں استعمال فرماتا ہے جہاں فطری قوانین سے بالاتر ہو کر تخلیق یا تصرف کا ذکر فرماتا ہے اور جمع متکلم کا صیغہ وہاں استعمال فرماتا ہے، جہاں فطری قوانین کے مطابق کام انجام دیتا ہے۔" اگلی سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو اس نکتہ سنجی پر بڑی خوشی اور اعتماد ہے، اور شاید کچھ ادعا بھی ہے[1]۔

ہماری گزارش ہے کہ موصوف کا انکشاف یا نکتہ سنجی صحیح نہیں۔ چونکہ معاملہ قرآن کا ہے اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ اس طرف توجہ دلا دوں، معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نافرمان گروہ کو بندر بنا دیا تھا، اس کا بیان قرآن میں جمع متکلم سے کیا گیا ہے (ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین)

---

[1] اگلی سطور یہ ہیں: "اس حقیقت کو اگر سمجھ لیا جائے تو علم کے بیشمار دروازے کھل جائیں۔ لیکن میرے اس خیال سے اتفاق کے لیے اگر یہ شرط رکھی جائے کہ متقدمین نے ایسا لکھا ہے یا نہیں تو پھر قرآن سے قیامت تک موتی نکالتے رہنے کا سلسلہ بند کر دینا ہوگا متقدمین کا ذہن جس طرف نہ جا سکا ہو، کیا ضروری ہے کہ بعد والے بھی اپنے ذہن پر تالا پڑا پائیں۔"

حالانکہ انسان کو بندر بنانا فوق الفطری تصرف ہے۔ سمندر میں راستہ بنا کر بنو اسرائیل کی نجات اور فرعون و آل فرعون کی غرقابی کا واقعہ بھی فوق الفطری تصرف کے ذریعہ وجود میں آیا تھا، اس کا ذکر بھی جمع متکلم کے صیغے سے کیا گیا ہے۔ واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون - اسی طرح بنو اسرائیل کے کچھ لوگوں کا موت کے بعد اسی دنیا میں اٹھایا جانا۔ (ثم بعثنٰکم من بعد موتکم) بنو اسرائیل پر من وسلویٰ نازل کیا جانا۔ وانزلنا علیکم المن والسلویٰ) پہاڑ کو اٹھا کر ان پر سائبان کی طرح کر دیا جانا۔ (ورفعنا فوقکم الطور واذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم) اور متعدد دوسرے امور جو فوق الفطری تصرف سے تعلق رکھتے ہیں، جمع متکلم کے صیغے سے بیان کیے گئے ہیں۔

اس کے برعکس جو چیزیں فطری قوانین کے دائرے میں آتی ہیں۔ ان کا ذکر واحد متکلم کے صیغہ سے بھی ملتا ہے۔ (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔) (یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العٰلمین) وغیرہ وغیرہ۔

بلکہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی چیز کو کہیں واحد متکلم کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے تو کہیں جمع متکلم کے صیغے سے۔ (وآمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم) اس میں قرآن کے نازل کیے جانے کو واحد متکلم کے صیغے سے ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔) اور (وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم) یہاں قرآن کے نازل کیے جانے کو جمع متکلم کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے تمہید میں جس آیت کو بطور مثال پیش کر کے اپنی دریافت بیان کی ہے، اس میں واحد کا جو صیغہ ذکر ہے وہ ہے تو واحد ہی کا صیغہ، لیکن متکلم نہیں بلکہ غائب کا صیغہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے اصول کو صیغہ "متکلم" کے ساتھ مشروط نہیں سمجھتے بلکہ غائب اور حاضر کے صیغوں میں بھی جمع اور واحد کے درمیان اسی فرق کے قائل ہیں اور متکلم کا ذکر محض اتفاق کے طور پر ہے۔ اگر ایسا ہے تو موصوف مہربانی کر کے حاضر اور غائب کے صیغوں پر بھی نظر ڈال لیں۔ وہاں بھی ان کی دریافت کے خلاف بہت کچھ مل جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ دریافت صحیح نہیں، اور چونکہ معاملہ قرآن سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے توجہ دہانی ضروری سمجھی گئی۔ ان سطور کو شائع فرما کر دیگر قارئین "رفیق" کی بھی غلط فہمی دور فرما دیں۔ والسلام

صفی الرحمان

عبدالغنی

دو قدیم اہلحدیث بستیاں اور ان کی ضلالت و ہدایت کی مختصر تاریخ

ہم لوگوں کی دونوں بستیاں یعنی 'پانچی' و 'بالا بھیٹا'، ضلع مغربی دیناجپور مغربی بنگال کے تھانہ اسلام پور میں واقع ہیں۔ ہمارے یہ دونوں گاؤں بنگلہ دیش کی سرحد کے بالکل قریب ہیں۔ ہمارے گھر سے پانچ منٹ کے وقفہ پر بنگلہ دیش جا سکتے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے تقریباً پچھم جانب دس کلومیٹر کی دوری پر اسلام پور تھانہ واقع ہے اور پورب میں ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بنگلہ دیش کی سرحد ہے۔ اور اُتر جانب بارہ کلومیٹر کی دوری پر رام گنج بازار واقع ہے، اور دکھن جانب سے بھی بنگلہ دیش ہے۔

پانچی و بالا بھیٹا دونوں گاؤں کی آبادی کم و بیش چار ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ ہمارے علاقے میں مالدہ کے بعد اہلحدیث مذہب کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے آبا و اجداد کیسے اہلحدیث ہوئے اور کب ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین ثم آمین۔ ہم لوگوں کے آبا و اجداد کے گزر جانے کے بعد ہمارے علاقے میں شرک و بدعت کا امنڈتا ہوا سیلاب پھیلا تھا۔ اور خدا کی قدرت کہ ہمارے یہاں اتنی زیادہ آبادی ہونے کے باوجود ہمارے گاؤں میں ایک آدمی بھی پڑھا لکھا نہیں تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں کو عید، بقرعید کی نماز ادا کرنے کے لیے بدعتی ملاؤں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ وہی لوگ عید، شادی بیاہ اور جنازہ وغیرہ پڑھانے آتے تھے اور ہمارے گاؤں سے اچھی خاصی رقم بطور ٹیکس وصول کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ باطل مذہب کی ترویج بھی کرتے رہتے تھے۔ اور ہم لوگوں کو اہلحدیث کے ضلالت اور باطل پر ہونے کا پُر زور یقین دلایا کرتے تھے، اور ہم لوگ اپنی جاہلیت کی بنا پر ان کے اُلٹے سیدھے منطقی و فلسفی پیچیدہ دلائل سے خاموش ہو کر

یلیم ختم کرتے تھے، چنانچہ اس طرح کی مسلسل کوششوں سے ہم لوگوں کے دلوں میں مذہب اہلحدیث سے نفرت کے
ال کر اسے محنت و مشقت سے دن رات سیراب کرنے لگے، بایں وجہ ہم لوگ ان کے کفر و شرک کے دلدل
پھنس گئے اور ہلاکت کے گڑھے میں قدم رکھ دیا۔ ہم لوگوں کے اندر بہت سی بدعتیں رائج ہو گئیں اور
ے یہاں بھی میلاد و چہلم وغیرہ شروع ہونے لگا ۔ اب ہم صرف برائے نام اہلحدیث باقی رہ گئے تھے۔ اسی
ء میں ان بدعتی جغادریوں نے رات دن محنت کر کے ہمارے گاؤں کے ایک ہونہار فرزند عزیزم عبد الغنی
درشن علی سلمہ کو دینی تعلیم دلانے اور اسلام کا داعی بنانے کے لیے طلب کیا۔ چوں کہ ہم لوگ ان کے پُر فریب
یں پھنس چکے تھے، لہٰذا اس ہونہار بچے کو تعلیم کی غرض سے بدعتی جغادریوں کے سپرد کر دیا۔ یہ لوگ اس
یلم کے والدسے اچھی خاصی رقم برابر حاصل کرتے رہے اور اس بچے کو چند برس پڑھا کر صرف اتنی ہی تعلیم دی
ار اہلحدیث کافر، علماء دیوبند کافر، تبلیغی جماعت کافر، جماعت اسلامی کافر اور فاسق و فاجر ہیں، لہٰذا
لوگوں کے ساتھ سلام و کلام، مصافحہ حرام، شادی بیاہ باطل وغیرہ وغیرہ، اور چند غلط سلط تقریریں
دیں۔ اسی پر اس بے چارے کی زندگی کٹ گئی اور معلوم ہوا کہ اس سال یعنی ۱۹۸۵ء کے ماہ شعبان میں اس
تار بندی ہونے والی ہے۔ پھر بریلی سے اس کی واپسی کے بعد ہم لوگوں کے گاؤں سے اہلحدیث نام و نشان
مٹنے کے قریب ہو گیا اور اس نے پُر زور طریقے سے ہمارے گاؤں میں بدعت کی ترویج اور اہلحدیث اور اہل دیوبند
اف تقریریں شروع کیں۔

اس طرح ہم لوگ شرک و بدعت کے دلدل میں پوری طرح پھنس چکے تھے، مگر اس درمیان میں ہمارے
سے اتر جانب دس کلومیٹر کی دوری پر ایک گاؤں الن گھر سے اہلحدیث کے طرفدار اور بدعتیوں سے مقابلہ کرنے
، دو عالم نمودار ہوئے، جو باہم چچا بھتیجے ہیں اور جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) قاری ابو الحسن صاحب محمدی (۲) مولانا محمد اللہ صاحب مدنی

یہ لوگ کھل کر اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے تھے اور اہلحدیث کی حقانیت کی تبلیغ کرتے تھے اور اس میں کامیاب
تھے۔ چنانچہ ہمارے علاقے میں آج سے قبل ۹۹ فی صد قبر پرست ہی تھے جو میلاد خوانی اور پیر پرستی
، وغیرہ قسم کے اعمال میں مبتلا تھے اور جن کے عقائد شرک و بدعت میں مشرکین مکہ سے کم نہیں تھے۔ ان کے
ی تعداد بھی برساتی مچھروں سے کم نہیں تھی۔ یعنی بغیر پڑھے لکھے ملا جن کے القاب تین سطروں میں ہوا

کرتے تھے، جیسا کہ بدعتی عالموں کا لقب عموماً ہوتا ہے۔ ان دونوں چچا بھتیجا کی دعوت اہلحدیث سے بدعتی جماعت اور پیر ہوا س باختہ ہونا شروع ہو گئے، وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ اگر مذہب حق سمجھنے لگ جائیں گے اور قرآن و حدیث کی باتیں لوگوں تک پہنچنا شروع ہو جائیں گی تو ان پیروں اور جھوٹے مولویوں کو بغیر محنت و مشقت کے عوام کی جیب سے ہزاروں روپئے جو من و سلویٰ کی طرح حاصل ہو رہے ہیں وہ بند ہو جائیں گے، انکے مرغ مسلم جس پر تینوں وقت مع اہل و عیال بسر کرتے تھے، اس کا انتظام کہاں سے ہوگا اور بیوی بچوں کے عمدہ لباس کا انتظام کیسے ہوگا۔ جبکہ علم بھی نہیں، ہنر بھی نہیں اور تجارت کا ڈھب و سلیقہ بھی نہیں۔

چنانچہ اس علاقے کے جتنے بھی بدعتی علماء اور قبر کے مزاری اور پیر حضرات تھے، متفق ہو کر قاری ابوالحسن اور مولانا محمد اللہ صاحبان کے پیچھے پڑ گئے اور ہر طرح کی جدوجہد اور سعی کوشش شروع کی کہ لوگ کسی طرح سے قرآن و حدیث کی باتیں نہ سنیں، تاکہ ان پیروں کی روزی کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔

اس لیے ان لوگوں نے متفقہ طور سے اہلحدیث اور دیوبندی علماء کو عموماً اور مولانا محمد اللہ اور قاری ابوالحسن صاحبان کو خصوصاً نشانہ بنایا۔ بہرحال یہ بیچارے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی احادیث کی طرف دعوت دیتے رہے اور لوگوں کو موقع موقع سے قرآن و حدیث کھول کر قرآنی آیتوں اور حدیثوں پر انگلی رکھ کر حق بات دکھلاتے رہے۔

اس طرح ان دونوں چچا بھتیجا کی کوششوں اور صبر و استقامت سے اس علاقے میں اہلحدیث کا نام لوگ جاننے لگے اور کچھ ایسے حضرات جو قبروں پر سجدہ کرتے تھے مشرف بمذہب اہلحدیث ہوئے اور پھر ایک جم غفیر شرک و بدعت سے تائب ہوا۔ چنانچہ اس علاقے میں ایک بڑی تعداد اہل حق کی ہو گئی، جس سے بدعتی علماء کے دل مارے حسد اور غم و غصہ کے سوختہ اور کوفتہ ہونے لگے اور بدعتی علماء طرح طرح کے مظالم اور شرارتیں کرنے لگے، ایک مرتبہ انھوں نے خود مولانا محمد اللہ صاحب مدنی کے گاؤں میں جلسہ منعقد کیا، جس کا اہم موضوع تھا علماء اہلحدیث اور علماء دیوبند کو گالی گلوج دینا۔ خاص کر قاری ابوالحسن صاحب و مولانا محمد اللہ صاحب کو۔ اس کے نتیجہ میں پندرہ جنوری ۱۹۸۴ء بروز توار بمقام رام گنج بازار میں ایک زبردست مناظرہ ہونا طے پایا۔ علماء اہلحدیث و دیوبند کی طرف سے مولانا صفی الرحمان صاحب مبارکپوری مولانا عابد حسن صاحب رحمانی اور مولانا طاہر صاحب گیاوی وقت مقررہ پر مقام مناظرہ میں پہنچے، اور عوام کی تعداد ان گنت رام گنج بازار میں جائے مناظرہ پر موجود تھی، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ میدان مناظرہ

میں بدعتی مناظر آیا ہی نہیں تھا، جس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے، اور ہم لوگوں کے دلوں میں جوں کہ اہلحدیث کی رونق باقی تھی، یہ کیفیت دیکھ کر ہم لوگ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ واقعی مذہب اہلحدیث حق پر ہے۔ کیوں کہ اس طرح کی تعداد کے مقابل میں دونوں چچا بھتیجا کا اللہ پر بھروسہ کرکے جمے رہنا یقیناً حقانیت کی دلیل ہے۔

پھر ہم لوگوں نے مولانا محمد اللہ صاحب سے اور قاری ابوالحسن صاحب سے تعلق جوڑا اور اپنے ایمان کو ان لوگوں کے نورانی بیانات سے تازہ کیا۔ وہ قرآن واحادیث پر انگلی رکھ کے اللہ اور اس کے رسول کی جو باتیں بتلاتے اسے سن کر ہم اہلحدیثیت کی طرف مائل ہوئے اور مولانا محمد اللہ صاحب کو اپنے یہاں جلسے کے لیے بلایا، مولانا موصوف نے تقریباً دو گھنٹہ شرک و بدعت کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائی جس سے ہم لوگوں کا دل منور ہوگیا۔

پھر عزیزم عبدالغنی سلمہ جو بریلوی مولوی ہونے والا تھا اور جن کو بریلویوں کے یہاں سے سند فراغت ملنے والی تھی مولوی محمد اللہ صاحب سے کچھ دیر قرآن وحدیث کی روشنی میں اس نے تبادلہ خیال کیا اور اس تھوڑی ہی مہلت میں قرآن وحدیث کی کرامت یہ ہوئی کہ عبدالغنی سلمہ بدعت سے توبہ کرکے پکے اہلحدیث ہوگئے۔ اور اب ایک اہلحدیث مدرسہ میں قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سعادت دارین سے نوازے آمین ثم آمین

ہمارے علاقے میں ایک بریلوی مولوی ہے جس کا نام عبدالغفور بن چھوٹو ہے، قدم گاچھی اسلام پور کا رہنے والا ہے جو ہمارے پانچی سے مشرق جانب واقع ہے۔ اس شخص کی ماں اہلحدیث گھرانے کی ہیں۔ دادی محترمہ بھی اہلحدیث کی بیٹی ہیں اور اس کی اپنی بہن بھی ہمارے گاؤں کے ایک اہلحدیث کے عقد میں ہے۔ اس وجہ سے اس مولوی نے بھی ہمارے گاؤں میں ایک امیر اہلحدیث گھر میں لالچ کی وجہ سے اپنا منہ مانگا جہیز پاکر شادی کرلی۔ مگر اب شادی کے بعد یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ ان کے اعلیٰ حضرت کے فتوی کی رو سے اہلحدیث گھرانے میں شادی جائز نہیں اس لیے اس مولوی نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو حرامی ہونے کے فتوی سے بچانے کے لیے اپنے بہنوئی اور اپنے سسر اور اپنے پھوپھا کو دھوکہ دے کر اور غلط سلط دلیلوں کے ذریعہ کوشش شروع کی کہ کسی طرح یہ لوگ اہلحدیث مذہب سے توبہ کرلیں تاکہ وہ اپنے اکابر کے یہاں شاباشی پائے اور اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو حرامی ہونے کے فتوی سے نجات دلائے۔ اس مولوی نے اپنے خسر صاحب کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ توبہ نہ کریں گے تو میں آپ کی لڑکی کو رخصت کرکے نہ لاؤں گا۔ چنانچہ ہم لوگ یعنی دونوں بستیوں کے ذمہ داران حضرات نے اپنے علاقے کے اہلحدیث عالم مولانا محمد اللہ صاحب مدنی، مولانا جمشید صاحب اور قاری ابوالحسن صاحب کے سامنے اپنے مسائل پیش کیا تو مولانا

محمد اللہ صاحب مدنی نے مشورہ دیا کہ مذکورہ بریلوی مولوی سے آپ لوگ یہ کہیں کہ ٹھیک ہے ہم لوگ اہلحدیثیت سے توبہ کرکے بریلوی مذہب اختیار کرلیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بریلوی مذہب کے عقائد و اعمال قرآن وحدیث کے مطابق ہوں اگر قرآن وحدیث سے مطابقت ثابت نہیں کرسکے تو پھر ہم نہیں مانیں گے۔ مثال کے طور پر وسیلۂ مروجہ کا ثبوت قرآن وحدیث صحیحہ سے میلادِ مروجہ کا ثبوت، یعنی مجلس میلاد اور اس میں جو افعال آپ کرتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہونا چاہیے۔ قبر پختہ بنانے کا ثبوت اور قبر پر چادر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل قرآن اور صحیح حدیثوں سے چاہیے۔

چنانچہ ہم لوگوں نے واپس آکر اسی طرح کہا جیسے مولانا جمشید صاحب اور مولانا محمد اللہ صاحب نے بتایا تھا۔ وہ مولوی فوراً تیار ہوگیا اور کہا کہ ہمارے یعنی بریلوی مذہب کے تمام اعمال وعقائد بالکل صحیح اور قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اور ہمارا چیلنج ہے کہ ہم ہمہ وقت بالکل تیار ہیں۔

یہ بات ہم لوگوں نے مولانا محمد اللہ صاحب اور مولانا جمشید صاحب کو بتائیں، پھر ان لوگوں سے مل کر بات طے پائی ۱۳ر شوال ۱۴۰۵ھ بروز منگل بعد نماز مغرب دونوں فریق کے علماء جمع ہوں گے اور ہر ایک فریق اپنے آپ کو قرآن وحدیث کے مطابق ثابت کرے گا تو عوام یہ فیصلہ خود کرلیں گے کہ کون فریق اللہ اور اس کے رسول کو واقعۃً مانتا ہے اور کس کا صرف زبانی دعویٰ ہے۔ اور ضرورت ہونے پر دو مولوی بریلوی جماعت کے اور مولوی محمد اللہ صاحب اور مولوی جمشید صاحب کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا، اور دس آدمی عوام میں سے ہوں گے، اور دونوں فریق اپنے آپ کو قرآن وحدیث پر انگلی ڈال کر ثابت کریں گے کہ ہم حق پر ہیں، اور ان کی بحث ٹیپ کے ذریعہ صبح آٹھ بجے مجمع عام کے سامنے پیش کی جائے گی۔ چنانچہ اس جلسہ ومناظرہ کے تمام اخراجات ہم لوگ یعنی دونوں بستیوں کے ذمہ داروں نے برداشت کیے اور اطراف وجوانب سے پانچ ہزار سے زیادہ کا مجمع ہوا۔ اور اہلحدیث مقرر ومناظر میں دو آدمی قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد اللہ صاحب، اور مولانا جمشید صاحب۔ مولانا محمد اللہ صاحب صبح ہی سے جلسہ کے انتظام وانصرام میں بھی موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے آمین ثم آمین۔ اور شام کے قریب مولانا جمشید صاحب بھی پہنچے اور حسب پروگرام اہلحدیث علماء نے تقریریں شروع کیں اور جس بریلوی مولوی نے چیلنج کیا تھا اور لوگوں سے کھلم کھلا کہتا پھرتا تھا کہ اگر اہلحدیث اور دیوبندیوں کے اندر طاقت ہے تو میرے سامنے آئیں اور اپنی حقانیت ثابت کریں، وہ مولوی میدان مناظرہ وجلسہ ہی سے

رف فرار نہیں ہوا بلکہ صوبہ بنگال چھوڑ کر بہار سے نکل کر یوپی جاکر پناہ لی ۔ ویسے ہم پانچی اور بالا بھٹیا والے
عزم مصمم کیے ہوئے تھے کہ اگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہو گا تو ہم لوگ اسے گھر سے پکڑ کر لائیں گے ۔ اللہ کا ہزار
زار شکر ہے کہ اس نے ہمیں فتح مبین سے ہمکنار کیا ۔

اور ہم لوگ اب مکمل طور سے اپنے آبائی مذہب یعنی اہلحدیث کو حق پاکر اس کے ہمنوا ہو گئے اور اس جلسے
ے بعد مولانا محمد اللہ صاحب اور مولانا جمشید صاحب نے جن جن شرک و بدعات کی نشاندہی کی ہم لوگ متفقہ طور پر اس
ے توبہ کر کے پورے چار ہزار آدمی پختہ اہلحدیث ہو گئے اور اب ہم لوگ نماز اور دیگر تمام امور پر کتاب و سنت کی
شنی میں عمل کرنے کا عزم بالجزم کئے ہوئے ہیں ۔ آپ تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں
ے اندر استقامت عطا فرمائے اور ہمارے یہاں کا ایک بچہ اہلحدیث مدرسے میں گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مکمل
ا بنائے تاکہ بدعت کے امنڈتے ہوئے اس سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکے اور تمام اکابر اہلحدیث علماء سے اس مضمون
ے ذریعہ گزارش ہے کہ تبلیغ کی بارش کے چند قطرے ہمارے اس علاقے میں برسائیں ۔

باقی ص ۴۲ کا :-

اسلام کے دامن رحمت کی پناہ لینے لگے ہیں ۔ یہ ساری باتیں اس عظیم حقیقت کی تمہید ہیں کہ عصر حاضر اب فطرت انسانی کی سادگی
ی طرف لوٹ رہا ہے ، اس لیے اس دور میں سلفی دعوت اپنی پوری سادگی کے ساتھ مغربی تہذیب کے اضطراب و انتشار کا مداوا بن
سکتی ہے اور اس دور کے تہذیبی و عقلی مشکلات کو حل کر سکتی ہے ۔ بس شرط یہ ہے کہ سلفی دعوت کے علمبردار قوت، حسن عمل، علمی و
کری توانائی اور حکمت عملی کے ساتھ منظم ہو جائیں ۔ اور پورے عالم انسانی کو دور حاضر کی زبان و اسلوب میں خالص اسلام کی دعوت
یں تو ان شاء اللہ حالات بدل سکتے ہیں اور پوری دنیا میں اعتصام بحبل اللہ، رجوع الی الکتاب والسنۃ ، اور تمسک بالقرآن
الحدیث کی خوشگوار فضا وجود میں آسکتی ہے ۔

میں اپنی گفتگو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں، جس کے مخاطب عالم اسلام کے مسلمان ہیں، مگر ہمارے
ا مخاطب مسلک اہلحدیث اور سلفی دعوت کے علمبردار حضرات ہیں ۔ ؎

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

مرتب :۔ تنویر احمد بہاری متعلم جامعہ دار السلام عمر آباد

طالبانِ علومِ نبوت سے کچھ باتیں

یہ تقریر استاذ محترم جناب مولانا حافظ سید عبدالکبیر صاحب مدظلہ العالی نے جامعہ دار السلام عمر آباد کے وسیع ہال میں اساتذہ کرام اور طلبہ کے درمیان کی تھی ۔ عام طلبہ کے افادہ کے لیے نذر محدث کر رہا ہوں ۔ (مرتب) ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد استاذ محترم نے اساتذہ کرام اور طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ حضرات کو چند نصیحتیں کروں ۔ قبل اس کے کہ میں آپ کو نصیحت کروں ۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ انسانی زندگی کے ادوار کا مختصر تذکرہ کر دوں ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ انسانی زندگی کے کئی ادوار ہیں ۔ پہلا دور اس کی پیدائش سے لے کر پندرہ سال تک ۔ دوسرا پندرہ سال سے تیس سال ۔ تیسرا تیس سال سے چالیس سال ۔ چوتھا دور چالیس سال سے پچاس سال اور پانچواں دور پچاس سال سے ساٹھ سال تک ہے ، اس کے بعد اخیر دورِ زندگی ہے ۔

انسانی زندگی کا دوسرا دور جو بعنوانِ شباب کا ہوتا ہے ، جس کو قرآن نے "بلغ اشدہ" سے تعبیر کیا ہے ۔ اس دور کی زندگی نہایت قیمتی اور کار آمد ہوتی ہے ۔ یہ دور انسان کے تدبر و تفکر کا ہوتا ہے ۔ یہی وہ دور ہے جس میں انسان اپنی زندگی سنوارتا بھی ہے اور بگاڑتا بھی ہے ۔ اسی دور میں وہ اپنی متاعِ عزیز حاصل کر سکتا ہے ۔ اگر اس دور کو کوئی شخص کھیل کود اور لہو و لعب میں گزار دے تو وہ اپنی بقیہ زندگی میں کفِ افسوس ملتا رہے گا ۔ یہ بڑا قیمتی دور ہوتا ہے ۔ کیوں کہ اس دور میں انسان ہر اعتبار سے مضبوط اور مستحکم رہتا ہے ۔ اس کی صحت اچھی رہتی ہے ۔ غور و فکر کی قوت و طاقت ترقی پذیر رہتی ہے محنت و مشقت کے لیے اس میں چستی رہتی ہے ۔ وہ سست اور کاہل نہیں رہتا ۔ اس دور میں اس کے سارے حوصلے بلند رہتے ہیں ۔ اس کی ہمتیں اور ولولے جوان رہتے ہیں ۔ اس کی رگوں میں گرم گرم خون موجزن رہتا ہے ۔ اس کے عزائم بلند اور ارادے پختہ ہوتے ہیں ۔ وہ اس دور میں ہر کام کو بآسانی انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے ۔

دراصل یہی دور کچھ کام کرنے کا ہوتا ہے۔ آپ طلبۂ عزیز اسی قیمتی دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ دور آپ کی غفلت کا نہیں ہے۔ خوابِ خرگوش میں مبتلا ہونے کا نہیں ہے۔ یہ دور آپ کے اصل کام کرنے کا ہے۔ ابھی قوتِ فکر پیدا کرنے کا ہے۔ اس دور میں آپ اپنی متاعِ عزیز حاصل کرسکتے ہیں۔ اس دور کو اگر آپ نے لہو و لعب اور غفلت میں گزار دیا تو جان لیجیے یہ سنہرا اور قیمتی موقع دوبارہ مل نہیں سکتا۔ اس وقت آپ کا دامن ہر چیز سے خالی ہوگا اور حسرت و یاس کے علاوہ آپ کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا اس دور کو غنیمت جانیں اور ہر اکتسابِ فیض اسی دور میں کرلیں، ورنہ بعد میں یہ مقولہ صادق آئے گا "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" ایسے وقت کو نہ آنے دیں۔ قبل اس کے کہ یہ منحوس وقت آئے آپ اس کے تدارک کی فکر میں ابھی سے ہمہ تن مصروفِ کار ہوجائیں۔

انسانی زندگی کا تیسرا دور تیس سے چالیس سال تک کا ہے۔ اس دور میں انسانی عقل پختہ اور اس کا شعور مستحکم ہو جاتا ہے۔ اس کی عقل و خرد کی پرواز دور رس ہوتی ہے اور تدبّر و تفکر میں وسعت آجاتی ہے، مگر ساتھ ہی ارتقا کی رفتار دھیمی پڑجاتی ہے، امنگیں اور حوصلے قدرے ماند پڑجاتے ہیں انقلابی قدم میں قدرے تزلزل پیدا ہوجاتا ہے۔ کارہائے نمایاں انجام دینے کا جوش و خروش سرد پڑتا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ کام کی رفتار میں کمی آجاتی ہے اور ترنگ دور کے سارے جذبے ختم ہونے کے قریب ہوجاتے ہیں۔[1]

انسانی زندگی کا چوتھا دور چالیس سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً پچاس تک رہتا ہے۔ اس دور کو دورِ کہولت کہا جاتا ہے اس دور میں انسانی اعضاء مضمحل ہوتے ہیں، قوتِ ارادی کمزور ہوجاتی ہے۔ سخت محنت اور مشقت کے نام سے پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ قوت اور توانائی میں کمزوری کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ عقل اور شعور میں بھی قدرے سرد مہری آجاتی ہے۔ غور و فکر کی کیفیت گھٹنے لگتی ہے اور وہ آرام طلب ہوجاتا ہے۔[2]

پانچواں دور پچاس سے ساٹھ تک کا ہوتا ہے۔ اس دور کو "شیخوخت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں بڑھاپا آجاتا ہے اور انسان کی قوت جواب دینا شروع کردیتی ہے۔ قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں، کام کی انجام دہی مشکل محسوس ہونے لگتی ہے۔ صحت خراب رہنے لگتی ہے۔ قوتِ بازو جواب دینے لگتی ہے اور انسان بہت سے کام میں دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی کا آخری دور "ہرم" کہلاتا ہے۔ وہ ساٹھ سال کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اس دور میں انسان

---

[1] مگر ماہرینِ نفسیات کا تجزیہ یہ ہے کہ یہی دور اصلاً امنگوں اور حوصلوں اور قوتِ کار کے شباب کا دور ہوتا ہے۔

[2] ماہرین کا تجزیہ یہ ہے کہ یہی دور عقل کی بلوغت و نبوغ اور عروج کا دور ہوتا ہے۔ البتہ چالیس سال کے بعد قوائے جسمانی کی ترقی رک جاتی ہے۔ انبیاء کو نبوت کا منصب اسی دور میں دیا گیا اور انھوں نے اسی دور میں سارے کارنامے انجام دیے۔

رفتہ رفتہ جسمانی و دماغی قوت کھو دیتا ہے۔ اور پھر سے وہ اپنی ماضی کے اولین دور بچپن کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ وہ لڑکپن کی سی حرکتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ غور و فکر اور تدبر و تفکر کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان قدم قدم پر دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بستر سے اٹھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس بے چارگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ قیام گاہ میں پیشاب و پاخانہ کی نوبت آجاتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان ایک گوشت کا لوتھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ دور اس کے لیے انتہائی درد و کرب کا ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان مکمل طور پر اپنے آپ کو دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے۔

یہ انسانی زندگی کے ادوار ہیں۔ جن سے تقریباً ہر انسان کو گزرنا ہے۔ اب ہم دیکھیں کہ ہماری زندگی کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ بحیثیت ایک مومن کے اسے آپ اس مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر آپ کسی غلام سے یہ سوال کریں کہ تمھاری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ تو وہ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہے گا کہ میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ میرا مالک مجھ سے خوش ہو جائے اور میں اس کی نظر میں محبوب ہو جاؤں۔ ٹھیک یہی مقصد ایک مومن کا ہوتا ہے کہ اس کا حقیقی مالک اس سے راضی ہو جائے۔ کیونکہ مومن کی زندگی کا اصل مدعا رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے وہ ہر وقت اسی کوشش اور فکر میں کوشاں رہتا ہے کہ کس طرح میرا مالک مجھ سے خوش ہو جائے اور ناراض نہ ہو۔ اس کے وہ اپنی پوری زندگی اطاعت میں گزار دیتا ہے۔ لیکن طلبۂ عزیز! اس کے علاوہ آپ کی زندگی کا ایک مقصد اور بھی ہے۔ بحیثیت ایک مومن ہونے کے آپ کا پہلا مقصد اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کا حصول ہے۔ دوسرا مقصد بحیثیت ایک طالب علم کے یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ علم دین حاصل کریں۔ آپ اپنے گھر، وطن، والدین، خویش و اقارب کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں صرف اس لیے کہ آپ دین کا علم اچھی طرح حاصل کریں۔ آج آپ کو قرآن، احادیث اور دیگر کتب کے تراجم ملیں گے، لیکن اس سے وہ چاشنی نہ ملے گی جو اصل زبان میں ہے۔ آپ کی تشنگی باقی ہی رہے گی، جب تک کہ آپ قرآن اور احادیث کی اصل زبان سے آشنا نہ ہو جائیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان میں زیادہ سے زیادہ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں، تاکہ دین اسلام کے اصل منبع اور ماخذ کی تہ تک پہنچ سکیں۔ آپ کا قرآن عربی زبان میں ہے احادیث کا ذخیرہ بھی اسی زبان میں ہے۔ جب تک آپ عربی زبان کی اصل سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر لیں اس وقت تک آپ قرآن اور احادیث سے کما حقہ مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ آپ دلائل الاعجاز اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ آپ کو قرآن کا اعجاز اس کی لطافت اور باریکی معلوم ہو سکے۔

عزیز طلبہ! اس وقت آپ پر کئی ذمہ داریاں ہیں جس سے آپ کو عہدہ برآ ہونا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ

دین میں تفقہ حاصل کریں اور دوسرا دین کا علم حاصل کر کے آپ اپنے وطن اور اپنے لوگوں میں جائیں تو ان کو دین کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف دلائیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (سورۃ توبہ) ۔ یہ ذمہ داری آپ کے سر ہے۔ آپ کو دین حق کی خدمت انجام دینی ہے۔ آج دنیا میں اگر کوئی چیز مظلوم ہے تو وہ اللہ کا دین اسلام ہے۔ اس دین حق کو باطل اور طاغوتی قوتیں ملیا میٹ کرنے کے لیے کیا کیا منصوبے تیار کر رہی ہیں۔ کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں۔ لوگوں کے قلوب واذہان کو اس دین حق سے پھیرنے کے لیے غلط اور بے بنیاد باتیں پیش کی جا رہی ہیں آج ساری باطل قوتیں منظم ہو کر اسلام سے برسر پیکار ہیں۔ اس نکتہ پر آپ خود سوچیں کہ ان کے باطل نظریات کا قلع قمع آپ کیسے کریں گے؟ اس لیے آپ کو دین اسلام کی تعلیمات کا کافی درک حاصل کرنا ہوگا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ان باطل نظریات کا بغور مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد کہیں جا کر آپ ان باطل نظریات کا دندان شکن جواب دے سکیں گے آج باطل نظریات کے حاملین پوری طرح منظم اور متحد ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی کا نصب العین اسی باطل نظریہ کی اشاعت اور فروغ کو بنا رکھا ہے۔ ان کی یہی کوشش ہے کہ اسلام جو ایک مکمل عقیدہ اور ایک مکمل دین کی شکل میں ابھر رہا ہے، کچل دیا جائے تاکہ اس کے قدم مضبوط نہ ہو سکیں۔ اس کے مقابلہ کے لیے وہ سب ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ہمارا یہ حال ہے کہ ہم متعدد قسم کے اختلافات کا شکار ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، ہمارے پاس ٹھوس اور مکمل عقیدہ و دین ہونے کے باوجود اور ان باطل قوتوں کی نقل وحرکت کو اپنی نظروں سے دیکھنے کے باوجود، ہماری روش بدل نہیں رہی ہے اور ہم اپنی ذمہ داریوں سے کوسوں دور ہیں۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ دین کا علم اس لیے اور اس غرض سے حاصل کریں کہ دین اسلام کی خدمت کما حقہ انجام دے سکیں۔ آپ کی زندگی کا مقصد صرف کسب مال نہ ہو بلکہ اللہ کے دین کو سربلند کرنا ہو۔ آپ کی تعلیم کا مقصد حق کا فروغ اور باطل کی سرکوبی اور بیخ کنی ہو۔ اگر یہ مقصد مفقود ہے تو پھر دینی تعلیم بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ ابھی سے آپ اپنی منزل متعین کریں اور اپنی تعلیم کی بنیاد ٹھیک اور سیدھی رکھیں۔ اگر ابھی سے بنیاد ٹیڑھی اور کج رہی تو پھر ثریٰ سے لے کر ثریا تک کج ہی رہے گی، جیسا کہ کہا گیا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

آپ اپنی زندگی کا صحیح مقصد متعین کریں اور اس مظلوم دین کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

طلبۂ عزیز! آپ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ مدرسے کے چند قوانین ہیں، جن کی پابندی آپ پر ضروری ہے۔ یہاں آپ آزاد بھی ہیں اور مقید بھی۔ آزاد اس معنی میں کہ آپ کو ہر طرح فکر و تحقیق کی آزادی حاصل ہے اور مقید اس معنی میں کہ آپ کو مدرسے کے قوانین پر عمل کرنا ہے۔ مدرسہ سب کچھ اسی لیے کر رہا ہے تاکہ آپ نظم و نسق کے پابند ہیں، وہ آپ کو دین کی خدمت کے لیے تیار کر رہا ہے۔ آپ کے عادات و اخلاق کے سنوارنے کا جو بھی ذریعہ ممکن ہے۔ مدرسہ اس کی کوشش کر رہا ہے تاکہ آپ کے اندر اخلاق بالغی پیدا نہ ہو۔ دینی مدارس کے طلبہ کا جو کردار ہونا چاہیے اس کی تیاری کرا رہا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ پوری طرح مدرسہ کے نظم و نسق کی پابندی کریں، اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے، آپ اچھے ہوں گے تو مدرسہ کا نام ہوگا۔

عزیز طلبہ! آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اساتذہ کرام کا دل سے احترام کریں۔

اساتذہ کرام کا احترام: والدین کے بعد اگر کسی کا احترام ہے تو اساتذہ کا ہے۔ استاذ روحانی باپ ہوتا ہے۔ وہ آپ کی علمی اور اخلاقی صلاحیت کو نکھارتا ہے، آپ کو ایک آئیڈیل انسان بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ استاذ کا احترام اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ والدین کا ہے۔ کوئی شخص اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے، ان کو برا بھلا کہتا ہے، ان کا احترام نہیں کرتا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں کچھ نہ کچھ بدلہ دے دیتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا جو احترام نہ کرے، ان کی ناقدری اور بے عزتی کرے ایسے لوگوں کو اللہ دنیا ہی میں اس کا نتیجہ دکھلا دیتا ہے۔ استاذ کی ناراضی سے بچنا چاہیے۔ اس کے نقصان کا اندازہ آپ کو اس وقت ہوگا جب آپ یہاں سے نکل جائیں گے۔ اساتذہ آپ کی علمی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اس بارے میں وہ آپ کے بڑے مخلص ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اساتذہ بھی انسان ہیں اور بشری تقاضوں سے بالاتر نہیں ہیں، ان سے بھی فروگذاشتیں سرزد ہوتی ہیں، لیکن ان کا احترام اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ ان کی عزت اور احترام کریں اور ان کی قدر آپ کی نگاہوں میں ہو۔ اگر آپ ان کی ناقدری اور بے عزتی کریں گے اور ان کا احترام نہ کریں گے تو علم سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور نہ علم حاصل کر سکیں گے۔ بالفرض اگر علم حاصل ہو بھی گیا تو بے سود ہوگا۔ کارآمد نہ ہوگا۔

کتب کی حفاظت: اساتذہ کرام کے احترام کے ساتھ ساتھ آپ کتب کا بھی احترام کریں، اسے اپنی چیز جان کر اچھی حفاظت کریں، اس کی بے حرمتی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں، اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے آپ اپنی چیز کی جتنی حفاظت کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر مدرسہ کی کتب کی حفاظت کیجیے، کیوں کہ یہ قوم کی امانت ہے۔ بہت سے طلبہ سوچتے ہیں کہ چلو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کی حفاظت کروں، میرے بعد جو آئے گا وہ سمجھے گا، یہ کتب کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے

آپ اچھی طرح جان لیجیے کہ یہ قوم کا سرمایہ ہے ، اگر آپ نے اس کی حفاظت نہ کی اور اس کے ساتھ بے اعتنائی برتی تو یقیناً ماننیے خدا کے یہاں آپ ضرور جواب دہ ہوں گے ۔ یہاں آپ " نگرانِ کتب اور ناظم جامعہ کی نظروں سے بچ سکتے ہیں ، لیکن خدا کے یہاں نہیں بچ سکتے ، خدا آپ کی ہر حرکت کا علم رکھتا ہے ، آپ سے اس کی باز پرس ہوگی ، آپ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ میں سے ہر ایک کو تمام کتب مہیا کی جاتی ہیں ، لیکن ذرا ہمارے دور پر نظر ڈالیے ، اکثر کتب نایاب ہوتی تھیں ، بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ، لیکن آج وہ دقت آپ کے ساتھ نہیں ہے ۔ آج احادیث کی کتابیں موجود ہیں ، احادیث کا ذخیرہ آپ کو ایک جگہ مل رہا ہے ۔ لیکن محدثین کی زندگی پر غور کیجیے کہ کتنی مشکل سے اور کتنی عرق ریزی سے انھوں نے حدیثوں کو اکٹھا کیا ۔ ان لوگوں نے اپنے خون کو پانی کیا ، ائمہ کرام اور محدثین عظام نے اپنی ساری زندگی اس کے اکٹھا کرنے میں صرف کردی ۔ بڑی کد و کاوش کے بعد احادیث کو جمع کیا ، جو آج آپ کے سامنے مجموعہ کی شکل میں موجود ہے ۔ اس لیے آپ طلبہ کو چاہیے کہ کتابوں کی حفاظت اپنی چیزوں سے زیادہ کریں ۔

آپ اپنے اندر خود شناسی کی کیفیت پیدا کریں ۔ آپ کے اندر خود داری کی صفت پیدا ہونی چاہیے ۔

خود شناسی : آپ اقبال کی خودی کو اپنائیں ، خودی کا مطلب یہ ہے کہ آپ منکسر مزاج ہوں ، اپنے آپ کو بلند اور دوسروں سے برتر نہ گردانیں ، ورنہ یہ خودی نہ ہوگی ، بلکہ تکبر شمار ہوگا ۔ وہ خودی خودی نہیں جس کے اندر کبر و نخوت کی صفت پائی جائے ۔ آپ اپنی قدر خود کریں ، اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی سعی اور جدوجہد کریں ، زندگی کو اچھے خطوط پر چلانے اور سنوارنے کی فکر کریں ، اپنی فکری اور علمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی کوشش کریں ، آپ اپنے اندر مستقل مزاجی پیدا کریں ۔ اپنی عزت خود کریں لوگ بھی آپ کی عزت کریں گے ، خود شناسی کی صفت آپ کے اندر بدرجہ اتم پائی جانی چاہیے ، وقت کو بے کار باتوں میں ضائع نہ کریں ، وقت پر ہر کام کے انجام دینے کی فکر کریں ۔ وقت کی پابندی انسان کو ثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک پہنچا دیتی ہے ۔ آپ کے اندر کمال درجے کا ڈسپلن (Discipline) پایا جائے ، ان چیزوں کے آپ بالالتزام پابند ہو جائیں ۔

عزیز طلبہ ! میری مخلصانہ گزارش ہے کہ آپ میں جن کو بھی دھواں نوشی کی عادت ہو وہ اس سے

تمدخین سے احتراز بچنے کی حتی الامکان کوشش کریں ۔ یہ بڑی لت ہے ، جو ہمارے طلبہ میں داخل ہوگئی ہے ۔ سگریٹ بیڑی اور تمباکو نوشی صحت کے لیے بہت مضر ہے ، آج تمام اطبا اور ڈاکٹروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سگریٹ بیڑی اور تمباکو نوشی سے کینسر ہوتا ہے ۔ اس کے ہونے کے جہاں بہت سے اسباب ہیں ، ان میں سے ایک یہ بھی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز ...

لہسن کھا کر مسجد آنے والوں کو منع فرمایا ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ سگریٹ اور بیڑی کی بو پیاز اور لہسن سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اس کی وجہ سے اس شخص کی بغل میں نماز پڑھنے والوں کو کافی تکلیف ہوتی ہے اور نماز سے یکسوئی ختم ہو جاتی ہے ۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مسجد میں فرشتے بھی آتے ہیں ، ان کو اس کی بو کتنی خراب لگتی ہوگی ، نیز اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بہت غضبناک ہوتا ہے ۔ آپ اپنے حاکم کے پاس کھڑے ہوتے ہیں اور اس وقت آپ کے منہ سے خراب بو نکلے ، کتنی بری بات ہے ۔ اس اعتبار سے بھی اس کا استعمال اچھا نہیں ہے ۔ جس کسی کے اندر بھی یہ عادت ہو، چاہیے کہ وہ اس کے ترک کا ارادہ آج ہی کرلے ۔ میں کہوں گا معلق ارادہ ہی نہ کرے بلکہ پختہ وعدہ کرے کہ اس کو چھوڑ دے گا اور کبھی منہ نہیں لگائے گا ۔

آخر میں آپ کا ایک روحانی باپ ، ایک اچھا بھائی اور مشفق استاذ ہونے کے ناطے میں بڑے درد اور کرب کے ساتھ یہ نصیحت کر رہا ہوں کہ آپ فضول خرچی نہ کریں ، آپ خرچ کے بارے میں بالکل محتاط ہو جائیں ، آپ ایک طرف اپنی جیب خالی کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی صحت بگاڑتے ہیں ۔ والدین سے غلط بہانے کرکے روپئے منگواتے ہیں اور غلط کاموں میں صرف کرتے ہیں ۔ معلوم نہیں آپ کے والدین کس کس مصیبت اور کتنے جتن سے روپئے اکٹھا کرکے آپ کو ارسال کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ اسے بیدردی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ۔ پانی کی طرح بہاتے ہیں ۔ یہ تمام بری عادات اور بُرے افعال ہیں ، ان سے باز آنے کی کوشش کریں ۔ اللہ سے میں اپنے لیے اور آپ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم لوگوں کو صحیح راہ اختیار کرنے کی توفیق عنایت کرے ، نیز صحیح عقل وفہم عطا کرے ۔ آمین ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

باقی : ص ۳۳ کا :۔

صفحات ۴۴ طبع

(۸) اجتلاب المنفعۃ لمن یطالع احوال الائمۃ الاربعۃ (اردو) مطبع آزاد پریس دریا گنج دہلی

اس کتاب میں چاروں اماموں یعنی حضرت امام ابوحنیفہ ، حضرت امام مالک ، حضرت امام شافعی ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی سوانح عمریاں اور ان کے صحیح حالات نہایت تحقیق سے لکھے گئے ہیں ، اور ان ائمہ کے یہ اقوال بھی درج ہیں ۔

اذا صح الحدیث فھو مذھبی ، اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول الصحابۃ

یعنی جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور قول صحابہ کی موجودگی میں میری بات چھوڑ دو ۔

آنکھیں کھولو!

عبدالہادی علیم

آپ روزمرہ کے حالات کا مشاہدہ تو کرتے ہی رہتے ہیں، کبھی تاریخ کی ورق گردانی بھی کی ہوگی ۔ پچھلی صدیوں کے لوگ کتنے مطمئن رہتے تھے اور ان کے اندر کتنی خود اعتمادی پائی جاتی تھی ۔ مگر موجودہ دور میں ہمارا اطمینان ختم ہوگیا ہے، اور اس کی جگہ بے چینی نے لے لی ہے ۔ آج لوگوں کے دل میں چین و سکون نام کی کوئی چیز باقی نہیں، ہمیشہ کسی چیز کا خدشہ اور کسی خطرے کا اندیشہ گھیرے رہتا ہے ، خوشیوں اور مسرتوں کا خون ہو رہا ہے ، لوگ زحمت و اذیت کا شکار ہیں، فحاشی بڑھ گئی ہے ۔ انسانیت ، وحشت و بربریت اور گمراہی و ضلالت کے دریا میں غوطہ زن ہے ، نفرت و حقارت اور بغض و عداوت فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے اور کبر و نخوت جیسی بدترین خصلت آج انسانوں میں اس حد تک سرایت کر چکی ہے کہ انسانیت کا جامہ اتار کر آج کا آدمی جنگل کا درندہ بن چکا ہے ۔

ایسے حالات میں ہمارا فرض ہے کہ ہم انسانیت کو اس پُرخار وادی سے نکال کر اسے انسان دوستی اور امن جوئی کی راہ دکھلائیں ۔ انسانوں کے دلوں میں تعمیر پسندی اور ترقی پذیری کا چراغ جلائیں، انھیں قربانی و فداکاری اور سرفروشی و جانبازی کی تعلیم دیں ، بنی نوع انسان کو آپس میں مروت و رواداری اور اخوت و مساوات کا درس دیں ، ان کے ذہن و دماغ اور قلب و جگر میں رحم و شفقت اور عشق و محبت کی شمع روشن کریں ، ان کے اندر عزم و ہمت اور جد و جہد کی روح پھونکیں اور بندگانِ خدا کو ایک بہترین تہذیب و ثقافت کی طرف لائیں ۔

تاریکی و ظلمت ، ہواؤں کے زور اور آندھیوں کے شور کا روز بروز ہم مشاہدہ کرتے ہیں ، بوڑھوں کی گریہ و زاری اور درماندوں کی سینہ کوبی و جگر خراشی کا دن بدن ہم نظارہ کرتے ہیں ، بچوں کے رونے دھونے اور چیخ و پکار کی دھمک روزانہ ہمارے کانوں میں پڑتی ہے ، عورتوں کے نوحہ و ماتم اور مردوں کی آہ و فغاں میں روز بروز زیادتی ہوتی جا رہی ہے ۔

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ان مشکلات کا ہم کیوں شکار ہیں ؟ یہ مصائب زیادہ سے زیادہ تعداد میں کیوں جنم لے رہے ہیں؟

اور ہمارا چین وسکون ہم سے کیوں چھینا جارہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے شکوہ اور گلہ کا ہمیں کوئی جواب نہیں ملتا اور ہماری آہ وفغاں، لغو و رائیگاں ہوتی ہے۔

یہ تمام مشکلات ہمارے اعمال کی شامت ہیں اور یہ تمام آفات ہماری ہی کرنی کا پھل ہیں، تمہاری اس بے کسی پر بے کسی کو حیرت ہے اور تمہاری اس مدہوشی پر خود مدہوشی کو تعجب ہے، تمہاری غفلت اس درجہ ہے کہ خود غفلت کو تم پر حیرت ہے۔

اے بھولے بھٹکے ہوئے مدہوش نوجوانو! تم اشرف المخلوقات ہو اپنی اشرفیت کو ظاہر کرو۔ تم ذی فہم ہو، تمہیں سمجھانا سورج کو چراغ دکھلانے کے مرادف ہے۔ ہوش میں آؤ، اس پستی سے نکلو اور اپنی نادانی چھوڑ کر خدائے وحدہ لاشریک کی طرف رجوع کرو اور خلوص نیت سے توبہ کرو۔

تمہیں دین رحمت کی شدید حاجت اور ضرورت ہے، تم پیاسے ہو۔ دین رحمت کے بحر ذخار سے اپنی تشنگی بجھاؤ۔ اس کی تعلیمات کا دریا پورے آب وتاب کے ساتھ موجزن ہے۔ اس سے اپنے دامن کو بھر لو اور اس میں غوطہ لگا کر موتیوں کو تلاش کرلو۔

اگر تم نے ایسا کیا تو یہ لمحہ تمہارے لیے یادگار اور سدا بہار رہے گا اور اگر تم نے اس موقع کو کھو دیا تو تمہیں ہمیشہ کے لیے کف افسوس ملنا ہوگا۔

باقی ص ۸ سے آگے:۔

ختم کرنے کے لیے مذہبی جماعتوں۔ خاص کر۔ جماعت اہلحدیث کو انھی نکات کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا ہوگا۔ دہریت سو برس کے طوفانی دھارے کے بعد اب روبہ زوال ہے۔ اِدھر مذہب کا مل کو دنیا پر محیط ہونا ہے، لہذا یہ کام کرنا ضروری ہے۔ کاش یہ نقطہ نگاہ کسی نہ کسی صورت میں رابطہ اسلامی کے سامنے واضح ہو جائے۔

اخلاق وروحانی قدروں کا فرق:۔ (۱) جب انسان تخلق باخلاق اللہ کرتا ہے یعنی اللہ کے اخلاق کا اپنے عملی کاروبار میں برتاؤ کرتا ہے۔ مثلاً اپنے ابنائے جنس کے ساتھ رحم، عدل، ایثار، صدق و اخلاص کا برتاؤ کرتا ہے تو اس وقت اسے اخلاق کہا جاتا ہے۔ ہمارے رسول پاک کا فرمانا ہے کہ مجھے اخلاق حسنہ کے سکھانے کے لیے بھیجا گیا ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق " انک علی خلق العظیم۔"

(۲) اور جب انسان اللہ کے اسی حکم کے ماتحت عمل کرتا ہے کہ " للہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا ۔ تو یہی چیز توحید کہلاتی ہے اور اسی کو روحانی قدریں کہا جاتا ہے۔ اس فرق کو پورے غور سے سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔۔۔
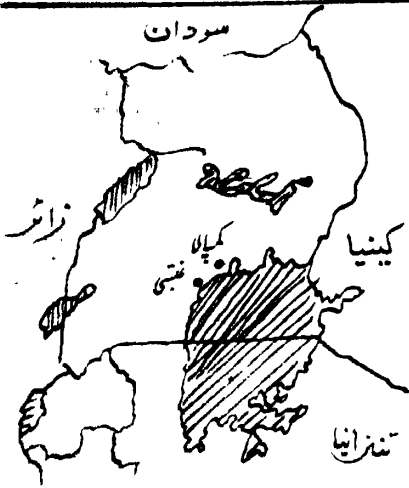
یوگنڈا:

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

۱۷ ر جولائی ۱۹۸۵ء کو ایک بار پھر یوگنڈا کی اوبوٹے حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ یہ یوگنڈا کی آزادی (۱۹۶۲ء) کے بعد سے اب تک کا چوتھا فوجی انقلاب ہے۔ ۶۱ سالہ اوبوٹے کو اس سے پہلے ۱۹۷۱ء میں عیدی امین کے ہاتھوں اقتدار سے محروم ہونا پڑا تھا عیدی امین چونکہ مسلمان تھا اور خوددار و جرأت مند بھی، اس لیے دنیا کی تمام صلیبی طاقتیں اس کی دشمن تھیں وہ ایک طرف اپنے بے پناہ پروپیگنڈے کی طاقت سے عیدی امین کو دنیا کے سامنے احمق اور ظالم کے روپ میں پیش کرتی تھیں، اور اس کے ظلم و جبر کی فرضی داستانوں کی تشہیر کرتی تھیں اور دوسری طرف اس کا تختہ الٹنے کے لیے دن رات جوڑ توڑ میں لگی رہتی تھیں۔ بالآخر تنزانیہ کی ۴۵ ہزار صلیبی فوجوں نے ایک اچانک سخت اور خونریز حملے کے بعد عیدی امین سے اقتدار چھین کر اوبوٹے کے حوالے کر دیا۔ لیکن یوگنڈا کے باشندوں کو ایک دن کے لیے بھی سکون نہ ملا۔ فاقہ کشی اور انارکی نے ملک کی وہ درگت بنائی کہ اوبوٹے کو خود اپنے حمایتیوں اور وفاداروں کے ہاتھوں محروم اقتدار ہونا پڑا۔

اوبوٹے کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر جو بے پناہ مظالم روا رکھے گئے اس کی ایک جھلک محدث بابت جون جولائی ۱۹۸۵ء کے مشترکہ شمارے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مظالم کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس چھوٹے سے ملک سے جس کی کل آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے اور جس میں مسلمانوں کا تناسب کوئی چالیس فیصد یعنی ۴۴ لاکھ ہے، اس میں سے بیس ہزار مسلمانوں نے بھاگ کر پڑوسی ملک سوڈان میں پناہ لی۔ ڈیڑھ لاکھ مسلمان زائرے میں جا بھاگے اور بہت بڑی تعداد سرحد پر خانہ بدوش ہو گئی، تھوڑے سے جو اندر رہ گئے انہیں مشنریوں نے ہر ممکن ذریعے سے عیسائی بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہی مغربی طاقتیں جو عیدی امین کے فرضی مظالم پر گلا پھاڑتے نہ تھکتی تھیں انہیں اوبوٹے کے دور میں یوگنڈا کے اندر ظلم و تشدد کی کسی ہلکا پتہ نہ چل سکا تا آنکہ قدرت نے اس ظالم کا تختہ الٹ دیا۔ ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون (اللہ کو ظالموں کے کرتوت سے غافل نہ سمجھو۔)

لندن کی "اسلامی" کانفرنس :

آج کل مسلمان کہلانے والوں کا ایک خود غرض طبقہ سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں لے کر مسلمانوں کے مسائل حل کرنے اٹھا ہے۔ اس لیے شاید بہت سوچ سمجھ کر لندن کو اپنا مرکز بنایا ہے، کیوں کہ وہ دور قدیم سے اسلام کے خلاف سازشوں کا مرکز چلا آرہا ہے۔ پچھلے دنوں اس طبقے نے یہاں ایک اسلامی کانفرنس کی اور مسلمانوں کے مصائب کے حل کے لیے دو نسخہ تجویز کیا۔ (۱) مسلمان خمینی صاحب کو اپنا رہنما تسلیم کرلیں۔ (شاید اس لیے تاکہ موجودہ خونریزی کا دائرہ وسیع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہ جائے۔) (۲) مکہ اور مدینہ یعنی حجاز کو بین الاسلامی تولیت میں دیدیا جائے۔ یہ آواز کچھ نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے ایران اور لیبیا بھی اسی طرح کے نعرے لگا چکے ہیں۔ (اور موجودہ نعرہ بھی انہی کے پیسوں کے زور پر بلند کیا گیا ہے۔)

مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ مسلمانوں کے مسائل و مصائب کا حل ہے، یا اس میں ایک جدید مصیبت کا اضافہ ہے؟ حجاز کو اگر بین الاسلامی تولیت میں دے دیا جائے تو اس سرزمین کا جو نقشہ ہوگا وہ کچھ یوں ہوگا۔ جدہ سے مکہ جاتے ہوئے پہلی چیک پوسٹ ایران کی اور اس کے سامنے عراق کی۔ دوسری لیبیا کی اور اس کے سامنے مصر کی۔ تیسری شام کی اور اس کے سامنے اردن کی، چوتھی الجزائر کی اور اس کے سامنے المغرب کی، پانچویں جنوبی یمن کی اور اس کے سامنے شمالی یمن کی، چھٹی پاکستان کی اور اس کے سامنے کابلی افغان کی، ساتویں بنگلہ دیش کی اور اس کے سامنے بہاری مسلمانوں کی وغیرہ وغیرہ، جدہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ تک اسی ترتیب سے سارے اسلامی ممالک اور طاقتیں قطار اندر قطار اپنی اپنی بساط بچھائیں گے، پھر ایرانی حجاج اللہ اکبر خمینی رہبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آئیں گے تو عراقی ان کا سامان چیک کرنے کے لیے لپکیں گے، اس پر ایرانی چیک پوسٹ والوں سے پہلے تو تو میں میں ہوگی پھر فائرنگ کا تبادلہ ہوگا۔ یہی حال عراقی شامی، اردنی، لیبیائی وغیرہ وغیرہ حجاج کی آمد پر ہوگا۔ اور اللہ کا بنایا ہوا یہ حرم پر امن حجاج وغیرہ حجاج کے خون سے لالہ زار ہو جائے گا۔

اللہ کے بندو! ضرب اللہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون و رجلاً سلماً لرجل ھل یستویان مثلاً۔ اللہ نے مثال بیان کی ہے، ایک اس آدمی کی جس میں کئی آدمی شریک ہوں اور وہ آپس میں کھینچا تانی کر رہے ہوں اور ایک اس آدمی کی جو خالص ایک آدمی کے لیے ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ (اتنی موٹی بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی (م

وفیات :

مولانا محمد اسحاق صاحب مئوی : موصوف ہمارے اساتذہ میں سے تھے۔ میں نے بلوغ المرام مشکوٰۃ جلد ثانی اور بعض دوسری کتابیں آپ ہی سے پڑھی تھیں۔ آپ بڑی جانفشانی اور ایمانداری سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کچھ بیماریاں اسی زمانے سے چلی آرہی تھیں، پھر ادھر موصوف کو کینسر کا لاعلاج مرض لاحق ہو گیا تھا، جس کے سبب آپ نے ماہ شوال کے دوسرے نصف میں انتقال کیا، اللہ بال بال مغفرت کرے۔ (خدیو پورہ، مئوناتھ بھنجن آپ کا وطن تھا۔)

مولانا مختار احمد صاحب ندوی کے والد محترم کی وفات : یہ خبر جماعت کے حلقوں میں یقیناً رنج و غم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی نائب امیر جمعیۃ اہلحدیث ہند و سرپرست صوبائی جمعیۃ اہل حدیث بمبئی و مدیر الدار السلفیہ و اصلاح المساجد و جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کے والد ماجد ۲۸ راگست بروز بدھ دوپہر میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

موصوف اس دور کے اہلحدیثوں میں سے ہیں جب اس مسلک سے وابستہ ہونا ہر طرح کے مصائب کو دعوت دینے کے مرادف تھا، آپ ہر طرح کی مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے نہ صرف اس مسلک پر قائم رہے بلکہ اس کو فروغ دینے میں نمایاں حصہ لیا۔ صوبائی جمعیۃ اہلحدیث بمبئی نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بھیجے ہیں۔

مرحوم بہت ہی متقی و صالح بزرگ تھے، علماء کی صحبت کے دلدادہ، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ مولانا جب کبھی کہیں اس علاقے میں تشریف لاتے تو ضرور ان سے ملاقات کرنے جاتے اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گذارتے۔ مرحوم علم اور علماء کے بڑے قدر دان تھے۔ اپنی تمام اولاد کو اپنے دینی تعلیم سے مرصع کیا۔ آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ صاحب فضل و شہرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی حفظہ اللہ ہیں جو ملت و جماعت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مرحوم نے اپنے پسماندگان میں اولاد و احفاد کی ایک کثیر تعداد سوگوار چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔ مولانا کے غم میں صوبائی جمعیۃ اہل حدیث بمبئی کے احباب برابر کے شریک ہیں۔ جملہ احباب جماعت سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ عبدالحق سلفی / امیر صوبائی جمعیۃ اہل حدیث بمبئی عظمیٰ۔

ہماری نظر میں

(۱) المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ۔

تصنیف: مولانا عبدالرحمان صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ، صاحب تحفۃ الاحوذی

صفحات: ۶۴ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ الدار الاحوذیہ، صوفی پورہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ (یو۔پی)

مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ کو علوم حدیث میں جو مرتبہ و مقام حاصل تھا وہ ان کی شہرۂ آفاق اور مقبولِ عرب وعجم تصنیف "تحفۃ الاحوذی" شرح جامع الترمذی سے واضح ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ بھی مولانا کے قلم تحقیق رقم کا ایک گوہرِ آبدار ہے۔ اور موصوف کا اسم گرامی ہی اس رسالہ کی استنادی حیثیت کے لیے کافی ہے۔ اس میں بڑی متانت اور قوت سے ثابت کیا گیا ہے کہ مصافحہ صرف داہنے ہاتھ سے کرنا مسنون ہے۔ اس کے ثبوت میں مولانا نے تیرہ حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور نو عدد حنفی اور غیر حنفی علمار کبار کے اقوال پیش کیے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے قائلین کی نقلی اور عقلی دلیلوں کا رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کی کوئی ایک بھی دلیل نہیں۔ اس ضمن میں دلچسپ ترین بات یہ دکھلائی گئی ہے کہ خود فقہ حنفی کی کسی مستند اور معتبر کتاب میں بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا مسنون یا مستحب ہونا نہیں لکھا ہے رسالہ انتہائی مفید اور قابلِ دید ہے، خصوصاً ان حلقوں میں جہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ کتابت، طباعت، کاغذ اور سرورق سب کچھ عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔

(۲) فریضہ زکوٰۃ اور اسلام

تالیف: شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ : ترجمہ: عبدالستار الحماد

ناشر دارالحدیث، پھول چوراہا علیگڑھ یوپی

زکوٰۃ کے فضائل و مسائل پر یہ ۱۶ صفحات کا ایک مختصر، جامع، عالمانہ اور محققانہ کتابچہ ہے جس کی استنادی حیثیت کے لیے شیخ ابن باز حفظہ اللہ کا اسم گرامی کافی ہے۔ کتابت اور ترجمے کی بعض غلطیاں، قابلِ اصلاح ہیں۔ صفحہ ۵ میں قرآن کی آیت کا لفظ یخلفہ، مخلفہ ہوگیا ہے۔ صفحہ ۷ میں زہبستان کا ترجمہ دو زبانیں کیا گیا ہے۔

حالانکہ اس سے مراد آنکھوں کے اوپر دو کالے نقطے (ٹیکے) ہیں۔ پھر اسی صفحہ میں صرف ایک سطر بعد ثم یقول انا مالک انا ک منزل کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ صفحہ میں مد کا ترجمہ دونوں ہاتھ بھر کر اناج سے کیا گیا ہے، حالانکہ مد ایک متعین اور معروف پیمانہ ہے۔ صفحہ پر دو جگہ سوارین کو سوادین کر دیا گیا ہے۔ صفحہ میں لُغدُّہ کو نَعدُّہ بنا دیا گیا ہے، کہیں کہیں طباعت بھدی ہے، جسے پڑھا نہیں جاسکتا۔ بہرحال کتابچہ نہایت مفید اور لائق مطالعہ ہے۔

(۳) ایشور بھگتی :

تصنیف : مولانا ثناء اللہ امرتسری؟ ملنے کا پتہ : اہلحدیث دارالاشاعت محلہ نعلبندان مالیرکوٹلہ (پنجاب)

عبادت کے موضوع پر مولانا امرتسری؟ کی یہ ایک مختصر، جامع اور دلپذیر تقریر ہے۔ جو جنوری ۱۹۲۷ء میں سناتن دھرمی ہندوؤں کی کانفرنس منعقدہ امرتسر میں پڑھی گئی تھی۔ افسوس کتابت، طباعت اس قدر گندی اور بھدی ہے کہ کتابچہ کا کباڑا ہو گیا ہے۔ تیس پیسے کا ٹکٹ بھیج کر منگایا جاسکتا ہے۔

(۴) اسلام اور قبروں کے عرس :

تالیف : مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی حفظہ اللہ

پتہ : الدارالعلمیہ ۵۰۸۰ موری گیٹ دہلی ۶ قیمت درج نہیں۔

اپنے موضوع پر نہایت سنجیدہ، جامع، علمی اور تحقیقی رسالہ ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسم عرس میں مبتلا سنجیدہ حضرات تک زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔

(۵) پیغام حرم :

تالیف : ابو عبدالرحمان محمد سلطان معصومی مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ

ترجمہ : عبداللہ ناصر قیمت درج نہیں۔ پتہ : الدارالعلمیہ ۵۰۸۰ موری گیٹ دہلی ۶

تقریباً نصف صدی پہلے کی بات ہے کہ کچھ روشن ضمیر جاپانیوں نے اسلام قبول کرنا چاہا تو ٹوکیو کی جمعیۃ المسلمین کے ہندوستانی ممبران نے انہیں مذہب حنفی کی راہ بتائی اور انڈونیشی ممبران نے مذہب شافعی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان جاپانیوں نے

سرے سے اسلام ہی قبول نہ کیا۔ یہ صورتحال وسط ایشیا سے ترک وطن کر کے آئے ہوئے مسلمانوں کے لیے سخت رنج والم کا سبب بنی، اور انھوں نے مؤلف موصوف سے جو خود بھی روسی مظالم سے بھاگ کر عرب میں پناہ گزیں تھے، اس مسئلہ کی حقیقت دریافت کی۔ موصوف نے جواب میں بڑی سنجیدگی، متانت، فاضلانہ تحقیق اور عالمانہ وقار کے ساتھ تقلید کی غیر مشروعیت اور اس کے برے نتائج کی وضاحت کی اور تقلید کے جواز یا وجوب کے جو "دلائل" یا اعذار واسباب بیان کیے جاتے ہیں ان کا بہترین علمی جائزہ لیا۔

کتاب الدار العلمیہ کی اولین پیشکش ہے۔ ترجمہ جامعہ سلفیہ کے نوجوان فاضل مولوی عبید اللہ ناصر نے کیا ہے۔ جو خاصا رواں دواں سلیس اور نفیس ہے۔ کتابت طباعت، کاغذ، سرورق سب کچھ عمدہ اور معیاری ہے۔ البتہ کتابت کی غلطیاں جگہ جگہ رہ گئی ہیں۔ کہیں کہیں ترجمے میں بھی فروگذاشت ہے جسے معمولی توجہ سے درست کیا جا سکتا ہے۔

(۶) تبلیغی نصاب اور قرآنی تعلیم :

ناشر :- ادارہ دار الحدیث پھول پور (علی گڑھ) (یوپی)

اس کتابچہ میں تبلیغی جماعت کی قابل قدر دوڑ دھوپ اور کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ جماعت عقیدے کے فساد کا شکار ہے۔ چنانچہ شرک کی خطرناکی کا ذکر کرنے کے بعد تبلیغی نصاب سے ایسے واقعات نقل کیے گئے ہیں، جس میں مُردوں کی جانب تدبیر و تصرف کی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو قرآن وحدیث سے سراسر ٹکراتی ہیں اور جن کے ڈانڈے شرک سے ملتے ہیں۔ ہر واقعہ کے بعد مختصراً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ فلاں فلاں پہلو سے قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ کتابچہ نہایت مفید ہے اور ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے جو تبلیغی جماعت کی تگ ودو سے متاثر ہو کر اس کے اس خطرناک پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ خود تبلیغی جماعت کو بھی سوچنا چاہیے کہ اس بدعقیدگی کے سبب وہ کہیں عاملۃ ناصبۃ (بہت سے مشقت کے ساتھ عمل کرنے والے دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔) کے مصداق نہ بن جائیں۔

ناشر :- شبان اہلحدیث بہاولپور۔ پاکستان

(۷) ہم نماز میں رفع یدین کیوں کرتے ہیں؟

معرفت پروفیسر عبداللہ ایس ای کالج، بہاولپور

یہ اپنے موضوع پر آٹھ صفحات کا ایک مختصر اور جامع کتابچہ ہے، جس میں رفع یدین کو ایک دائمی سنت ثابت کرتے ہوئے سنت کے تارکین اور مخالفین کے پُرخطر انجام سے آگاہ بھی کیا گیا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، ادبی اور اصلاحی رسالہ
ماہنامہ
محدث
بنارس
شمارہ ۱۱ • نومبر ۱۹۸۵ء • صفر المظفر ۱۴۰۶ھ • جلد: ۴
ترتیب
صفی الرحمٰن مبارکپوری
ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی
تزئین وکتابت: انور جمال
بدل اشتراک
سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر
پتہ
خط وکتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010
ٹیلی گرام: "دار العلوم" وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

نعت

تابش حجانی

زباں پہ نام محمدؐ اور ان کا ذکرِ جمیل
مری حیات کی کتنی ہے بے بہا تحصیل

وہ آفتابِ رسالت، وہ شمعِ کنجِ حرا
وہ جس کے نور سے روشن ہے عرش کی قندیل

وہ ایک درِّ یتیم، آمنہ کا نورِ نظر
وہی بشارتِ عیسیٰؑ وہی دعائے خلیلؑ

وہ ذاتِ پاک ہے اُمّی لقب، مگر اس کی
ہر ایک بات ہے عرفان و آگہی کی دلیل

حریمِ قدس میں تنہا وہ باریاب ہوئے
مقامِ سدرہ سے آگے نہ جا سکے جبریل

تمام خلقِ مجسم، تمام عفو و کرم
وہ دل کہ جس میں سمندر بھی ہوگیا تحلیل

وہ تاجدارِ نبوّت وہ سرورِ کونین
وہ جس کا طوقِ غلامی ہے حرّیت کی دلیل

خدا نے خود ہی یہ فرمادیا ہے قرآں میں
کہ آج دینِ محمدؐ کی ہوگئی تکمیل،

بجز اطاعتِ سردارِ انبیا تابشؔ
نہیں نجات کی محشر میں کوئی اور دلیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقلیتی کمیشن نئی دہلی کا

مسلم پرسنل لاء پر سوالنامہ اور ہمارا "جواب نامہ"

شاہ بانو کیس کے پردے میں اسلامی شریعت اور مسلم پرسنل لاء کو قدم بہ قدم ختم کرنے کا جو اقدام کیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر اضطراب کی جو لہر اٹھی ہے، غالباً اسی سے متاثر ہوکر حکومت کے ایک ادارے اقلیتی کمیشن نئی دہلی نے مختلف مقامات پر مسلم پرسنل لاء سے متعلق ایک سوال نامہ ارسال کیا ہے اور ایک ماہ کے اندر اس کا جواب مانگا ہے۔ اس سوال نامہ کا مقصد ابھی واضح نہیں ہے۔ تاہم ہماری طرف سے جو جواب بھیجا گیا ہے، اسے ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں، تاکہ قارئین محدث کے سامنے بھی اس معاملے کے بعض خصوصی پہلو آجائیں۔

سوال نمبر ۱: کیا آپ مسلم پرسنل لاء پر عمل درآمد میں دشواریاں محسوس کرتے ہیں؟

جواب:۔ جی نہیں! نہیں عمل درآمد میں نہیں بلکہ خلاف ورزی میں دشواریاں محسوس ہوتی ہیں۔

سوال نمبر ۲: اگر یہ ہیں تو کون کون سی دشواریاں ہیں اور انہیں کس طور پر دور کیا جا سکتا ہے۔؟

جواب نمبر ۲: خلاف ورزی کی صورت میں محسوس ہونے والی بعض دشواریاں بطور مثال یہ ہیں:

(ا) بعض مسلم خاندان عورتوں کو ان کی مقررہ میراث نہیں دیتے، جس سے بسا اوقات سخت جھگڑے اور اختلافات رونما ہوتے ہیں۔

(ب) اسلامی قانون طلاق کے بالکل برخلاف عام طور پر لوگ بیک وقت بیوی کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں چونکہ طلاق کے بیشتر واقعات کسی وقتی جھگڑے، رنجش اور ضد کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس لیے طلاق کا جھٹکا لگنے کے

بعد میاں بیوی دونوں کو عموماً بے حد شرمندگی، افسوس اور غم ہوتا ہے۔ وہ آئندہ باہمی محبت اور خیر سگالی کے ساتھ مل کر رہنے کے بے حد خواہش مند ہوتے ہیں۔ مگر اب علماء کی بڑی اکثریت فتوی دیتی ہے کہ تینوں طلاق پڑ گئی اور رجعت یا نکاح ثانی کی گنجائش ختم ہو گئی۔ لہٰذا اب دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، اور اگر رہنا ہی چاہتے ہیں تو عورت کا حلالہ کرانا ہوگا یعنی رات دو رات کے لیے عورت کو کسی کے نکاح میں دیدیا جائے، پھر اس سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے بیاہ دی جائے۔ مگر چونکہ یہ طرز عمل کسی غیرت مند انسان (چہ جائے کہ مسلمان) کو گوارا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بیک وقت تین طلاق دینے کی غلط صورت سخت پیچیدگی اور الجھن کا سبب بنتی ہے۔

(ج) سپریم کورٹ کے شاہ بانو کیس کے فیصلہ نے بھی دشواریوں کا ایک طومار کھڑا کر دیا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ ان دشواریوں کا حل کیا ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ حکومت یا اقلیتی کمیشن کو اس دردسر میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مسلمان، حکومت اور اس کے اداروں کو نہ تو مذہبی رہنمائی کا اہل سمجھتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ نہ ان سے اپنے مذہبی معاملات میں واقعیت پسندی کی توقع رکھتے ہیں، اس لیے مسلمان ان کی رہنمائی قبول کرنے پر قطعاً تیار نہیں۔ لہٰذا حکومت اور اس کے اداروں کا سب سے بڑا کرم یہی ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی امور اور پرسنل لا میں کسی طرح کی کوئی مداخلت یا "اصلاح" کرنے کے بجائے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ہاں اگر کوئی مسلمان ان کے پاس کوئی کیس لے جائے تو بس اتنا کرم کریں کہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق کریں۔ واضح رہے کہ مسلمانوں نے اپنی مشکلات کا حل اپنی پنچایتوں اور اپنے حق پسند علماء کے فتووں میں ڈھونڈ لیا ہے، اور اس پر وہ پوری طرح مطمئن ہیں۔

سوال نمبر ۳: آپ کے خیال میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ مسلم پرسنل لاء کی ضرورت کیوں ہے؟ اور اگر ہے تو یہ ضرورت کیسے پوری کی جاسکتی ہے؟

جواب نمبر ۳: علیحدہ پرسنل لاء کی ضرورت اس لیے ہے پرسنل لا بھی مسلمانوں کا دین ہے جو خدائی احکام و ہدایات پر مبنی ہے اور مسلمان اپنے دین سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال درحقیقت غیر مسلموں سے کرنا چاہیے کہ انھیں مسلمانوں کے اس معقول پرسنل لا کو چھوڑ کر بدحواس یورپ کی طرح اپنی قوم کو علیحدہ پرسنل لا کے تجربات کی بھٹی میں جھونکنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یورپ کے قانون داں کئی صدیوں کے تجربات کے تھپیڑے کھانے کے باوجود اپنے سماج کا رخ تباہی کے راستے سے نہ موڑ سکے۔

باقی رہا یہ سوال کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ پرسنل لا کی ضرورت کیسے پوری کی جاسکتی ہے؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ پرسنل لا، جو دہ صدیوں سے جامع اور مکمل شکل میں موجود ہے اور پوری اسلامی دنیا کی ضرورت پوری کرتا چلا آرہا ہے۔ اب یہ کسی کی مشاطگی کا محتاج نہیں اور نہ یہ بنیادی طور پر اپنے نفاذ میں کسی حکومت کے تسلیم کرنے اور نافذ کرنے کا محتاج ہے۔ لہذا حکومت اور اس کے کمیشنوں اور بورڈوں کو اس فکر سے بے نیاز رہنا چاہئے۔ کہ یہ ہے

ہماری بزم ہے ہم اس کو خود سجائیں گے۔

سوال ۴: یہ بتائیے کہ کیا آپ مسلم شریعت کو اس طرح مدون و مرتب کرنے کے حق میں ہیں جو مختلف فقہی مسالک کے درمیان اختلافات سے پاک نیز غیر یقینی صورتوں سے مبرا ہو؟

جواب: مسلم شریعت بذاتِ خود اختلافات سے پاک اور غیر یقینی صورتوں سے مبرا ہے۔ فقہی اختلافات جو کچھ ہیں وہ درحقیقت فہم و تعبیر یا اجتہاد و استنباط کے اختلافات ہیں۔ اور ان کے ازالہ کے لیے مذکورہ تجویز عملاً غیر مفید رہے گی۔

سوال ۵: مسلم پرسنل لا کے استحکام اور اس کی حفاظت کے کون کون سے ذرائع آپ کو نظر آتے ہیں؟

جواب: (الف) حکومت کی طرف سے اس میں تبدیلی کی تمام کوششوں اور امکانات کا مستقلاً سدباب کیا جائے۔

(ب) ملک کے جو قوانین اور دستوری دفعات اس سے ٹکراتے ہوں، ان قوانین و دفعات کو یا تو کالعدم کر دیا جائے یا مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

(ج) اگر مسلم پرسنل لا کے کسی مسئلہ کے متعلق کوئی عدالت شک و اشتباہ میں پڑ جائے تو خود اجتہاد نہ کرے بلکہ کسی مستند اور مسلّمہ فریقین مسلمان عالم سے فتویٰ لے کر اسی کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔

(د) زیادہ بہتر ہوگا کہ مسلمان تنظیمیں اپنے پرسنل لا سے تعلق رکھنے والے مقدمات و معاملات کے لیے اپنے قاضی خود مقرر کریں اور سرکاری عدالتیں ان کے فیصلوں کو تسلیم کریں۔

شاہ بانو کا کیس (مقدمہ)

سوال ۱: کیا آپ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے کسی حصہ میں کسی بنا پر کوئی غلطی یا غیر مناسب بات محسوس کرتے ہیں؟ اگر ہے تو کس لحاظ سے؟

جواب ۱: جی ہاں! اس فیصلہ میں بہت سی علمی، دستوری، قانونی، تہذیبی، اخلاقی اور انسانی حقیقتوں کو

نظر انداز کردیا گیا ہے۔ اور یہ اپنے سیاسی، سماجی، نفسیاتی، اخلاقی اور اقتصادی اثرات و نتائج کے اعتبار سے بالکل غیر موزوں فیصلہ ہے، جس کی توضیح حسب ذیل ہے۔

(الف) ہمارے ملک کے سیکولر دستوری نظام کی روح یہ ہے کہ حکومت اور اس کے ادارے کسی فرقہ کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیں گے اور ہر مذہب والا اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لیے آزاد ہوگا۔ مگر اس فیصلہ کے ذریعہ ایک مسلمان کو اس کے مذہب پر عمل کرنے سے روک کر اس کی خلاف ورزی پر مجبور کر دیا گیا ہے لہذا یہ فیصلہ ملک کے سیکولر دستور کی روح کے منافی ہے۔

(ب) اس کیس میں کیے گئے فیصلہ اور دعوی کے برخلاف اسلامی شریعت نے مطلقہ عورت کا نان نفقہ صرف خاتمۂ عدت تک شوہر کے ذمہ رکھا ہے۔ اس کے بعد شوہر کو اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا ہے۔ بلکہ پوری صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کی نفی کردی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مطلقہ عورت کے کیس کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ قانونی نکتہ دوٹوک لفظوں میں واضح فرمادیا ہے کہ نان نفقہ اسی عورت کے لیے ہے، جس کا شوہر اس سے رجعت کرسکتا ہو اور صرف اتنی ہی مدت کے لیے ہے جتنی مدت تک رجعت کرسکتا ہو۔ بصورتِ دیگر اس کے لیے نان نفقہ نہیں ہے۔ ہاں عورت اگر حاملہ ہو تو اسے بہرصورت وضع حمل تک نان نفقہ ملے گا۔

(دیکھیے! کتب احادیث: صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن دارقطنی، مسند احمد، نیز زاد المعاد ۲/۳۱۳ مطبع نظامی کانپور)

(ج) شاہ بانو کیس کا یہ فیصلہ مسلمانوں کے چودہ سو سالہ متفقہ اور مستقل ملّی دستور کے بھی خلاف ہے۔ سارے مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مطلقہ عورت عدت گزرنے کے بعد نان نفقہ نہیں پاسکتی۔ چنانچہ مسلمانوں کی چودہ سو برس کی پوری تاریخ میں، بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک پھیلے ہوئے عالم اسلام میں ایک کیس بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا، جس میں مطلقہ عورت کو عدت کے بعد بھی نان نفقہ دلانے کا فیصلہ کیا گیا ہو۔ لہذا سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ پرسنل لاء میں صریح مداخلت اور اسلامی شریعت کے صریح خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے چودہ سو سالہ کلچر اور ان کی تہذیبی روایت کے بھی خلاف ہے۔

(د) سپریم کورٹ کے جج صاحب نے قرآن مجید میں "اجتہاد" کر کے مسلمہ علمی اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ اصول ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ کسی بھی فن میں اسی شخص کی بات قابل قبول ہوسکتی ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ جج صاحب قرآن مجید کے ماہر تو درکنار عربی زبان سے بھی واقف نہیں، بلکہ اس بارے میں ان کی

حیثیت محض اناڑی کی ہے، پھر ان کے لیے یہ حق کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ ضروری اہلیت اور قابلیت حاصل کیے بغیر نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کی تشریح کرنے بیٹھ جائیں، بلکہ اپنے عہدے کا پاور استعمال کرتے ہوئے اپنی اس من مانی تشریح کو اسلامی قانون کہہ کر کروڑہا کروڑ مسلمانوں پر تھوپ بھی دیں۔ یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے کسی سڑک پر روڑی پیٹنے والے اناڑی مزدور کے ہاتھ میں سرجری کا نشتر تھما دیا جائے کہ وہ گردے کے مریض کا آپریشن کر دے۔ سوچ لیجیے کہ یہ شخص اس مریض کی کیسی درگت بنا دے گا۔ بس ایسا ہی کرم جج صاحب نے بھی قرآن کے ساتھ کیا ہے۔

(۶) جج صاحب کی اس کرم فرمائی کے اظہار کے لیے اشارۃً عرض ہے کہ عربی زبان میں اور قرآن کی تعبیر میں متاع الگ چیز ہے اور نفقہ الگ چیز۔ نفقہ گزارے کے خرچ کو کہتے ہیں اور متاع اس سامان کو کہا جاتا ہے جو (مسلسل نہیں بلکہ) وقتی طور پر مطلقہ کو دیدیا جائے۔ مگر جج صاحب نے پوری حقیقت کو الٹ پلٹ کر اس متاع کو گزارے کا خرچ یعنی نفقہ بنا دیا۔ پھر قرآن میں اس متاع کے لفظ سے بالکل ہٹ کر بالمعروف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ متاع جانے پہچانے طریقے پر دیا جائے۔ مگر جج صاحب اسے بالکل ہی ہضم کر گئے۔ نہ انھوں نے نزولِ قرآن کے وقت کے جانے پہچانے ہوئے طریقہ کا لحاظ کیا نہ اس کے بعد سے چودہ سو برس تک کی پوری مدت کے اندر پوری اسلامی دنیا کے جانے پہچانے ہوئے طریقہ کا لحاظ کیا۔ بلکہ ایک ایسا انجان طریقہ اختیار کیا، جس کو آج تک اسلامی دنیا نے جانا ہی نہیں ہے، اس کے علاوہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۶ میں اور سورہ احزاب کی آیت ۴۹ میں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ متاع ان عورتوں کا حق ہے جنھیں نکاح کے بعد ازدواجی تعلق قائم ہونے سے پہلے طلاق دیدی گئی ہو اور ان کی مہر بھی مقرر نہ ہوئی ہو۔ مگر جج صاحب نے قرآنی دستور کی ان دونوں متعلقہ دفعات کو بھی "اجتہاد" کے نشتر سے کاٹ کر پھینک دیا۔ شاید اسی لیے ایک ممبر پارلیمنٹ نے ان کے اس فیصلے کو جوڑ توڑ سے تعبیر کیا تھا۔ جج صاحب نے قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف بتا کر اپنی معلومات کی بیناًئی یا اپنی نیت کی کیفیت بھی عیاں کر دی ہے۔

(۷) آئیے اب ایک اور حقیقت کی بھی نشاندہی کریں۔ انسانوں میں جو نسبی اور خونی قرابت ہوتی ہے وہ پیدائشی اور ناقابلِ تنسیخ ہوتی ہے۔ مثلاً ایک انسان نے ایک مرد کے نطفے اور ایک عورت کی کوکھ سے جنم لیا تو وہ ان دونوں کا بیٹا ہے۔ اور وہ دونوں اس کے ماں باپ ہیں۔ یہ تعلق اور قرابت ایک ایسی قدرتی فطری اور پیدائشی حقیقت ہے کہ ساری دنیا زور لگائے تب بھی اس حقیقت کو بدلا نہیں جاسکتا۔ لڑکا، لڑکا ہی رہے گا، اور ماں باپ ماں باپ ہی رہیں گے۔

اس کے برخلاف بیوی اور شوہر کے درمیان جو تعلق اور رشتہ ہے وہ کوئی پیدائشی نہیں ہے۔ یعنی پیدائشی طور پر کوئی عورت کسی کی بیوی نہیں اور کوئی مرد کسی کا شوہر نہیں۔ بلکہ یہ رشتہ ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت کو نکاح کی گرہ یعنی شادی کے بندھن کیا ندھنے سے وجود میں آتا ہے۔ اس گرہ اور بندھن کے ذریعہ یہ دونوں ٹھیک اسی طرح آپس میں جڑ اور بندھ جاتے ہیں، جیسے دو الگ الگ دھاگوں کو آپس میں باندھ دیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے جڑ اور بندھ جاتے ہیں۔ اسی لیے نکاح کو عقد یا عقدہ کہا جاتا ہے۔ خود قرآن نے بھی اسے عقدۃ النکاح کہا ہے۔ (عقد اور عقدہ، گرہ، گانٹھ اور بندھن کو کہتے ہیں)۔ پس چوں کہ زوجیت کا رشتہ ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت کو ایک ساتھ باندھنے سے وجود میں آتا ہے۔ اس لیے جب یہ بندھن کھول دیا جائے تو رشتۂ زوجیت بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ یعنی بندھن کھول دیے جانے کے بعد بیوی، بیوی نہیں رہ جائے گی اور شوہر، شوہر نہیں رہ جائے گا۔ بلکہ دونوں پھر حسب سابق ایک دوسرے سے الگ الگ اور اجنبی ہو جائیں گے۔ اور معلوم ہے کہ زوجیت کا یہ بندھن طلاق کے ذریعہ کھل جاتا ہے۔ اس لیے طلاق کے بعد عورت کو طلاق دینے والے کی بیوی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ جج صاحب نے انسانی رشتہ و تعلق کی اتنی واضح اور دوٹوک حقیقت کو نہ جانا، یا پھر نظر انداز کر دیا۔ اور مطلقہ عورت کو حسب دستور طلاق دینے والے کی بیوی بتا دیا اور پھر اس خلافِ حقیقت مفروضے پر اپنے اس فیصلہ کی بنیاد رکھدی کہ طلاق دینے والا اپنی مطلقہ کو تا حیات یا تا نکاح ثانی نان نفقہ دے۔ ظاہر ہے جب اس فیصلے کی بنیاد ہی غلط اور خلافِ حقیقت ہے تو یہ فیصلہ کیوں کر صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے، اس لیے صرف نان نفقہ ہی نہیں بلکہ اس دائرے کے دوسرے اسلامی قوانین بھی ہماری اس ذکر کردہ ناقابلِ انکار فطری حقیقت پر مبنی ہیں۔ اسی لیے جب طلاق کے ذریعہ عورت جدا ہو جائے تو طلاق دینے والے مرد کا اس عورت پر کوئی شوہری حق باقی نہیں رہ جاتا۔ یعنی شوہر اس کے ساتھ نہ باہمی رضامندی سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے، نہ جبراً قائم کر سکتا ہے بلکہ وہ دونوں صورتوں میں گنہ گار اور سزا کا مستحق ہوگا۔ اور رضامندی کی صورت میں عورت بھی سزا کی مستحق ہوگی۔ جنسی تعلق تو خیر بہت دور کی بات ہے، اب طلاق دینے والا اس مطلقہ عورت کو چھو بھی نہیں سکتا بلکہ اس کی شکل وصورت بھی نہیں دیکھ سکتا اور اس سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر عورت مر جائے تو اس کے مال سے وراثت بھی نہیں پا سکتا۔

ان مسلمہ حقائق کے باوجود اس مطلقہ کو حسب دستور طلاق دینے والے کی بیوی کہنا صد درجہ انوکھی اور حیرتناک
اور اس سے اسلامی اصول و ضوابط اور مسلم تہذیب و ثقافت اور کلچر پر جن جن پہلوؤں سے مار پڑتی ہے وہ ہرگز قابل
نہیں ہے۔

(ح) ان حقائق کے مدنظر یہ سوال بھی سر اٹھائے کھڑا ہے کہ جب مطلقہ عورت اصلاً ایک اجنبی عورت ہے ا
مرد کا اس پر کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے تو وہ آخر کس چیز کے عوض نان نفقے کی حقدار ہے؟

(ط) اور دوسرا سوال یہ سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اگر عورت طلاق پانے کے بعد بھی اپنے طلاق دینے والے کی
ہے تو آخر طلاق کیا چیز ہے؟

آئیے اب اس فیصلہ کے بعض ممکنہ اثرات ونتائج کی طرف بھی اشارہ کر دیں:

(ی) یہ فیصلہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے دانستہ یا نادانستہ چھیڑ خوانی ہے اور ایسی چھیڑ خوانی ہمیشہ مشکل
پیدا کرتی ہے۔ پنجاب کے حالیہ واقعات سے عبرت پکڑنی چاہیے، جس میں مذہبی جذبات کی کارفرمائی کا اندازہ دستو
کی دفعہ ۲۵ کے ساتھ ہونے والے سلوک سے لگایا جا سکتا ہے۔

(ک) اس فیصلہ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ جب شوہر اور بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہ رہ جائے گی۔ اور
علیحدگی ناگزیر ہو جانے کے باوجود شوہر اس بنا پر عورت کو طلاق نہ دے سکے گا کہ اس میں ایک لاتعلق عورت ک
زندگی بھر خرچ دینے کی سکت نہیں یا اسے یہ گوارا نہیں تو وہ طلاق دینے کے بجائے عورت کو قتل کر دے
اور یوں کہ عورت، شوہر کے گھر میں رہتی ہے، اس لیے قتل کے ہزاروں کیس ایسے ہو سکتے ہیں جن کا کسی
پتہ نہ چل سکے۔ مثلاً شام کو زہر کھلایا اور صبح عورت مردہ پائی جائے، کون جان سکے گا کہ اس کی موت کا
سبب کیا ہے۔ بلکہ کہنے دیجیے کہ کھلم کھلا مٹی کے تیل میں جلانے کی وارداتیں بھی اسی طرح شروع ہو جائیں
جس طرح اس وقت ہمارے ملک کے ہندو سماج میں برپا ہیں۔ کیونکہ پبلک روز دیکھتی ہے کہ حکومت
ان وارداتوں کی روک تھام میں قطعی ناکام ہے۔ افسوس ہے کہ جج صاحب کو اکا دکا عورتوں پر ایک خیالی او
فرضی ظلم تو نظر آ گیا مگر ان کے فیصلے کے نتیجے میں عورتوں پر مظالم کا جو ہولناک دروازہ کھل سکتا ہے اور جس کی نظیر
موجود بھی ہے اسے وہ نہ دیکھ سکے۔

(ل) ایک اور نتیجہ اس فیصلہ کا یہ بھی ہوگا کہ نباہ ممکن نہ ہونے کی صورت میں شوہر طلاق دینے کے

بجائے عورت کو مسلسل ذہنی ـــ اور با اوقات جسمانی ـــ اذیتیں پہنچاتا رہے گا، جس کے نتیجہ میں عورت کی زندگی عذاب بن جائے گی اور وہ تنگ آکر اسی طرح خودکشی کرے گی۔ جس طرح ہمارے ملک کے ہندو سماج میں آئے دن خودکشی کی وارداتیں پیش آتی رہتی ہیں۔

(م) اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ خودسر عورتیں، بڈھے شوہروں کا ناک میں دم کرکے ان کی زندگی اجیرن بنائے رکھیں گی۔

(ق) اور جہاں تک بدکار عورتوں کا معاملہ ہے تو یہ فیصلہ ان کیلئے گویا بدکاری کے لائسنس کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ طلاق کے خطرے سے بے نیاز ہوکر اپنا شغل جاری رکھ سکتی ہیں۔ بلکہ ایسا بھی ہوگا کہ ایک بدکار عورت کسی شخص کو اپنے مصنوعی پیار و محبت کا نخچیر بناکر اس سے شادی رچائے گی۔ پھر تھوڑے عرصے بعد اسے تنگ کرکے طلاق دینے پر مجبور کردے گی اور جب وہ طلاق دیدے گا تو ڈگری حاصل کرکے اس سے زندگی بھر خرچ لیتی رہے گی اور اپنے یاروں اور دوستوں کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرے گی۔

(س) بلکہ وہ باری باری دور دراز علاقوں میں الگ الگ شادیاں کرکے اور طلاق لے کر بیک وقت کئی آدمیوں سے خرچ کی رقم اینٹھ سکتی ہے۔

(ع) اور ایک مرد کو خدانخواستہ باری باری دو تین غلط عورتوں سے سابقہ پڑ گیا اور وہ ہر ایک کو طلاق دینے پر مجبور ہوا تو ہر ایک کو زندگی بھر خرچہ دیتے دیتے تو اس مرد کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

(ف) طلاق کے واقعات عموماً جوان عمری میں پیش آتے ہیں۔ ہزاروں واقعات میں شاید ہی ایک دو واقعے عمر رسیدہ جوڑوں کے، پیش آتے ہوں گے۔ لہٰذا طلاق کے بعد عورت دوسرے نکاح کی ضرورت مند ہوتی ہے، مگر جو عورت اپنے سابق شوہر سے مستقل نان نفقہ پائے گی اس کے ساتھ ایک معاملہ تو یہ ہوگا کہ اس کے ماں باپ اور بھائی بند اس کے خرچ کے دباؤ سے آزاد ہوں گے، اس لیے وہ اس کی شادی کی فکر نہ کریں گے، بلکہ وہ اطمینان سے اس عورت کو گھر بر رو کے رکھیں گے تاکہ وہ اپنے سابق شوہر سے خرچ لیتی ہے اور ان لوگوں کی خدمت کرتی رہے۔ اور دوسرا معاملہ یہ ہوگا کہ ایسی عورت سے کوئی دوسرا آدمی شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوگا کیوں کہ وہ سوچے گا کہ اگر خدانخواستہ ہم سے بھی نہ پٹی تو، ہمیں بھی اس کو طلاق دے کر زندگی بھر اس کا خرچ دینا پڑے گا۔ لہٰذا اس نوجوان عورت کو کسی شوہر کے سہارے کے بغیر تنہائی اور بے کسی کے صحراؤں،

جھلستے ہوئے زندگی گزارنی پڑے گی۔ پھر اس طرح کی عورت جس طرح کی اخلاقی تباہیاں لاسکتی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔

سوال ۱۲: کیا آپ کو مسلم پرسنل لاء میں کوئی ایسا جزو نظر آتا ہے۔ خواہ قرآن مجید میں ہو یا اس کے علاوہ جو مطلقہ عورت کو اس کے سابق شوہر سے گزارے کے لیے کسی رقم کی ادائیگی سے روکتا ہو؟ اگر آپ کو علم ہو تو براہِ کرم ایسے اصول یا جزو کو اور اس کی بنیاد کو بتائیں۔

جواب:۔ پیچھے ہم اسلامی شریعت کے اس قانون کا ذکر مع حوالہ کر چکے ہیں کہ عورت صرف اسی وقت تک خرچہ پانے کی حق دار ہے جب تک شوہر اس سے رجعت کر سکتا ہو، یا وہ حاملہ ہو۔ بصورتِ دیگر یعنی خاتمۂ عدت کے بعد وہ شوہر سے نان نفقہ پانے کی حق دار نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ شخص اپنی آزاد و خود مختار مرضی سے کسی دباؤ اور جبر کے بغیر محض فضل و احسان کے طور پر اس عورت کو کچھ دینا چاہے، جیسا کہ وہ کسی بھی غریب و محتاج آدمی کو صدقہ اور خیرات کے طور پر دیتا ہے۔ تو شریعت اسے منع نہیں کرتی بلکہ وہ اس کی قدر کرتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔ ولا تنسوا الفضل بینکم (البقرہ: ۲۳۷) (تم لوگ آپس میں حسن سلوک کو نہ بھولو۔)

لیکن اگر مرد سے اس کی مطلقہ عورت کو کسی سماجی رواج یا قانونی دباؤ یا عدالتی فیصلہ کے تحت عدت کے بعد بھی نفقہ و گذارہ کی کوئی رقم دلائی جائے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ باطل، گناہ اور حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ" منداحمد دارقطنی بیہقی مشکوٰۃ) کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ اور۔ قرآن کا ارشاد ہے: لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ (البقرہ: ۱۸۸) یعنی تم لوگ اپنے مال آپس میں باطل کے ساتھ نہ کھاؤ۔ اور ایسے حکام (ججوں) کے پاس بھی نہ لے جاؤ کہ (ان سے فیصلہ کرا کر) لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم جانتے بوجھتے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص حقدار نہ ہو اس کیلئے کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر نہ تو اپنے طور پر لینا حلال ہے اور نہ عدالت سے فیصلہ کرا کر لینا حلال ہے بلکہ یہ باطل اور حرام ہے اور حرام بھی ایسا سخت ہے کہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو اور ہو سکتا ہے تم میں سے ایک شخص اپنی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ زبان آور ہو اور میں جیسا سنوں اسی کے لحاظ سے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو یاد رکھو اگر میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ مال کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے، کیوں کہ میں اسے آگ کا یعنی جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔"
(بخاری و مسلم وغیرہ)

خلاصہ یہ ہے کہ سابق شوہر کسی جبر و دباؤ کے بغیر محض اپنی آزاد اور خود مختار مرضی سے اپنی مطلقہ عورت کو خاتمہ عدت کے بعد بھی کچھ دینا چاہے تو اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں۔ لیکن اگر ایسا سماجی رواج یا ملکی قانون بنا دیا جائے جس کے دباؤ سے سابق شوہر کچھ دے یا عدالتی فیصلہ کے ذریعہ کچھ دلوا یا جائے تو یہ باطل اور حرام ہے اور عورت ایسا کوئی مال نہیں لے سکتی۔

سوال ۴: مسلمانوں میں طلاق کے ان واقعات کو جو آپ کے ذاتی علم میں ہوں براہ مہربانی ان کو مع ان کی وجوہات کے بتائیں۔

جواب ۴: ہمارے پاس طلاق کے متعلق سوالات آتے رہتے ہیں، جن میں واقعات کی تفصیل بھی درج ہوتی ہے ان واقعات سے جن اسباب کی نشاندہی ہوتی ہے وہ کچھ یوں ہیں کہ عموماً مرد و عورت میں مزاجی ناموافقت سے اختلافات شروع ہوتے ہیں، جس پر وقتاً فوقتاً تک جھک ہوتی رہتی ہے، پھر کسی موقع پر عموماً کوئی معمولی سی بات دونوں میں ضد کا سبب بن جاتی ہے۔ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑ کر جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، جو کبھی تو گھنٹے دو گھنٹے اور کبھی کبھی دن بھر اور کبھی کبھی کئی دن تک جاری رہتا ہے، اور ٹھنڈا اس وقت ہوتا ہے جب مرد طلاق داغ دیتا ہے۔ منشیات کے عادی عموماً نشے کی ترنگ میں طلاق دیتے ہیں۔
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت بدکار ہوتی ہے، راز کھلنے پر شوہر اسے طلاق دیدیتا ہے۔ بعض عورتیں ایسی بدسلیقہ اور بدمزاج ہوتی ہیں کہ شوہر کے گھر کو ویران اور دولت کو تباہ کر ڈالتی ہیں۔ اور بعض عورتیں شوہر کے خون پسینے کی کمائی چپکے سے اپنے میکے والوں کو دے آتی ہیں۔ ان حالات میں شوہر سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی طویل کوششوں کے بعد مایوس ہو کر بدرجہ مجبوری طلاق دیتا ہے۔ بعض شوہر تنک مزاج ہوتے ہیں اور کسی اچانک معاملے پر بھڑک کر جھٹ طلاق دیدیتے ہیں۔

سوال ۴: کیا مسلمانوں میں طلاق کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، یا کم ہو رہا ہے؟ اس کی وجوہات بھی بتائیں!

جواب: ہمارے سامنے بیس پچیس سال کے عرصے میں جو واقعات آئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق کا رجحان اس پورے عرصے میں گھٹنے بڑھنے کے بجائے تقریباً یکساں رہا ہے۔

سوال ۵: سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے اپنے ذاتی علم کی روشنی میں یہ بتائیں کہ مسلم کنبوں میں طلاق کی وجہ سے ان کنبوں کی بہبود پر کیا اثر پڑا ہے؟

جواب: طلاق کے جو واقعات ہمارے علم میں ہیں، ان کے پیش نظر ہمارا تجزیہ یہ ہے:

طلاق کے تقریباً پچانوے فیصد واقعات ایسے ہیں جن میں شوہر عدت کے اندر ہی عورت سے رجوع کر لیتا ہے اور پھر دونوں حسب سابق میاں بیوی بن کر رہتے ہیں۔ مگر طلاق کے ایک دھچکے کے بعد دونوں محتاط ہو جاتے ہیں۔ عورت ہر اس حرکت سے پرہیز کرنے لگتی ہے جس سے دوبارہ اس برے دن کے آنے کا اندیشہ ہو، اور شوہر بھی ایسے تمام اقدامات سے گریز کرتا ہے، جس سے عورت کے ساتھ جھگڑا اور کشمکش شروع ہو اس طرح خاندان کا ماحول طلاق سے پہلے کے مقابل زیادہ خوشگوار ہو جاتا ہے اور زندگی کی گاڑی زیادہ لگن اور یکجہتی کے ساتھ کھینچی جانے لگتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ طلاق کے حادثے کے بعد رجعت کا موقع پند و نصیحت کے ساتھ دیا گیا تو شرابیوں اور بدکاروں نے شراب اور بدکاری سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بہت سے بگڑے ہوئے لوگ سدھر گئے، اور عورتوں کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرنے لگے۔ ایسے ہی اثرات بدسلیقہ، جھگڑالو اور لاابالی عورتوں پر بھی پڑے ہیں۔

جن صورتوں میں شوہر زچ ہو کر طلاق دیتا ہے اور رجعت نہیں کرتا، ان صورتوں میں دیکھا گیا ہے کہ عدت کے بعد مطلقہ عورت کسی اور جگہ شادی کر لیتی ہے اور اس طرح سنبھل کر رہتی ہے کہ دوسری جگہ سے طلاق کی نوبت نہیں آتی۔ مرد بھی کوئی دوسری شادی کر لیتا ہے، اور اس تعلق کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔ میں اپنے کوئی پچیس تیس سالہ تجربات میں ایک عورت کے سوا کسی کو نہیں جانتا جسے دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی ہو، گویا نفاذِ طلاق کی صورت میں دونوں کو ایک جھٹکا تو ضرور لگتا ہے، مگر وہ ہمیشہ کے لیے سنبھالا دے دیتا ہے، اور اس طرح خاندان کی بہبود پر کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ طلاق کے بعد کا سنبھالا پہلے کے

مقابلہ میں ہمیشہ پائدار اور خوشگوار رہا ہے۔ البتہ بعض حالات میں پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہونیوالا بچہ مشکلات کا شکار ہوتا ہے۔

سوال ۲: یہ بتلایئے کہ وہ کون سی دشواریاں ہیں جو طلاق کے سلسلے میں سامنے آتی ہیں اور آپ کی رائے میں ان دشواریوں پر مسلم پرسنل لا کی حدود میں یا ان کے باہر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔

جواب: دیکھیے سوال ۱: (ابتدائی) کا جواب شق ب اور شق ن کے بعد کا پیراگراف۔

سوال ۳: کیا آپ کے خیال میں شریعت اسلامی میں شوہروں کو بغیر کسی وجہ کے طلاق دینے کا مکمل حق حاصل ہے؟ اگر ہے تو کیا آپ اس حق پر کوئی پابندی عائد کرنا چاہیں گے اور یہ کیسے عائد کریں گے؟ اگر یہ درست ہے کہ ایک مسلم شوہر کو طلاق دینے کا مکمل حق حاصل ہے تو اس مسئلہ کے حق میں یا خلاف اپنی رائے سے آگاہ کریں اور اپنی رائے کی موافقت میں معتبر حوالے بھی پیش کریں۔

جواب: سوال کا ابتدائی اور آخری فقرہ ایک سنگین معاشرتی معاملے کے نہایت متوازن، جامع اور معقول حل کے خلاف ایک بھونڈی اور مکروہ جذباتی جارحیت کا مظاہرہ معلوم ہوتا ہے، تاہم اس کا مختصر جواب حاضر ہے۔

اسلامی شریعت کا بانی وہی ہے جو انسان اور اس کے فطری احساسات کا خالق ہے اور اس کی ایک ایک شعوری دھڑکنوں سے واقف ہے۔ وہ تمام قانونی اور نفسیاتی ماہرین سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شادی کے لیے انسانی انتخاب ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوگا اور ناکامی کی آخری منزل اگر طلاق نہ ٹھہرائی گئی تو قتل یا خودکشی آخری منزل بن جائے گی۔ اس لیے اس رحیم نے خودساختہ بزرگوں کی تمام کبریائیوں کو جھٹک کر جو کرم فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

طلاق کے کچھ اخلاقی ضابطے ہیں اور کچھ قانونی نکات۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کرنا درست نہیں ہے۔ اسلامی اصول واحکام یہ ہیں: جب مرد اور عورت کے درمیان نباہ مشکل نظر آرہا ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اولاً انھیں خود باہم افہام و تفہیم کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بھی کام نہ چلے تو حکم ہے کہ دونوں کے گھرانوں سے ایک ایک ثالث مقرر کیے جائیں جو معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں، اگر یہ بھی ناکام رہیں تو طلاق یا خلع کے ذریعہ علیحدگی کی اجازت ہے۔ مگر یہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ

اجازت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ (سنن ابی داؤد) حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ اس لیے طلاق کو بالکل آخری چارۂ کار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (اس آخری چارۂ کار کو حق کہیے یا اجازت یا گنجائش اس سے اصل حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا)۔

پھر طلاق کے سلسلے میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے، جب عورت حیض کے بجائے پاکی کی حالت میں ہو اور اس پاکی میں شوہر نے اس سے جماع نہ کی ہو۔ پھر طلاق بھی ایک وقت میں صرف ایک ہی دی جائے، جس کے بعد خاتمۂ عدت تک شوہر کو رجعت کا اختیار رہتا ہے، اور خاتمۂ عدت کے بعد اگر دونوں باہم راضی ہو جائیں تو نکاح کر کے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں اور نہ راضی ہوں تو عورت جہاں بھی چاہے شادی کر لے۔

یہ طلاق کے شرعی اصول و ضوابط ہیں۔ مگر قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے طلاق دیدے تو وہ اگرچہ سخت گنہگار اور اللہ کے نزدیک قابل گرفت ہوگا مگر طلاق بہر حال پڑ جائے گی اور اس کو اس کے نتائج برداشت کرنے ہوں گے۔ حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو ان کی یہ طلاق شمار کی گئی۔ (صحیح بخاری وغیرہ) ایک صحابی حضرت رکانہ نے یکجا تین طلاقیں دیں تو تینوں تو نہیں مگر ایک طلاق شمار کی گئی (مسند احمد وغیرہ)

باقی رہا طلاق پر پابندی عائد کرنے کا معاملہ تو واضح رہے کہ اس باب میں قانونی پابندیاں کھڑی کرنے سے دشواریاں ہی جنم لیں گی۔ البتہ معاشرے کی اخلاقی حس کو بیدار کرنا بہتر ہوگا۔ ویسے بھی اگر کوئی شخص طلاق دیدے تو کوئی پابندی اسے نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی۔ نیز طلاق کے جو واقعات رجعت کے بجائے مستقل علیحدگی پر ختم ہوتے ہیں وہ اتنے کم ہیں اور نباہ کی گنجائش نہ رہنے کے ایسے حالات میں پیش آتے ہیں کہ ان پر پابندی کی تجویز ایک فضول اور غیر مفید دردسری ہے۔

سوال ۲۸: مسلم پرسنل لا کے تحت نکاح، طلاق اور مہر کے بارے میں اگر کسی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے تو انھیں کس طرح سے حل کیا جا سکتا ہے؟ براہ کرم یہ بھی بتائیں، آپ کی رائے میں شریعت اسلامی کی روشنی میں نکاح، طلاق اور مہر کے کیا صحیح تصورات ہیں اور ان کی وجوہات کیا ہیں؟۔

جواب : شق اول کا جواب گزر چکا ہے ۔ درحقیقت نکاح ، طلاق اور مہر کے مسائل سماجی طور پر اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ حکومت کو اس دردسری میں پڑنے کی ضرورت قطعاً نہیں ۔

شریعت کا اصول نکاح بالکل سادہ ہے ۔ ایک مرد اور ایک عورت باہم شادی پر رضامند ہو جائیں تو عورت سے جائز لیکر اس کے ولی کے زیر سرپرستی گواہان اور حتی الامکان لوگوں کے مجمع میں خطبہ نکاح پڑھ کر مرد سے اس عقد کو قبول کرالیا جائے ۔

اس کے بعد عورت شوہر کے یہاں رخصت کردی جائے ۔ مہر خواہ نکاح کے وقت مقرر کی جائے یا اس کے بعد ، دونوں درست ہے ۔ فریقین باہمی رضامندی سے جو بھی طے کریں وہ شوہر کے ذمہ لازمی ہے ۔ اگر فوری ادائیگی طے کریں تو فوراً ادا کرنی ہوگی ۔ ورنہ عورت رہنے سہنے لگے تو اس کے بعد جب طلب کرے دینی ہوگی ۔ اور اگر دیئے بغیر شوہر مر جائے تو اس کے ترکہ سے قبل از تقسیم دلائی جائے گی اور اگر عورت مہر پائے بغیر مر گئی تو شوہر سے مہر کی رقم لے کر عورت کے ورثہ پر تقسیم کردی جائے گی ۔ عورت چاہے تو اپنی آزاد مرضی سے مہر معاف بھی کر سکتی ہے ۔

بس یہ ہے مختصر اور سادہ اصول ۔ جس کی معقولیت محتاج بیان نہیں کہ ہم ان کی وجوہات کا ذکر کریں ۔ طلاق کے اصول اوپر ذکر کیے جا چکے ہیں ۔ لہٰذا دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

ادارہ اصلاح المساجد بمبئی کے زیر اہتمام عظیم الشان اجلاس عام

مورخہ ۱۶ ، ۱۷ ، نومبر ۱۹۸۵ء یوم سنیچر و اتوار بمقام عالیہ جنرل ہسپتال مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ یوپی منعقد ہوگا ۔ جس میں مساجد کی اہمیت ، اس کے ابدی پیغام اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور ملی اتحاد پر ملک کے مشہور و ممتاز علماء کرام خطاب فرمائیں گے ۔ اس موقع پر ادارہ اصلاح المساجد بمبئی کی طرف سے ایک کل ہند مساجد کانفرنس بھی منعقد ہوگی ، جس میں ملک بھر کے ذمہ دار متولیان ، خطباء مساجد و علماء کرام اور داعیان جماعت و اکابرین و ہمدردان ملت شرکت فرمائیں گے ۔ مجلس انتظامیہ جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ کی طرف سے صرف قیام کا انتظام ہوگا ۔ اپنی آمد کی اطلاع جلد از جلد اس پتہ پر بھیجیں

FAKHRUDDIN ANSARARI
SECRETARY RECEPTION COMMITTEE
JAMA MASJID AHLEHADIS MIRZA HADI PURA
MAU NATH BHANJAN — U.P. 275101

محمد فاروق اعظمی جلگاؤں

شہیدِ ملت ٹیپو سلطان
کے
سیرت و کردار کی چند جھلکیاں

حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہیدؒ سے قبل میسور کے عوام کی کوئی تاریخ نہ تھی لیکن ان دو حکمرانوں کی حکمرانی کے چند سال ہندوستان کی تاریخ پر چھائے ہوئے ہیں۔ "سلطنت خداداد" کے بانی ٹیپو سلطان کے سیرت و کردار کے کئی پہلو ایسے ہیں جو عام قارئین کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ اس اولوالعزم مجاہد نے ہندی مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں محمد بن قاسم کی غیرت، محمود غزنوی کی شجاعت اور احمد شاہ ابدالی کے عزم و استقلال کی یاد تازہ کردی تھی۔ اس کی فتوحات اور عبقریت محض میدانِ جنگ تک محدود نہ تھی، وہ بیک وقت عادل حکمراں، شجاع جرنیل، عالم باعمل، مفکر و مصلح، رعایا پرور، متقی و پرہیزگار، انتہائی دیندار اور حد درجہ رواداِر انسان تھا۔ اس کے دل و دماغ کی وسعتوں میں اسلامیانِ ہند کے ماضی کی عظمتیں، حال کے ولولے اور مستقبل کی آرزوئیں سما گئی تھیں، وہ ہمیں زندگی کی ہر دوڑ میں اپنے وقت سے کئی منزلیں آگے دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ایسے دور میں فلاحی حکومت کا نمونہ پیش کیا تھا، جبکہ باقی ہندوستان کے نواب اور راجے اپنی رعایا کی ہڈیوں پر عشرت کدے تعمیر کر رہے تھے۔

جب ہندوستان میں تیموری جاہ و جلال کا چراغ جھلملا رہا تھا تو میسور میں حوصلوں اور ولولوں کی ایک نئی دنیا آباد ہو رہی تھی۔ جب مشرقی ہندوستان کے قلعوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جھنڈے لہرا رہے تھے تو "سلطنت خداداد" کا معمار سرنگاپٹم، چتل درگ اور منگلور میں قوم کی آزادی کے لئے نئے حصار تعمیر کر رہا تھا۔ شیرِ میسور ٹیپو سلطان نے

اس وقت عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی جب بھیڑیوں، گیدڑوں اور گدھوں کے لشکر اس کے کچھار کا محاصرہ کر رہے تھے اور وہ اس وقت تک ان کے سامنے پورے مومنانہ عزم اور مجاہدانہ شان کے ساتھ سینہ سپر رہا جب تک کہ اس کی رگوں کا سارا خون میسور کی خاک میں جذب نہیں ہو گیا۔

ٹیپو سلطان ۲۰ر ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۲۰ر نومبر ۱۷۵۲ء کو دیون ہلی ضلع بنگلور میں پیدا ہوا اور اپنے باپ نواب حیدر علی کی وفات کے بعد ۱۷۸۲ء میں بعمر تیس سال تخت نشین ہوا۔ حیدر علی خاں کی زندگی کا بیشتر حصہ میدانِ کارزار میں گزرا۔ مرہٹے نظام حیدر آباد اور انگریزوں کو حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ سرزمین میسور سے ایک نئی طاقت کا ابھرنا اور پورے ہندوستان کی نگاہوں کا مرکز بن جانا انھیں ایک آنکھ بھی نہ بھاتا تھا۔ حیدر علی بھی ایسا جنگجو سپاہی اور اولو العزم مجاہد تھا کہ ان تینوں مشترکہ طاقتوں سے جنگ کے مختلف محاذوں پر زندگی بھر تنہا نبرد آزما رہا اور انھیں پے در پے عبرت ناک شکستیں دیتا رہا اور جب تک زندہ رہا دشمنوں کے لیے ناقابلِ تسخیر رہا۔ آخر کینسر کے موذی مرض میں، ۷ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ حیدر علی کی وفات کے بعد اس کا شیر دل بیٹا ٹیپو سلطان اس کی وسیع و عریض سلطنت کا مالک بنا جو اسی ہزار مربع میل سے بھی زیادہ رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ ٹیپو سلطان اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر آخر دم تک دشمنوں سے برسرِ پیکار رہا۔ ہمیں ان تمام جنگوں اور محاذوں کی تفصیل سے قطع نظر یہ دکھانا مقصود ہے کہ وہ کس طرح اپنی آزادی اور خود مختاری کی خاطر زندگی کی آخری سانس تک شمشیر بکف رہا۔ جان دیدی مگر کبھی دشمن کے سامنے سرنگوں نہ ہوا۔ اس مردِ مجاہد کی شکست کے اسباب میں جہاں غداروں اور نمک حراموں کی کامیاب سازشیں کارفرما تھیں وہیں سلطان موصوف کی وہ اصلاحی کوششیں بھی زوال کا سبب بنیں جو اس نے اسلامی تعلیمات کے زیر اثر نافذ کرنی چاہیں۔ اور برائیوں سے پاک اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں بہت سی شرک و بدعات کا خاتمہ کرنا چاہا۔

ٹیپو سلطان طبعاً بڑا متقی اور پرہیزگار انسان تھا۔ چوں کہ حیدر علی علم کی دولت سے محروم تھا، اس لیے اس نے اس احساسِ محرومی کی تلافی اپنے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم دلوا کر کی۔ تعلیم کے ساتھ جس تربیت نے سلطان کے جوہر کو اور نکھار دیا۔ اسلامی شعائر کا اس قدر لحاظ و پاس تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کو نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ زہد و تقویٰ اس کی زندگی کا شعار تھا۔ ہر روز بلا ناغہ بعد نمازِ صبح قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ نماز کا اس قدر پابند تھا کہ جب مسجد اعلیٰ (جو قلعہ سرنگا پٹم میں اب بھی موجود ہے) کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر

بڑے بڑے علماء و مشائخ آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو صاحبِ ترتیب ہو وہ امامت کرے (صاحبِ ترتیب وہ ہے جس نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے کبھی نماز قضا نہ کی ہو) کسی عالم اور صاحبِ جبہ و دستار کو آگے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ٹیپو سلطان نے اعلان کیا، الحمدللہ میں صاحبِ ترتیب ہوں، چنانچہ اس نے پہلی نماز کی امامت کی۔

سلطان کی جس ناز و نعم سے پرورش ہوئی تھی اور عالم شہزادگی میں جو عیش و آرام میسر تھا اس کے پیش نظر نغمہ و نور کے سیلاب میں بہہ جانا اور گلرخان سمن بر کے درمیان دادِ عیش دینا کوئی بعید بات نہ تھی جبکہ عام نوابوں، راجوں اور راجکماروں کا یہ ایک عام مزاج تھا۔ مگر ٹیپو سلطان کا کردار اس معاملہ میں آئینہ کی طرح صاف ہے حالانکہ اس کو دامِ عیش میں پھانسنے کے لیے حسینوں اور مہ جبینوں نے بہت ڈورے ڈالے چنانچہ اس کی زندگی کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ عید کے دن سلطان ایک کمرہ میں سو رہا تھا، اسی دوران میں نواب حیدر علی خاں مرحوم کی دو منظورِ نظر کنیزیں جو جوان سال اور خوبصورت تھیں اپنے عشرت کدوں سے نکل کر سلطان کے پاس پہنچیں اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اس کو طیش آگیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ خوف خدا سے کانپنے لگا اور کہا۔

"یہ تم نے کیا کہا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روزِ قیامت اپنے باپ کو کیا جواب دوں گا؟"

اس کے بعد سلطان نے ان کو ایسی سخت سزائیں دلوائیں کہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کو قتل کا حکم تھا۔ چنانچہ پائیں گھاٹ کے مقام پر جب سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا اور اسے فتح نصیب ہوئی تو انگریزوں کے خیمے لوٹے گئے، جن میں سے کچھ ایسی عورتیں بھی برآمد ہوئیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں مگر گوروں سے زنا کرتی تھیں، سلطان کی اسلامی غیرت و حمیت اس کو گوارا نہ کر سکی، اس نے ان عورتوں کو قتل کرا دیا۔

سلطان میں شرم و حیا اس درجہ تھی کہ سوائے اس کے گھٹنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا تھا۔ حضرت عثمان غنی ؓ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔ (مصنف نشانِ حیدری)۔ یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ دوسروں کو بھی وہ اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور مالابار میں ہندو عورتیں زمانہ قدیم سے برہنہ سر اور برہنہ سینہ ہو کر باہر نکلتی تھیں اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے اور نکلے تو اس کے لیے سزا مقرر تھی۔

حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے اس دورِ انحطاط میں جب مغلیہ سلطنت کے تار و پود بکھر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے نواب و راجے خود مختاری کا اعلان کر کے اپنے اپنے عشرت کدے تعمیر کر رہے تھے اور مسلمان بحیثیت مجموعی لہو و لعب، پیری مریدی، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، تعویذ گنڈے، ہندوانہ رسم و رواج اور دیگر خرافات اور اوہام کی گمان آباد دنیا میں مست تھے، نہ کسی مسلم حکمران کو ان کی اصلاح کی فکر تھی اور نہ خود مسلمان اپنی اصلاح کے لیے تیار تھے، وہ خواہشاتِ نفسانی اور ہوس پرستی کی جس ڈگر پر چل پڑے تھے اسی پر چلنا چاہتے تھے۔ ایسے حالات میں ٹیپو سلطان نے مسلم معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ شمالی ہند میں تو کچھ علماء و صلحاء کی اصلاحی کوششیں کام کر رہی تھیں مگر جنوبی ہند میں مسلمانوں کا اسلامی تشخص خطرے میں تھا۔ مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول نے ان مسلمانوں کی بود و باش اور معاشرت پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا۔ شادی بیاہ، حتیٰ کہ مذہبی تقریبات میں بھی ہندوانہ رسم و رواج غالب تھا، لوگ عیش و آرام کے خوگر ہو چکے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے محفوظ رکھنے اور مرہٹوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اپنے کو ملکی اور مغلوں کو غیر ملکی کہا کرتے تھے۔ اس لیے وہ ہندوؤں سے زیادہ ہم آہنگ اور قریب تھے۔ اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دکن کی یہ مسلم مملکتیں، جیسے احمد آباد، گولکنڈہ اور بیجاپور، بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں۔ مے نائے و نوش اور عیش و طرب کی جو محفلیں اودھ میں گرم تھیں، ان کی گرم بازاری یہاں بھی تھی۔ محرم کے زمانے میں تعزیہ داری اور علم برداری کا خوب ہنگامہ ہوتا تھا۔ جگہ جگہ عاشور خانے بنائے گئے تھے۔ حکومت وقت کی تقلید میں ہندو بھی ان تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے اور ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسمیں اس میں شامل ہو گئیں، چونکہ ان تقریبات کا مزاج ایک ہی خمیر سے اٹھا تھا اس لیے دونوں قومیں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں۔

سماجی، سیاسی اور مذہبی حالات کے اس پس منظر میں "سلطنت خداداد" وجود میں آئی۔ یہ بات معلوم ہے کہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی ساری زندگی میدانِ کارزار میں گزری۔ انھیں زندگی میں کبھی اطمینان و سکون میسر نہ ہوا کہ پوری یکسوئی سے اتنی وسیع و عریض سلطنت کے انتظام و انصرام کی طرف متوجہ ہوتے۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ اس افراتفری اور بے اطمینانی کے عالم میں بھی ان دو حکمرانوں نے آئینِ جہاں بانی اور حکمرانی کا حق ادا کر دیا۔ انتظام و انصرام اور اصلاح کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ رہا ہو۔ زراعت، تجارت، سفارت، صنعت و حرفت، ملازمت، تعلیم، رعایا پروری، عدل و انصاف، فوجی انتظام، رفاہِ عامہ، علمی و سائنسی تحقیقات، مذہبی اصلاحات وغیرہ جیسے شعبوں میں

ٹیپو سلطان نے وہ اختراعات و اصلاحات کی ہیں اور انھیں موثر طور پر نافذ کیا ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام حکمرانوں سے کئی منزلیں آگے دکھائی دیتا ہے۔ چوں کہ یہ تمام تفصیلات ہمارے دائرۂ تحریر سے خارج ہیں، اس لیے ہم نے محض مذہبی اصلاحات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔

ٹیپو سلطان کی نگاہوں میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا خواب ایسا سما گیا تھا کہ وہ زندگی بھر اس کی عملی تعبیر کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ اس کی سیرت و کردار کے بہت کم پہلو منظر عام پر آنے پائے ہیں۔ معاصرے کی زبان میں یہ کہتے ہوئے تردد نہیں ہوتا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" کی تلوار کی روانی اور مجاہدانہ اسپرٹ اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی اصلاحی تحریک کی روحیں ایک قالب میں جلوہ گر ہو گئی تھیں۔ یہ اسکے عجز و انکسار اور خاکساری ہی کی بات تھی کہ اس نے اپنی سلطنت کو "سلطنتِ خداداد" کا نام دیا، گویا جو کچھ ملا تھا وہ خدا کا عطا کردہ انعام تھا، جس کا وہ امین تھا۔ اس وسیع و عریض حکومت پر نہ مغرور ہوا نہ متکبر، نہ فرعونیت آئی نہ کجکلاہی۔ وہ اپنے کو محض خدا کا بندہ اور رعایا کا خادم سمجھتا تھا۔ مزاج و لباس میں انتہا درجہ کی سادگی تھی اور اس کا خیال تھا کہ مسلمان جب تک عجم و ہند کے خصائص ترک کر کے خیر القرون کے مسلمانوں کی سادگی اور خدا پرستی اختیار نہ کریں گے وہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے۔

مغلیہ دربار میں آداب و سلام کے مشرکانہ طریقے رائج تھے کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمیں بوس ہو کر سلام و نیاز ادا کیے جاتے تھے یہاں تک کہ مساجد میں بھی تعظیم و تکریم کی بدعت شروع ہو چکی تھی۔ سلطان موصوف نے ان تمام تکلفات کو یکسر ختم کر دیا۔ خود جب مسجد اعلیٰ میں نماز کے لیے آتا تھا تو ایک خفیہ راستہ سے چپکے سے آکر اگلی صف میں بیٹھ جاتا تھا کہ مبادا اس کے آنے سے ہٹو بچو کا شور یا تعظیم و تکریم کا غلغلہ نہ بلند ہو اور مسجد کی بے ادبی اور نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہی نہ ہو۔

آج دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک منشیات کے مہلک مرض میں گرفتار ہیں۔ اس کی معصرت رسانی اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے اخلاقی انحطاط کا ہر ایک کو اعتراف ہے مگر کسی ملک کو اس پر مکمل پابندی کی ہمت نہیں ہوتی اگر کہیں کچھ پابندیاں ہیں بھی تو بعض مذاہب اور اقوام کی رعایت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مگر ٹیپو سلطان نے بلا قید مذہب و ملت ہر ایک کے لیے منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے افیون کی کاشت بند کرا دی تھی اور ملک کے اندر پلنے پھلنے والے صندولے کے درخت کو جس سے تاڑی نکلتی ہے کٹوا ڈالا، اور احکام جاری ہوا کہ آئندہ کوئی یہ درخت نہ بوئے۔ منشیات کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطان کی آمدنی کافی گھٹ گئی، لیکن سلطان کو اپنی رعایا کی اخلاقی بہتری اور مفاد اس درجہ عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پروا نہ کی۔ اس کمی کو اس نے

دوسرے طریقوں سے پورا کیا۔

سلطان کو مسلمانوں کی ذہنی تربیت کی بڑی فکر تھی۔ وہ ایک ایسے صالح معاشرہ کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا جس میں لوگ صحیح دینی مزاج اور اسلامی اقدار کے حامل ہوں۔ چنانچہ لوگوں کی ذہن سازی کے لیے اس نے "فتح المجاہدین" کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں مفت تقسیم کیں۔ اس کتاب کا پہلا باب شمائل، عقائد، نماز جہاد وترکہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کے لیے نئے نئے خطبات مدون کیے، جن میں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔

مسلمانوں میں حسب ونسب کا غرور، ذات پات کی تفریق، خاندانی تفوق کا احساس حد درجہ سرایت کر گیا تھا۔ سلطان اس کا سخت مخالف تھا وہ مساوات کا دلدادہ تھا۔ مسلمانوں کی اس ذہنیت کو وہ ختم کرنا چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ مسلمان جان و قالب کی طرح رہیں، ان کے اندر بلندی و پستی کا معیار محض تقویٰ ہو چنانچہ اس جذبہ کے تحت اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدرالزماں (نائطہ) کی لڑکی سے کردی۔ اہل نوائط کو اپنے ذاتی حسب ونسب پر بڑا غرور تھا۔ (یہ اسپرٹ آج بھی ان میں قائم ہے۔) بدرالزماں اور اہل نوائط سلطان سے اس بنا پر ناراض ہو گئے اس کو انھوں نے اپنی توہین سمجھا۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کرلی تھی۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہل نوائط کو سلطان کا دشمن بنادیا تھا، وہ جوش انتقام میں تڑپ رہے تھے۔ چنانچہ، میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں اہل نوائط نے اس "توہین" کا بدلہ اس طرح لیا کہ حسب ونسب کی قربان گاہ پر اسلامی ریاست کو بھینٹ چڑھا دیا۔

ٹیپو سلطان سرزمین ہند کا غالباً وہ پہلا مسلم حکمران ہے جس نے پیری مریدی اور سجادہ نشینی کو پیشہ بنانے والوں پر سخت پابندیاں عائد کیں، پیری مریدی کے طفیل لوگوں کی حلوے مانڈے کی دوکان چمکی ہوئی تھی۔ جاہل کم سواد اور بے عمل مسلمان پیر پرستی کے ایسے دلدل میں پھنس چکے تھے کہ اس میں سے نکلنا محال تھا۔ پیری مریدی پر پابندی سادات کو نہایت گراں گزری کیونکہ ایک طرف ان کے حلوے مانڈے بند ہو گئے، دوسری طرف ان کی عزت وتوقیر کو گھن لگنے لگا۔ تیسری طرف ان کے محض سید ہونے پر جو جاگیریں و وظائف ملتے تھے انھیں بند کرا دیے۔ اس کے عوض انھیں ملازمت و تجارت کی ترغیب دلائی۔ محنت و مشقت اور سخت کوشی پر آمادہ کرنا چاہا۔ اور اس کے لیے ہر طرح کی سہولیات اور رعایات فراہم کیں، لیکن مفت خوری، آرام طلبی، اور تن آسانی کا جو خون منہ لگ

گیا تھا، وہ اتنی آسانی سے کیونکر چھوٹتا، چنانچہ سادات کے سینوں میں بھی انتقام کا مواد کروٹیں لینے لگا۔ اور انھوں نے سلطان کے خلاف ہو کر انگریزوں کی دل کھول کر تائید کی۔

اسی طرح محرم کے موقع پر لوگ سوانگ اور ڈھونگ رچتے تھے۔ لنگور، بندر، شیر ببر بنتے تھے۔ طرح طرح کے مشرکانہ رسوم و بدعات کا ارتکاب کرتے تھے۔ باغیرت سلطان نے اسلام کے نام پر ان غیر اسلامی بدعات و خرافات کو بند کرا دیا۔ اس کے بالمقابل لارڈ کارنوالس نے جو سلطان سے میسور کی تیسری جنگ میں مصروف تھا۔ محرم کا چاند دیکھنے پر عشرۂ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ محرم منانے بھیس بدلنے اور سوانگ رچنے کی اجازت دی۔ خود بھی تعزیوں اور علموں کی تعظیم کی اور نذرانے چڑھائے۔ جب بات اطراف واکناف میں پہنچی بلکہ پہنچائی گئی تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ انگریز جن کو کافر کہا جاتا ہے مسلمانوں سے حسن سلوک اور عقائد میں اچھے ہیں۔ لارڈ کارنوالس مغربی دل و دماغ لے کر ہندوستان آیا تھا اور پروپگنڈے کے فن میں ماہر و یکتا تھا اس نے جاہل مسلمانوں کے احساسات و جذبات کا گہرا مطالعہ کیا تھا، لہٰذا اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ ٹیپو سلطان کو اپنے ہی لوگوں نے ملعون و مطعون قرار دیا۔

جب ہم ٹیپو سلطان کی داستان حیات کے اوراق الٹتے ہیں تو ہمیں قدم قدم پر اس قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ جہاں اپنوں کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں نے اس کے عزائم اور بلند حوصلوں پر ضرب کاری لگائی ہے۔ میر صادق جس نے کلام اللہ کو ہاتھ میں لے کر اور خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نہایت وفاداری سے اپنے آقا کی اطاعت کرے گا اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے گا۔ اس نے جس نمک حرامی اور احسان فراموشی کا ثبوت دیا، وہ آج تک تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ میر صادق حیدرآباد کے میر عالم کا بھائی تھا اور مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ اسی طرح میر غلام علی (لنگڑا) بھی مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ وہ افواج اور قلعہ جات کا ناظر اعلیٰ تھا۔ اس نے بھی سلطان کے خلاف غداری میں اہم پارٹ ادا کیا تھا۔ پھر بدر الزماں خاں نائطہ، میر معین الدین، میر قمر الدین، میر قاسم علی[1] اور پورنیا جیسے اہم عہدیداران جو سلطان کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے، اسی سازشی ٹولی سے تعلق رکھتے تھے، جنھوں نے سرنگاپٹم کے محاصرے کی راہیں ہموار کیں اور تمام

---

[1] گویا قوم و ملت سے غداری "میروں" کا نصیبہ تھا۔ بنگال میں میر جعفر اور میر قاسم، حیدرآباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق غداروں کے ہیرو تھے۔

اہم رازوں سے انگریزوں کو آگاہ کرتے رہے۔ اس سلطنت خداداد کو جہاں مٹانے میں ان جو نما گندم فروشوں نے اہم رول ادا کیا وہیں سلطنت حیدر آباد کی مسلم ریاست نے بھی انگریزوں کی خیر خواہی اور مرہٹوں کی وفاداری میں اسلامی ریاست کو مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ٹیپو سلطان نے نواب حیدر آباد کو جن عمدہ و کرب اور خلوص وللہیت کے ساتھ دوستی اور تعاون کے پیغامات بھیجے، اس کے ایک ایک لفظ سے اس کی اسلامی غیرت وحمیت، خدمت دین کی تڑپ، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان نثاری کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ایک خط کا اقتباس یوں ہے:

"میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان و مال کو خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کردینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو میرے ساتھ ہونا چاہیے، نہ کہ میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں۔ جیسا کہ نظام علی خاں بہادر نظام حیدر آباد پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے ہیں، حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا ہے۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے اور جب میری اور ان کی طاقتیں مل جائیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کی جرأت کرتے..... لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے، جو نظام حیدر آباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی...... اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یکجہتی کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں اور بھتیجوں سے اور نظام کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں سے بیاہی جائیں تاکہ سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہونے کا علم و یقین ہو جائے۔"

لیکن جیسا کہ آگے کے حالات بتاتے ہیں کہ شاطر انگریزوں کے اہلکاروں کی رسائی نظام کے حرم سراؤں تک تھی۔ انھوں نے اس پیغام دوستی کو ردی میں ڈال کر ٹال کر دیا۔

ٹیپو سلطان کے عزم و حوصلے کو پہاڑوں کی بلندی، دریاؤں کی طغیانی، موسم کی ناسازگاری، دشمنوں کی طاقت اور اس کے سامان حرب و ضرب کی کثرت کبھی مرعوب نہ کر سکی چنانچہ جب سلطان قلعہ دھارواڑ پر حملہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھا تو حالات بڑے ناسازگار تھے۔ دشمن ایک سیل بے اماں کی طرح امنڈ آیا تھا۔ موسم برسات کی وجہ سے

دریائے تنگبھدرا میں زبردست طغیانی آئی ہوئی تھی۔ سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ سلطان نے کئی روز انتظار کیا کہ دریا اُتر جائے مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان کو طیش آگیا۔ مومنانہ جلال کے ساتھ حکم دیا کہ دریا میں اکیس گولے مارے جائیں کہ یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے۔" گولے چھٹتے ہی دریا کا پانی اُترنے لگا اور دریا پایاب بن گیا۔ ہزاروں سپاہیوں نے یہ کرامت بچشم خود دیکھی اور سلطان کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔

اگر پہاڑ جیسا عزم رکھنے والا یہ شیر میسور جب سازشی بھیڑیوں اور گیدڑوں کے جال میں پھنس گیا تو اس کی آخری گرج سنائی دی:

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔"

چنانچہ جب اپنوں کی سازش سے انگریزی اور حیدر آبادی فوج نے قلعہ سرنگا پٹم کا محاصرہ کرلیا تو سلطان نے آخری بار اپنی تلوار اور دو نالی بندوق سنبھالی اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ بھوکا پیاسا اپنے دشمنوں سے برسرپیکار ہوگیا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ یہ جنگ قلعہ کے دروازے کے پاس لڑی گئی۔ جواں مردوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی۔ جاں نثاروں نے آخر دم تک نمک حلالی کا ثبوت دیا۔ دوپہر ڈیڑھ بجے سے شام سات بجے تک سلطان دست بدست جنگ میں مصروف رہا۔ ایک گولی اس کے دل کے پاس لگی جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا بارہ ہزار جاں نثار اپنی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس شہید ملت کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلیٰ علیین میں پہنچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا سلطان کی عمر اس وقت سن ہجری کے حساب سے پچاس سال تھی اور سن عیسوی کے حساب سے ۴۸ سال تھی۔

قلعہ کی فصیل کے پاس جہاں سلطان کی لاش پائی گئی تھی وہاں پتھر کا ایک نشان نصب ہے۔ راقم الحروف نے بچشم خود ان تمام مقامات کو دیکھا ہے، جہاں سے دشمن کی فوج قلعہ میں داخل ہوئی تھی، جہاں گھمسان کی جنگ ہوئی تھی، جہاں شیر میسور کی لاش مردہ پائی گئی تھی، جہاں اب وہ ابدی نیند سو رہا ہے۔ قلعہ کی فصیلیں، دریائے کاویری کی روانی، دریا دولت باغ کا حسن، گنجام کا علاقہ، گنبد کے مزارات، مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ کے بلند مینارے یہ تمام آثار و نشان آج بھی قائم ہیں اور اپنے بنانے اور بسانے والے کی یاد دلاتے ہیں۔ آج یہ مقامات ہزاروں سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں مگر ع

اب وفا ہے نہ جفا یاد وفا باقی ہے — تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانوں کی

اسلامی اتحاد کا تحفظ

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

اسلام کی نظر میں مسلمانوں کا اتحاد و تعاون جس قدر اہم اور ضروری ہے بدقسمتی سے مسلمان اس سے اسی قدر دور اور غافل ہیں، اور یہ صورت حال پورے عالم اسلام کی ہے۔ ہند و بیرون ہند کی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اس صورتحال کی عکاسی ایک مشہور مسلم مفکر و مصلح نے ایک طنزیہ جملہ میں یوں کی تھی۔

"مسلمان عدم اتفاق پر متفق ہو گئے ہیں۔"

اتحاد کی اہمیت و ضرورت کو ملت اسلامیہ کا ہر فرد نظری طور پر مانتا ہے۔ بلکہ دوسرے بھی اس جانب اشارہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس پہلو پر کسی اظہار خیال کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ، تجاویز، سفارشات، قرارداد اور گفتار کے دیگر مرحلوں میں کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں، لیکن کردار کے میدان میں جو خلاء موجود ہے، اس کو دیکھ کر سب حیران ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اس پہلو پر توجہ صرف کی جائے۔

مختلف عوامل کی بنا پر اسلامیان ہند کے مابین جو گروہ بندی اور افتراق موجود ہے وہ شاید دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے مابین نہیں ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں افراد ملت کو اقلیت کی حیثیت سے جو خطرات درپیش ہیں وہ بیحد سنگین اور فوری توجہ بلکہ اقدام کے متقاضی ہیں۔

اسلامیان ہند کی تاریخ میں یہ بات خوش آئند ہے کہ اسلامی عائلی قانون کے سلسلہ میں ہر مسلک و جماعت کے افراد متحد ہو گئے ہیں اور ان کی متحدہ طور پر یہ کوشش ہے کہ حکومت کو اس قانون میں مداخلت سے باز رکھیں۔ اس متحدہ جدوجہد کے اثرات خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن بذات خود اس یکجہتی کی ایک قیمت اور وزن ہے۔ اس سلسلہ میں جو تنظیم بنی ہے، اس کے متعلق اگر کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ ہو تو وہ بیجا بلکہ تخریبی ذہنیت

کا آئینہ دار ہوگا۔ ہماری نظر میں یہ تنظیم ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔ اسے پوری اسلامی زندگی کا احاطہ کرنا چاہیے اور اس کی راہ میں مسلمانوں کو کسی بھی متاعِ عزیز کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ البتہ ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ اسلامی اتحاد و تعاون جس طرح مطلوب و مقصود ہے اسی طرح اس کے تحفظ و بقا کے عوامل پر بھی توجہ ضروری ہے۔ اتحاد کا وجود میں آکر ٹوٹنا اس کے عدم وجود سے زیادہ مہلک و حوصلہ شکن ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے کسی مسئلہ پر متحد نہ ہونے کا ایک بڑا سبب فقہی مذاہب کی بنیاد پر ان کی گروہ بندی ہے، جب کسی مسئلہ میں مسلمانوں کے اتحاد کا سوال آتا ہے تو مسلکی عصبیت میں گرفتار اشخاص کے قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور انھیں یہ خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ کہیں اپنے مسلک کی کسی بات سے دستبردار نہ ہونا پڑے۔ اس ذہنیت کے لوگ اتحاد کا یہ تصور نہیں رکھتے کہ اسلامی احکام کے اصلی ماخذ سے ثابت شدہ احکام پر اتفاق کیا جائے، بلکہ ان کا تصور یہ ہے کہ ہر مسلک کے افراد ان کے مسلک و جماعت میں شامل ہو جائیں۔ یہی تصور بڑی حد تک آج کے سنگین حالات میں بھی اسلامی اتحاد سے مانع ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی اپیل پر ملک کے طول و عرض میں جس طرح یوم تحفظِ شریعت منایا گیا۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ملت کے اندر ابھی "متاعِ کارواں" باقی ہے اور اس لیے اس کے مستقبل کے بارے میں پر امید رہنا خوش فہمی نہیں۔ بنارس میں اس دن کی مناسبت سے تقریر کے لیے جو اجتماع بلایا گیا وہ بہت کامیاب اور حاضرین کی تعداد کے لحاظ سے بیحد موثر تھا۔ منتظمین کی یہ کوشش کامیاب رہی کہ اجتماع مختلف مسلک کا نمائندہ نظر آئے۔ مگر اس میں بعض معروف مقررین کی جانب سے ایک آدھ باتیں ایسی آ ہی گئیں جو اتحاد کو بے اثر بنانے کے لیے کافی ہیں، بلکہ شرعی احکام میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کرنے والوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث۔

فاطمہ بنت قیس کی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق بائن کے بعد ان کے لیے نفقہ و سکنیٰ نہ ملنے کا فیصلہ فرمایا اور مسلمانوں کے ایک مکتبِ فکر کا یہی مسلک بھی ہے۔ اس کی نہ تو کسی آیت سے مخالفت ہوتی ہے، نہ حدیث سے۔ البتہ حدیث کا یہ فیصلہ حنفی مسلک کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بائنہ کے لیے بھی عدت کے اندر نفقہ و سکنیٰ کی بات کہی گئی ہے۔

جب مسلمانوں کا ایک معتبر مکتبِ فکر مطلقہ بائنہ کے سکنیٰ و نفقہ کا قائل نہیں تو مسلم پرسنل لا بورڈ

کی روح کا تقاضا ہے کہ اس مکتب فکر سے متعلق تعریضاً بھی کچھ نہ کہا جائے، کیونکہ اس قول کی براہ راست زد سپریم کورٹ کے فیصلہ پر پڑتی ہے اور ایسی صورت میں اس کے خلاف آواز اٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔
لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مذکورہ مقرر نے تقریر کی رو میں جب اس حدیث کا ذکر کیا تو اس کی تردید بھی کر گئے جبکہ اس کی نہ تو کوئی ضرورت تھی نہ اس سے کسی فائدہ کی توقع، بلکہ اس حدیث کے ماننے والوں کو ٹھیس پہنچی اور ان لوگوں کے لیے راستہ ہموار ہوا جو تاویل و توجیہ کے ذریعہ شرعی احکام میں ردو بدل چاہتے ہیں۔
ہماری نظر میں فاضل مقرر کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو وہاں ذکر کیا، جبکہ اس کا موقع نہ تھا اور اگر ان کی نظر میں اس کا ذکر برمحل تھا تو پھر یہ ضروری تھا کہ جو لوگ اس حدیث کی بنا پر نفقہ کی نفی کرتے ہیں ان کے موقف کو پورے طور پر واضح کرتے۔ صرف سرسری طور پر تغلیط کے انداز میں ذکر کرنے سے فائدہ کچھ بھی نہ ہوا، البتہ نقصان کا اندیشہ قوی ہو گیا۔
میری گزارش ہے کہ اگر پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران حقیقی اتحاد کے خواہاں ہیں تو انھیں کتاب و سنت کے فیصلوں کے لیے اپنے سینوں کو کشادہ رکھنا چاہیے۔ اور دوسروں کے جذبات و نظریات کا احترام کرنا چاہیے تحفظ شریعت کی جو مہم چلائی گئی ہے اس میں کتاب و سنت کا نام بار بار لیا جاتا ہے، لیکن اس کا اثر اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے، جبکہ ان دونوں ماخذ پر بلا تاویل عمل کے لیے بھی ہم تیار رہیں۔ کسی اجلاس کی بھیڑ، عوام کے جوش و خروش ولولہ انگیز تقریروں اور فلک شگاف نعروں کی بنیاد پر یہ تصور قائم کر لینا کہ مسلمان متحد ہو گئے ہیں اور ان کا مشن کامیاب ہے، قرین قیاس نہیں۔ حقیقی اتحاد کے لیے دلوں کو وسیع اور نگاہوں کو حقیقت شناس بنانا ضروری ہے۔
ہمیں قوی امید ہے کہ بورڈ کے ذمہ دار اپنی نمائندہ شخصیات کے اندر وہ وسعت و اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جس کی اسلامی اتحاد کے لیے ضرورت ہے اور جو فی نفسہ اسلام میں مطلوب و مقصود بھی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔
آمین!

(مقتدیٰ حسن ازہری)

قسط نمبر ۲

علامہ محمد ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی اور ان کی تصنیفات

مولانا محمد مستقیم سلفی استاذ جامعہ

(۹) ترجمۃ کتاب الرد علی ابی حنیفۃ (اردو) صفحات ۳۸ طبع ۱۳۳۳ھ مطبع فاروقی دہلی۔

مصنف ابن ابی شیبہ (امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی۔ م ۲۲۵ھ) کا ایک اہم حصہ "کتاب الرد علی ابی حنیفۃ" ہے، جس میں امام موصوف نے ایک سو پچیس ایسی مرفوع احادیث نبوی (ص) درج کی ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے فتاوی اور مسائل ان کے خلاف ہیں۔ کتاب ہذا اسی اہم حصہ کا ترجمہ ہے۔

(۱۰) الجرح علی ابی حنیفہ۔ (اردو) صفحات ۳۰ طبع اول ۱۹۱۲ء مطبع سعید المطابع بنارس۔

یہ رسالہ امام بخاری پر احناف کی جارحانہ تحریروں کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری کے بعض خاص نکات پر مشتمل ہے۔ اس میں طحاوی مطبوعہ کلکتہ جلد اول ص ۳۵ کی ایک عبارت امام ابویوسف" کی منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث، صرف و نحو اور منطق و فلسفہ وغیرہ سیکھا ہی نہیں، صرف فقہ کو سیکھا، باقی تمام علوم سے بیگانہ رہے۔ اس کے بعد مصنفؒ نے ایک سو دس ایسے جلیل القدر محدثین کرام و ائمہ الجرح والتعدیل کا نام مع حوالہ کتب درج کیا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ" کی تضعیف کی ہے اور ساتھ ہی امام ابویوسف" و محمد" وغیرہما کی تضعیف مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کی ہے۔ یہ کتاب اہل علم حضرات کے لیے بہت ہی مفید ہے۔

(۱۱) **نافع الاحناف** (اردو) صفحات ۴۸ طبع اول ۱۳۲۸ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس کتاب میں روزمرہ پیش آنے والے ان تمام مسائل کو اکٹھا کیا گیا ہے جو اہلحدیث اور اہلِ تقلید (یعنی حنفی) دونوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔

(۱۲) **شرعی بازپرس در فتوی جوازِ عرس** (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ مطبع سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ "فتوی جواز عرس" کی تردید میں ہے۔ فتوی جواز عرس میں بیس سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور سارے جوابات لایعنی اور گمراہ کن ہیں۔ سوالات یہ ہیں: (۱) تعریف عرس (۲) ابتدائے رواج (۳) سالانہ فاتحہ (۴) استمداد بالقبور (۵) قبروں پر غلاف ڈالنا (۶) بوسۂ قبر (۷) شامیانہ تاننا (۸) قبروں پر روشنی کرنا (۹) قبروں پر پھول کا ہار چڑھانا (۱۰) (۱۱) مولود و قیام کرنا (۱۲) مجلس سماع قوالی مع دف و سرود (۱۳، ۱۴) شیرینی قبر و فاتحہ طعام (۱۵) قبر پر ترتیبِ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرنا۔ (۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹) ہجوم انسان، چادر، جلوس، منقبت خوانی و قوالی کرانا (۲۰) یہ مذکورہ افعال اماکن متبرکہ و بغداد میں رائج ہیں کہ نہیں۔؟

(۱۳) **الصول الشدید علیٰ مصنف القول السدید** (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول شوال ۱۳۳۱ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں حکیم ابوالمنظور قادری، حنفی بدایونی کے رسالہ "القول السدید" (جس کو انھوں نے "فتوی جوازِ عرس" کی تائید میں اور "شرعی بازپرس" کی تردید میں شائع کیا تھا) کا دنداں شکن جواب دیا گیا ہے۔

(۱۴) **التبدید لما فی التہدید** (اردو) صفحات ۱۰۶ طبع اول ۱۳۳۲ھ مطبع سعید المطابع بنارس

"الصول الشدید" کے جواب میں مولوی حبیب الرحمٰن بدایونی نے ایک رسالہ "التہدید" لکھا تھا اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ عرس، میلاد، قیام، فاتحہ، سماع، استمداد، توسّل وغیرہ عقائدِ اہلسنت ہیں۔ التبدید اسی رسالہ التہدید کا مسکت جواب ہے جو نہایت تہذیب و شائستگی سے دیا گیا ہے۔

... ...

(۱۵) جمع الرسالتین فی النہی عن قراءۃ الفاتحۃ علی القبور والاطعمۃ برفع الیدین مع الضمیمتین الکریمتین (اردو) صفحات ۸۰ طبع اول ۱۳۴۴ھ مطبع جید برقی پریس دہلی۔

اس رسالہ میں کھانا سامنے رکھ کر اور قبر پر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر سورہ فاتحہ پڑھنے کی رسم کا قلع قمع کیا گیا ہے اور اہل بدعت کے دلائل واہیہ کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حدیث کے عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ہی کتابی صورت میں جمع ہونے کا عدیم النظیر ثبوت دیا گیا ہے نیز تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور تعمیر مدرسہ کا ثبوت زمانہ نبوی و صحابہ سے ہی پیش کیا گیا ہے اور حدیث ضعیف کے حجت نہ ہونے کی قابل دید بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی تقلید کی تردید حدیث کی نص صریح سے کی گئی ہے۔

(۱۶) تحفۃ الصبور علی منحۃ الغفور (اردو) صفحات ۴۴ طبع اول ۱۳۳۳ھ مطبع سعید المطابع بنارس۔

یہ رسالہ مولوی عبدالحمید صاحب حنفی بنارسی کے رسالہ "منحۃ الغفور" کے جواب میں ہے۔ اس میں مولانا سیف صاحب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ماہ محرم و صفر اور رجب وغیرہ میں جو بدعات و خرافات ہوتی ہیں، اس کی تردید کرتے ہوئے میلاد، قیام، تیجہ اور فاتحہ کی بھی تردید کی ہے۔ مولانا خود اس کتاب کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں "رسالہ مذکور (منحۃ الغفور) گو اعمال شہور کے بیان میں ہے، لیکن خاتمہ میں ترویج بدعات و کفریات (مثلاً ندائے یارسول اللہ و میلاد و قیام و فاتحہ، شیرینی و طعام وغیرہ) پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ یہی امر اس کے جواب کا باعث ہوا اور مناسب معلوم ہوا کہ اعمال شہور پر بھی سرسری نظر ڈال کر اس کے ان رطب و یابس کو جو اس میں زبردستی بھرے گئے ہیں، ظاہر کر دیا جائے۔"

(۱۷) ایضاح المنہج لمؤلف اقامۃ الحجج (اردو) صفحات ۸۰ طبع اول ۱۳۳۲ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں وحشی قلندرپوری اعظم گڈھی کے خرافات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ وحشی صاحب نے بدعت کی دو قسمیں کرتے ہوئے ان تمام شرک و بدعت کو جو فی زماننا قبوری حضرات کرتے ہیں، دین میں داخل کرنے کی کوشش

لہ یہ کتاب مولانا سیف کی ہے لیکن ان کے چھوٹے بھائی حافظ عبداللہ صاحب بنارسی کے نام سے شائع ہوئی تھی یہ بات مجھے مولانا مرحوم کے بھتیجے ماسٹر عبدالمنان صاحب مدظلہ نے تفصیل سے بتائی۔ محمد مستقیم

کی ہے، علامہ سیف بنارسی نے اس کتاب میں اس کے دلائل کا ایسا پوسٹ مارٹم کیا ہے کہ آج تک کسی غزانی کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

(۱۸) حسن الصناعة فی صلوٰة التراویح بالجماعة (اردو) صفحات ۲۰ طبع اول ۱۳۴۳ھ ثنائی پریس ہال بازار امرتسر

ایک جاہل آدمی جس کا نام "محمد فاضل" تھا مختلف مسجدوں میں جاکر تراویح بالجماعة سے یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ بدعت ہے۔ اس کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں نماز تراویح کو جماعت سے پڑھنے کا صرف ثبوت دیا گیا ہے، تعداد رکعت سے بحث نہیں کی گئی ہے۔

(۱۹) تحریر الطرفین فی صلوٰة التراویح وتکبیر العیدین (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۹۰۸ء سعید المطابع بنارس

یہ رسالہ مفتی سید محمد اعظم مہتمم مدرسہ عین العلم شاہجہاں پور کے ایک اشتہار کے جواب میں ہے، جس میں مفتی صاحب نے لکھا تھا کہ تراویح دو رکعت کی نیت سے بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے اور ایک قرآن سننا سنت اور دو رکعت سے زائد نیت تراویح کرنا مکروہ ہے اور تعداد تکبیر عیدین تین و پانچ ہیں۔

(۲۰) صخور المنجنیق علی صاحب الحق الحقیق (اردو) صفحات ۴۰ طبع اول ۱۳۳۲ھ سعید المطابع بنارس

یہ کتاب رسالہ "الحق الحقیق بالقبول لمن رزق اعظام الولی والرسول"، مصنفہ مولانا پانی پتی (کتاب پر نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے) کے جواب پر مشتمل ہے، اس میں اولاً بدعت حسنہ وسیئہ پر بحث ہے، ثانیاً نداء غیر اللہ اور بوسۂ قبر وطواف ومیلاد وغیرہ کی بابت معقول و مدلل جواب ہے۔

(۲۱) البرذاق فی رد الانموذج (اردو) صفحات ۸ طبع اول ۱۳۳۲ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں ایک مجہول الاسم والرسم عبداللطیف نامی شخص کے اشتہار کا دنداں شکن جواب دیا گیا ہے۔ یہ اشتہار نو سوالات پر مشتمل تھا اور انموذج رد الصخور کی ہیڈنگ سے شائع ہوا تھا۔ سوالات امام بخاریؒ کی ذات گرامی اور طواف کعبہ وطواف قبور کے فرق کے سلسلہ میں تھے۔

غازی عزیر سعودی عرب

آیۃ اللہ خمینی: اپنی تقریر و تحریر کے آئینہ میں

تاریخِ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی کسی نہ کسی شکل میں منافقین کا ایک گروہ دین کی تخریب کاری اور امتِ مسلمہ میں انتشار و افتراق کا ذمہ دار رہا ہے۔ اس گروہ کے مختلف طبقات میں سے ہمیں دو طبقے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے ادعائے اسلام کے باوجود اسلامی تعلیمات کو شدید مجروح اور اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ انھیں میں سے ایک طبقہ "اہلِ تشیع" یا "شیعہ" کے نام سے معروف ہے اور دوسرا "اہلِ تصوف" یا "صوفیاء" کے نام سے۔ اول الذکر طبقہ کے بارے میں راقم الحروف کی اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ "شیعہ" مکتبِ فکر دراصل کوئی مذہبی ٹولہ یا فرقہ نہیں بلکہ بنیادی طور پر ایک خفیہ سیاسی تنظیم ہے جو اسلام کے ابتدائی دور سے ایک مخصوص انداز میں سرگرمِ عمل ہے۔ حالات کی دربدر کروٹوں بالخصوص ۶۱ھ کے واقعہ کربلا کی افسانوی حیثیت نے اس گروہ کو انتہائی منظم بنا دیا اور یہ اپنی سیاسی حکمتِ عملی کو مذہب اور مذہبی معتقدات کی آڑ میں پھیلانے لگے۔ چوں کہ یہاں شیعہ مکتبِ فکر پر تنقید یا تردید یا ان کے عقائد کا کتاب و سنت سے بُعد ثابت کرنا مقصود نہیں۔ لہٰذا اس ضمنی بحث سے پہلو تہی ہی بہتر ہے، اگرچہ آئندہ بعض مقامات پر وضاحت اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے فریضہ کے پیشِ نظر شیعہ مکتبِ فکر کے بعض عقائدِ باطلہ جزواً زیرِ بحث آئیں گے۔ زیرِ نظر مضمون سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ "ایرانی انقلاب" کی حقیقت اور اس کے پیشوا "آیت اللہ خمینی" کے افکار سے عوام الناس کو باخبر کر دوں جو مختلف دینی اور سیاسی حلقوں و تنظیموں کے پیدا کردہ غلط پروپیگنڈے کے باعث اکثر لاعلم ہیں۔

بلاشبہ حالیہ ایرانی انقلاب نے شیعہ مکتبِ فکر کو ایک عالمگیر شہرت اور اہمیت حاصل ہو چکی ہے، جہاں اکثر اہلِ اسلام

---

[1] تفصیل کے لیے فصل الملل والنحل لابن حزم، مفتاح الجنۃ - بالاعتصام السنۃ از جلال الدین سیوطیؒ، تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، تائید اہلسنت از شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، آیاتِ بینات از محسن الملک سید مہدی علی خاں، تاریخ مذہب شیعہ و قاتلانِ حسین از مولانا عبدالشکور لکھنوی، خلافت معاویہ و یزید مع تحقیق مزید از محمود عباسی وغیرہ دیکھیے۔

رجو اس طبقے کے حقیقی معتقدات اور تاریخ کی روشنی میں اس کے کردار سے واقف نہیں ہیں۔) اس انقلاب سے متاثر نظر آتے ہیں وہیں بعض اہل علم اور صاحب فکر حضرات بھی اسے اسلامی انقلاب اور تحریک اسلامی کا ثمرہ تصور کرتے ہیں [1] برصغیر کی بعض سیاسی اور مذہبی تنظیموں نے باقاعدہ اس انقلاب کا خیر مقدم کیا تھا کہ کبھی در پردہ اور کبھی کھلم کھلا اس کی حمایت و مدح میں اپنے تمام ذرائع و وسائل استعمال کیے، قطع نظر اس کے کہ موجودہ ایرانی انقلاب کے بانی و قائد جناب آیت اللہ خمینی کے ذاتی افکار و نظریات و اعتقادات کیا ہیں؟ یہ مغفت کے ترجمان دنیا کو ایسا باور کرانے پر مصروف ہیں گویا خلافت علی منہاج النبوۃ، کا دور واپس آگیا۔ (نعوذ باللہ) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو وہ حضرات اس انقلاب کی اسلامیت لوگوں کے حلق سے اتروانے میں کسی شدید ذہنی مرعوبیت یا حسن ظن کا شکار ہیں کہ کسی تحقیق

---

[1] چنانچہ ملاحظہ ہو: "خدا ہمارے ایرانی بھائیوں کی مدد اور رہنمائی فرمائے۔ ہم عظیم الشان کامیابی پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" خمینی کو مولانا مودودی اور میاں طفیل کا پیغام "ایران کے مسلمانوں نے قربانی اور ایثار کی نئی مشعل روشن کی ہے۔ لاہور۔ ۱۳ فروری (نمائندہ جسارت) جماعت اسلامی پاکستان کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد نے عالم اسلام کے ممتاز رہنما آیت اللہ روح اللہ الخمینی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا ہے اور ایرانی عوام کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ ایک مشترکہ برقیے میں انھوں نے کہا ہے کہ اس عظیم الشان کامیابی پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے ہم تہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ایرانی بھائیوں کو اپنے ہر دلعزیز ملک ایران کو صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ کی شکل میں تعمیر کرنے میں ان کی مدد اور رہنمائی فرمائے اور اس سلسلے میں ان کی کوششوں میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے سیکریٹری جنرل قاضی حسین احمد نے ایران کے نو منتخب وزیر اعظم ڈاکٹر مہدی بازرگان کے نام جنرل ضیاء الحق کے مبارکباد کے پیغام پر دلی مسرت کا اظہار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ایران کے مسلمان عوام نے قربانی اور ایثار کی نئی مشعل روشن کی ہے جس سے جدید دور میں جہاد اسلامی کا راستہ روشن ہو گیا ہے۔" قاضی حسین احمد نے ایرانی عوام کے جذبۂ اسلامی کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایران کے ہزاروں نوجوانوں نے اسلامی جمہوریہ کے قیام کے لیے جو قربانیاں دی ہیں وہ پورے عالم اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔ انھوں نے آیت اللہ خمینی کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ ایران کے نامزد وزیر اعظم اپنے ملک کو بحران سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" (روزنامہ جسارت کراچی ۱۳ فروری ۱۹۷۹ء ص ۱)

کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود فراموشی کی اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ انھیں نہ اپنی عقل و خرد سے واسطہ رہا ہے اور نہ امت کی صلاح و فلاح سے۔ خیر جو بھی صورتحال ہو وہ حد درجہ افسوسناک اور قابلِ تدارک ہے۔ ذیل میں ایرانی انقلاب کے سرخیل جناب خمینی کی مطبوعہ تحریروں و تقریروں کے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں، تاکہ حقیقتِ حال أظهر من الشمس ہو جائے۔ و باللہ التوفیق۔

سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین جن کے متعلق امام طحاویؒ فرماتے ہیں: "تمام صحابہ کرامؓ کی محبت ہمارا دینی اور اسلامی فرض ہے، لیکن اس طرح کہ کسی کی محبت میں حد سے نہ بڑھیں۔ انھیں نیکی کے ساتھ یاد کریں، ان کے دشمنوں اور عیب جوؤں کو اپنا دشمن تصور کریں۔" (عقیدۃ الطحاوی ص ۴۰ مطبوعہ لاہور) کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ چونکہ طعن فی الصحابہؓ شیعہ حضرات کے نزدیک معیوب نہیں [1] بلکہ عین عبادت ہے۔

---

[1] چنانچہ شیعہ علماء بلا جھجک لکھتے ہیں: ان الناس کلھم ارتدوا بعد رسول اللہ غیر اربعہ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چار افراد کے علاوہ باقی تمام انسان مرتد ہو گئے تھے۔ (کتاب سلیم بن قیس العامری ص ۹۲ مطبوعہ بیروت) ایک دوسری کتاب میں محض تین افراد کا اسلام پر باقی رہنا لکھا ہے۔ باقی تمام لوگ بقول کلینی اہل ردہ تھے۔ (کتاب الروضہ من الکافی للکلینی ص ۲۴۵ جلد ۸) حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو "جبت و طاغوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے" (تنقیح المقال فی احوال الرجال ص ۲۰۷ جلد ۱ مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۵۲ھ)

شیعہ تفاسیر میں بھی قرآن کے الفاظ "الفحشاء والمنکر" سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ لیے جاتے ہیں اور البغی سے مراد حضرت عثمان غنیؓ۔ فحشاء، منکر، بغی، خمر، میسر، ازلام، انصاب، اوثان، جبت، طاغوت، میتۃ، دم، لحم الخنزیر۔۔۔ ان سب الفاظ سے مراد اصحاب رسولؐ ہیں۔" (تفسیر مرآۃ الانوار ص ۲۵۸ جلد ۱) بعض جگہ اہل بیت پر بھی زبان درازیاں کی گئی ہیں مثلاً جناب عباسؓ و عقیلؓ کو ذلیل کہا گیا ہے، حتیٰ کہ حضرت علیؓ کو بھی جبن و بزدلی کا طعنہ دیا گیا ہے۔" (الامالی للطوسی ص ۲۵۹ و حق الیقین للمجلسی ص ۲۰۳) مولانا سید ابو الحسن علی الندوی نے بھی اپنے ایک مضمون میں شیعہ حضرات کے "طعن من الصحابہ" کے رویہ کے متعلق لکھا تھا۔ "شیعہ حضرات اگر خلوص دل سے اسلامی فرقوں کے قریب آنا چاہتے ہیں تو صحابہ اور امہات المومنین کے متعلق انھیں اپنا طرزِ عمل بدلنا ہوگا، کیونکہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیات کے احترام کے بغیر باہمی تعاون کا سوال ہی نہیں۔" (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مجریہ ماہ جون ۱۹۸۱ء)

لیکن راقم الحروف کے نزدیک مسئلہ محض ان محبوب شخصیات کے احترام کا ہی نہیں بلکہ اسلام کی بنیاد یعنی قرآن کریم کا سب سے اہم ہے۔

چنانچہ آیت اللہ خمینی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ "سمرہ بن جندب جیسے راوی بھی رکھتے ہیں جنھوں نے علما سوا اور معاونین ظلم کی طرف سے ظالم حکمرانوں کی خوبیاں اور حسن سلوک نیز سلاطین کی بزرگی اور پاکیزہ سیرت کے بارے میں ہزاروں موضوع روایات بیان کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔" (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی مترجم محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی ص ۱۳۴-۱۳۵) واضح رہے کہ سمرہ بن جندبؓ بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور صحاح ستہ میں ان سے ایک سو تیئیس احادیث مروی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مشہور صحابی اور کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہادی و مہدی[1] اور حدیث قسطنطنیہ کی رو سے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی[2] کے متعلق آیت اللہ خمینی صاحب لکھتے ہیں: "اسلامی حکومت کے علاوہ آپ جن حکومتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، آپ خود اندازہ کیجیے کہ ان میں ایک مسلمان کس طرح خوف و ہراس میں، مصیبت اور تکلیف کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کو ہر لحظہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے کہ لوگ اس کے گھر پر حملہ کرکے اس کو جان سے مار ڈالیں گے اور اس کا مال و متاع چھین لیں گے۔ یہ صورت حال حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں پیش آئی۔ لوگوں کو ثبوت جرم کے بغیر ہی محض ظن و گمان یا تہمت کی بنا پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ سیکڑوں لوگوں کو ان کے لیے قید و بند میں ڈال دیا جاتا تھا۔ سیکڑوں لوگوں کو ان کے گھروں سے محض اس لیے نکال دیا جاتا تھا کہ وہ "ربنا اللہ" کہہ کر اعلان حق کرتے۔" (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن، مجددی ص ۱۴۸-۱۴۹)۔

مزید لکھتے ہیں: "حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت ایک اسلامی حکومت کا نمونہ تھی، اسے اسلامی حکومت کے ساتھ دور و نزدیک کی کوئی مشابہت نہ تھی۔" (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی ص ۱۴۹)

اور یہ حضرت معاویہ کے ثنا خوانوں میں تھے، حالانکہ وہ ایک ایسی مدح و توصیف کے مستحق نہ تھے، کیونکہ وہ اس بنیاد کو ڈھا رہے تھے، جس پر حضرت علیؓ نے حکومت کی امارت کھڑی کی تھی۔ (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی ص ۱۵۳)۔

ایک اور مقام پر حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق لکھتے ہیں: "جب آپ کو یہ خبر ملتی کہ حضرت معاویہ کے لشکر نے عریش اور دیگر لوگوں پر لوٹ مار کی ہے۔ ان میں سے کسی نے کسی ذمی عورت یا کسی زیر حفاظت کافر عورت پر دست درازی کی ہے، کسی کی بالیاں چھین لی ہیں اور کسی کی پازیب اتار لی ہے تو آپ رنج و الم سے پھوٹ پڑتے (ایضاً ص ۱۶۲)

---

[1] جامع الترمذی
[2] صحیح البخاری

امیر معاویہؓ کے متعلق خمینی صاحب اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: "معاویۃ ترأس قومہ اربعین عاماً ولکنہ لم یکسب لنفسہ سوی لعنۃ الدنیا وعذاب الآخرۃ۔ یعنی امیر معاویہؓ نے اپنی قوم کی چالیس سال سربراہی کی، لیکن انھوں نے اپنے لیے دنیا کی لعنت اور آخرت کے عذاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ کیا۔

(جہاد النفس او الجہاد الاکبر للخمینی ص ۱۸)

اسی طرح مشہور تابعی قاضی شریح ابن الحارث، جن کو امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عہدۂ قضا پر مامور فرمایا تھا، کے متعلق خمینی صاحب فرماتے ہیں "حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام نے قاضی شریح سے فرمایا" یا شریح قد جلست مجلساً لا یجلسہ (ما جلسہ) الا نبی او وصی نبی او شقی۔ یعنی اے شریح! تم ایسے منصب پر فائز ہو جس پر نبی یا اس کے وصی یا کسی بدبخت کے سوا کوئی شخص فائز نہیں ہوتا۔ (فائز نہیں ہوا) یہ قاضی شریح تقریباً پچاس برس تک قضا کے منصب پر فائز رہے۔ یہ حضرت معاویہ کے ثنا خوانوں میں سے تھے، حالانکہ وہ ایسی مدح و توصیف کے مستحق نہ تھے، کیوں کہ وہ اس بنیاد ہی کو ڈھا رہے تھے، جس پر حضرت علیؓ نے حکومت کی عمارت کھڑی کی تھی۔ لیکن آپ انھیں معزول کرنے سے معذور تھے۔ ان کا تقرر آپ سے پہلے کا تھا، اس لیے ان کی معزولی آپ کے اختیار میں نہ تھی۔ لہٰذا امیر المومنین نے صرف ان کی نگرانی پر اکتفا کی، اور انھیں شریعت کی خلاف ورزی سے باز رکھا۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی زیر حدیث ۱۳ ص ۱۵۴)

نصیر الدین طوسی جس نے ابن علقمی کے ساتھ کافر تاتاری حاکم ہلاکو خاں کی بغداد کو تاراج کرنے اور وہاں کی سُنّی آبادی کے قتل عام میں مدد کی اور بعد میں تاتاریوں کا وزیر مقرر ہوا، کو آیت اللہ خمینی صاحب رہنما و مقتدا بتاتے ہیں، چنانچہ حضرت حسین کے ساتھ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "انھوں نے اسلام کی عظیم خدمات انجام دیں۔"

(الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ص ۱۲۸)

"امامت" جو ایک خالص شیعی عقیدہ ہے، کے متعلق خمینی صاحب لکھتے ہیں: "یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین[1]

---

[1] بقول شیعہ حضرات: یہ ائمہ وہ ہیں، جنھیں خدا نے امام بنایا، رسول اکرمؐ نے بتلایا۔ انھیں بھی معجزات ملے اور جو شخص امام کو چھوڑ دے، اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (امامیہ دینیات ص ۱۳، ۱۲) "ان کے لیے معصوم ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا معصوم ہونا نبی کے لیے ضروری ہے۔" (امامیہ دینیات ص ۱۴، ج ۲) "اسلام کو نبی کے بعد ہمارے بارہ اماموں نے برقرار رکھا۔" (امامیہ دینیات ص ۵، ۱۲ مطبوعہ پاکستان) ان بارہ اماموں کے

نے اس معاملے میں سختی کی ہے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی ص ۲۳۲) اور "علمائے شیعہ نے ائمہ اطہار کے علاوہ دوسرے اہل علم کی علمی کم مائیگی کا جو شکوہ کیا ہے، اس کی وجہ محض وہ بلند علمی معیار ہے، جس پر ہمارے ائمہ اطہار فائز تھے اور جس پر پہنچنے میں دوسرے قاصر رہے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۱۲، ۱۱۳) اور ملاحظہ فرمائیں۔ "اس کی ولایت کائناتی ہوتی ہے، یعنی اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم و اقتدار کے آگے سرنگوں ہوتا ہے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن ص ۱۲۰)

خمینی صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "وہ تعلق باللہ کے ایسے مقام پر ہوتے ہیں، جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۴۵) ۔ مزید ارشاد ہوتا ہے: "من ضروریات مذھبنا ان لائمتنا مقاماً لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل" (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۵۲) جس کا ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی نے یوں فرمایا ہے۔ "آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب (شیعہ) کی بنیادی تعلیمات میں یہ عقیدہ موجود ہے کہ ہمارے ائمہ کرام کو اللہ تعالیٰ کے حضور اتنا تقرب حاصل ہے کہ جسے نہ کوئی مقرب فرشتہ پا سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۲۰)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں "امامت نبوت و رسالت سے برتر ہے" (حکومت اسلامی از خمینی ص ۴۴ مطبوعہ لاہور) "ائمہ اطہار ہی کے بارے میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیں ایسا قرب حاصل ہوتا ہے جو کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی میسر نہیں۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۲۱)

اپنے ائمہ کے متعلق خمینی صاحب مزید صراحت فرماتے ہیں: "لم تسنح الفرصۃ لائمتنا للاخذ بزمام الامور وکانوا بانتظارھا حتیٰ آخر لحظۃ من الحیاۃ فعلی الفقہاء والعدول ان یتحینوا ھم الفرص وینتھزوھا من اجل تنظیم وتشکیل حکومۃ رشیدۃ۔" یعنی ہمارے ائمہ کو ذمہ داریوں کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کا موقع نہیں ملا اور وہ اپنی زندگی کے آخری لحظہ تک اس کے انتظار میں رہے۔ لہٰذا فقہاء

اسمائے گرامی اس طرح ہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۴۰ھ، حضرت حسن ۵۰ھ، حضرت حسین ۶۱ھ، حضرت زین العابدین ۹۴ھ، ابو جعفر محمد الباقر ۱۱۳ھ، ابو عبد اللہ جعفر الصادق ۱۴۸ھ، موسیٰ الکاظم ۱۸۳ھ، ابو الحسن علی الرضا ۲۰۳ھ، ابو جعفر محمد الجواد ۲۲۰ھ، علی الہادی ۲۵۴ھ، ابو محمد الحسن العسکری ۲۶۰ھ اور امام مہدی غائب۔

شیعہ علماء کا عقیدہ ہے "یہ ائمہ انبیاء، اوصیاء اور ملائکہ سے افضل ہیں۔" (الفصول المہمہ للحر العاملی ص ۱۵۲ و کتاب الحجۃ من الاصول ص ۱۷۵)

اور مستند حضرات کو چاہیے کہ موقع کی تلاش میں رہیں اور صحیح حکومت کی تنظیم و تشکیل کے لیے موقع سے فائدہ حاصل کریں (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ص ۵۴) نیز " ان (ائمہ) کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کی طرح ہیں جس کا نفاذ اور اتباع واجب ہے۔ " (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ص ۱۱۳)۔ ان ائمہ کی قبور کی تقدیس کے سلسلہ میں خمینی صاحب فرماتے ہیں: " اس میں کوئی حرج نہیں کہ ائمہ کی قبروں کے پیچھے اور دائیں بائیں نمازیں پڑھی جائیں، اگرچہ اولیٰ بات یہ ہے کہ سر کے پاس نماز پڑھی جائے، لیکن اس طرح کہ امام کے مساوی نہ ہو۔ (تحریر الوسیلہ ص ۱۶۵ جلد ۱)

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خمینی صاحب کے جو افکار ہیں، وہ بھی قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ان کی تحریر سے چند اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں۔ " ایسے حاکم کو عامۃ الناس پر تدبیر مملکت اور تنفیذ احکام کے وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو رسول اللہ صلعم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو حاصل تھے۔ خصوصاً بوجہ اس فضیلت اور علو مرتبت کے[1] جو اول الذکر کو رسول خدا اور ثانی الذکر کو امام ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا۔ " (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۱۷) اور اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ میں ان اقیموا الدین کہہ کر فرض قرار دیا ہے۔ بالفعل نبی کریم صلعم اور امیر المومنین علیہ السلام کو سپرد کی ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۱۷) اور فرماتے ہیں کہ " اللہ کے رسول اللہ صلعم کو جملہ اہل ایمان کا ولی بنایا ہے۔ رسول خدا کی یہ ولایت آپ کے بعد آنے والے ہر شخص پر حاوی ہے۔[2] آنحضور کے بعد امام (حضرت علیؓ) علیہ السلام اہل ایمان کے ولی ہیں۔

---

[1] حضرت علی کی فضیلت و علو مرتبت کے متعلق ایک شیعہ مفسر لکھتے ہیں: " حضور علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے میرے رب اپنے بندے علیؓ کے صدقے گنہ گاروں کو معاف کر دے "، مزید لکھا ہے کہ " نبیؐ کی پیدائش آسمان و زمین کے نور سے ہوئی لیکن علیؓ کی پیدائش عرش و کرسی کے نور سے ہوئی اور علیؓ عرش و کرسی سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ (البرہان فی تفسیر القرآن ص ۲۶۶ جلد ۳ مطبوعہ ایران)

[2] حضرت علیؓ کی ولایت کے متعلق چند شیعہ تفاسیر کے اقتباسات پیش ہیں: سورۃ نساء کی مشہور آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرک کو نہ بخشنے اور مشرک کے ماسوا گناہوں کی بخشش اپنی مرضی پر چھوڑی ہے، کے متعلق ایک مفسر لکھتے ہیں " اللہ اس کو نہیں بخشے گا، جس نے حضرت علیؓ کی ولایت و امامت کا انکار کیا "، (تفسیر عیاشی ص ۲۴۵ جلد ۱ مطبوعہ تہران) اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت، بلغ ما انزل الیک من ربک کی تفسیر اس طرح بیان کی جاتی ہے، " جس چیز کے پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا وہ حضرت علیؓ کی خلافت و امامت ہے۔ " (تفسیر فرات بن ابراہیم ص ۶۳ و ←

دونوں کی ولایت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے شرعی احکام جملہ اہل ایمان پر نافذ ہیں، ولاۃ و قضاۃ کا تقرر بھی انھی کے ہاتھ میں ہے اور حالات کے تقاضے کے مطابق ان کی نگرانی اور معزولی بھی انھی کے دائرۂ اختیار میں ہے۔"

(الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۱۹) مزید ارشاد ہوتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو حکم دیا تھا کہ وہ ان احکام و قوانین کو اس شخص تک پہنچا دے جو آپ کے بعد لوگوں میں آپ کا خلیفہ و نائب بنے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں آپ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ خلافت حضرت علی علیہ السلام کو اس لیے سپرد نہیں کی گئی تھی کہ آپ رسول اللہ صلعم کے داماد تھے یا انھیں اس معاملے میں ایسا عمل دخل حاصل تھا یا آپ کی ایسی خدماتِ جلیلہ تھیں کہ جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔" (الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۰۸-۱۰۹)

اور اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعہ حضور علیہ السلام پر لازم کیا کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے تعین کا اعلان کریں۔ (ترجمۃ الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ص ۱۱۹ مطبوعہ لاہور)۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت علیؓ کچھ نہ کر سکے حتیٰ کہ کوفہ کے ظالم قاضی شریح کو بھی معزول نہ کر سکے (ایضاً ص ۱۱۹)

معزز قارئین اور ملاحظہ فرمائیں ارشاد ہوتا ہے۔" خود مذہب شیعہ کا آغاز صفر سے ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلعم نے خلافت کی بنیاد رکھی تو اسے محض ایک مذاق سمجھا گیا جبکہ آپ نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان میں سے پہل کرنے والے کا انتخاب کیا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کارِ رسالت میں میرا خلیفہ اور میرا وصی اور میرا وزیر کون ہوگا؟ اس کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام کے سوا اور کوئی شخص آگے نہ بڑھا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر سن بلوغت کو نہ پہنچی تھی۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی ترجمہ مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۲۲) خمینی صاحب اسی صفحہ پر مزید یوں

← مناقب شہر بن آشوب ص ۱۰۷، جلد ۳) اسی طرح وقوعہ نقص پر یہ آیت بطور استشہاد پیش کی جاتی ہے :
یا ایھا الذین آمنوا آمنوا بالنبی والولی الذین بعثناھما یھدیانکم الی الصراط المستقیم۔
شیعہ حضرات اس کو سورۃ ولایہ یعنی حضرت علی کی ولایت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو فصل الخطاب از میرزا حسین ص ۱۸۰ و دبستان مذاہب از محسن فانی کاشمیری ص ۲۷۲ و تاریخ المصاحف از نولدکی مستشرق ص ۱۰۲، ۲۷۲) اور وان من شیعتہ لابراہیم "کا معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "ابراہیمؑ علیؓ کے شیعوں میں سے ایک شیعہ تھے" (تفسیر البرہان ص ۲۰، ج ۴) ایک اور تفسیر میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام کیا وہ ولایتِ علیؓ سے متعلق تھا۔" (تفسیر مرآۃ الانوار ص ۳۰۱)

فرماتے ہیں: "حجۃ الوداع کے موقع پر غدیر خم میں آنحضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد حاکم مقرر فرمایا، بس اس وقت سے امت میں اختلاف کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اگر آنحضورؐ نے امیر المومنین کو محض مفتی و مفسر قرآن اور شارح احکام ہی مقرر کیا ہوتا تو کسی کو بھی اعتراض نہ تھا۔ لیکن ان کے خلاف لڑائی کر دی گئی، ان کو قتل کیا گیا محض اس لیے کہ وہ ملک و قوم پر شرعی حاکم مقرر ہوئے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خان ص ۲۲)

آیت اللہ خمینی صاحب خود تقیہ کے قائل ہیں اور اپنے دوسرے ہم مذہب لوگوں کو بھی تقیہ[1] پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: "امام صادق علیہ السلام کی سابقہ روایت میں آپ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ باوجود ایسے حالات کے جن میں آپ تقیہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور آپ حکومت و اقتدار سے محروم تھے اور آپ نے لوگوں پر حاکم اور قاضی مقرر فرمائے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خان ص ۲۱۷-۲۱۸)

تقیہ کے بارے میں اپنے ائمہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "وہ ایسے حالات کا شکار تھے کہ صحیح حکم بیان نہیں کر پاتے تھے اور یہ کہ یہ تقیہ مذہب کی بقا کے لیے تھا۔" (ترجمہ الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی ص ۳، مطبوعہ لاہور)

شیعہ حضرات کے امام مہدی[2] یا امام غائب کے متعلق خمینی صاحب فرماتے ہیں: "اب تک کے سارے رسول جن

---

[1] "تقیہ" ایک شیعی اصطلاح ہے جسے اہل تشیع کتمان حق کے لیے استعمال کرتے ہیں، چنانچہ ان کی مستند کتاب میں مذکور ہے: "ابو عبداللہ کا قول ہے کہ تقیہ میں نوے حصہ دین ہے جو بوقت ضرورت تقیہ نہ کرے اس کا دین نہیں اور تقیہ ہر شے میں ہے سوائے نبیذ (جو کی شراب) اور موزوں پر مسح کے۔" (اصول کافی للکلینی ج ۲) اس قول کی تشریح و توضیح یوں بیان کی گئی ہے۔ "نبیذ اور موزوں پر مسح کا استثناء اس لیے کیا ہے کہ مخالفین ان چیزوں پر مجبور نہیں کرتے، لہٰذا بلا تقیہ ان کو ترک کرے۔" (کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی ص ۱۳۲ ج ۲) ایک اور مقام پر تقیہ کی فضیلت یوں بیان کی گئی ہے۔ "حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا، تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے، جس کے لیے تقیہ نہیں اس کے لیے دین نہیں۔" (کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی ص ۱۳۳ ج ۲ جلد ۲ و کذا فی الخطوط العریضہ ص ۵۵ مطبوعہ مدینہ منورہ) تقیہ کے متعلق ایک اور کتاب میں مذکور ہے: "جب مکلف کو اپنے جان و مال میں ضرر کا خطرہ ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا اس پر واجب ہے۔ و ہٰذا الحکم من مخصصات الشیعہ و یسمی بالتقیہ۔ یہ حکم شیعہ کے مخصصات میں سے ہے اور اس کا نام تقیہ ہے۔" (الاسلام سبیل السعادۃ والسلام ص ۱۰۹)۔

[2] امام مہدی جن کی عمر اب تقریباً گیارہ سو سال

میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں، دنیا میں عدل و انصاف کے اصولوں کی تعلیم کے لیے آئے۔ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے حتیٰ کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کی اصلاح اور مساوات قائم کرنے آئے تھے اپنی زندگی میں نہ کرسکے۔ وہ واحد ہستی جو یہ کارنامے انجام دے سکتی ہے اور دنیا سے بددیانتی کا خاتمہ کرسکتی ہے۔ امام مہدی کی ہستی ہے اور وہ مہدی موعود ضرور ظاہر ہوں گے۔" (نشری تقریر از ریڈیو تہران ۳۰ر جون ۱۹۸۰ء و تہران ٹائمز محررہ ۲۹ر ۳۰ر جون ۱۹۸۰ء)

اسی طرح خمینی صاحب حضرت علیؓ کے دورِ خلافت کے خلاصہ کے ساتھ ان کا تقیہ پر عمل کرنا اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اور نبی کے بعد تیس سال تک امیر المومنین کی امامت رہی، ان میں سے چوبیس سال چھ ماہ تک امامت کے احکام کی انجام دہی ان کے لیے ممنوع رہی۔ اس زمانے میں وہ تقیہ اور رعایت پر عمل کرتے رہے۔ باقی ماندہ پانچ سال اور چھ ماہ کی مدت میں وہ عہد شکن اور بے دین منافقین سے جہاد کرنے کی آزمائش میں مبتلا رہے اور ان گمراہ لوگوں کے فتنوں کی مصیبت جھیلنی پڑی۔ حضرت علیؓ کے لیے اپنی خلافت سے قبل کا زمانہ نبوت کے مکی دور کی طرح تھا اور ان کی اپنی خلافت کا زمانہ نبوت کے مدنی دور کی طرح تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے تیرہ سال کی مدت میں نبوت کے احکام کو پورا کرنے میں رکاوٹیں پیش آتی رہیں اور خوف و رکاوٹ میں بھاگے اور نکالے ہوئے رہے۔ نہ کافروں سے جہاد کرسکتے تھے نہ مومنوں کا دفاع کرسکتے تھے۔ پھر ہجرت زمانی اور ہجرت کے بعد دس سال تک مشرکوں سے جہاد کرتے رہے اور منافقوں کی طرف سے آزمائش میں رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اجل المسمہ نے ان کو اپنے یہاں اٹھا لیا اور جنت نعیم میں جگہ دی۔"

(الحکومۃ الاسلامیۃ للخمینی مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں ص ۱۳۱)

(باقی آئندہ)

← ہوچکی ہے اور وہ ہنوز غائب ہیں، کی امامت پر شیعہ حضرات قرآن کریم کی آیت: وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ امام مہدی کے متعلق مشہور شیعہ عالم ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں: "ونعمانی روایت کردہ است از حضرت امام باقر علیہ السلام کہ چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیروں آید خدا او را یاری کند بملائکہ واول کسیکہ با او بیعت کند محمد باشد وبعد از اں علیؓ۔" یعنی نعمانی نے حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ جب قائم آل محمد یعنی امام مہدی باہر نکلیں گے اور خدا تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد فرمائے گا تو سب سے پہلے جو آپ کی بیعت کریں گے وہ محمد رسول اللہ صلعم ہوں گے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ ان کی بیعت کریں گے۔"

(حق الیقین للمجلسی ص ۳۴۷ مطبوعہ ایران)

تاریخ کے عجائب خانے سے....

امیر محمد طارق انصاری متعلم فیض عام مئو

اتفاقات ہیں زمانے کے :

۱۳۲ھ میں اموی خلافت کے کھنڈرات پر جس عظیم خاندان نے "قصرِ خلافت" کی تعمیر کی اسے اسلامی تاریخ میں "عباسی خاندان" کہتے ہیں۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ عم رسولؐ حضرت عباسؓ اور حبر الامہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ہیں۔ حضرت عبداللہؓ کے فرزند ارجمند حضرت علی بن عبداللہ ابن عباس سے جو نسل چلی، اسی کی دوسری تیسری پشت میں امامتِ اہلبیت اور خلافتِ اہلِ اسلام کا "تاج" منتقل آ گیا تھا۔ حضرت علی بن عبداللہ کی ولادت کے تذکرہ میں مورخین یہ حیرت انگیز چیز نقل کرتے ہیں کہ

- "۱۵ / رمضان ۴۰ھ کی رات میں حضرت علیؓ بن ابی طالب (امیر المومنین) شہید کیے جاتے ہیں اور ٹھیک اسی رات میں حضرت عبداللہ کے گھر میں ایک بیٹے کی پیدائش ہوتی ہے، رسول اللہ کی صحبت اٹھائے ہوئے نکتہ شناس باپ نے انتساباً اپنے فرزند کا نام "علی" رکھا۔"

یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی رات میں اہلبیت کے ایک خلیفہ کی زندگی کا خاتمہ ہوا اور اسی میں سے خلفاء کی نسل کا دوسرا مورث پیدا ہوا۔ کسے خبر تھی کہ اسی حضرت علی بن عبداللہ کی نسل سے خلافت کے لیے طالع آزما اٹھیں گے جو بالآخر ایک مدتِ مدید کے لیے اسلامی خلافت کے نگہبان رہیں گے۔

- اسی عباسی خاندان میں ایک اور دلچسپ تاریخی اتفاق وقوع پذیر ہوا جو چوتھے خلیفہ ہادی کی وفات سے متعلق ہے:
"ہارون الرشید شب یکشنبہ ۱۴/ ربیع الاول ۱۷۰ھ کو اپنے بھائی ہادی کے مرنے کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ اسی شب اس کا بیٹا مامون پیدا ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک ہی رات میں ایک خلیفہ فوت ہوا، دوسرا تخت نشین ہوا اور تیسرا خلیفہ پیدا ہوا۔"

لگتا ہے کہ یہ عجیب و غریب تاریخی اتفاقات کسی اصول کے ماتحت ہوئے ہیں کہ ایک جائے اور دوسرا آئے اور سلسلہ قائم رہے تاکہ خلا نہ باقی رہ جائے۔ اس طرح کی دو مثالیں اور ملاحظہ فرمائیں۔

● شہید کربلا اور خاندان نبوت کے گل سر سبد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا؟ اور کس کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ حضرت امام یوم عاشوراء ۶۱ھ کو دشت کربلا میں مظلومانہ طور پر شہید کر دیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک خونچکاں باب ہے، لیکن ہمیں بحث اس عجیب اتفاق سے ہے جو اسی تاریخ کو تقریباً انھی اوقات میں واقع ہوا — اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ احادیث کے مشہور راوی اور امام، سلیمان الاعمش ٹھیک اسی تاریخ کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبیؒ جیسے لوگ آپ کو شیخ الاسلام اور حافظ الحدیث کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس بات کا لحاظ رہے کہ یہ القاب آج جتنے سستے ہیں پچھلے زمانہ میں اتنے سستے اور کم ارز نہیں تھے۔

● ماہرین اسماء الرجال نے لکھا ہے کہ جس روز امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ٹھیک اسی روز جلیل القدر امام اور ایک مستقل مکتب فکر کے بانی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پردہ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوئے — ایک طرف غرہ رجب ۱۵۰ھ کی جس تاریخ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے۔ دوسری طرف اسی دن محمد بن ادریس شافعی جیسے مولود مسعود نے دنیا میں قدم رکھا۔

باقی رہے نام اللہ کا

● حافظ ذہبیؒ وغیرہ کے نزدیک امام مسلم رحمہ اللہ کے سنہ ولادت کے باب میں راجح قول ۲۰۴ھ ہے۔ ذرا اتفاق کا تماشا دیکھیے کہ اسی سال امام شافعیؒ کی وفات ہوتی ہے۔

● ملا حسام الدین رحمہ اللہ مئو (اعظم گڈھ) میں اہلحدیث طرز فکر کے اولین معماروں میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۱۰ھ میں ہوئی — اللہ کی سنت کہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے اسی سال مولانا محمد احمد رحمہ اللہ — سابق ناظم جامعہ فیض عام مئو — کی ولادت باسعادت ہوتی ہے۔ مولانا پختہ فکر اہلحدیث عالم بھی تھے اور اللہ نے آپ کو جاہ و ثروت سے بھی نوازا تھا۔ آپ سرحد میں تحریک شہیدین کے بچے کھچے افراد کے لیے اکثر امداد و اعانت کرتے تھے اس زمانہ میں جب سرحد پر مولانا ولایت علی مرحوم کے خلفاء انگریزوں سے لوہا لے رہے تھے۔

تسکاری نہیں جواری:

جارج برنارڈ شا مشہور برطانوی مصنف، ڈرامہ نگار، اور افسانہ نویس تھا، اس کی شہرت کا عالم یہ ہے کہ اکثر اوقات "مسٹر شا" اور "شا" کہنے سے اس کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعض چاہنے والے سرنامہ پر شارٹ میں صرف .G.B.S لکھتے تھے اور کتنے ایسے تھے جو مکتوب
رفقطا "دراز ریش شخص کی تصویر" بنا دیتے تھے اور یہ خطوط ڈاک خانہ سے بغیر ادنیٰ مشقت کے جارج برنارڈ شا
صحیح سلامت پہنچا دیے جاتے تھے۔

شا کو اپنی شخصیت پر بڑا ناز تھا۔ حتیٰ کہ چرچل (برطانیہ کا وزیر اعظم) جیسے لوگوں کو بھی وہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔
جارج برنارڈ شا نے اسلام کا مطالعہ ہندوستان میں کیا تھا اور رسول اللہؐ سے بے حد متاثر تھا۔ دوسری جنگ عظیم
کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر اکثر کہا کرتا تھا "کاش ہمارے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم — جیسا کوئی آدمی ہوتا
و دنیا کی مشکلات کا حل نکالتا۔

شا نے قرون وسطیٰ کے ایک عیسائی عالم کے بارے میں جب یہ پڑھا کہ وہ آنحضرت کو "اونٹوں کا چرواہا" کہتا تھا تو
ریمارک کرتے ہوئے کہا:

"محمدؐ کے ماننے والوں نے محمدؐ سے اخلاق وآداب کا اس سے بہت مختلف سبق لیا تھا۔ کیوں کہ وہ حضرت مسیح
ے اصحاب کو ادب سے "حواری" کہتے تھے، حالانکہ وہ چاہتے تو انھیں "چرمی ماروں اور شکاریوں کا غول" بھی کہہ سکتے تھے
(ترجمہ از اخبار العالم الاسلامی شمارہ ۸۷۷)

مسلمانوں کی بلندیٔ اخلاق آج بھی کم وبیش برقرار ہے۔ مسلمان خصوصاً ان کا سنجیدہ طبقہ آج بھی اپنے رسولؐ کی
م کے مطابق کسی مذہب اور مذہب کے متبعین کو برا بھلا کہنے سے حتی الوسع پرہیز کرتے ہیں، جبکہ اس کے برخلاف خود ہندستان
بعض نام نہاد غیر مسلم دانشور، اپنی شاکھاؤں اور اپنے جلسوں میں مسلمانوں کو "ملیچھ" اور "لانڈیے" جیسے خطابات
ے نوازتے ہیں۔ (آر۔ ایس۔ ایس کے قائدین ملیچھ اور شیوسینا کے بال ٹھاکرے وغیرہ لانڈیے کی اصطلاح
ستعمال کرتے ہیں۔)

آتش زدہ کاغذ:

ہندوستان میں تمباکو بہت پہلے سے استعمال ہوتا آیا ہے، لیکن ہندوستانیوں کے لیے اس میں جدت پیدا کر کے
گریٹ نوشی کی لت انگریزوں کی دین ہے ورنہ پہلے حقہ کشی ہوتی تھی، سگریٹ نوشی نہیں۔ جس میں نسبتاً مضرات کم تھے۔
برطانیہ میں جو شخص سب سے پہلے تمباکو لے گیا، اس کا نام "سر البرٹ ریلے" ہے، اس کی انتھک تشہیر واشاعت
ل سگریٹ نوشی کی جانب راغب ہوئے۔ سر البرٹ خود بھی بلا کا تمباکو نوش تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ

اپنے ڈرائنگ روم میں کرسی پر دراز پائپ پی رہا تھا۔ اس دوران اس کا ملازم اندر داخل ہوا۔ اس نے اس شغل خاص میں مصروف دیکھ کر سراسیمگی میں یہ سمجھ لیا کہ آقا کے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے، جس کے سبب دھواں نکل رہا ہے۔ جھٹ باہر سے بھری بالٹی اٹھائی اور پوری بالٹی سر البرٹ کے سر پر انڈیل دی تب اسے اطمینان ہوا۔

دنیا کے تمام ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سگریٹ اور اس جیسی چیزیں انسانیت کے لیے نہایت مضر ہیں، تمباکو مرغوب ترین زہر ہے، جسے آدمی لاپرواہی کے ساتھ جسم میں انڈیلتا جا رہا ہے۔ تنہا صرف سگار نوشی مختلف بیماریوں کا سبب ہے۔ کینسر جیسا مہلک مرض، تپ دق، اور دیگر بیماریاں اسی تریاق نما زہر کی ستم زدہ ہیں ـــــ لیکن اطباء عالم کا یہ فیصلہ اب تک صدا بصحرا ثابت ہو رہا ہے۔ سگریٹ کی ہر پیکیٹ پر یہ وارننگ لکھی ہوتی ہے: "سگریٹ پینا صحت کے لیے مضر ہے"، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ ڈاکٹروں کا محاذ اس سلسلہ میں قطعاً ناکام رہا ایک دوسرا محاذ انسانی حفاظت کے لیے یہ ہو سکتا ہے کہ مذہب اور اخلاق کے ذریعہ اس پر روک لگائی جائے اور یہ محاذ کافی مؤثر بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں علماء تمباکو نوشی کو عموماً حرام نہیں کہتے۔ لیکن مشہور اہلحدیث عالم والا جاہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے والد مولانا اولاد حسن قنوجی، خلیفہ سید احمد شہیدؒ، اس کے سخت مخالف تھے۔ تمباکو نوشی پر ان کا مشہور بیان ہے: نار الله الموقدة التي تطلع على الأفئدة (همزه)۔ قرآن کے یہ حقیقت افروز الفاظ صورتحال کے مکمل ترجمان ہیں۔

ایران کے شیعہ مجتہدین نے قاجاری دور میں تمباکو کی تجارت اور استعمال کو حرام قرار دے کر زبردست مہم چلائی تھی۔ علماء کے اس فیصلے کے حق میں عوام احتجاجاً سڑکوں پر نکل آئے اور تمباکو کے گوداموں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد علماء کی مداخلت کے سبب وہاں بھی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ اب حالات ظاہر ہیں۔

یادِ ایام:

مسلمانوں نے مبلغ و مفکر، درویش و قلندر، مجاہد و سپاہی، ماہرین فن علماء اور موحدین کو پیدا کیا۔ دانشوروں اور سیاستدانوں کو پروان چڑھایا۔ ہم نے کتنے عمر خیام، کندی، فارابی اور ابن سینا کو جنم دیا۔ لیکن تین صدی قبل جب مغرب نے ہماری متاع گراں بہا اور اثاثہ۔ البیت علم، سائنس، فکر، ایجاد، دانشمندی اور فن ہم سے چھین لیے تو آج ہم اس قدر کھو سے رہ گئے کہ یہ بھی نہیں بتا سکتے تھے کہ ـــــ راجر بیکن نے اندلس کی جامعہ سے استفادہ کیا تھا گربرٹ (بعد میں سلوسٹر دوم کے نام سے پوپ بنا) نے اپنا سارا سائنسی سرمایہ عربوں سے حاصل کیا تھا۔ البرٹ بزرگ کا

سارا علم ابن سینا کا مرہونِ منت تھا۔ سینٹ ٹامس کو سارا فلسفہ ابن رشد سے ملا تھا۔ اور صرف عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر پانچ صدی تک یورپ کی یونیورسٹیاں چلتی رہیں۔

وہ تو کہیے کہ ڈاکٹر گستاؤ لیبون (صاحب تمدن عرب) اور موسیو رینان جیسے عیسائی مصنفین نے ہمیں بھی زبان کھولنے کا موقع دے دیا۔

سائنس کی امہات کتب اٹھا کر دیکھیے تو آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مسلمان بھی سائنسداں ہو سکتا ہے۔ ذرا ان ناموں پر غور کیجیے جن کا یورپ نے "ولایتی کرن" کر دیا ہے:

ابن رشد کو EVERRASE کہتے ہیں۔ اسی طرح بابائے کیمیا جابر بن حیان کو GEBER ابن باجہ اندلسی کو AVENI PACE ابن طفیل کو ABN BACER اور الخوارزمی کو ALGARISMUS کہتے ہیں۔ ع: ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

الخوارزمی کے نام کی مناسبت سے جدید ریاضی کی ایک شاخ کا نام اب بھی ALGORISM ہے صفر کی ایجاد کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔ اسی طرح الفرغانی نے نیل کے سیلاب کی پیمائش کے لیے جو نیل پیما ایجاد کیا تھا، اسے آج بھی نائیلومیٹر ہی کہتے ہیں۔ فقط۔

ہماری بلندی اور پستی

ابو ایوب راھی ریودھاوی۔ جماعت سابعہ
متعلم مدرسہ اسلامیہ راگھونگر بھوارہ، (بہار)

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ۔ بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر ٭ اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

اسلامی بھائیو! جب ہم اس پہلو سے اپنے اسلاف کی زندگی کا معائنہ اور نظارہ کرتے ہیں اور اپنی عملی زندگی کا معائنہ کرتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام نے کون سا کارنامہ انجام دیا، اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ تو ہمیں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہوئے ہم پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک طرف مسلمان قوم کی ترقی کی داستان ہے جو دنیا کے لیے باعث حیرت ہے تو دوسری طرف اس کے تنزلی کا دور ہے جو سراپا حسرت ہے۔ قلیل عرصہ میں اسلام کے جاہ و جلال عظمت و حشمت، رعب و دبدبہ اور فوجی شان و شوکت کے سامنے سرکش زیر، بدمعاش مغلوب، سرہنگ پامال اور ظالم برباد ہو گئے اور عاقلانہ تدابیر، مساویانہ سلوک، حکیمانہ طرز عمل سے بدامنی اور بے چینی مفقود اور یہ برائی کافور ہو گئی۔ ہر طرف اسلام کا طوطی بولنے لگا۔ مگر اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ ترقی ایک خواب تھی جسے پوری طرح دیکھا بھی نہ جا سکا۔ ایک طلسم تھا جو چشم زدن میں ختم ہو گیا۔ ماضی و حال کے مسلمانوں کے حالات کے تقابل سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔

ماضی کے مسلمان سوکھی کھجوریں کھا کر عرب کے تپتے ہوئے ریت میں ہفت اقلیم کی فرماں روائی کا پرچم اڑا لیتے تھے، پھٹے پرانے کپڑے والے کے اندر لپٹی ہوئی تلواروں سے قیصر و کسریٰ جیسی بارعب سلطنت کو پاش پاش کر دیا، ان کے فلک کش حوصلے، غیر متزلزل ارادے لازوال استقامت اور متحد دلوں کی کوہ کن طاقتیں دشمن کے جم غفیر کو پہلے ہی وار میں زیر زمیں تہ نشیں کر دیتی تھیں۔ انھوں نے جور و جفا ظلم و ستم، جبر و تشدد سے دنیا کو پاک کیا، کمزوروں

بیکس اور بے سہارا لوگوں کی پشت پناہی کی، غریبوں، لاچاروں، محتاجوں کی حمایت کی، علم و بردباری، عدل و انصاف رحم و کرم، عفو و درگزر، خاطر و تواضع، شجاعت و دلیری، ہمت و استقلال، بہادری و جوانمردی، اتفاق و اتحاد ان کی امتیازی شان تھی۔

مگر آج ہم ریاکارانہ تقریروں، باطل تذکروں، بے ہودہ بحثوں، لغو حجتوں، غلط استدلالوں، نامعقول سوالوں، اور منافقانہ انجمنوں سے اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ زنا و بدکاری، جھوٹ و غیبت، عیش و عشرت، وعدہ خلافی، عہد شکنی، خود غرضی، مطلب پرستی، محسن کشی، ناسپاس گزاری، ہمارا شعار بن چکا ہے۔ ؎

کیجیے شکوہ کہاں تک آسمانِ پیر کا
یہ مصائب ہیں نتیجہ اپنی ہی تقصیر کا

حضرات اگر ہمارے اسلام اور ایمان کے دعوے قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھے جائیں تو وہ سراپا بے بنیاد غلط اور بے دلیل معلوم ہوں گے۔ آپ دنیا کے اس امر سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جب کوئی بادشاہ کسی ملک پر قابض ہوتا ہے تو لوگ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اور اگر کوئی شخص اس سے انکار کرتا ہے تو اس کو اس کے اس جرم کی وجہ سے شہر بدر کر دیا جاتا ہے، اور جو لوگ اپنی جان و مال سے بادشاہ کی خدمت کرتے ہیں، وہ بادشاہ کے جاں نثار اور وفادار کہلاتے ہیں۔

پس ہر وہ شخص جو ایمان کا دعویدار ہے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی کی یاد اور ان کی بندگی میں کس حد تک مصروف رہتا ہے، یاد رکھیے کہ جس طرح صرف پانی کو دیکھ کر پیاس اور غذا کو دیکھنے سے بھوک نہیں مٹ سکتی۔ اسی طرح ہم یہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضے اور اس کی مانگ کو پورا نہ کریں تو ہم کبھی بھی اُخروی نجات کے مستحق نہیں بن سکتے، اگر ہم صحیح معنی میں نجات و فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر رکھنی چاہیے، اور ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

ایک ضروری اعلان

ستمبر ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں سعادت خاں صاحب کے متعلق جو اعلان شائع ہوا ہے، موصوف نے سختی سے اس کی تردید کی ہے۔ صوبائی جمعیۃ اہلحدیث آندھرا پردیش کا ایک خط بھی اسی کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا ادارہ محدث اس اعلان سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔

"ادارہ"

فتویٰ

۱۔ کیا فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو سنت پڑھی جا سکتی ہے؟

۲۔ اگر سنت نہ پڑھی جائے تو کب پڑھی جائے؟

۳۔ صفوں کی ترتیب؟

استفتاء:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد پہنچا، دیکھا کہ جماعت شروع ہو گئی ہے۔ اب وہ جماعت میں شریک ہو یا سنت ادا کرے۔ اگر عمر جماعت میں شریک ہو جاتا ہے تو چھوٹی ہوئی سنت کب پڑھے۔ اگر عمر سنت فرض کے بعد پڑھتا ہے تو لوگ اسے مطعون کرتے ہیں کیا ان کا مطعون کرنا درست ہے؟ احادیث نبوی کی روشنی میں آگاہ فرمائیں۔

۲۔ جماعت کی نماز میں اگلی صف میں ایک یا دو آدمی کی جگہ خالی ہے اور دوسری صف میں آدمی پورے ہو گئے ہیں۔ اب جو آدمی آ رہے ہیں وہ اگلی صف کی خالی جگہ پوری کریں یا تیسری صف قائم کریں۔ واضح طور پر احادیث کی روشنی میں اطلاع دیں۔

المستفتی
شاہد جمال

الجواب بعون اللہ الوہاب:۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ (مسلم ۱/۲۴۷ وغیرہ) یعنی جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو (اس) فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مالک (ابن بحینہ) سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث به الناس، فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح اربعاً الصبح اربعاً (۱/۹۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا

کہ اقامت کہی جا چکی تھی پھر بھی وہ دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے تو لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم صبح کی نماز چار رکعت پڑھتے ہو؟ کیا تم صبح کی نماز چار رکعت پڑھ رہے ہو؟۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی اقامت ہو جانے کے بعد سنت پڑھنا صدر رحمہ انوکھا اور ناقابل تصور عمل تھا۔ اس لیے صحابہ کرام نے اسے گھیر لیا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل قطعاً غلط تھا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ٹوکا ہی نہیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ اقامت کے بعد سنت نہیں پڑھی جا سکتی بلکہ فرض ہی پڑھی جا سکتی ہے حتی کہ اگر کسی نے سنت پڑھی تو وہ سنت نہ ہوئی بلکہ اس نے چار رکعت فرض پڑھ دی۔

صحیح مسلم میں ایک روایت عبداللہ بن سرجس سے مروی ہے : دخل رجل المسجد ورسول الله صلی الله علیہ وسلم فی صلوٰة الغداة فصلی جانب المسجد ثم دخل مع رسول الله صلی الله علیہ وسلم فلما سلم رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلوتین اعتددت ابصلوتك وحدك ام بصلوتك معنا۔ (۱/۲۴۷) یعنی ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اس نے مسجد کے ایک کنارہ نماز (سنت) پڑھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہو گیا۔ (یعنی جماعت میں شامل ہو گیا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا، اے فلاں : تم نے دو نمازوں میں سے کون سی نماز شمار کی، اپنی نماز جو تم نے تنہا پڑھی تھی، یا وہ نماز جو ہمارے ساتھ پڑھی ؟۔

ان روایات سے واضح ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد فجر کی سنت پڑھنا جائز نہیں، چاہے مسجد میں کہیں کنارے ہی کیوں نہ پڑھی جائے، اور اگر کوئی پڑھے تو اس کی یہ سنت شمار نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور معصیت کا بوجھ الگ سے ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ فوت شدہ سنت کب پڑھی جائے، تو اس سلسلہ میں ایک صحابی حضرت قیس اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں خرج رسول الله صلی الله علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰة فصلیت معه الصبح ثم انصرف رسول الله صلی الله علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مهلا یا قیس أصلاتان معا قلت یا رسول الله انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے نماز کی اقامت کہی گئی۔ میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پلٹے تو آپ نے مجھے پایا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، قیس ٹھہرو، کیا دو نمازیں ایک ساتھ ؟

میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نے فجر کی دو رکعتیں پڑھی نہیں تھیں، آپ نے فرمایا تب کوئی بات نہیں۔
(ترمذی جلد ا ص ۵۷)

اس روایت کے ایک طریق پر اگرچہ کلام ہے، لیکن دوسرا صحیح طریق موجود ہے۔ اس لیے یہ لائق استدلال ہے۔
ان روایات کی روشنی میں آپ کا جواب بالکل واضح ہے۔ یعنی جماعت فجر شروع ہو جانے پر عمر مسجد میں پہنچا تو پہلے فرض پڑھے پھر چھوٹی ہوئی سنت پڑھے۔ اس پر جو لوگ اسے مطعون کرتے ہیں، وہ در حقیقت دیکھئے ہیں کہ ایک سنت رسول پر طعنہ زنی کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شدید گستاخی ہے۔

۲۔ نماز با جماعت میں پہلے پہلی صف پوری کرنے کا حکم ہے۔ پھر دوسری پھر تیسری۔ لہذا اگر دوسری صف پوری لگا دی گئی اور پہلی صف میں جگہ موجود ہے، تو آنے والا پہلی صف میں کھڑا ہو، لیکن اگر پہلی صف تک مصلی کے آگے سے گزرے بغیر پہنچا نہ جا سکتا ہو تو پھر تیسری صف قائم کر دی جائے۔ کیوں کہ مصلی کے آگے سے گزرنے کی سخت ممانعت ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

صفی الرحمان مبارکپوری ۸۵/۷/۲۲ء

بنارس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا کل ہند اجلاسِ عام:

۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء بنارس کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔ اس روز پرسنل لا میں حکومت کی مداخلت اور شاہ بانو کیس کے پردے میں شریعت پر کیے جانے والے حملے کے خلاف ایک تاریخی اجتماع ہوا۔ جس کے متعلق متعصب سے متعصب ترین ہندی اخبار کو بھی اعتراف ہے کہ بنارس کی تاریخ میں اتنا زبردست اجتماع کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس اجتماع کو اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ غرض ہر مکتب فکر کے علماء مفکرین اور دانشوروں نے خطاب کیا اور مسلم پرسنل لا کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے فیصلے میں کی جانیوالی قانونی اور دستوری دھاندلیوں اور حکومت کے غیر منصفانہ رویہ کی نقاب کشائی کی اور شریعت اسلامی کے خلاف کیے جانے والے حملوں پر سخت بے چینی، تشویش، غم و غصہ، کا اظہار اور مظاہرہ واحتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ یہ سلسلہ فوراً روکا جائے اور ان تمام قانونی اور دستوری دروازوں اور سوراخوں کو بند کیا جائے جس سے شریعت اسلامی میں مداخلت کی گنجائش پیدا ہوتی ہے

ابناء الجامعۃ: مدینہ یونیورسٹی میں

ابو محمد افضل انصاری

ہندوستانی مدارس کی علمی تاریخ میں یہ بات بے پایاں اہمیت کے ساتھ ثبت کی گئی ہے کہ نہایت کم مدت میں
معہ سلفیہ نے جو علمی اور تعمیری ترقیاں کی ہیں وہ ایک یادگار ہے۔ یوم قیام سے لے کر اب تک کی مختصر مدت میں
ر پہلو سے اور ہر میدان میں ابناء جامعہ نے جن بلندیوں پر جھنڈے گاڑے ہیں وہ ایک تاریخی حقیقت بن چکے
ں۔ جامعہ کی انھی خصوصیات کی بنا پر ابناء جامعہ کو عرب یونیورسٹیوں میں بیش از بیش اسکالرشپ ملتی رہتی ہے
الوقت جامعہ کے فارغین کی ایک بڑی تعداد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ وغیرہ
ں اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کر رہی ہے، جن میں سے بعض ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مراحل میں ہیں اور
عض مختلف کلیات میں زیر تعلیم ہیں، جبکہ فارغین کی ایک کثیر تعداد برصغیر اور خلیجی ممالک میں اپنے اسلاف کی
ایات کو زندہ کیے ہوئے دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہے۔

ابھی ۱۷ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ بروز ہفتہ بعد نماز مغرب مدینہ یونیورسٹی کے قاعۃ المحاضرات الکبریٰ میں
معہ کے ایک فاضل شیخ رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری کا ایم۔ اے کا مقالہ مناقشہ اور بحث و تمحیص کے
ے پیش ہوا۔

شیخ رضاء اللہ صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز سعید ہوتے ہیں۔ جامعہ سلفیہ سے عالمیت کے بعد محدث مبارکپوری کے شاگرد معروف
یب و عالم اور مفکر و داعی ڈاکٹر تقی الدین ہلالی حفظہ اللہ کے پاس مراکش کچھ دنوں رہے اور وہاں سے مدینہ
رسٹی چلے آئے، جہاں کلیۃ الحدیث کی تعلیم کے مرحلے کے بعد آپ کا داخلہ ماجستر کے شعبۃ العقیدہ میں ہو گیا۔
ماجستر ایم۔ اے میں آپ نے اپنے مقالہ کے لیے جس کتاب کا انتخاب کیا وہ نعیم بن حماد مروزی کی

تالیف "کتاب الفتن" کے ایک مخطوطہ کی تحقیق و تحشیہ اور تہذیب تھی، لیکن جلد ہی یہ پتہ چلا کہ یہ کتاب ایک مشہور محقق ایڈٹ کر کے عنقریب شائع کر رہے ہیں، اس لیے اس پر کام تحصیلِ حاصل ہوگا، مگر افسوس کہ یہ کتاب اب تک گوشۂ ظلمات ہی میں ہے اور بازار کا منہ نہیں دیکھ سکی۔

— لہٰذا آپ نے ایک دوسری کتاب "العظمۃ" لابی الشیخ اصفہانی کی تحقیق کی ٹھانی جسے فواد سزگین وغیرہ نے "عظمۃ اللہ و عظمۃ مخلوقاتہ" کے نام سے لکھا ہے۔ شیخ رضاء اللہ نے مقالہ کی تمہید میں اس مخطوطہ کے اختیار کرنے کی وجوہات میں لکھا ہے کہ چونکہ میرا اہم مقصد سلف صالحین کے عظیم تصنیفی ورثہ کی حفاظت اور ان کی بازیافت ہے — اور یہ مقصد اس میدان میں کام کرنے والے سبھی سلفی اخوان کا ہے — اور عبداللہ بن محمد بن حیان الحافظ المعروف بہ ابوالشیخ اصفہانی (۲۷۴ - ۳۶۹ھ) اپنے عقیدہ کے اعتبار سے سلفی اور اہلحدیث تھے جس کی تحقیق کتاب کے مطالعہ سے ہوتی ہے کہ محدثین کے طرز پر آپ نے روایات کو ذکر کر کے اسانید پر کلام کیا ہے اور اس بات کا ثبوت ان کے مشہور شاگردوں مثلاً ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، اور محدث ابن مردویہ کے بیانات کے ساتھ ذہبی وغیرہ کی تحریروں سے بھی ملتا ہے — اس لیے میں نے اس کتاب کو اپنی تحقیق کے لیے منتخب کیا۔

شیخ رضاء اللہ کو اس کتاب کے صرف چار مخطوطہ نسخے حاصل ہو سکے، جن کو بنیاد بنا کر انھوں نے اپنی تحقیق کا آغاز کیا۔ ان نسخوں کے حصول کے لیے آپ نے دو مرتبہ ترکی اور شام وار دن کا سفر بھی کیا۔ ان میں سے ایک نسخہ چوتھی صدی ہجری کا تھا۔

ان کے کام کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مخطوطہ جو اصلاً ان کے کام کی بنیاد تھا، ۲ میں دو سو پچپن (۲۵۵) اوراق تھے۔ انھوں نے یونیورسٹی کے شعبہ دراسات سے صرف ایک سو نو (۱۰۹) اوراق کی تحقیق کی اجازت لی اور یہ تحقیق ٹائپ شدہ ۱۸۰۰ صفحات پر مشتمل چار جلدوں میں آسکی ہے۔

آپ نے کتاب کے مقدمہ میں کتاب کے بارے میں مؤلف کا ترجمہ اور اپنے تحقیقی کام کی تفصیلات پیش کی ہیں اور نفس کتاب میں احادیث کی تخریج، ضروری حواشی، تشریحات اور ہر باب کے خاتمہ پر اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

عقیدہ کی اس اہم کتاب کی تحقیق کے بعد شیخ رضاء اللہ نے اس کو جامعہ کے شعبہ دراسات کے سامنے

پیش کیا تو اس پر بحث اور مقالہ کے مناقشہ کے لیے شعبہ نے تین افراد پر مشتمل ایک لجنۃ المناقشۃ (بحث کمیٹی) تشکیل دی جس کے تین افراد یہ تھے۔ (۱) محدث حجاز شیخ حماد بن محمد الانصاری استاذ مشارک دراسات اسلامیہ۔ (۲) شیخ عبداللہ مراد علی استاذ دراسات اسلامیہ اور (۳) مقالہ کے نگراں استاذ ڈاکٹر علی بن ناصر الفقیہی۔

جامعہ کے برقی روشنی میں نہلائے ہوئے عظیم اور شاندار ہال میں مختلف قومیتوں کے طلبۂ جامعہ، اساتذہ اور ذمہ داران کی ایک اچھی تعداد موجود تھی اور اسٹیج پر بحث کمیٹی کے افراد اور طالب علم

حمد وثنا کے بعد نگران مقالہ ڈاکٹر فقیہی نے اس طرح کے مقالات کے نہج اور معیار کے ساتھ طالب علم اور اس کے مقالہ کا مختصر تعارف پیش کیا اور پھر شیخ حماد الانصاری سے درخواست کی کہ مقالہ پر اپنے ایرادات و ملاحظات پیش فرمائیں۔ شیخ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع کے انتخاب پر طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور تحقیق و تخریج اور اسلوب پر پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ محنت کی داد دی۔ پھر علمی انداز میں مقالہ میں موجود بعض منہجی کوتاہیوں، بحوث میں بعض مقامات پر تشنگی اور اصلاح کی جانب توجہ دلائی۔ اور طالب علم نے حسب موقع اپنے دفاع کے ساتھ اصلاحات کو قبول کیا۔

عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد دوسرے مناقش شیخ عبداللہ مراد نے اپنے ملاحظات میں بعض تعبیری غلطیوں کے ساتھ، مطبعی اغلاط کا لحاظ کیا۔ اس طرح تین گھنٹے بحث وتمحیص اور مناقشہ کے بعد دونوں مناقشین نے نتیجہ کا اعلان کیا اور ،،ممتاز،، نمبر واسے کامیاب قرار دیا فالحمد للہ اور شکریہ کے ساتھ مجلس برخاست ہوئی۔

جامعہ میں ۱۶ ذوالحجہ کو تعلیمی سماہی کے آغاز کے ساتھ ہی شعبۂ دراسات اسلامیہ نے شیخ رضاء اللہ مبارکپوری کا داخلہ دکتوراہ پی۔ ایچ۔ ڈی میں منظور کر لیا۔

ڈاکٹر حافظ نصر اللہ صاحب جونپوری کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری پر مبارکباد

ہمیں بے حد خوشی ہے کہ ہمارے قدیم رفیق جناب حافظ نصر اللہ صاحب جونپوری قیصفی مدرس جامعہ رحمانیہ

بنارس نے حال ہی میں ہندو یونیورسٹی بنارس سے پی ایچ ۔ ڈی کی اعلیٰ تعلیمی ڈگری حاصل کی۔ موصوف نے اس اعلیٰ تعلیمی مرحلے میں ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء کو داخلہ لیا۔ اور شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر ڈاکٹر حکم چند نیر کی نگرانی میں "عبدالحلیم شرر ۔ حیات اور کارنامے" کے عنوان پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنا شروع کیا اور اسے تدریسی مشاغل کے پہلو بہ پہلو ۵ سال کے عرصے میں مکمل کر کے ۲۷ اپریل ۱۹۸۵ء کو جمع کر دیا، جس کا ۲۲ اگست ۱۹۸۵ء کو مناقشہ ہوا اور یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء کو ڈگری ایوارڈ ہوئی۔

موصوف نے اپنے اس مقالے میں حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد مولانا عبدالحلیم شرر کی زندگی اور کارناموں کا ہمہ جہتی جائزہ لیا ہے۔ اور بہت سے گم گشتہ حقائق کو پہلی بار اجاگر کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بنارس کی لائبریریوں کے علاوہ حسب ذیل لائبریریاں بھی کھنگالیں

کلکتہ: نیشنل لائبریری، محمد علی لائبریری، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، عبداللہ لائبریری۔

دہلی: ذاکر حسین لائبریری، ہردیال میونسپل لائبریری، پبلک لائبریری، دلی یونیورسٹی لائبریری۔

بمبئی: انجمن اسلام اردو انسٹی ٹیوٹ۔ علی گڑھ: مولانا آزاد لائبریری۔ الٰہ آباد: یونیورسٹی لائبریری

اعظم گڑھ: دارالمصنفین۔ مؤناتھ بھنجن: دانش کدہ اور احمد آباد کے بھی بعض کتب خانے دیکھے۔

اسی چھان بین کے دوران موصوف کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا وہ نسخہ بھی ہاتھ آیا جو ہندوستان میں غالباً پہلی بار (۱۳۰۰ھ میں) طبع ہوا تھا اور جس کے ساتھ مولانا عبدالحلیم شرر کا اردو ترجمہ بھی ہے جو اس کتاب کا غالباً پہلا اردو ترجمہ ہے۔ اس نسخہ کی اصل شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے بعض افراد سے حاصل کی گئی تھی اس نسخہ کے خاتمۃ الطبع سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ جناب فضل رسول بدایونی صاحب نے عربی زبان میں ایک جعلی کتاب التوحید لکھ کر مع اردو ترجمہ شائع کی تھی، تاکہ "وہابیوں" کی "بدعقیدگی" کا ثبوت فراہم کر کے عوام کو بھڑکایا جا سکے۔ اسی لیے اصل کتاب التوحید کی اشاعت کے لیے مذکورہ اہتمام کیا گیا۔

بہر حال حافظ نصر اللہ صاحب کا یہ مقالہ اپنی تحقیقات کے لحاظ سے ایک منفرد اور امتیازی مقالہ ہے، ہم انھیں اس پر صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

(ابو ہشام اعظمی)

•••

جامعہ سلفیہ بنارس کا علمی، دینی اور اصلاحی رسالہ

شمارہ: ۱۲ • دسمبر ۱۹۸۵ء • ربیع الاول ۱۴۰۶ھ • جلد: ۴

ترتیب

صفی الرحمٰن مبارکپوری

ناشر: جامعہ سلفیہ بنارس
طابع: عبدالوحید
مطبع: سلفیہ پریس وارانسی

تزئین و کتابت: انور جمال

بدل اشتراک
سالانہ: ۲۵ روپے
ششماہی: ۱۳ روپے
فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک سے سالانہ: ۱۵ ڈالر

پتہ
خط و کتابت کے لیے: ایڈیٹر محدث، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
بدل اشتراک کے لیے: مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس
MAKTABA SALAFIAH REORI TALAB VARANASI-221010
ٹیلی گرام: دارالعلوم وارانسی • ٹیلی فون: ۶۳۵۷۷

اندھیر نگری

شوق اعظمی

کہاں آج دنیا میں کوئی کسی کا یہ کیسا زمانہ ہے بیگانگی کا
یہاں کھیل ہوتے ہیں مکر و دغا کے کھلا ہے یہ میدان غارت گری کا
عدالت ہماری تجارت کی منڈی گلا گھونٹتے ہیں یہاں منصفی کا
یہاں ہر قدم پر فساد اور شر ہے یہاں رائج ہے صرف فتنہ گری کا
یہ بزم جہاں ہے لٹیروں کی بستی یہاں شور برپا ہے غارت گری کا
حلال و حرام آج دونوں برابر کشادہ دہن ہے شکم پروری کا
شکم کا یہ بندہ وہ زر کا پجاری یہی مشغلہ ہے فقیر و غنی کا
تملق، خوشامد، ریا، چاپلوسی یہی آج شیوہ ہے ہر آدمی کا
کہاں آج پاسِ وفا رہ گیا ہے کہاں اعتبار اب کسی کو کسی کا
فقط ہے یہاں نفس کی پاسداری گیا امتیاز آج نیکی بدی کا
کہاں قدر و قیمت ہے فضل و ہنر کی زر و گنج معیار ہے برتری کا
یہاں جھوٹ سب سے بڑی ہے سیاست یہاں رہبری نام ہے رہزنی کا
برادر کے خوں کا پیاسا برادر بھلا ذکر کیا الفت باہمی کا
نہ فرزند ماں سے نہ ماں خوش پسر سے نہیں ہے کہیں رنگ کچھ آشتی کا
خلوص آج دنیا میں عنقا صفت ہے گیا اب زمانہ وہ روشن دلی کا
چہ عالم، چہ جاہل، چہ شاعر، چہ صوفی نہ ظاہر اجالا نہ باطن کسی کا
اس اندھیر نگری سے گھبرا گیا ہوں! کب آئے گا یارب وہ دن مخلصی کا
سناؤں کسے آہ میں دل کا دکھڑا دکھاؤں کسے ہے جو آزار جی کا

دلِ مضطرب کو کہاں لے کے جاؤں
شناسا نہیں کوئی شوقؔ اعظمی کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ انسانیت کے اجارہ دار!

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ہمارے ملک کے "کشادہ ظرف" اور "روشن دماغ" حضرات نے عقل و فہم کی جس "پختگی" اور "فراوانی" کا ثبوت دیا ہے اور عدالت عالیہ کی کرسی پر بیٹھے والے "مصلح" کا روپ دھار کر جس قسم کی "پیغمبری" کر رہے ہیں اس کے کچھ نمونے محدث کے پچھلے شماروں میں گزر چکے ہیں۔ آج ہم چند اور نمونے پیش کر رہے ہیں ایک مسلم خاتون کے ذریعہ عدالتِ عالیہ میں ایک درخواست گزاری گئی ہے کہ اسلامی شریعت کے قوانین ظالمانہ ہیں۔ مثلاً مرد کے مقابل عورت کو آدھی میراث ملتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں پردے کا جو حکم ہے وہ مضرِ صحت ہے۔ اس لیے مسلم پرسنل لا کو معطل کر دیا جائے۔ اور عدالتِ عالیہ نے اس درخواست کو سماعت کے لیے منظور کر لیا ہے۔ ظاہر ہے اس لیے کہ یہ بزعم عدالت "معقولیت" پر مبنی ہے۔

لیکن آئیے ذرا عقل کے دریچوں کو کھول کر دیکھیے کہ اس میں کہیں معقولیت کا کوئی حبہ بھی موجود ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے مرد اور عورت کی مالی ذمہ داریوں پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈال لینی کافی ہوگی۔ اسلام نے عورت پر کسی کی کفالت اور نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں ڈالی بلکہ اسے خود اپنی روزی روٹی کی فکر سے بھی سبکدوش کر دیا ہے۔ جبکہ مرد پر خود اس کی اپنی ہی روزی کمانے کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ بیوی بچے، بوڑھے والدین اور کنبے قبیلے کے دوسرے متعدد نوع کے افراد کا نان نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اس ذمہ داری کی نوعیت ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں کے استحقاق میں نمایاں فرق ہو۔

مثال کے طور پر ایک شخص کا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی۔ دنیا جانتی ہے کہ باپ ۱۷، ۱۸ برس تک ان دونوں کے پلنے پوسنے کا بوجھ برداشت کرے گا۔ مگر اس کے بعد باپ کے ساتھ ان دونوں کے تعلق کی نوعیت یکسر بدل جائے گی

لڑکی کو اس کا باپ ہزار ہا ہزار خرچ کر کے کسی کے عقد میں دیدے گا اور وہ اپنے شوہر کے پاس رخصت ہو کر چلی جائے گی تو اسی کی ہو رہے گی۔ وہ اپنے ماں باپ اور بھائی کا خرچ برداشت کرنا تو درکنار، ان کی معمولی خدمت بھی نہ کر سکے گی۔ البتہ وقتاً فوقتاً والدین اور بھائی سے ملنے آئے گی اور اپنا اور اپنے بچوں کا کچھ نہ کچھ بوجھ ان پر ڈال جائے گی۔

اس کے برخلاف لڑکا کام کے لائق ہونے کے بعد ماں باپ کو اپنے اخراجات کے بوجھ سے آزاد کر دے گا۔ اپنی شادی کا بڑا بوجھ بھی خود ہی اٹھائے گا، بلکہ اپنی زندگی کے ایک طویل حصے میں ماں باپ کی پرورش اور ان کے نان نفقہ کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور اسی پر سماج کی گاڑی اعتدال و توازن کے ساتھ چل بھی سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی جو اپنے ماں باپ پر نہ کچھ خرچ کرتی ہے نہ خرچ کر سکتی ہے اور نہ خرچ کرنے کی ذمہ دار ہی ہے، اور وہ لڑکا جو اپنے ماں باپ کے خرچ کا ذمہ دار ہے اور تیس تیس، چالیس چالیس برس تک ان کا پورا پورا خرچ مسلسل برداشت بھی کرتا ہے۔ آخر ان دونوں کو ماں باپ کے ترکے سے برابر حصہ دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اسے انصاف قرار دینا یقیناً عقل کے دیوالیہ پن کی علامت ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ ہمارے ملک کے "دانشوروں" کو اسی میں ساری معقولیت اور انصاف نظر آ رہا ہے اور جو کچھ انصاف ہے وہ ان کی عینک سے ظلم دکھائی پڑتا ہے۔

ایک اور مثال لیجیے! معلوم ہے کہ شوہر پر بیوی کے نان نفقہ کی مکمل ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بچوں، والدین اور بعض اوقات خاندان کے دوسرے افراد کی کفالت کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس کے برعکس بیوی خود اپنے خرچے کی بھی ذمہ دار نہیں، چہ جائے کہ وہ بچوں، والدین یا کسی اور شخص کی کفالت کی ذمہ دار ہو۔ ایسی صورت میں یہ بات کیوں کر قرینِ انصاف ہو سکتی ہے کہ وہ مرد جو چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس تک بیوی (اور دوسروں کا بھی) خرچ برداشت کرتا ہے، اور وہ عورت جو شوہر پر ایک پائی اور پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کی ذمہ دار نہیں، بلکہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس تک شوہر سے خرچ لیتی رہتی ہے وہ دونوں، ایک دوسرے کی میراث سے بالکل برابر برابر حصہ پائیں، اور مرد کو عورت سے زیادہ نہ دیا جائے۔

یہاں اس پہلو پر بھی نظر رہنی چاہیے کہ شوہر بیوی کے علاوہ کم ازکم بچوں اور والدین کے نان نفقہ کا بھی ذمہ دار ہے، جبکہ عورت کسی کے خرچہ کی ذمہ دار نہیں، حتیٰ کہ اس پر اپنے بچوں کی پرورش کا بھی بار نہیں۔ پس اگر عورت کو بھی شوہر کے ترکے سے اتنا ہی دیا جائے، جتنا عورت کے ترکے سے شوہر کو ملتا ہے تو اس صورت میں یقیناً اس شخص کے

زیرکفالت دوسرے افراد کی حق تلفی ہو گی۔ جبکہ عورت کے مال سے شوہر کو زیادہ دیا جائے تو کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی
ہمارے اس تجزیہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون میراث کس قدر معقول، متوازن اور مبنی بر انصاف ہے، اور اس میں ہر معاملے کے تمام گوشوں کو کس قدر وسعت جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس جو قانون میراث ہمارے ملک میں سرکاری طور پر نافذ ہے اور جس کو مسلمانوں پر بھی نافذ کر کے مسلمان عورتوں کو "ظلم" سے بچانے اور "انصاف" دلانے کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے۔ اس کی معقولیت "اور "مبنی بر انصاف" ہونے کا حال یہ ہے کہ اس میں عورت کو سرے سے زرعی زمین کی وراثت کا حق ہی نہیں دیا گیا ہے۔ یعنی بطور مثال کسی شخص کے پاس ہزار دو ہزار ایکڑ زمین ہو اور اس کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو والد کی وفات کے بعد لڑکے کو ساری زمین مل جائیگی اور لڑکی کو ایک بالشت بھی نہ ملے گی۔ یہ حال تو سرکاری قانون میراث کا ہے۔ باقی رہی ہمارے ملک کی اکثریت تو عملاً اس میں ہزارہا برس سے رائج دینی قانون میراث یہ ہے کہ لڑکی کو کسی بھی قسم کے مال سے ایک پیسے کی وراثت نہیں مل سکتی۔ پس یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ جو لوگ اپنے دامن قانون پر ظلم و ناانصافی کے لیے ایسے مکروہ داغ سجائے بیٹھے ہیں، انھیں اپنے بجائے اسلامی شریعت میں "ظلم" نظر آرہا ہے، اور وہ اس "ظلم" سے مسلمان عورتوں کو بچانے کے لیے اسلامی شریعت کے خلاف مقدمے دائر کرانے اور اس کی سماعت کرنے اور اس پر پابندی لگانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کیا کہنے ہیں اس جذبۂ خیرخواہی و ہمدردی اور حوصلہ کشتنی و صیادی کے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جہاں تک پردے کے مضر صحت ہونے کا معاملہ ہے تو اس کے لیے ادارۂ صحت کی رپورٹیں کافی ہوں گی۔ ایک طرف یورپ کی بے پردہ عورتیں ہیں جنھیں مالیخولیا اور جنسی امراض خبیثہ کی بیماریوں نے اپنی یلغار میں اس طرح لے رکھا ہے کہ آج یورپ کے بدعملی کے اڈے اس کے خوف سے تھرا اور لرز رہے ہیں۔ دوسری طرف عالم اسلام کی باپردہ اور نیم پردہ خواتین ہیں جن کی بیماریوں کا سارا دائرہ نزلہ وزکام وغیرہ جیسی معمولی بیماریوں تک محدود ہے، اور وہ بھی بہت چھوٹے پیمانے پر۔
دور کیوں جائیے۔ اپنے ہی ملک کے کسی ایسے مقام کے ڈاکٹر سے رجوع کر لیجیے، جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی یکساں ہے، اس کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ بیماریاں کس طبقے میں زیادہ ہیں، اور پھر خبیث امراض کا تناسب کس طبقے میں کتنا ہے۔

آخر میں ہمیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ادھر کچھ عرصہ سے ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسلامی شریعت کو قدم بہ قدم لیمیٹ کرنے کی سازش کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، اسلام دشمنوں نے شاہ بانو مقدمہ کو سازش کے پہلے قدم کے طور پر طے کرنے کے بعد اب دوسرا قدم اٹھایا ہے، اور خود سامنے آنے کے بجائے مسلمانوں جیسے نام رکھنے والی اور مسلمان کہلانے والی خواتین کے کاندھے پر بندوق رکھی ہے۔ حالانکہ اس قسم کے لوگوں کے اسلام کی جو حقیقت ہے وہ اللہ کے اسی ارشاد سے واضح ہے۔ ومن لم یحکم بما انزل فاولئك هم الكافرون۔ جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ کافر ہیں۔ اور:

الم تر الى الذين يزعمون انهم آمنوا بما انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امروا ان يكفروا به، ويريد الشيطان ان يضلهم ضلالا بعيدا۔ (النساء: ۶۰)

ذرا انھیں دیکھو جو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اس پر ایمان لائے ہیں، چاہتے ہیں کہ طاغوت سے فیصلہ کرائیں، حالانکہ انھیں طاغوت کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بہت دور تک گمراہ کردے۔

اور اس کے آگے صاف صاف ارشاد فرمایا گیا۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔ (النساء: ۶۵)

بس نہیں، تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو اپنے اختلافات میں حکم اور جج مان لیں، پھر آپ جو فیصلہ کردیں، اس کے متعلق وہ اپنے جی میں بھی تنگی محسوس نہ کریں، اور بے چون وچرا تسلیم کرلیں۔

ان آیات سے ان خواتین اور ان کے ہمنوا مدعیان اسلام کے ایمان واسلام کی حقیقت بالکل واضح اور عیاں ہے اس لیے اگر انھیں اسلامی شریعت میں "تنگی" محسوس ہو رہی ہے تو ان پر کوئی زبردستی نہیں کہ وہ اس "تنگی" میں محبوس رہیں وہ کھل کر اس رستہ پر چلی جائیں جس پر وہ چلنا چاہتی ہیں۔ انھیں کوئی روکنے والا نہیں۔ لیکن انھیں اس کا حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ سارے مسلمانوں کی ٹھیکہ دار بن جائیں۔ اور اپنی اس کج اور تباہ کن راہ پر سب کو گھسیٹیں، یہ تو محض تنگ دلی شرارت اور فساد نفس ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ ...

مسلم پرسنل لا اور فیصلۂ سپریم کورٹ - ایک تجزیاتی مطالعہ

اسلم جاوداں ، دارالعیاث ، سبزی باغ پٹنہ ۴

نام نہاد مسلمان شاہ بانو کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے فیصلے نے مسلمانوں کے دینی جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے۔ شریعت میں مداخلت اور قرآن کی من مانی تفسیر سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت وقت کی نیت درست نہیں ہے۔ ہر دوراندیش ذہن اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے ملی تشخص کو ختم کرنے کے سلسلے میں حکومت کا پہلا قدم ہے۔ اس کے بعد بھی اگر گراں خواب مسلمان بیدار نہیں ہوئے، انھوں نے اپنے فرائض اور وقت کی پکار کو نہیں سمجھا تو پھر وہ ایک تباہ کن مستقبل کے لیے خود کو آمادہ کرلیں۔

دلچسپ بات تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی تائید میں چند ایسے لوگ کھڑے ہوگئے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ دراصل یہ حکومت کے نمک خوار اور دین بیزار حضرات ہیں۔ انھیں عورت کے نان نفقے کی نہیں اپنے نان نفقے کی فکر دامنگیر ہے۔ یہ نام نہاد مسلمان ہیں جنھیں دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور نہ ہی انھیں دین کا کچھ علم ہے۔ ان کی حیثیت اور ان کا مقصد وہی ہے جو آریہ سماجیوں جیسے مسلم دشمن لوگوں کا ہوتا ہے۔ اور اگر واقعی کچھ لوگ نیک نیت ہیں اور اجتہاد کی بات چھیڑ رہے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ انھوں نے اپنی رائے پر باریک بینی سے غور نہیں کیا ہے۔

اب آئیے ذرا مطلقہ عورت کے مسئلے میں شریعت اور سپریم کورٹ کے فیصلے کا تجزیاتی جائزہ لیں، اور ان لوگوں کی طفلانہ تائید کی حقیقت کو پرکھیں کہ ان میں کتنی اصلیت اور کتنا کھوکھلا پن ہے۔ میں طوالت کے

خوف سے غیر ضروری حوالوں سے گریز کروں گا۔

مطلقہ عورت کے سلسلے میں شریعت کے درج ذیل فیصلے ہیں۔

(۱) عدت کی مدت تک نان نفقہ دیا جائے۔

(۲) اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک نان نفقہ دیا جائے۔

(۳) اگر وہ بچے کو دودھ پلارہی ہو تو دو سال کی مدت تک اس کی کفالت کی جائے۔

یہ ہے شریعت کا واضح فیصلہ جس پر ابتدائے نبوت سے اب تک سارے مسلمان متفق الرائے ہیں، لیکن سپریم کورٹ نے مالک کل کے بنائے ہوئے اس قانون میں اپنے محدود اور ناقص ذہن سے کام لیتے ہوئے تبدیلی کردی ہے اور جو طے کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

" مطلقہ عورت کو اس کا سابق شوہر تاعمر نان نفقہ دے الا یہ کہ وہ عورت دوسری شادی کرلے "

بظاہر یہ فیصلہ بڑا ہی عورت نواز اور صحیح معلوم ہوتا ہے اور وہ ذہن جو کوتاہ بیں، غیر منصف اور سطحی ہے وہ بلاشبہ اس کی تائید کرے گا، لیکن نہیں ذرا ٹھہریے! اور تنقیدی نگاہوں سے انصاف کی روشنی میں اس کا جائزہ لیجیے!

شادی کیا ہے؟ شادی عورت اور مرد کے بیچ ایک عقد (باہمی عہد و گرہ بندی) ہے۔ جب تک یہ عقد برقرار رہے گا، عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔

طلاق کیا ہے؟ طلاق عقد کا ٹوٹ جانا ہے اور جب عقد ٹوٹ گیا تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد پر اب وہ ذمہ داری عائد کی جائے جو کہ عقد کی صورت میں عائد کی گئی تھی۔

ایک ہی دلیل ہاں شریعت مخالف حضرات کے پاس ایک گھسی پٹی دلیل ہے، جسے وہ اس فیصلے کا جواز بنانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ "مطلقہ عورت کا کیا ہوگا؟"

میری نظر میں اس دلیل کی حیثیت ریت کی دیوار سے زیادہ نہیں۔ ایسے لوگوں سے میرا ایک سوال ہے؟

اگر اس کا شوہر طلاق دینے کے بجائے مرجاتا تو پھر اس عورت کا کیا ہوتا؟

دوسری مثال یوں لیجیے کہ اگر کل حکومت وقت کسی مجرم کو پھانسی کے پھندے پر چڑھانے لگے تو کیا یہ حضرات مداخلت کریں گے اور کہیں گے کہ اس کی بیوی کا نان نفقہ مقرر کیا جائے، کیوں کہ اس کے بعد اس کی بیوی کا کیا ہوگا؟

اور کیا یہ دلیل اس کے چھٹکارے کا سبب بن سکتی ہے ؟ یقیناً نہیں .... اور جب شوہر کے مرنے اور پھانسی دیے جانے کے بعد عورت کی زندگی گزر سکتی ہے، اس کے نان نفقہ کا انتظام ہو سکتا ہے تو پھر مطلقہ عورت کے نان نفقہ کا انتظام کیوں نہیں ہو سکتا ؟ ؟ ؟

لہٰذا کسی بھی قیمت پر عقلی دلیل کی روشنی میں بھی مرد پر مطلقہ عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس مطلقہ عورت کا کیا ہو ؟

اس مطلقہ عورت کا کیا ہو ؟ جواب یہ ہے کہ اس کے گھر کے افراد، باپ، بھائی بیٹے وغیرہ اس کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے، کیوں کہ وہی اس کی وراثت سے بھی حقدار ہیں، اور ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کسی عورت کے گھرانے کا سرے سے کوئی فرد ہی موجود نہ ہو اور معلوم ہے کہ قانون اور فیصلوں کی بنیاد شاذونادر اور استثنائی صورتوں پر نہیں رکھی جا سکتی۔ پھر اسلام نے ایسے لوگوں کی مدد اور گزر اوقات کے لیے ایسے اخلاقی قوانین بنائے ہیں کہ دنیا اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی اور مسلمان خواہ کیسے بھی گئے گزرے ہوں ان معاملات میں دوسری قوموں سے بدرجہا بہتر ہیں اور اپنی ان اخلاقی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کسی سپریم کورٹ کی رہنمائی و دستگیری کے محتاج نہیں۔ ان کے چند اخلاقی قوانین کے نمونے یہ ہیں۔

(۱) رسولؐ نے فرمایا: بیواؤں اور مسکینوں کی پوری خبر لینے والا خدا کی راہ میں دوڑنے والے کی مانند ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۲) رسولؐ نے فرمایا کوئی بندہ ایماندار نہیں ہوتا، جب تک دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا جب تو شوربہ پکائے تو اس کا پانی بڑھادے اور اپنے پڑوسیوں کا بہت خیال رکھ۔ (مسلم)

(۴) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے سنا ہے کہ مومن ایسا نہیں ہوتا کہ خود تو پیٹ بھر کھاکر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا سوئے (مشکوٰۃ)

ان احادیث کے علاوہ قرآن حکیم نے بھی ایسے لوگوں کی کفالت کا انتظام اور صورت پیدا کی ہے۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۳ میں حکم ہے :
" والدین ، رشتہ داروں ، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔ "
سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۵ میں آیا ہے کہ : " جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو ، اس میں والدین ، رشتہ داروں یتیموں ، محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے ۔ "
سورہ روم آیت نمبر ۳۸ میں حکم ہے : " رشتہ داروں ، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو ۔ "
قرآن نے مسکینوں کو کھانا کھلانے کی زبردست تاکید کی ہے ۔ مسکین وہ ہے جو ضرورت مند ہو لیکن باہر نکل کر لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو ۔ سورہ ماعون میں ہے کہ :
" جو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا اس کا ٹھکانہ ویل (جہنم) ہے ۔ "
سورہ فجر آیت نمبر ۱۸ میں اس بات کی مذمت کی گئی ہے کہ : " اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے ۔ "
ان سورتوں کے علاوہ بھی متعدد جگہوں پر مسکین کو کھانا کھلانے کی تاکید کی گئی ہے ۔ سوچیے کہ اسلام کتنا زبردست اخلاقی نظام قائم کرنا چاہتا ہے ۔ اس کے بعد بھی کیا مطلقہ عورتوں کے نان نفقہ کی فکر کرنی پڑے گی ؟ کیا وہ کسی کی رشتہ دار نہیں ؟ کیا وہ پڑوسی نہیں ؟ کیا وہ مسکین نہیں ؟ کیا وہ مسلمان نہیں ؟ ..... کیا وہ صرف ایک بیوی ہے ؟
دراصل ہم سپریم کورٹ کے فیصلے کی حمایت کر کے اپنی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے ہیں اور ناجائز ڈھنگ سے ایک شخص پر زبردستی ایک ذمہ داری عائد کرنا چاہتے ہیں جو سراسر غیر اخلاقی اور غیر منصفانہ ہے ۔ پھر اگر ایسے لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری کسی پر ڈالنی ہی ہے تو اسٹیٹ پر ڈالنی چاہیے ۔ یہ کیسی بات ہے کہ اسٹیٹ اس سے پہلو تہی کر رہی ہے ۔
ان سب باتوں کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان کا یہ عقیدہ ہے
خدا رازق ہے : کہ خدا نے جب ہم کو پیدا کیا ہے تو وہی ہمارے رزق کا بھی انتظام کرے گا ۔ جس نے اردو کی پہلی بھی پڑھی ہوگی اس نے ضرور پڑھا ہوگا ۔ " خدا ہمارا خالق اور رازق ہے " اس لیے اس کے فیصلے کو بلا چون و چرا تسلیم کر لینا ایک مسلمان کا شیوہ اور فرض ہے ۔

لہٰذا یہ سوال کہ طلاق کے بعد عورت کہاں سے کھائے گی؟ بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے، کیوں کہ شوہر رازق نہیں بلکہ اللہ رازق ہے شوہر صرف ایک وسیلہ تھا اس کے بعد اللہ کوئی دوسرا وسیلہ پیدا کر دے گا۔

اس لیے میرے خیال سے یہ سوال ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے لیے جس کا اس بات پر ایمان ہے کہ خدا رازق ہے، مہمل اور طفلانہ ہے۔ ہاں! جن لوگوں کا اس پر ایمان وایقان نہیں وہ اپنا نام کچھ بھی رکھ لیں لیکن اپنے کو مسلمان کہہ کر خود کو اور دوسرے لوگوں کو دھوکہ نہ دیں۔

فاضل معترضین کی دلیل کو (مطلقہ عورت کہاں سے کھائیگی!) جو صرف ایک ہی ہے اور بے بنیاد و مہمل ثابت کی جا چکی ہے۔

نان نفقہ دینے کے برے نتائج

ایک طرف رکھیے، اور دوسری طرف ان دلائل کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیجیے کہ سابق شوہر پر مطلقہ عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد کرنا کہاں تک عقل مندی اور کہاں تک جہالت ہے۔؟

دلیل نمبر (۱) ایک عورت بدکار تھی، اس کی بدکاری کی وجہ سے اس کا شوہر سے طلاق دیتا ہے۔ اگر طلاق کے بعد مرد پر نان نفقہ کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے تو گویا پہلے عورت گھر میں رہ کر بدکاری کر رہی تھی، اب طلاق لینے کے بعد گھر سے باہر بدکاری کرے گی، اور مرد سے تنخواہ بھی لے گی اور مرد کی غیرت کو اسے گوارا کرنا پڑے گا۔ (سبحان اللہ)

دلیل نمبر (۲) مطلقہ عورت کا نان نفقہ ملنے کی صورت میں مرد سے ملنے کا سلسلہ رہے گا (اور دور جدید میں کچھ معیوب بھی نہیں ہو گا) یہ سلسلہ کبھی بھی حرام کاری یعنی زنا کا سبب بن سکتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ یہ سلسلہ مستقل ہو جائے۔ (جدید لوگ کے لیے یہ بات بھی کچھ معیوب نہ ہو گی بلکہ کھانے کپڑے کی طرح یہ بھی عورت کی ایک ضرورت سمجھی جائے گی۔)

دلیل نمبر (۳) طلاق بدترین صورت حال میں ہوتی ہے۔ جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی تو مرد کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے سے نان نفقہ دینا پڑے گا، اس لیے کیوں نہ اسے کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس مہنگائی اور خود غرضی کے دور میں یہ کچھ بعید نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی طرح جن کے یہاں طلاق کا دستور نہیں، مسلمان مرد بھی اپنی بیویوں کو زہر دے کر، اسٹوو سے جلا کر یا کسی دوسرے طریقے سے ختم کر کے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

عورتیں غور کریں کہ اس طرح ان کی زندگی محفوظ ہوئی یا مزید خطرے میں پڑگئی۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ طلاق بدترین صورت حال میں ہوتی ہے۔ اس لیے عورت کو مارنے میں مرد کو نہ رحم آئے گا نہ ہی اسے افسوس ہوگا۔ بلکہ اس کی انا کی تسکین ہوگی۔

دلیل نمبر (۴) جو شوہر انتہائی نیک اور خدا ترس ہوں گے اور ساتھ ہی تنگدست ہوں گے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ساری زندگی کڑھ کڑھ کر اپنی اس ناخواستہ بیوی کے ساتھ گزار دیں گے، جس سے ازدواجی زندگی تلخ سے تلخ تر ہو کر رہ جائے گی اور شادی کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

دلیل نمبر (۵) ایک شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے گا، بیوی نان نفقہ کا مطالبہ لے کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گی۔ عدالت شوہر سے طلاق کا سبب دریافت کرے گی، وہ کچھ بھی ہو غم و غصے کا مارا شوہر طلاق کا سبب اگر عورت کی بدکاری ہی بتائے تو عورت کے لیے دوسری شادی کیا ایک مسئلہ نہیں بن جائے گی؟

دلیل نمبر (۶) موجودہ دور میں لڑکیوں کی شادی جہیز کی لعنت کی وجہ سے ایک مسئلہ ہے۔ طلاق کے بعد نان نفقہ کی ادائیگی کی وجہ سے اور بھی مشکل ترین اور پیچیدہ ہو جائے گی۔ ہر لڑکا نہایت ہی چھان بین کر کے شادی کرنا چاہے گا۔ کیوں کہ عدم مطابقت کی صورت میں طلاق کے ذریعہ علاحدگی حاصل کی جاسکتی تھی مگر اب یہ راستہ پرخار ہو گیا ہے، لہٰذا لڑکیوں کی شادی جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہ ہوگی۔ اس کے سبب سماج میں کنواری بوڑھیاں، اور جنسی بے راہ روی عام ہو جائیں گی۔

دلیل نمبر (۷) مطلقہ عورت کی شادی بھی ایک مسئلہ بن جائے گی۔ ہر آدمی یہی سوچے گا، ایک کے ساتھ تو نبھ نہ سکی اور اسے نان نفقہ دینے کی سزا بھگتنی پڑ رہی ہے۔ خدانخواستہ میرے ساتھ بھی نہیں نبھ سکی تو مجھے بھی یہی سزا بھگتنی ہوگی۔ اس لیے مطلقہ عورتوں سے شادی کرنے سے گریز کیا جائے گا۔

دلیل نمبر (۸) عورت خودسر اور بے ادب ہو جائے گی۔ باہمی محبت کا فقدان ہو جائے گا، وہ اپنے شوہر کو اپنی زندگی کا محافظ سمجھنے کے بجائے ایک مجبور محض انسان سمجھے گی اور ہر جائز و ناجائز مطالبے کی تکمیل پر شوہر کو مجبور کرے گی۔ بصورت دیگر یہ کہہ اٹھے گی "اگر ہمت ہے تو طلاق دے کر دیکھو" نتیجہ یہ ہے کہ گھریلو زندگی کا چین و سکون غارت ہو جائے گا۔

دلیل نمبر (۹) لوگ شادی کرنے کے بجائے بغیر نکاح کی عورتیں رکھیں گے، جیسا کہ برطانیہ میں اس

طرح کے قانون کے نفاذ کے بعد پچاس فی صد مرد کرنے لگے ہیں۔ برٹرنڈ رسل نے لکھا ہے کہ میں نے تین شادیاں کیں عدم موافقت کی صورت میں طلاق دینی پڑی۔ اس کی سزا مجھے یہ بھگتنی پڑی کہ نان نفقہ دیتے دیتے میرا دیوالہ ہو گیا۔ (ان دلائل کے علاوہ بھی اور بہت سارے دلائل ہو سکتے ہیں جو کہ دوسروں کے ذہن میں آ سکتے ہیں)۔

اب ان تمام دلائل کو ایک طرف رکھیے اور مخالفین شریعت کی اکلوتی دلیل کو ایک طرف رکھیے اور دل پر ہاتھ رکھ کر خود فیصلہ کیجیے کہ مرد پر مطلقہ عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری عائد کرنا کہاں تک انصاف اور عقل مندی ہے اور شریعت کے فیصلے میں کیا رموز پوشیدہ ہیں۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ سپریم کورٹ نے بھی تو فیصلہ قرآن ہی کی روشنی میں دیا ہے، تو یہ غلط کس طرح ہے، اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ قرآن کی غلط تفسیر و تعبیر ہے۔ سپریم کورٹ نے جس آیت کو اپنے فیصلے کی بنیاد بنایا ہے وہ درج ذیل ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۔ (البقرہ آیت ۲۴۱)

ترجمہ: "اور مطلقہ عورتوں کو کچھ دے کر رخصت کرو یہی حق ہے، متقیوں پر" اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ (۱) یہ ایک اخلاقی حکم ہے، اس میں کہیں سے بھی لازمیت (Compulsion) نہیں جھلکتی ہے (۲) دوسرے اس میں تسلسل (Continuity) بھی نہیں ہے یعنی دینے کا سلسلہ مستقل نہیں۔ بلکہ ایک بار کچھ دے کر رخصت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

(۳) قرآن نے متاع دینے کو کہا ہے اور عربی میں متاع نان نفقہ کو نہیں کہتے، بلکہ وقتی فائدہ کی کسی چیز کو کہتے ہیں، مثلاً ایک جوڑا کپڑا، (۴) قرآن نے معروف طریقہ پر دینے کو کہا ہے، سپریم کورٹ کا فیصلہ غیر معروف طریقہ پر دینے کا ہے۔

پتہ نہیں عقل اور قرآن و حدیث کے دشمنوں نے "متاع" کا ترجمہ کس طرح نان نفقہ (Maintenance) کر دیا؟ جب حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کی خاص صورت حال میں بھی ایک معین مدت تک کفالت کرنے کا حکم دیا گیا تو ایک عام صورت حال میں یہ سلسلہ مستقل کیوں کر ہو سکتا ہے؟ دوسرے قرآن سے فیصلہ دیتے وقت پورے قرآن کو مد نظر رکھنا چاہیے نہ کہ ایک آیت کو لے کر بقیہ آیتوں کا انکار کر دیا جائے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے

(باقی ص ۵۰ پر)

حق ... اور قوت کا ٹکراؤ

(عربی سے ترجمہ) وحید الزمان ابوالخیر الاعظمی

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے دورِ حکومت میں کوفہ کے قاضی شریک بن عبداللہ کے پاس ایک عورت آئی اور فریادی ہوئی "یا قاضی! انا مظلومۃ، انا مظلومۃ" (اے قاضی میں مظلوم ہوں، میں ستم رسیدہ ہوں۔)"
قاضی نے دریافت کیا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ عورت نے جواب دیا، امیرالمومنین مہدی کے چچا امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے، یہ کہ کر عورت زار و قطار رونے لگی۔ اور اپنی آپ بیتی یوں بیان کی:

"مجھ کو اور میرے بھائیوں کو باپ کے ترکے سے دریائے فرات کے کنارے ایک باغ ملا تھا، میرے بھائیوں نے اپنا حصہ امیر کو فروخت کر دیا، امیر نے میرا حصہ بھی خریدنا چاہا اور مجھے بڑی رغبت دلانے کی کوشش کی کہ میں بھی اپنا حصہ اس کے ہاتھ بیچ دوں، مگر میں نے اس کی بات رد کر دی اور اپنا حصہ نہ بیچا۔ مزید یہ کیا کہ امیر اور اپنے حصے کے درمیان دیوار کھڑی کر دی تاکہ میرا حصہ محفوظ رہے اور امیر میرے حصے کی طرف تجاوز نہ کر سکے۔ دیوار تعمیر کرائے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ امیر نے اپنے خادموں اور نوکروں کو بھیج کر دیوار بنیاد سے اکھڑوا دی، دیوار کے ہٹ جانے سے اس کا اور میرا حصہ یوں خلط ملط ہو گیا کہ اپنے درختوں کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔"

قاضی شریک نے عورت کی فریاد سننے کے بعد اپنے منشی کو حکم دیا کہ امیر کو لکھو اور عورت کی شکایت سے اس کو آگاہ کرو اور لکھو کہ بذاتِ خود عدالت میں حاضر ہو۔ جب خط مکمل ہو گیا تو قاضی نے اسے پڑھ کر اپنی مہر ثبت کر دی اور ایک شخص کو یہ خط دے کر امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس بھیج دیا۔ امیر موسیٰ نے قاضی کا خط پڑھا تو غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے کوتوال کو حکم دیا کہ وہ جا کر قاضی سے کہہ دے کہ عورت کا دعویٰ غلط ہے اس نے جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ امیر کے پاس اس کا حق محفوظ ہے مگر وہ خود حاضر نہیں ہو گی۔ کوتوال نے

امیر سے درخواست کی کہ مجھے آپ معاف رکھیں، مجھے خوف ہے کہ قاضی مجھ پر برہم ہوں گے کیوں کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ حق کے معاملہ میں کتنے سخت گیر ہیں۔ مگر امیر نے کوتوال سے یہی کہا کہ وہ قاضی کے پاس جائے اور کوتوال کو مجبوراً قاضی کے پاس جانا پڑا۔

کوتوال کے بعض دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اب جیل جانے کی تیاری کرے اور قاضی کے پاس جانے سے پہلے تھوڑے سے کھانے اور ایک بستر کا انتظام کرلے۔ بہر حال کوتوال قاضی کے پاس پہنچا اور امیر کے مطابق بیان دیا کہ "عورت کا دعویٰ جھوٹا ہے، امیر کے اوپر اس کا کوئی حق نہیں"۔ قاضی نے امیر کا یہ پیغام کوتوال کی زبانی سنا تو حکم دیا کہ کوتوال کو قید کرلیا جائے۔ کوتوال نے کہا، مجھے میں جانتا تھا کہ آپ مجھے ضرور جیل میں ڈال دیں گے، اسی لیے میں کھانے پینے اور بچھانے کی ضروری چیزیں اپنے ساتھ لیکر آیا ہوں۔ جب کوتوال کو جیل میں ڈالے جانے کی خبر امیر کو پہنچی تو اس نے کہا کہ قاضی نے گویا اب مجھے چیلنج کیا ہے، کوتوال کو صرف اس لیے قید کیا گیا ہے تاکہ میں وہاں پہنچوں اور قاضی کے روبرو حاضری دوں میں اسے ہرگز گوارا نہیں کرسکتا۔ اس نے فوراً اپنے ایک درباری کو بلایا اور اس سے کہا کہ قاضی کے پاس جاکر کہے کہ آپ نے کوتوال کو بغیر کسی جرم کے بند کر رکھا ہے لہٰذا اسے بلا تاخیر رہا کیا جائے۔ قاضی نے ابھی درباری کی پوری بات بھی نہ سنی تھی کہ حکم دیا کہ اس کو بھی قید خانہ میں ڈالدیا جائے تاکہ اپنے ساتھی کے ساتھ رہے۔

جب امیر موسیٰ نے درباری کے قید میں ڈالے جانے کی خبر سنی تو بھڑک اٹھا اور سخت برہم ہوا۔ پھر ایک جماعت کو کوفہ کے زعما اور رؤساء کی خدمت میں روانہ کیا، اور قاضی کے سلوک اور رویہ کی ان سے شکایت کی اور کہلوایا کہ وہ اس سلسلے میں قاضی سے ملیں۔

یہ حضرات قاضی کے دربار میں پہنچے اور کہنے لگے کہ یا شریک، ہم آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ اپنے فیصلوں میں عدل و انصاف کو بروئے کار لاتے ہیں اور صاحب حق کو اس کا جائز حق دلواتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قاضی کا مقام بڑا ہی بلند و بالا ہوتا ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ امیر موسیٰ خلیفۂ وقت کے چچا ہیں اور آپ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ایک امیر کا معاملہ عام لوگوں کے معاملوں کی طرح طے کریں۔ قاضی شریک نے یہ باتیں سنیں اور کہا کہ ٹھیک ہے میں سمجھ گیا کہ آپ لوگ کس مقصد سے میرے پاس آئے

ہیں۔ اس کے بعد قاضی نے ملازموں کو حکم دیا کہ ان تمام لوگوں کو قید میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ان تمام لوگوں کو بھی قید میں ڈال دیا گیا۔

امیر کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ غیظ و غضب کے عالم میں اپنی ہتھیلی کو ایک دوسری پر مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ان تمام لوگوں کو جیل سے نکالنا ضروری ہے، جن کو قاضی نے بغیر کسی جرم و گناہ کے بند کر رکھا ہے جب رات ہوئی تو امیر موسیٰ اپنے کچھ مصاحبوں اور ملازموں کو ساتھ لے کر جیل خانہ پہنچا اور دروازہ توڑ کر تمام قیدیوں کو باہر نکال لیا۔ رات کے اس واقعہ کی خبر صبح کو جب قاضی کے علم میں آئی تو انھوں نے فوراً تمام کاغذات اکٹھا کیے، ان کو باندھ کر مہر بند کیا، اس کے بعد اپنے گھر پہنچے، سواری تیار کی اور خلیفہ کے دربار بغداد پہنچے، تاکہ کوفہ کے منصب قضا سے خلیفہ کے سامنے اپنی سبکدوشی کا اعلان کردیں۔ جب خلیفہ کے دربار میں قاضی کے پہنچنے کی خبر امیر موسیٰ کو ملی تو اس نے دل ہی دل میں کہا، آہ واللہ انھا مصیبۃٌ، آہ! خدا کی قسم یہ تو بڑی مصیبت ہے جو میرے سر آئے گی، کیوں کہ شریک بن عبد اللہ دربار خلافت میں پہنچے ہوئے ہیں، خلیفہ مجھے کوفہ کی امارت سے معزول کر سکتے ہیں، مگر شریک کو منصب قضا سے ہرگز معزول نہ کریں گے کیوں کہ وہ بھی شریک کے بے نظیر علم و فضل اور عدل و انصاف کے معترف ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ خلیفہ اس سلسلے میں مجھ پر برہم ہوں۔

امیر موسیٰ فوراً قاضی کے پاس پہنچا اور بولا، یا ابا عبد اللہ! میں تو صرف اس لیے آپ سے غصہ ہوا ہوں کہ آپ نے میرے پیغام رساں کوتوال، درباری اور کوفہ کی اہم شخصیتوں کو بغیر کسی جرم کے قید کر لیا تھا، اور اسی لیے میں نے جیل کا دروازہ توڑ کر ان لوگوں کو رہا کرالیا۔

قاضی شریک نے فرمایا کہ میں نے محض اس وجہ سے انھیں قید کیا تھا کہ انھوں نے عدالت ہی کو معطل کرنا چاہا تھا، جبکہ ان حضرات کو چاہیے تھا کہ وہ تم کو حق بات کی رہنمائی اور تلقین کرتے ... کہ تم عدالت میں حاضر ہو کر عورت کے روبرو اپنے آپ کو پیش کرو اور اس کا حق اس کو واپس لوٹا دو۔

امیر موسیٰ نے کہا میں آپ سے متفق ہوں، آپ عدالت تشریف لے چلیں، میں آپ کے سامنے پیش ہوں گا۔ بس اب آپ کوفہ کی تیاری کریں۔ قاضی شریک نے فرمایا کہ ہرگز نہیں تا وقتیکہ ان تمام لوگوں کو قید خانہ میں نہ ڈال دیا جائے اور اس جگہ سے میں اس وقت تک ہل نہیں سکتا جب تک کہ جیلر میرے پاس آکر یہ اطلاع نہ دے کہ تمام لوگوں کو قید کر لیا گیا ہے۔

(باقی ص ۲۴ پر)

کنکریوں والی تسبیح

چلے گشت اور چھ باتوں والا ذکر و فکر

عبد القہار کھاروی مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی (ایم پی)

کچھ لوگ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ڈیوڑھی پر فجر سے قبل آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب عبد اللہ گھر سے نکلتے تو سب ایک ساتھ مسجد جاتے اور آپ کی قیادت میں نماز ادا کرتے، ایک دن عادت کے مطابق فجر سے قبل لوگ حضرت عبد اللہ کے گھر پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ ابو موسیٰ اشعری آئے اور پوچھا۔ کیا ابو عبد الرحمٰن (عبد اللہ بن مسعود) ابھی گھر سے باہر نہیں نکلے؟ لوگوں نے کہا نہیں، کچھ دیر بعد عبد اللہ بن مسعود گھر سے نکلے اور لوگوں کے ہمراہ مسجد کی طرف چل پڑے۔ ابو موسیٰ نے عبد اللہ بن مسعود کو راستہ ہی میں بتایا کہ ابھی ابھی میں نے مسجد میں ذکر و فکر تسبیح و تہلیل کا ایک طریقہ دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جدا جدا حلقے اور ٹولیاں بنا کر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور ہر حلقے میں ایک آدمی کنکریاں لیے ہوئے ...... کہتا ہے "سو مرتبہ اللہ اکبر کہو" سب لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے "سو بار لا الٰہ الا اللہ کہو" سب لوگ سو بار کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "سو بار سبحان اللہ کہو" لوگ سو بار سبحان اللہ کہتے ہیں، اور ان کنکریوں پر شمار کرتے جاتے ہیں۔

غرض عبد اللہ بن مسعود اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے، لوگوں کو اس طرح کرتے ہوئے پایا۔ عبد اللہ بن مسعود نے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر ان کے اس عمل کی تردید پر ایک بلیغ خطاب فرمایا:

اے محمد کے امتیو! تم برباد ہو۔ تمھاری بربادی کتنی جلدی آگئی، ابھی تمھارے نبی کے اکثر ساتھی

جود ہیں۔ نبیؐ کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے، برتن ٹوٹے نہیں مگر تم ابھی سے بدعتیں ایجاد کرنے لگے۔ قسم اللہ کی
کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم ایسا طریقہ اپنائے ہوئے ہو جو نبیؐ کے دین سے زیادہ اچھا اور بہتر ہے
ر تم سراسر گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے ہو، وہ بدعتوں کا دروازہ جو کھلنے والا ہے۔"
کنکریوں پر تسبیح شمار کرنے والوں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن! قسم اللہ کی ہم اس طریقے سے نیکی ہی کا ارادہ
تے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا۔ بہت سی نیکی کرنے والے ایسے بھی ہیں کہ انھیں اجر نہیں ملتا۔
(الی آخر الحدیث دارمی اور طبرانی)

(۱) عبادت یعنی ذکر و اذکار اور تسبیح و تہلیل میں اصحاب رسول جب کسی بھی کمی یا زیادتی کو دیکھتے تھے تو فوراً
اُس کی تردید سختی سے کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے کسی بھی عمل کو دیکھے تو فوراً
ی تردید کرے۔
(۲) خود وضع اور خودساختہ ذکر و اذکار کی شکلیں گرچہ نیک نیتی سے ادا کی جائیں لیکن وہ مردود ہیں اور ان کا
بدعت میں ہوتا ہے۔ کنکریوں پر تسبیح کا شمار بہ نیت تقرب الی اللہ تھا، مگر مردود عمل ٹھہرا۔

پچھلے چند سالوں سے حالات کے دباؤ کے تحت کچھ نئی جماعتیں اپنے اپنے افکار و نظریات کی بنا پر وجود میں آئیں
میں سے چودہ سو سالہ تاریخ اسلام میں اپنے ڈھنگ کی ایک نئی جماعت بھی ہے جو ایک نیا طرز فکر، ایک
نماز تسبیح و تہلیل اور ایک نرالا طریقہ ذکر و فکر لیے تبلیغ و ارشاد کا خود وضع اور راہبانہ انداز رکھتی ہے۔ اس
لی اور قومی کیفیت کچھ اس طرح سے ہے، اس جماعت کے معاون افراد بستر بوریا سمیٹ کر گھر سے نکلتے اور
جد کی طرف چل پڑتے ہیں۔ مسجد پہنچ کر کچھ نفل نمازوں میں مشغول ہو جاتے ہیں، کچھ حلقہ بنا کر بیٹھے تبلیغی نصاب[۵]
کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اسی طرح کے اعمال صبح سے عصر تک انجام دیے جاتے ہیں۔ بعد نماز عصر جماعت
سے ایک آدمی کھڑا ہو کر کچھ دیر خطاب کرتا ہے، اور لوگوں کو گشت میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔ وقت
زرہ پھر یہ ٹولی راہبر امیر اور متکلم، کے ساتھ مسجد کے صحن سے نکل کر باہر اجتماعی شکل میں کچھ دیر اپنے
تی مزاج کے مطابق دعا کرتی ہے۔ بعد دعا گھر گھر پہنچتی ہے اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دیتے ہوئے،
ب کی نماز کیلیے مسجد پہنچ جاتی ہے۔ بعد نماز مغرب اعلان کے ساتھ پروگرام شروع ہوتا ہے، ایک دو آدمی

---

(۵) اس کتاب میں بیشتر موضوع، ضعیف روایات ہیں اور کچھ بزرگان دین کے کرشماتی افسانے بھی موجود ہیں۔

خطاب کرتے ہیں، ان کا خطاب صرف اور صرف ان کی خود ساختہ چھ باتوں پر موقوف رہتا ہے۔ آگے نہ پیچھے دائیں نہ بائیں نیز خطاب میں بھی قرآن وحدیث برائے نام زیادہ سے زیادہ کرشمائے بزرگان دین ہوا کرتے ہیں، اسی تقریری پروگرام کے اختتام پر سامعین سے تین دن چالیس دن چار مہینے جماعت میں لگانے کے لیے کہا جاتا ہے، اس کے بعد اسی طرح کچھ مخصوص اعمال کھانے سے فراغت پر اور بعد نماز عشاء انجام پذیر ہوتے ہیں۔ ان حضرات کی حرکات وسکنات طرز تبلیغ لوگوں کے سامنے عیاں ہے۔ یہاں ان کی مختصر سی باتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) تبلیغ اور ذکر و فکر تسبیح و تہلیل کا وہ ڈھانچہ اور شکل جسے یہ جماعت ادا کرتی ہے، سنت رسولؐ سے ثابت نہیں، رسول اللہؐ نے اس جماعت کے مثل اعمال کا مطلعہ ہرگز نہیں بنایا اور نہ ہی ماضی کے چودہ سو سال دور میں اس کا کوئی ثبوت ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی اصل۔

(۲) یہ خود وضع، خود ساختہ اور خود ترتیب دیا ہوا عمل امت کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ کنکریوں پر تسبیحات کا شمار کرنا۔

(۳) کنکریوں پر تسبیح بہ نیت تقرب الی اللہ شمار کی جارہی تھیں، اسی طرح چلے گشت اور چھ باتوں والا ذکر و فکر بہ نیت تقرب الی اللہ انجام دیا جارہا ہے۔ نہ صرف خود بلکہ ساری امت مسلمہ کو اس کے اپنانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تین مسلمان تشریف لائے اور نبیؐ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ انھیں نبی کی عبادت بہت تھوڑی معلوم ہوئی تو ان لوگوں نے کہا، اللہ کے رسول سے ہمارا کیا مقابلہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا، میں رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا میں پے در پے روزے رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے دور رہوں گا اور شادی نہیں کروں گا۔

پھر رسول اللہ تشریف لائے، فرمایا کیا تم ہی لوگ ہو کہ تم نے ایسا اور ویسا کہا ہے۔ اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر، واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ آگاہ ہو جاؤ! قسم اللہ کی میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں لیکن میں روزہ

رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے جو اس طریقہ سے روگردانی کرے گا، وہ مجھ میں سے نہیں۔

(۱) روزے اور نماز میں زیادتی اور عورتوں کے حقوق میں کمی کرنا، اللہ کے تقرب کی خاطر ایسا عمل سراسر سنتِ نبوی سے اعراض وانحراف ہے۔

قرآن میں ابتغاء رضوان اللہ کی خاطر دین میں زیادتی کو اللہ تعالیٰ نے ابتداع کہا۔

فرمانِ قرآن ورهبانية ابتدعوها ما كتبنٰها عليهم الا ابتغاء رضوان الله - (حدید: ۲۷)

یہ اجتماعی عمل یہود و نصاریٰ نے اپنی مرضی سے ابتغاء رضوان اللہ ہی کی خاطر کیا تھا، جو اللہ کے نزدیک سراسر گمراہی اور ضلالت پر مبنی تھا۔

یہود و نصاریٰ کو ایسے اعمال کے اختیار کرنے پر اللہ نے انہیں معتدین۔ (اعراف ۵۵) یعنی سرکش کہا۔

دین میں، عبادات میں ذکر اور اذکار اور تسبیح و تہلیل میں ایسا اضافہ کرنے کو احداث سے

فرمانِ رسالت: تعبیر کیا گیا ہے۔ من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاری و مسلم)

(دین میں جو اضافہ کیا جائے، وہ مردود ہے۔) ...... لوگوں کے بنائے ہوئے طریقے، ان کے افکار و نظریات کو دینی مقام یا سنتِ نبوی کے قائم مقام بنائے جانے والے دور کے متعلق اللہ کے نبی کی واضح علامتیں پیشین گوئی کے طور پر بتائی ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا: كنا في جاهلية وشر فجاءنا الله بهذا الخير فهل بعد هذا الخير من شر - ہم جاہلیت کے اندھیرے میں پھنسے ہوئے تھے، اللہ نے ہم کو اسلام کی روشنی دکھائی، پھر کیا اس خیر کے بعد بھی فتنے اور فساد ہوں گے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، ہاں اس کے بعد بھی ایک زمانہ آئے گا "فيه دخن" اس میں حادث اور اضافے ہوں گے۔ پوچھا کیسے؟ فرمایا قوم يستنون بغير سنتي ويهتدون بغير هديي تعرف منهم وتنكر لوگ دوسروں کے طور طریقوں کو سنت کا مقام دے دیں گے، میری ہدایت سے ہٹ کر دوسروں کے طریقہ کو ہدایت سمجھ کر اپنائیں گے یعنی وہ سنت نہ ہوگی اسے سنت بنا لیں گے، ہدایت نہ ہوگی اسے ہدایت سمجھ کر اپنا لیں گے، پھر بھی کچھ باتیں ان میں اچھی ہوں گی اور کچھ منکر یعنی بدعات، خرافات اور حذف و اضافے ہوں گے۔ اس کے بعد نبیؐ نے فرمایا: فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت۔ میری ہدایت پر

قائم رہنا اور ان تمام بنا دینا۔ اور متفرق گروہوں سے الگ تھلگ رہنا گرچہ اس نیک عمل کی پاداش میں تمہیں درخت کی جڑ چبا کر زندگی بسر کرنی پڑے۔ (راغر بد الشیخان)

اس جماعت کے اصولوں میں ایمان ہے، اللہ کا اقرار ہے، نبیؐ کی نبوت پر ایمان ہے، نماز ہے، روزہ ہے ذکر و فکر ہے تسبیح و تہلیل ہے اور دیگر بھلائیاں ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ذیلی مسائل میں خود ساختہ طریقے ہیں، چلے اور گشت ہیں، کچھ باتیں ہیں اور بدعات بھی ہیں گویا بھلائی بھی ہے اور برائی بھی ہے۔ (تعرف فہیم و فکر)

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں نبیؐ کے انتقال کے بعد پیدا ہونے والے فتنوں کی تعداد تقریباً تیس بتائی ہے، ان فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ یہ بتایا ہے کہ ماثورہ سنتوں میں ذکر و اذکار، تسبیح و تہلیل نیز عبادات تبلیغ و نصائح میں لوگوں نے بزعم ابتغائے رضوان اللہ اور برائے تقرب الی اللہ اختراع اور اضافہ کیا ہے جائز مسائل کو واجب، مستحبات کو لازم قرار دے لیا ہے یہ تمام اعمال ان میں کچھ تو عملاً واجب بن گئے ہیں اور کچھ اعتقاداً اور عملاً دونوں سطح پر رائج ہیں۔

اس طرح کے جملہ اضافے درحقیقت بدعت ہیں اور بحکم (کل بدعۃ ضلالۃ) گمراہی پر مبنی ہیں۔ اللہ کے نبیؐ نے اس طرح کی اختراعات اور ان پر عمل کرنے والوں کے حق میں لعنت بھیجی ہے: من احدث فیھا حدثا او آوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ جو کوئی بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ، فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

حشر میں جب لوگ حوض کوثر پر بھیڑ لگائے ہوئے ہوں گے اور کچھ لوگوں کو روک دیا جائے گا اور نبیؐ کو معلوم ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے بعد دین میں اختراع اضافے اور بدعتیں پیدا کی تھیں تو اللہ کے نبیؐ فرمائیں گے سحقاً سحقاً لمن غیر بعدی، (دوری ہو، دوری ہو اس شخص کے لیے جس نے میرے بعد دین میں تغیر و تبدل کیا ہے۔

تبلیغ دینی فرض ہے۔ تبلیغ (بلغ ما انزل الیک) تواصی بالحق (وتواصوا بالحق) شہادت علی الناس (لتکونوا شہداء علی الناس) امت دعوت (امۃ یدعون الی الخیر) خیر امت (کنتم خیر امۃ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر) یہ تمام مطلوبہ آیات ایک ہی نکتہ دعوت الی اللہ کی ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتی ہیں، اس ذمہ داری کو کما حقہ

الفاظ میں دعوت وتبلیغ الی اللہ کہا جاتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کرنا گویا دین کی اہم ترین ذمہ داری کو ادا کرنا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے بغیر نہ تو اسلام زندہ رہ سکتا ہے نہ مسلمان گویا یہ اسلام اور مسلمانوں کے وجود وبقا کی ایک بہت بڑی علامت، نشانی اور ذریعہ ہے، اس کے بغیر اسلام اور مسلمان مردہ ہے۔ قرآن اور احادیث میں آثار صحابہ اور ائمہ مجتہدین اور تاریخ اسلام میں اس دیرینہ اصول یعنی دعوت وتبلیغ کے بارے میں مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہے کہ تبلیغی جماعت کی طرح وہ محدود اور خود وضع نہیں۔ اعتقاداً نہیں، اتفاقی طور پر آدمی تین یا چالیس دن (ایک چلہ) یا چار مہینہ لگا دے یا اتفاقی طور پر آدمی گشت لگائے یا مسجد میں قیام کرے مسجد سے باہر نکل کر ٹولی کی شکل میں دعا کرلے سات یا چھ چار اسلامی کی باتوں پر تقریر کرے تو یہ بہر صورت جائز عمل ہے، لیکن اگر انہیں چند شکلوں کو محدود کرے اور اپنے اوپر جماعتی دباؤ کے تحت لازم کرلے نیز انہیں محدود دائرے کے تحت لوگوں کو اپنانے کی تلقین کرے اور اسے عالم اسلام میں عام کرنے کی جدوجہد کرے اور انہی بنیادوں پر جماعت سازی کرے دیگر مسلمانوں سے عملاً جدا ہو جائے اور تبلیغی نصاب جیسی ناقص کتاب کو جماعت کے لیے لازم ٹھہرالے، قرآن سے کہیں زیادہ اس کی تلاوت کرے تو گویا یہ دین کے اندر ایک دخل اندازی کے مترادف ہے جو سراسر غیر دینی عمل ہے —— یہ دعوت الی اللہ نہیں بلکہ شخصی افکار ونظریات کی دعوت ہے یا مصنوعی اور خود ساختہ جماعت کی دعوت ہے۔ اس قسم کی دعوتیں دعوت الی اللہ کے ساتھ دعوت غیر اور دعوت جماعت ہو جاتی ہیں اور اسلام کے ساتھ غیر اسلام دینی مقام حاصل کرلیتا ہے، نیز یہی چیز تفرقہ ملت کا سبب بن جاتی ہے۔

تفرقہ ملت کی مثال موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے انتقال کے بعد توریت اور انجیل کا اصل الہامی متن جو منزل من اللہ تھا، جس کی تشریحات اس وقت کے علماء نے مبلغانہ انداز میں کی تھیں جیسے ہم اپنی زبان میں دعوت وتبلیغ کہہ سکتے ہیں ا قربانی کے مسائل تقویٰ وطہارت مسیحی روحانیت باپ اور بیٹے کا تعلق نیز کفارہ وغیرہ کی تفصیلات ان کے آداب اور طریقے بیان کیے تھے قربانی کے ظاہری قیاسی اور اجتہادی مسائل جو منزل من اللہ تھے لیکن بعد میں یہ رفتہ رفتہ اہم اور مقدم ہو گئے اور ایک دن ایسا آیا کہ اصل متن ... دیا گیا۔ باپ اور بیٹے کی تعبیر ایک مبلغانہ تعبیر تھی، درحقیقت وہ ... باپ اور بیٹے کی طرح کا مسئلہ نہ تھا، لیکن یہی چیز باپ اور بیٹے کا مسئلہ بن گئی، اس تشریح کو یہاں تک

تقدس حاصل ہوا کہ انجیل میں شامل کر دیا گیا، حتی کہ قربانی، تثلیث، کفارہ اور رہبانیت دین کی اصل اور عبادات میں شمار کیے جانے لگے جو حقیقتاً منزل من اللہ نہ تھے، ان مسائل کی ہاہمی، بھیڑ بھاڑ میں اصل دین غائب ہو گیا۔ منزل من اللہ میں کیے گئے اضافے کو اپنا کر اللہ نے کہا: اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ۔ ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنالیا ہے۔

کنکریوں والی تسبیحات کے مثل چلے، گشت مخصوص ذکر و فکر و عار تسبیح و تہلیل اور خود وضع کردہ چھ باتیں اور تبلیغی نصاب کی مسلسل تلاوت اور انجیل جیسے دیگر مصنوعی طور طریقوں کا رواج پانا اور رواج دینا نیز انھی کی بنیاد پر جماعت سازی کرنا اللہ کے علاوہ احبار و رہبان کے رب بنالینے اور ملت میں تفرقہ برپا کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

تجدید دین کی متعین راہ

انسانی معاشرے میں دین کا جو پہلو کمزور ہو جائے، یا اس پر گرد و غبار پڑ جائے اس پہلو کو اجاگر کرنا اور اس پر سے گرد و غبار ہٹا دینا اور معاشرے کو اس سے مربوط کرنا یہی تجدید دین ہے۔ تجدید دین یہ نہیں ہے کہ کمزور پہلو کی خود ساختہ تعبیر کی جائے اور اسے وقتی خود وضع شکلوں میں محدود کر کے معاشرے سے منوایا جائے۔

محمدؐ سے قبل انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ دین کی اصلاح اور تجدید ہوتی تھی وہ بھی وحی الٰہی کی نگرانی میں تو ان کا امت بن جانا اور علیحدہ جماعت ہو جانا درست تھا، لیکن تکمیل دین اور اس کی اجتماعی اور انفرادی شکل متعین ہو جانے کے بعد اب کسی بھی صورت میں علیحدہ تنظیم و جماعت گروہ اور حتی کہ نیز علیحدہ خود ساختہ اور خود وضع شکلوں سے انسانی معاشرے کو مربوط کرنا سوائے تفرقہ فی الدین اور یہود و نصاریٰ کی سنت کے اور کچھ بھی نہیں۔

ایک متعین سوال

سوال یہ ہے کہ جس طرح مولانا الیاس مرحوم اور ان کے متعلقین نے اپنی سمجھ اور اپنی رائے اور قیاس کی بنیاد پر جماعت سازی کی ہے، کیا یہ حق انھیں لوگوں کا تھا؟ یا دیگر علماء کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ اگر شریعت میں اس کی اجازت ہوتی تو صحابہ رسولؐ سے لے کر آج تک جتنے بھی علماء گزرے ہیں وہ سب بھی اپنی فکر اور اپنی حکمت و دانائی سے علیحدہ علیحدہ جماعت بنالیتے پھر کیا ہوتا اس معمولی بات کو ہر ایک بھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

ساتھ ہی صرف دعوت و تبلیغ ہی کی کیا بات ہے، شریعت کے اور دیگر مسائل میں ہر ایک کی ایک علیحدہ جماعت بنائی جاتی، تفسیری جماعت ، الگ ہوتی، فقہی جماعت الگ ہوتی، عقائد والی جماعت الگ ہوتی ۔ فرضیات کی جماعت علیحدہ ہوتی، ایمان بالرسل کی جماعت الگ ہوتی، ایمان بالملائکہ کی جماعت الگ ہوتی۔ ایمان بالآخرۃ والی جماعت الگ ہوتی، شریعت کے سیاسی مسائل کی جماعت الگ ہوتی، معاشی مسائل کی جماعت الگ ہوتی، نمازی گروپ الگ ہوتا، روزے کا، حج کا، زکوٰۃ کا گروپ علیحدہ علیحدہ ہوتا۔

تاریخ میں ایسی غلطیاں ہوئی ہیں لیکن یہ سب بھی اسی ضلالت خانے کی پیداوار ہیں ۔

شیعہ حضرات نے مسئلہ اہلبیت کھڑا کیا اور درجہ بدرجہ وہ ایک مستقل جتھا اور گروہ بن گیا۔ مقلدین حضرات نے فقہی مسائل کو لے کر علیحدہ جماعت بنائی، روحانیت کو لے کر ابن عربی اور دیگر صوفیا نے باطنی ٹولی بنالی، موجودہ دور میں جماعت اسلامی نے سیاسی و معاشی مسائل کی بنیاد پر علیحدہ تنظیم جماعت کرلی، اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ کیا ان سب مختلف گروہوں کا کوئی دینی مقام ہے؟ کیا ایسا کرنے کی شرعی گنجائش ہے ۔ ؟

بقیہ ص ۱۰ کا

اس کے بعد امیر موسیٰ اور قاضی شریک دونوں کوفہ آئے، جب دربار عام لگا تو قاضی نے عورت کو پکارا وہ عدالت میں حاضر ہوئی اور امیر کے مقابل بیٹھ گئی۔ گورنر موسیٰ نے قاضی سے عرض کیا کہ اب تو میں آپ کے روبرو ہوں لہٰذا تمام قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔ قاضی نے کہا ہاں ضرور اس وقت میں ان لوگوں کو نکال سکتا ہوں۔

اس کے بعد عورت نے اپنا مقدمہ پیش کیا، قاضی نے امیر موسیٰ سے کہا کہ تمھارے پاس اس کے دفاع کی کیا صورت ہے، امیر نے کہا کہ میں اس کا حق اس کو واپس لوٹا دیتا ہوں اور اس کے باغ کی دیوار از سر نو تعمیر کرادیتا ہوں ۔ یہ سنتے ہی حاضرین کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہونے لگا جس وقت قاضی شریک اپنی جگہ سے اٹھے، گورنر موسیٰ اسی جگہ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ "یا ابا عبداللہ کنت من قبل امام العدالة واما الآن فانت لی مکان الامارة"، "اے امیر تھوڑی دیر پہلے تو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا تھا، مگر اب تو امیر ہی کے درجہ پر فائز ہو چکا ہے"۔

تاریخ کا یہ انوکھا واقعہ اسلامی عدالت اور مسلمان قاضیوں کی عظمت کا مسلم ثبوت اور واضح دلیل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ طاقت و قوت کے مقابلہ میں حق کی ہمیشہ جیت اور فتح ہوئی ہے۔

قسط نمبر (۱)

مُصافحہ مُلاقات
کی شرعی حیثیت و کیفیت

جہاں تک مجھے معلوم ہے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مسنون ثابت کرنے کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ان میں سب سے پہلا اور مدلل فتویٰ وہی ہے جو علامہ عبدالحیٔ لکھنوی ؒ نے "مجموعہ فتاویٰ" میں تحریر فرمایا ہے اور یہی فتویٰ اصل ماخذ ہے ان تمام لوگوں کا جنہوں نے بعد میں اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔

اس لیے ذیل میں ہم عام مسلمانوں کی واقفیت کی خاطر حضرت علامہ مرحوم کے فتویٰ کو مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ سے متن وعن نقل کرکے مالہ وما علیہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور آخر میں بطور تکملہ ان دلائل کا بھی جائزہ لیں گے جو دوسرے اہل علم نے عقلی یا نقلی کے نام سے پیش کیے ہیں۔ وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

(شکر اللّٰہ نعمانی اعظمی ابراہیم پوری)

قبل اس کے کہ ہم مصافحہ کی مسنون ہیئت و کیفیت کا ذکر کریں، مصافحہ کا معنیٰ اور اس کی شرعی حیثیت کی تفصیل ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ کیفیت مسنونہ کے افہام و تفہیم میں آسانی ہو۔

مصافحہ کا معنیٰ: لفظ "مصافحہ" باب مفاعلۃ کا مصدر اور لفظ "صفح" سے مشتق ہے، اس کا

معنیٰ ہے "ہاتھ ملانا"۔ چنانچہ "مصباح اللغات اور "المنجد اردو" میں ہے۔

"صافح۔ یصافح۔ مصافحہ، ہاتھ ملانا

اور علامہ جوہری "الصحاح" میں تحریر کرتے ہیں۔ صفح الشئ ناحیتہ وصفحۃ کل شئ جانبہ، والمصافحۃ الاخذ بالید۔ اور علامہ فیروزآبادی "القاموس" میں لکھتے ہیں۔ الصفح الجانب والمصافحۃ الاخذ بالید کالتصافح اور الفیومی اپنی کتاب "المصباح المنیر" میں لکھتے ہیں "صافحتہ مصافحۃ، افضیت بیدی الی یدہ۔ اور "مختار الصحاح" میں ہے۔ المصافحۃ والتصافح الاخذ بالید۔ اور "صراح" میں ہے۔ مصافحہ وتصافح دست یک دگر را گرفتن۔ اور القاموس کی شرح "تاج العروس" میں ہے۔ المصافحۃ الاخذ بالید کالتصافح۔ والرجل یصافح الرجل اذا وضع صفح کفہ فی صفح کفہ وصفحا کفیہما وجہا ہما ومنہ حدیث المصافحۃ عند اللقاء وہی مفاعلۃ من الصاق صفح الکف بالکف واقبال الوجہ علی الوجہ۔ اور علامہ ابن اثیر النہایہ میں لکھتے ہیں: ومنہ حدیث المصافحۃ عند اللقاء وہی مفاعلۃ من الصاق صفح الکف بالکف واقبال الوجہ علی الوجہ۔ اور شیخ محمد طاہر پٹنی "مجمع البحار" میں لکھتے ہیں: ومنہ حدیث المصافحۃ عند اللقاء وہی مفاعلۃ من الصاق صفح الکف بالکف واقبال الوجہ علی الوجہ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں: وہی مفاعلۃ من الصفحۃ والمراد بہا ہہنا الافضاء بصفحۃ الید الی الید۔ اور علامہ الزرقانی تحریر فرماتے ہیں، مفاعلۃ من الصفح ہی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید۔ اور ملا علی قاری (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) میں ارقام فرماتے ہیں۔ المصافحۃ ہی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید۔ اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ وہی المفاعلۃ من صفح الکف بالکف واقبال الوجہ بالوجہ وقال الکرمانی المصافحۃ الاخذ بالید وہو مما یوکد المحبۃ اھ حاشیہ بخاری ص۹۲۶ ج۲

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ لغۃً اور شرعاً دونوں اعتبار سے "مصافحہ" کا معنیٰ ہے "ہاتھ کی ہتھیلی کے باطن کو ہاتھ کی ہتھیلی کے باطن سے ملانا اور چہرہ کو چہرہ کے سامنے کرنا۔"

مصافحہ کی شرعی حیثیت: لفظ مصافحہ کی اس تشریح کے بعد قارئین حضرات ملاحظہ فرمائیں، مصافحہ کی شرعی حیثیت، احادیث صحیحہ کی روشنی میں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اپنی "الجامع الصحیح" میں قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت انس

بن مالک سے دریافت کیا:

اکانت المصافحۃ فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال نعم! (بخاری باب المصافحہ)

کیا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مصافحہ کرنے کا دستور تھا؟ تو انھوں نے کہا، ہاں

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تمام التحیۃ الاخذ بالید (ترمذی) سلام کا تکملہ مصافحہ کرنا ہے۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وتمام تحیتکم بینکم المصافحۃ (ترمذی) تمھارے باہمی سلام کا اتمام مصافحہ سے ہوتا ہے۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا، (ترمذی)

جب دو مسلم باہم ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب مومن اپنے کسی مومن بھائی سے ملاقات کے وقت سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں، جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (منذری)

اور "ہدایہ" میں ہے:

ولا باس بالمصافحۃ، لانہ ھو المتوارث وقال علیہ السلام من صافح اخاہ المسلم وحرک یدہ تناثرت ذنوبہ (ھدایۃ ص ۴۵۲ ج ۳)

مصافحہ میں حرج نہیں کیوں کہ یہ متوارث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرتا ہے اور ہاتھ ہلاتا ہے اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔

ان حدیثوں اور اس قسم کی بہت سی دوسری حدیثوں کی روشنی میں یہ مسئلہ ثابت ہے کہ سلام کے بعد کلام سے قبل ہاتھ ملانا یعنی مصافحہ کرنا مشروع و مسنون ہے!

اب رہا یہ سوال کہ مصافحہ کس ہاتھ سے اور کیسے کرنا مسنون ہے؟ تو اس کی دریافت بھی کچھ مشکل نہیں۔ باب مصافحہ کی احادیث اور لفظ مصافحہ کے معنی پر غور کرنے سے اس کی کیفیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: احادیث باب اور ائمہ لغات کی عبارتوں میں وارد لفظ "کف" و "ید" یا تو معرف باللام ہیں یا مضاف اور دونوں صورتوں میں "الف لام" یا "اضافت" عہد کے لیے ہے، کیوں الف لام میں اصل عہد کا معنی ہے اور عہد کا معنی صحیح ہوتے ہوئے دوسرا معنی درست نہیں[1] نیز بعض حدیثوں میں مصافحہ بیعت "کے علاوہ" مصافحۂ ملاقات "کے اندر بھی دائیں ہاتھ کی تصریح موجود ہے، چنانچہ مسند احمد میں عبد اللہ بن بسر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

ترون کفی ھذہ، فاشھد انی وضعتھا علی کف محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ الحدیث

تم میری یہ ہتھیلی دیکھتے ہو؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس کو حضورؐ کی کف مبارک پر رکھا ہے۔

اور حافظ ابن عبد البرؒ نے "التمہید" میں اسی عبد اللہ بن بسر سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ:

ترون یدی ھذہ، صافحت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث (۳۹۸/ تحفہ)

تم میرا یہ ہاتھ دیکھتے ہو میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے۔

نیز ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

تمام التحیۃ الاخذ بالید والمصافحۃ بالیمنی (رواہ الحاکم فی الکنی کذا فی کنز العمال)

سلام کا تکملہ ہاتھ پکڑنا اور دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں:

صافحت بکفی ھذہ کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما مسست خزا ولا حریرا الین من کفہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تحفہ ۳/۳۹۸)

میں نے اپنی اس ہتھیلی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے تو میں نے نہ تو کسی حریر کو نہ ہی ریشم کو آپؐ کی ہتھیلی سے نرم و ملائم پایا۔

ان احادیث میں آئے ہوئے لفظ "ھذہ" کا مشار الیہا عام ہاتھ اور کف نہیں بلکہ راوی کا مخصوص داہنا ہاتھ اور ہتھیلی ہے، خصوصاً جبکہ ان حدیثوں کے بعض طرق میں "یدیمنی" کی تصریح موجود ہے، دوسرے معنی کا احتمال ہی نہیں۔

---

[1] مغنی اللبیب و شذور الذہب و نور الانوار ص ۸۰ و ۸۱ عبارتہ ہکذا "و فیہ تنبیہ علی ان العہد ہو الاصل فی اللام فما دام یستقیم العہد لا یصار الی معنی آخر سواء کان خارجیا او ذہنیا" اھ

نیز مصافحۂ بیعت • کی متعدد حدیثوں میں داہنے ہاتھ کی تصریح موجود ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

وکان بیعۃ الرضوان بعد ما ذھب عثمان الی مکۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الیمنی ھذہ ید عثمان فضرب بھا علی یدہ فقال ھذہ لعثمان

بیعت رضوان حضرت عثمانؓ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر آپ نے اس کو اپنے ہاتھ پر مارا اور فرمایا یہ عثمان کے لیے ہے

اور صحیح ابوعوانہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت پیدا کردی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

یارسول اللہ ابسط یدک لابایعک؟ فبسط یمینہ فقبضت یدی الحدیث [1]

آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے (بڑھائیے) تاکہ میں آپ سے بیعت کروں تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا الخ

اور ابن ماجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ:

ولامسست ذکری بیمینی منذ بایعت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تحفہ ص۳۹ ج۳)

جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر نہیں چھوا۔

ان احادیث صحیحہ کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں [2] سے معلوم ہوتا ہے کہ "مصافحۂ بیعت" داہنے ہی ہاتھ سے ہوتا ہے اور آج بھی علماء و مشائخ، مسترشدین سے بیعت لیتے وقت داہنے ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

نیز آیت کریمہ "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا"

اور اکثر احادیث قطع ید میں بھی لفظ ید، مضاف یا معرف باللام واقع ہے، جیسے "لایقطع ید السارق" (بخاری و مسلم) "وقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ید السارق" (بخاری و مسلم) ولا یقطع الید الا فی دینار (طحاوی)

---

[1] حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث "مشکوٰۃ کتاب الایمان" میں بھی مسلم کے حوالہ سے منقول ہے اس میں صراحۃً "ابسط یمینک یارسول اللہ! فبسط یمینہ" ہے۔ اور یہ حدیث مسلم شریف طبع بیروت میں ص۱۱۲ ج۱ پر ہے۔

[2] مثلاً حدیث انس بن مالک "بایعت رسول اللہ بیدی ھذہ الیمنی الخ" وحدیث ابوغادیہ "بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" (تحفہ ص۳۹ ج۳)

ولعن اللہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ" (بخاری مسلم) "وکان یقطع الید علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عشرۃ دراھم (مسند امام ابی حنیفہ)"۔ مگر بالاتفاق ان احادیث میں مذکورہ لفظ "ید" سے داہنا ہی ہاتھ مراد ہے اور دونوں ہاتھ یا بایاں ہاتھ مراد لینا صحیح نہیں۔

اور اصول فقہ کی مشہور و معروف کتاب "نور الانوار" میں ہے:

"لا یراد بآیۃ السرقۃ الا سرقۃ واحدۃ وبالفعل الواحد لا تقطع الا ید واحدۃ والید لما کانت متعرضۃ بمعانی الآیۃ و لتعین الیمنی مرادا منہا۔ لا یجوز ان تثبت الیسری بخبر الواحد الذی لا یجوز الزیادۃ بہ علی الکتاب اھ (ص۳۲) ملخصاً۔

اور آیت سرقہ سے ایک ہی سرقہ مراد ہے اور ایک بار کی چوری سے صرف ایک ہی ہاتھ کاٹا جائے گا اور آیت میں مذکور لفظ "الید" سے جب دایاں ہاتھ مراد لیا جا چکا ہے تو خبر واحد کے ذریعے سے بایاں ہاتھ نہیں مراد لیا جا سکتا کیوں کہ اس صورت میں زیادتی علی الکتاب لازم آتی ہے جو جائز نہیں۔

اس لیے یہ فیصلہ آسان ہو جاتا ہے کہ "مصافحۂ بیعت" کی طرح مصافحۂ ملاقات بھی

رجوع الی المقصد: فقط دائیں ہاتھ سے ہوگا۔ کیوں کہ ان دونوں مصافحوں کی حقیقت ایک ہے اور دونوں میں مصافحہ کا معنی یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔

لیکن بایں ہمہ وضاحت و صراحت، شواہد و نظائر، بعض حضرات کو ضد اور اصرار ہے کہ "مصافحہ میں سنت دونوں ہاتھوں سے کرنا ہے" حالانکہ کتب احادیث کے علاوہ متقدمین علمائے احناف کی مستند کتابوں میں بھی "دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے" کا کوئی سراغ نہیں ملتا، اگر کسی کتاب میں مصافحہ کے بارے میں کوئی جملہ ملتا ہے تو بس "لا بأس بالمصافحۃ" اور "ہدایہ" میں ایک جملہ "لانہ ھو المتوارث وقال علیہ السلام من صافح اخاہ المسلم وحرک یدہ تناثرت ذنوبہ" زیادہ ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے بھی مصافحہ کے اندر دونوں ہاتھوں کو شامل کرنا خلاف توارث جانا ہے اور لغوی و شرعی مصافحہ کی تشریح کو ایسا جامع کہ مزید وضاحت کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

مگر چوں کہ اب اسی غیر متوارث مصافحہ کو سنت باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے اس لیے آئندہ ہم اس کوشش کا بسط و تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

●●●

ماہنامہ "میثاق" لاہور سے

پکّی قبور کے متعلق ایک استفسار

(اور اس کے جواب پر ایک تبصرہ)

استفسار: مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ الرحمٰن ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کو ایک مسئلہ پر تکلیف دینے کی جسارت کر رہا ہوں، اس امید پر کہ آپ اس مسئلہ کا قرآن و سنت کی روشنی میں واضح اور مدلل حل پیش کریں گے، نیز شرعی لحاظ سے آپ پر واجب بھی ہے کہ آپ وہ علم لوگوں تک پہنچائیں جو اللہ تعالے نے آپ کو عنایت فرمایا ہے۔ مسئلہ ایک مستند حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اب میں اسے ترتیب وار پیش کرتا ہوں۔

۱:- ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر:۷)
(اور رسولؐ جو کچھ تمھیں دیں تو لے لو اور جس بات سے منع کریں رک جاؤ)

اس آیت کریمہ کے تحت جس بات کا نبی کریمؐ ہمیں حکم دیں ہمیں چاہیے کہ اس پر سختی سے عمل کریں اور جس بات سے وہ روکیں بلا چوں و چرا رک جائیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ اس بات پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی تاویلیں نہ کریں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دیں۔

۲: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (النساء: ۸۰) (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔)

اور ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ

۳۔ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب: ۳۶) (اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ تو صریح گمراہی میں جا پڑا۔

پھر اللہ تعالیٰ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور اس کے خلاف عمل کرنے والوں کے لیے فرماتا ہے :

۴۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور: ۶۳) " رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ (خلافت ورزی کرکے) کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں، یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے ۔"

ان آیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم ہے : جس پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے اگر حکم عدولی کریں گے تو درج بالا آیات میں وارد شدہ تنبیہ سے ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے، اس کا اندازہ تو خوب لگایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ : عن جابر: قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ ۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۲ مشکوٰۃ شریف ج ۱ باب دفن المیت پہلی فصل حدیث نمبر ۵)

ترجمہ : حضرت جابرؓ سے روایت ہے : کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ، قبر کو پختہ بنانے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے ۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

مندرجہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما رہے ہیں کہ قبر کو پختہ نہ بناؤ اور اس پر عمارت بھی نہ بناؤ۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا۔ اور جس بات سے منع کریں رک جاؤ ۔"

اب یہاں سوچنے کا مقام اور لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بظاہر حضورؐ کے اس حکم کی خلاف ورزی اس قدر زیادہ ہو رہی ہے کہ کثیر تعداد میں قبروں پر گنبد اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور قبریں پختہ بھی ہیں۔ یعنی جن دو باتوں سے آپؐ نے منع فرمایا ہے وہی باتیں کثرت سے ہو رہی ہیں، اور کوئی عالم اس سے نہیں روکتا۔ اولیاء کرام کے مزارات پر گنبد موجود ہیں ، اس کے علاوہ قبریں تو بہت پختہ ہیں ۔ کیا اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حکم عدولی نہیں ہو رہی ہے ، مجھے اس سوال کا مدلل جواب چاہیے ۔

میرا ایمان تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جب ایک بات سے روکا ہے تو بس رک جاؤ ، اس میں کسی تاویل نکالنے کا جواز پیدا نہیں کرنا چاہیے ۔ محدثین ، فقہاء اور علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

تمام فتاوی کی بنیاد بھی رسول کریمؐ کا یہی ارشاد ہے، مختصراً تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ ویسے صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ان حوالوں کی ضرورت نہیں ہے:

۱۔ امام نوویؒ شرح مسلم ج۱ ۔ "قبر پر عمارت بنانا اگر وہ جگہ، عمارت بنانے والے کی ملک ہے تو مکروہ ہے اور اگر عام مقبرہ ہے تو حرام ہے۔"

۲۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ ۔ کتاب الآثار، امام شافعیؒ وغیرہ ۳۔ علامہ حلبی الحنفیؒ ۔ حوالہ کبیری ص ۵۹۹

۴۔ حافظ ابن ہمام الحنفیؒ ۔ فتح القدیر ج ۳ ۵۔ علامہ ابن عابدین الحنفی ۔ شامی ج ۱ ص ۱۰۱

۶۔ ملا علی قاریؒ ۔ مرقاۃ ج ۱ ص ۳۴۶ میں لکھتے ہیں: وھی ما انکرہ ائمۃ المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصھا ۔ (بدعت وہ ہے) جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور انہیں پختہ کرنا۔

۷۔ فتاوی عالمگیری مصری ج ۱: المکروہ التحریمی عند الامام (ابو المکارم ج ۴) ویسنم القبر قدر الشبر ولا یربع ولا یجصص ویکرہ ان یبنی علی القبر

۸۔ فتاوی رضویہ: اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی ۔ قبروں پر گنبد بنانا، انہیں پختہ کرنا حرام ہے۔

میرے والد و والدہ کی قبریں ایک بالشت اونچی ہیں اور ان پر کوئی عمارت نہیں۔

وضاحت: میں اہلسنت مسلمان ہوں، لیکن رسول کریمؐ کے فرمان کو پڑھ کر حیرت میں گم ہو گیا ہوں اور سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ یہ کیسے ہو رہا ہے، اور کیوں ہو رہا ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اکرم کی قبر انور پر گنبد بنا ہوا ہے تو اس کا جواب میری ناقص عقل میں یہ آتا ہے کہ وہ رسولِ اکرم کی تخصیص میں سے ہے۔ نبیؐ جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارک پر پہلے ہی چھت موجود تھی۔ علاوہ ازیں اسلام دشمن عناصر کی شرارتوں اور ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھنے کے لیے روضۂ انور کی حفاظت بہر حال ضروری سمجھی گئی، جیسا کہ نور الدین زنگی کے دور میں قبر انور کو نقصان پہنچانے کی ناپاک جسارت کی گئی تھی۔

نیز نبی کریمؐ کے گنبد خضرا کے مقابلے میں گنبد تعمیر کرانا بھی مناسب نہیں، شاید ادب کے بھی خلاف ہو۔

یہ کچھ باتیں انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، جن پر امت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔
ان سب باتوں کے علاوہ۔ سب سے مقدم تو نبی کا حکم ماننا ہے۔ کر ۔ ترک جاؤ، بس رک جاؤ۔ حدیث میں نہی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے۔ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ رسول اللہ کے حکم کے ہوتے ہوئے ہم گنبد خضرا کو بطور دلیل کے نہیں پیش کر سکتے، کیوں کہ دونوں میں تضاد ہے حضور کا گنبد خضرا نبی کی تخصیص ہے اور حضور کا حکم ہمارے لیے حجت ہے۔
البتہ ایک صورت ہو سکتی ہے کہ نبی کریم کا کوئی فرمان اس حدیث کا ناسخ ہو، جیسے آیات قرآنیہ میں ناسخ و منسوخ ہیں ویسے ہی احادیث میں بھی ہیں۔ اگر کوئی ایسی صحیح اور اس حدیث سے بلند تر ثقاہت رو (صحیح ہونے میں) حدیث ہو تو پھر مذکورہ بالا حدیث منسوخ ہو سکتی ہے اور عمارت بنانے والی حدیث (اگر کوئی ہو) تو اس پر عمل ہو سکتا ہے اور اگر کوئی ایسی ہی صحیح حدیث اس حدیث کو منسوخ نہیں کرتی تو پھر اسی حدیث پر عمل ہونا چاہیے۔ یا یہ ثابت ہو جائے کہ مسلم کی یہ حدیث ضعیف ہے۔
آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں یا اس حدیث کی ناسخ حدیث سے آگاہ فرمائیں۔ مع حوالہ جات۔ مثلاً بخاری و مسلم یا صحاح ستہ کی کسی کتاب یا مسند احمد وغیرہ میں کوئی ایسی واضح حدیث ہو جو مذکورہ حدیث کو منسوخ کردے یا یہ ثابت کردیں کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے۔ ورنہ تو
وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (قرآن حکیم۔ سورۃ الحشر: ۷)
پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ:
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)
(اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ تو کھلی گمراہی میں جا پڑا۔)
بوجہ عالم دین قرآن و سنت کے مطابق صحیح جواب دینا آپ پر واجب ہے ورنہ قیامت کے دن آپ جوابدہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔
نیازمند ضیاء الحسن فاروقی (ایم۔ اے)

میثاق کا جواب:

آپ کی تحقیق بالکل حق ہے، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پکی قبریں بنانے اور ان پر مقبرے

تعمیر کرنے کی شریعت میں ممانعت ہے اہلسنت کے تمام مکاتب فکر اس کے قائل ہیں، ہمارے معاشرے میں دین کے حقیقی علم کے فقدان کا یہ بھی ایک مظہر ہے، ہماری اکثریت فرائض دینی تک سے غافل ہے، اس کے مقابلے میں یہ بہر حال کمتر درجے کی برائی ہے۔ البتہ اس کے اثم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ (ادارہ)

...

میثاق میں شائع شدہ اس استفسار وجواب کی فوٹو کاپی کے ساتھ مدیر محدث کو حسب ذیل خط اور تبصرہ موصول ہوا ہے

خط:

مکرمی! سلام مسنون۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے، منسلکہ مضمون ایک استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا، جو ماہنامہ "میثاق" لاہور (فروری ۱۹۸۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ مگر شاید ادارۂ میثاق کی طبع نازک پر یہ مضمون بہت گراں گزرا۔ اسی لیے آٹھ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود نہ ہی مضمون شائع ہوا اور نہ ہی میرا جوابی لفافہ مجھے واپس کیا گیا۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اب یہ مضمون آپ کی خدمت میں پیش ہے دیکھیے اب آپ کا کیا سلوک ہوتا ہے، اس مضمون کے ساتھ۔ میثاق میں شائع شدہ استفسار بھی حاضر ہے

والسلام خیر اندیش طارق رشید

پی نمبر ۳۰۹۲۵، الیکٹرو پلیٹنگ شاپ
انجن اوورہال، پی آئی اے، ایرپورٹ
کراچی، پاکستان۔

تبصرہ

ماہنامہ "میثاق" لاہور کے فروری ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں "افکار وآراء" کے تحت جناب ضیاءالحسن صاحب فاروقی (ایم اے) کا پکی قبور سے متعلق ایک استفسار شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے آیات قرآنی پیش فرما کر رسول اللہ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم اور نافرمانی کرنیوالوں کو وعید باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے اور پھر مزید صحیح حدیث کے ذریعہ نبی کریم کا حکم یاد دلایا ہے اور اپنی اس (بجا طور سے) پریشانی کا اظہار کیا ہے کہ کثیر تعداد میں قبروں پر گنبد اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور قبریں پختہ بھی ہیں، یعنی جن دو باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے وہی باتیں کثرت سے ہو رہی ہیں اور کوئی عالم اس سے نہیں روکتا۔ اولیاء کرام کے مزارات پر گنبد

موجود ہیں اس کے علاوہ قبریں تو بہت پختہ ہیں۔" سائل نے آخر میں ڈاکٹر صاحب (اسرار احمد صاحب) سے بڑی دردمندی سے "عاجزانہ درخواست کی ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں" اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو یہ بھی یاد دلایا ہے کہ "بوجہ عالم دین قرآن وسنت کے مطابق صحیح جواب دینا آپ پر واجب ہے ورنہ قیامت کے دن آپ جوابدہ ہوں گے۔"

مگر افسوس کہ ڈاکٹر اسرار صاحب سائل کی عاجزانہ درخواست پر خود کوئی توجہ نہ دے سکے اور ادارہ کی طرف سے ساڑھے چار صفحات پر مشتمل استفسار کا جواب، کل چھ سطروں میں دیا گیا (اس میں سے بھی پہلی تین سطروں میں سائل ہی کی بات کو دہرایا گیا ہے۔) اور اس اہم مسئلہ کو جو عقیدے سے براہ راست تعلق رکھتا ہے صرف ایک مختصر سا جملہ کہہ کر لپیٹ دیا گیا کہ "ہمارے معاشرے میں دین کے حقیقی علم کے فقدان کا یہ بھی ایک مظہر ہے" بلکہ یہ لکھ کر اس مسئلے کی اہمیت اور بھی کم کرنے کی کوشش کی گئی کہ "ہماری اکثریت فرائض دینی تک سے غافل ہے، اس کے مقابلے میں یہ بہرحال کمتر برائی ہے۔"

حالانکہ اونچی پکی قبور کو مسمار کرنا ایک دینی فریضہ ہے، جس کی اہمیت اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتی ہے جو مشکوٰۃ (عربی جلد ۱) ص ۱۴۸ پر صحیح مسلم کے حوالے سے درج ہے۔

عن ابی الھیاج الاسدیؒ قال، قال لی علیؓ الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ (رواہ مسلم)

ابوالہیاج اسدیؒ روایت کرتے ہیں کہ علیؓ نے مجھ سے کہا کہ "اے ابوالہیاج! کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے رسول اللہ نے بھیجا تھا اور وہ کام یہ ہے کہ جاؤ اور جو تصویر تم کو نظر آئے اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی ملے اسے برابر کر دو۔" (مشکوٰۃ ص ۱۴۸، مسلم)

اس کے علاوہ امام شافعی اپنی کتاب "الام" میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے علماء قبروں پر بنی ہوئی عمارت کو گرا دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (شرح مسلم للنووی جلد ۱، صفحہ ۳۱۲ طبع مصر)

محترم ضیاء الحسن فاروقی صاحب نے جس کرب و دردمندی سے اس اہم مسئلہ کو اٹھایا ہے، اس کا براہ راست تعلق عقیدہ سے ہے اور بہرحال عقیدے کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، اگر عقیدہ درست نہیں تو پھر سارے اعمال بیکار ہیں، راکھ کے ڈھیر کے مانند۔ مشاہدہ عام طور سے یہی ہے کہ جو لوگ بھی ان اولیاء اللہ

کے مزارات پہ جاتے ہیں وہ رسول اللہؐ کے اس حکم کے بموجب نہیں جاتے جو ابن ماجہ کی اس حدیث میں وارد ہوا ہے اور جس کے راوی عبداللہ ابن مسعود ہیں:

عن ابن مسعود ان رسول اللہؐ قال کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الآخرۃ۔ (ابن ماجہ وفی مسلم تذکر الموت مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

عبداللہ ابن مسعود روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب اجازت دیتا ہوں، کیوں کہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے (ابن ماجہ) اور مسلم میں ہے کہ یہ قبریں موت یاد دلاتی ہیں (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

بلکہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ان سنگ مرمر سے بنے ہوئے خوبصورت اور خوشبوؤں سے بوجھل مزاروں پر آنے والے کبھی قبر کے آگے جھکے جاتے ہیں تو کبھی اس کی پائنتی کے پتھر کو چومتے ہیں کبھی قبر کی خاک بدن پر ملتے ہیں تو کبھی اس کے گرد چکر لگا کر طواف کرتے ہیں، کبھی اس قبر کے آگے ہاتھ باندھے اپنی حاجات بیان کرتے ہیں تو کبھی نذر و نیاز و چڑھاوے چڑھانے لگتے ہیں۔ واپس ہوتے ہیں تو صاحب قبر کے خوف سے الٹے پاؤں واپس ہوتے ہیں کہ مبادا قبر کی طرف پیٹھ نہ ہو جائے اولاد ہو تو انہیں دعا کرلاتے ہیں اور فرش پر ڈال دیتے ہیں۔ دولھا کو نکاح کے لیے لے جا رہے ہوں تو پہلے بابا کی قبر پر حاضری دیتے ہیں یعنی جو خوف و عقیدت منذی الہ واحد کی ذات سے ہونی چاہیے جو اظہار عبودیت کے مراسم ذات باری تعالیٰ کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں وہ ان سنگ مرمر کی سلوں کے نیچے دفن ان ہستیوں کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں واضح طور سے ارشاد ہوا ہے کہ: اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون۔ (النحل: ۲۱)

مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور انھیں یہ شعور نہیں کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

مالک الملک کو سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے۔ مالک اس کو ظلم عظیم سے تعبیر کرتا ہے جیسا کہ سورہ لقمان کی ۱۳ویں آیت میں ارشاد ہوا ہے: ان الشرک لظلم عظیم بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔ اور کہیں مالک شرک کو گالی سے تعبیر فرماتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے "ابن آدم شتمنی" ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص شرک کی نجاست میں لت پت ہو کر بغیر توبہ کیے مر گیا تو اللہ تعالیٰ کبھی اسے معاف نہ کرے گا اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا۔ چاہے

اس کی زندگی اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزری ہو، اس نے نمازوں پر نمازیں پڑھی ہوں یا روزے پر روزے رکھے ہوں، چاہے وہ الحاج ہو یا زکوٰۃ اداکرتے وقت اپنے خزانے لٹا دیا کرتا ہو۔ اگر اس کے دامن ایمان پر شرک کا شائبہ بھی پایا گیا تو مالک اسے معاف نہ کرے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی بیشمار آیات اس پر گواہ ہیں:

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ (النساء: ۱۱۶) اللہ کے یہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے اس کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے، جس کو وہ معاف کرنا چاہے۔

شرک سے مالک اس قدر بیزار ہے کہ سورۃ الانعام میں اپنے اٹھارہ برگزیدہ انبیاء کا نام لینے کے بعد فرمایا اگر ان میں سے کہیں کوئی شرک کر بیٹھتا تو اس کے سارے اعمال غارت ہو جاتے۔ ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون (الانعام: ۸۸) لیکن اگر کہیں ان لوگوں (انبیاء) نے شرک کیا ہوتا تو ان سب کا کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو اور تم سے پہلے گزرے ہوئے سارے انبیاء کو بتلایا گیا، لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخٰسرین۔ (الزمر: ۶۵) اگر (بفرض محال) تم نے شرک کیا تو تمھارا سرمایۂ عمل ضائع ہو جائے گا اور تم دیوالیہ ہو جاؤ گے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ پچھلی امتوں کو شرک کی لعنت میں مبتلا کرنے میں قبروں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا:

عن جندب رض قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذلک (مشکوٰۃ ص ۶۹ رواہ مسلم)۔ جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انھوں نے اپنے انبیاء اور اپنے اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، اس فعل سے میں تم کو منع کرتا ہوں۔ (اس صاف کو امام مسلم نے بیان کیا)

میرے خیال میں اتنے اہم اور بنیادی نوعیت کے مسئلے کو یوں سرسری طور پر نہیں لیا جانا چاہیے تھا بلکہ اس کی شناعت سے تو لوگوں کو آگاہ کرنا بہت ضروری ہے۔

دو باتیں سائل محترم کی بھی تصحیح طلب ہیں، ایک بات گنبد خضراء کے متعلق ہے۔ فاروقی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اکرم کی قبر انور پر یہ گنبد بنا ہوا ہے تو اس کا جواب میری ناقص عقل میں یہ آتا ہے کہ وہ رسول اکرم کی تخصیص میں سے ہے۔"

فی الحقیقت ایسی کوئی بات نہیں کہ خصوصی طور پر کسی نبی کی قبر پر قبہ یا عمارت کی تعمیر کی اجازت دی گئی ہو یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے حجرہ پر پہلے سے چھت بھی موجود تھی، لیکن بہرحال اس گنبد خضراء کا ساڑھے چھ سو سال تک (نبی کی وفات کے بعد) کوئی وجود نہ تھا۔ اس گنبد خضراء کی تاریخ وفاء الوفا سمہودی کی جلد ا ص ۴۳۶، ۴۳۵ میں یوں درج ہے کہ

"تقریباً سات سو سال تک قبہ نبوی پر کوئی عمارت نہیں تھی، پھر ۶۷۸ھ میں منصور بن قلاؤن صالحی بادشاہ مصر نے کمال احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورے سے لکڑی کا ایک جنگلہ بنوایا اور اسے حجرہ کی چھت پر لگایا، اور اس کا نام قبہ زرق پڑ گیا۔ اس وقت کے علماء ہرچند کہ اس صاحب اقتدار کو روک نہ سکے، مگر انھوں نے اس کام کو بہت برا سمجھا اور جب یہ مشورہ دینے والا کمال احمد معزول کیا گیا تو لوگوں نے اس کی معزولی کو اللہ کی طرف سے اس کے اس فعل غلط کی پاداش شمار کیا، پھر الملک الناصر حسن محمد قلاوون نے اور اس کے بعد ۷۶۵ھ میں الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد نے اس میں تعمیری اضافے کیے، یہاں تک کہ موجودہ تعمیر عمل میں آئی۔"

یہ تو ہے گنبد خضراء کی تاریخ۔ اور یہ نورالدین زنگی کا واقعہ تو بالکل بے اصل ہے اور دوسرے من گھڑت تاریخی قصوں کی طرح کا ایک قصہ ہے۔

...

مدیر محترم! امید ہے کہ ان چند موٹی موٹی باتوں سے کافی حد تک اس مسئلے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اب اگر آپ مناسب خیال کریں تو براہ کرم اس مکتوب کو "میثاق" کی قریبی اشاعت میں جگہ دیں تاکہ ان لوگوں تک بھی یہ حقائق پہنچ جائیں جنھوں نے محترم ضیاء الحسن صاحب فاروقی کا استفسار اور اس کے جواب کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اگر آپ اب بھی اس مسئلہ کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں یا "میثاق" کے صفحات اس نازک مسئلے کے بوجھ کے متحمل نہیں ہو سکتے تو از راہ کرم یہ مضمون اور ضیاء الحسن صاحب فاروقی کا پتہ مجھے واپس کریں تاکہ میں انھیں یہ معروضات براہ راست بھیج سکوں کیوں کہ بہرحال اگر کوئی حق کا متلاشی ہے تو اس تک حق بات پہنچنی چاہیے۔ میرا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ بھی منسلک ہے۔

والسلام فقط طالب حق طارق رشید

غازی عزیر سعودی عرب

آیۃ اللہ خمینی :
اپنی تقریر و تحریر کے آئینہ میں

آیۃ اللہ خمینی صاحب کے عقائد و افکار کی ایک ہلکی سی جھلک آپنے ملاحظہ فرمائی۔ اب اندرون ملک ان کا کیا کردار ہے اس کی طرف بھی ذرا سی توجہ فرمائیں۔ بقول ماہنامہ الفرقان لکھنؤ: " ایران کے سرکاری مہمان خانہ (بزرگ داستقلال ہوٹل) میں ٹھہرے ہوئے بیرونی مہمان اس قسم کے بینر بالعموم دیکھتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے:

سنتحد و سنتلاحم حتی نسترد من ایدی المغتصبین اراضینا المقدسة القدس والكعبة والجولان۔ یعنی ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے میں سے اپنی مقدس زمینیں یعنی بیت المقدس، کعبہ اور جولان واپس لے لیں۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مجریہ ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء)

روزنامہ جسارت " کراچی میں جماعت اسلامی پاکستان کے مشہور اہل قلم ورکن جناب خلیل حامدی صاحب کا ایک مکتوب شائع ہوا تھا جس کا اقتباس پیش خدمت ہے:

" ۱۳ ر ستمبر کو یہاں ذوالحجہ کی چوتھا تاریخ تھی۔ منیٰ میں روانگی کے لیے درمیان میں ایک دن رہ گیا تھا، اس وقت نہ صرف حرم شریف بلکہ ارد گرد کی سڑکیں، راہنے اور محلے انسانوں سے بھرے پڑے تھے، طواف اور سعی میں شدید ہجوم تھا۔ ان حالات میں دس بجے صبح سے ایرانیوں نے عزیزیہ سے حرم شریف تک ایک جلوس نکالا اور حرم شریف میں اندھا دھند داخل ہو گئے۔ ان کی زبان پر یہ نعرے تھے۔ امریکہ اور اسرائیل مردہ باد، خمینی راہبر و رہ نما، (کذب انقلاب اور آزادی تبلیغیں ہدف ما۔) لوگوں نے ہاتھوں میں امام خمینی کی تصاویر اٹھا رکھی تھیں ا

حامدی صاحب مزید فرماتے ہیں: "یہ چیز پوری تاریخ حرم میں کبھی حرم شریف کے اندر دیکھنے میں نہیں آئیں۔"

(روزنامہ جسارت کراچی مجریہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء)

غور فرمائیں کہ کعبۃ اللہ کے اندر ہنگامہ آرائی، نعرے بازی اور آزادی قبلتین کے عزائم کس فکر کے غماز ہیں۔

جناب صلاح الدین صاحب مدیر روزنامہ جسارت کراچی نے اپنے دورۂ ایران کی جو یادداشتیں مرتب کی ہیں، ان میں انھوں نے بعض بہت اہم اور ناقابل انکار حقائق پر سے پردہ کشائی کی ہے، مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ: "اب وہاں خمینی صاحب کے محافظوں کی تعداد شاہ کے محافظوں سے دو چند ہے۔ ان کی رہائش گاہ کے چاروں طرف دو دو فرلانگ تک کا علاقہ مکمل طور پر خالی ہے اور یہ کہ عراق ایران جنگ خمینی صاحب نے منصوبے کے تحت جاری رکھی ہوئی ہے تاکہ ایرانی فوجیں مشغول رہیں اور صدام کا تختہ الٹ کر ایک نئی فتح کا کریڈٹ حاصل کیا جائے اور جوش انقلاب کو برقرار رکھا جائے۔

راشن بندی کے جملہ اخراجات آیت اللہ صاحبان کے سپرد کر کے بھری کی مکروہ صورت پیدا کر دی گئی ہے اور سزاؤں میں بے اعتدالی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ نیز شخصیت پرستی کے جنون نے خمینی صاحب کا فوٹو مسجد کے محراب تک پہنچا دیا ہے، اور اللہ اکبر کے ساتھ خمینی رہبر کا نعرہ عام ہے۔ (اس کے بعد انھوں نے شیعہ تعصب کی طرف توجہ دلائی ہے) مثلاً انتخابات ہوئے تو سنی کردستان اور سنی بلوچستان کے اکثریتی علاقے اس حق سے محروم رہے اور تہران جیسے بڑے شہر میں ایک سنی مسجد تک نہیں ہے۔ الخ

(ماہنامہ حکمت قرآن لاہور مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۴ء ص ۳۰ بحوالہ روزنامہ جسارت کراچی)

روزنامہ جنگ کراچی نے ندائے ملت لکھنؤ کے حوالہ سے لکھا ہے: "تہران میں جہاں پانچ لاکھ سنی مسلمان آباد ہیں وہاں انھیں آج تک اپنی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملی ہے، جبکہ وہاں عیسائیوں کے ۱۲ گرجے، ہندوؤں کے دو مندر، سکھوں کے تین گردوارے، یہودیوں کے دو عبادت خانے اور آتش پرستوں کے ۱۴ آتش کدے موجود ہیں۔ شاہ کے زمانے میں عیدین کی نماز تہران کے سنی مسلمان ایک پارک میں پڑھتے تھے لیکن جب سے (شیعہ) مذہبی حکومت قائم ہوئی ہے، عید کے دن اس پارک پر مسلح افواج کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور وہاں بھی نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ اسی طرح جمعہ کی نماز کے لیے مذہبی حکومت سنیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں شیعہ امام کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھیں۔ اس کے باوجود سنی حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے،

بلکہ پاکستانی سفارت خانے میں نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں ۔
ایران کے سنی مسلمان اپنی مذہبی تبلیغ اور اشاعت اور اپنی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے نہ کوئی جلسہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی تنظیم قائم کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں "شورائے مرکزی اہلسنت" کے نام سے سنیوں نے ایک تنظیم بھی قائم کی تھی تو اسے وہاں کی مذہبی حکومت نے خلافِ قانون قرار دیدیا۔ مسلمان اہلسنت اپنی مذہبی کتابیں منگواتے تھے، لیکن مذہبی حکومت کے قیام کے بعد اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگا دی گئیں، سرکاری اسکولوں کا نصاب بدلا جا رہا ہے، اور نئے نصاب میں شیعہ مذہب کے عناصر شامل کیے جا رہے ہیں تاکہ سنیوں کے بچے غیر شعوری طور پر شیعہ مذہب کے پیرو بن جائیں۔
تماداں کے صوبہ میں جہاں ۹۵ فیصدی سنی مسلمان آباد ہیں، وہاں کے سرکاری اسکولوں میں ابھی پانچ سو اساتذہ مقرر کیے گئے ہیں، جن میں صرف ۳۶ اساتذہ (یعنی ۷ء۲ فیصد) سنی اور باقی ۴۶۴ اساتذہ شیعہ ہیں۔ ایسا اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ سنی بچوں کو شیعہ مذہب میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکے۔ ایران میں اہلسنت کی تعداد ۳۵ فیصد ہے،۔ شاہ کے سامراجی نظام کے خلاف لڑی جانیوالی جنگ آزادی میں شیعوں کے دوش بدوش ہزاروں سنیوں نے جانی و مالی قربانیاں دی ہیں، لیکن جمہوری حکومت میں انھیں جو حصہ ملا ہے وہ ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بالکل نہیں کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ۲۷۰ ممبران پارلیمنٹ میں اہل سنت کی تعداد صرف ۹ ہے جبکہ تناسب آبادی کے حساب سے ۹۴ سے زیادہ کے وہ حقدار تھے۔ یعنی پارلیمنٹ میں ان کی تعداد کم از کم ۸۰ ہونی چاہیے تھی۔
انتظامیہ اور عدلیہ میں اہل سنت کا وجود بالکل صفر کے برابر ہے، صوبائی اور ضلعی سطح کا کوئی ذمہ دار عہدہ تو بڑی بات ہے، سنی فرقہ کا کوئی آدمی تھانیدار بھی نہیں ہے۔ الخ۔
(تعمیر حیات لکھنؤ مجریہ ۲۵ رمئی ۱۹۸۳ء والیشیا لاہور مجریہ ۱۴ راگست ۱۹۸۳ء و روزنامہ جنگ کراچی جمعہ ایڈیشن مجریہ ۱۱ رنومبر ۱۹۸۳ء بحوالہ ندائے ملت لکھنؤ)
ماہنامہ حکمت قرآن لاہور تعمیر حیات لکھنؤ کے حوالہ سے لکھتا ہے: "ان (خمینی صاحب) کے ایران سے ہزاروں افغانی محض سنی ہونے کے جرم میں ظلم سہہ سہہ کر اب روس کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ابتداء میں روس نے انھیں روکا بھی، لیکن پھر اپنی سرحدیں کھول دیں اور گویا تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ روس سے ایران کی ملنے والی ۲۵۳۵ کلومیٹر لمبی سرحد کھولی گئی ہے، لیکن خمینی صاحب ہیں کہ ٹھنڈے دل سے اپنے آپ کا جائزہ لینے کے بجائے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ یہ لوگ کافر اور وحشی ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کا بھیس اختیار کر رکھا ہے۔ واحسرتا!

(تعمیر حیات لکھنؤ مجریہ ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۸۳ء و ماہنامہ حکمت قرآن لاہور مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۴ء ص ۲۸، ۲۹)

ان سب حقائق کے باوجود پروپیگنڈے کے میدان میں کہا جاتا ہے: "شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ہے ہی نہیں"۔ (بیان خمینی برائے حجاج ص ۱۶) اور "ایرانی پارلیمنٹ کے رکن ڈاکٹر حسن روحانی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: امام خمینی نے ایران میں شیعوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ اپنے سنی بھائیوں کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ اگر انھوں نے ایک ہی مسجد میں علیحدہ نماز قائم کی تو وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے[1]۔" (روزنامہ جنگ کراچی مجریہ ۱۵ ر فروری ۱۹۸۳ء)

خمینی صاحب اسرائیل کے خلاف (مرگ بر اسرائیل) کے نعرے تو خوب لگاتے ہیں لیکن ان ظاہری نعروں کے درپردہ اسرائیل کے ساتھ ایران کے تعلقات کس قدر دوستانہ ہیں، اس کا اندازہ شاید اس اخباری رپورٹ سے ہو جائے گا جسے اردو ہفت روزہ خدام الدین لاہور نے مشہور عربی ہفت روزہ "المجلہ" کے ایک مضمون کے ترجمہ کے طور پر شائع کیا ہے جو اس حقیقت کا مظہر ہے کہ درپردہ ایران و اسرائیل کس قدر گلے مل رہے ہیں۔" امریکی ٹی وی ایرانی وفد اور اسرائیلی وفد کی ملاقات کے بارے میں بتلاتا ہے کہ اس ملاقات میں پچاس ملین ڈالر (تقریباً ۵ ارب ۸۰ کروڑ ہندوستانی روپیہ) کی رقم کے اسلحہ کا سودا طے ہوا۔ عراق ایران جنگ کے ایک کمانڈر جنرل صیاد شیرازی اور اسرائیلی ریٹائرڈ جنرل یعازی کے تعلقات کا چاروں طرف چرچا ہے، جنرل یعازی ہی کو اسرائیل نے عراق کے خلاف جنگی امور میں ایران کی مدد کے لیے بھیجا تھا — عراق ایٹمی پلانٹ کی تباہی کے سلسلہ میں اسرائیل کے کردار کا پورے یورپی اخبارات میں چرچا ہے۔ اور ایرانی قیادت اسرائیل سے اسلحہ وغیرہ

---

[1] شاید امام خمینی صاحب کے اس حکم کو اہل سنت جذبۂ خیر سگالی سمجھیں، لیکن درحقیقت بات یوں نہیں ہے۔ اس حکم کی اصل تقیہ ہے جس کا ثواب ان کی مستند و معتمد کتابوں کی روشنی میں ۲۵ گنا زیادہ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو: "اور عمر بن یزید نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص باوضو اپنے وقت میں نماز پڑھ لے، اور ان کے ساتھ بطور تقیہ نماز پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں پچیس درجے عطا کرے گا۔ لہٰذا تمھیں چاہیے کہ اس کام کی طرف رغبت کرو۔" (من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعت) ایک اور مقام پر اسی بات کی ترغیب میں ایک دوسری روایت یوں مذکور ہوئی ہے: "امام جعفر صادق سے حماد بن عثمان نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ان (یعنی غیر شیعہ) کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھ لے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے رسول اللہ صلعم کے پیچھے صف اول میں نماز پڑھی۔" (من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعت)

ہوسکے رہا ہے تو اس لیے کہ شاہ کے زمانہ کا جو قرض اسرائیل کے ذمہ ہے اس کی وصولی کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور مجریہ ۲۲ راپریل ۱۹۸۳ء)

عراق وایران جنگ کی تباہ کاریوں سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو۔ لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، شہر کے شہر ویران ہو گئے، بڑی بڑی فیکٹریں، معدنی تیل کے ذخائر اور مصفی (REFINARIES) تباہ ہوئے خلیج عرب کی حیات زیر آب معدوم ہوئی۔ لاکھوں عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم اور لاوارث ہوئے۔ اربوں، کھربوں روپیہ کا اسلحہ راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ زرخیز علاقے بنجر بن گئے، فلک بوس عمارتیں کھنڈر بن گئیں، ملکی اور بین الاقوامی معیشت کا نظام و توازن درہم برہم ہوگیا اور ملک مالی ترقی کی تیز دوڑ میں شاید کئی سو سال پیچھے رہ گیا۔ ان سب چیزوں کے بدلہ خمینی صاحب اور ایران کو کیا حاصل ہوا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

بقول چند موقر مبصرین اور صحافیوں کے۔ ان کی ضدی طبیعت اور انانیت کی وقتی تسکین۔ ان کے ذہنی خلل اور نفسیاتی تشنج میں کچھ ٹھہراؤ"۔ ان کے طویل شخصی محرومیت اور ملک بدر ہونے کے احساسات کا جزوی ازالہ" وغیرہ لیکن جمی کارٹر کے دور صدارت میں امریکہ کے مالی وقار کو خمینی صاحب کی حکمت عملی نے جو ٹھیس پہنچائی اور ایران کا غضب کردہ سرمایہ امریکہ کے قبضہ سے بالجبر نکلوایا۔ ان کے اس فعل کو بہت سے غیر جانبدار مبصرین نے پسند کیا، لیکن بہت سے مبصرین۔ یرغمالیوں پر کیے جانے والے تشدد اور ایذا رسانی کے باعث اسے ناپسند کرتے ہیں۔

اگر مندرجہ بالا تمام چیزوں سے متعلق اخبارات یا مختلف رسائل میں شائع شدہ بیانات اور رپورٹیں جمع کی جائیں تو کئی ضخیم دفتر درکار ہوں گے۔

یہ ہیں وہ خمینی صاحب — جو اس وقت دنیا بھر کی شیعہ آبادی کے قائد و امام کا رول ادا کر رہے ہیں، اور جن کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں کہ وہ امام آخر الزماں یعنی امام مہدی کی آمد تک قائم رہیں، — کے کردار کی ایک ہلکی سی جھلک، خمینی صاحب کی تحریروں (ولایۃ الفقیہہ بالحکومۃ الاسلامیۃ، من ہنا المنطلق اور جہاد النفس او الجہاد الاکبر) کے مندرجات، ان کی تقریروں اور ان کے سیاسی کردار کے متعلق روزمرہ کے اخباری بیانات کی روشنی میں خود ان کی ذات ان کی فکر، ان کے عزائم، ان کی قائم کردہ مذہبی حکومت اور اس انقلاب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا کس حد تک آسان ہے۔ ان حقائق کے باوجود خمینی صاحب کی کتب

"الحکومۃ الاسلامیۃ" کے ایک مترجم، جو ایک (سنی) مذہبی جماعت سے وابستہ ہیں، اپنے مقدمہ میں انھیں "حقیقی اسلامی قائد" بتلاتے ہیں "جو شیعہ سنی اختلافات سے بالاتر ہیں" (ص ۱۳) نیز انھوں نے اس ایرانی انقلاب کو "اسلامی انقلاب" قرار دیتے ہوئے "دنیا بھر کے اسلامی انقلابات کا ہراول دستہ بتلایا ہے، جس کے ذریعہ بقول ان کے "گلشن اسلام میں بہار آگئی ہے۔" مترجم صاحب یہ بھی فرماتے ہیں "ان کا فکری رشتہ علامہ اقبالؒ، مولانا مودودی، حسن البنا شہید، سید قطب اور ڈاکٹر علی شریعتی سے ملتا ہے، لہٰذا یہ ہمارا سرمایہ ہے" (ص ۱۰، ۱۹)

ایک اور مقام پر اس بات کا اظہار فرمایا گیا ہے: "علامہ خمینی کی اسلامی تحریک مکمل اور جامع اسلامی تعلیمات کی علمبردار ہے" (ص ۴۷)

مترجم صاحب کے یہ سب اقوال باطل اور نہایت گمراہ کن ہیں چنانچہ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو لازم ہے کہ شیعیت کے اس مبلغ اور سرخیل (یعنی خمینی صاحب) کے بہروپ کو پہچانیں اور ان کے بارے میں سستے بازاری اور ہر قسم کے پروپیگنڈے کرنے والوں سے ہوشیار رہیں خواہ وہ کسی بھی جماعت (خواہ مذہبی ہو یا سیاسی) سے وابستہ ہوں۔ المختصر ایرانی انقلاب کو ایک ظالم حکمران کو بادشاہت سے معزول کرنے کی کوشش تو کہا جاسکتا ہے لیکن اسے اسلامی انقلاب قرار دینا سراسر خلاف واقعہ اور غلط بیانی ہے۔ اسی طرح اس انقلاب کے قائد آیۃ اللہ خمینی صاحب کو کسی عام سطحی اور متعصب شیعہ عالم سے بلند و بالاتر یا شیعہ سنی اختلافات سے بے نیاز سمجھنا حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم سب متبعین سنت کو ہر قسم کے شر، گمراہی اور ضلالت سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔

انجمن دعوت اسلام پٹنہ کا احتجاجی اجلاس: ۸ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو خانوادہ صادقپور کے چشم و چراغ مولانا عبدالسمیع صاحب امیر امارت اہلحدیث صادقپور کی صدارت میں انجمن اسلامیہ ہال کے اندر بڑے زبردست پیمانے پر منعقد ہوا۔ جسے ہر مسلک و ملت اور تنظیم و جماعت کے علماء اور اصحاب نے خطاب کیا اور مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا۔ (ادارہ "محدث" کو مشتاق احمد سکریٹری انجمن مذکور نے تفصیلی رپورٹ بھیجی ہے، مگر افسوس جگہ کی تنگی کے سبب صرف مجمل خبر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔)

امیر جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ سے انٹرویو

ترتیب: عبد اللہ محمد اسماعیل مرشد آبادی
فضیلت فائنل

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ کے امیر جناب شیخ فضل کریم عاصم صاحب حفظہ اللہ وتولاہ ۲۵ اکتوبر کی شام کو جامعہ تشریف لائے۔ شیخ کا تعارف جب ہم نے اپنے اساتذہ حفظہم اللہ کی زبانی سنا، اور ہمیں سنت نبویہ کی اشاعت کے لیے برطانیہ میں ان کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو ہم نے مناسب سمجھا کہ تفصیلی معلومات کے لیے ان سے انٹرویو لیں۔

اس مقصد کے پیش نظر میں اپنے رفیق درس مولوی فضل اللہ محمد الیاس بہاری کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ ۲۷ اکتوبر رات کے دس بجے کے بعد کا واقعہ ہے۔ مہمان معظم جامعہ کے عالیشان دار الضیافہ کے جنوب مشرقی کوارٹر میں آرام فرما تھے۔ آپ سے مل کر اندازہ ہوا کہ آپ انتہائی خوش مزاج، خلیق اور ملنسار ہیں۔ ہر کس و ناکس سے بہت ہی بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے ہیں، چونکہ موصوف ہم سے پہلے ہی انٹرویو کا وعدہ کر چکے تھے، اس لیے پہنچتے ہی تیار ہوگئے۔ آپ اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں بات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ہم نے افہام وتفہیم کی آسانی کے پیش نظر اردو ہی زبان کو ترجیح دی اور سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔

ہمارے ابتدائی سوالات کے جواب میں آپ نے بتایا:

مجھے فضل کریم عاصم کہتے ہیں، والد محترم کا اسم گرامی محمد شریف چودھری ہے، اسناد میں مذکور تاریخ پیدائش کے مطابق میری ولادت ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء کو میرپور (آزاد کشمیر) میں ہوئی۔ یہ ممکن ہے کہ تاریخ ولادت سندوں میں صحیح نہ ہو۔

میری ابتدائی تعلیم دارالعلوم قدس امرتسر میں ہوئی اور میں نے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں دورہ حدیث کرکے سند فراغت حاصل کی، پھر پنجاب یونیورسٹی سے اردو فاضل، عربی فاضل اور فارسی فاضل کے ساتھ ساتھ او۔ ٹی۔ (O.T) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا کام انجام دینا شروع کیا، ابتداءً کیمبر میں ہائی اسکول کا استاذ رہا اور بعد کو انٹرمیڈیٹ کالج میں پروفیسر ہوگیا۔

اس کے بعد ہم نے دریافت کیا کہ آپ برطانیہ کب پہنچے اور وہ کون سا داعیہ تھا، جس کی وجہ سے آپ نے پاکستان چھوڑ کر برطانیہ میں اقامت اختیار کی؟

جواب میں آپ نے فرمایا کہ آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل تقسیم ملک کے بعد ہمارے یہاں کے بہت سے افراد جن میں میرے سگے بھائی بھی تھے۔ کسب معاش کے ارادے سے برطانیہ پہنچے۔ اس وقت میرے اقتصادی حالات بہت ہی اچھے تھے، لیکن برطانیہ میں پہنچکر ان حضرات کے اقتصادی حالات گمان سے زیادہ بہتر ہوگئے تو میں بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے برطانیہ پہنچ گیا۔

س: برطانیہ پہنچنے کے بعد آپ کا شغل کیا رہا؟

ج:۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے ایک فیکٹری ورکر کی حیثیت سے کام شروع کیا تاآنکہ میرے بچے بڑے ہوگئے اور انھوں نے خانگی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اس اثنا میں تقریباً بارہ سال تک میں جماعت اسلامی برطانیہ کے ساتھ دین حنیف کی خدمت انجام دیتا رہا۔

س:۔ کیا وہاں اس وقت جمعیۃ اہلحدیث نہیں تھی؟ کہیں آپ ہی تو جمعیت اہلحدیث کے موسس نہیں؟

ج:۔ میں تو پیدائشی اہلحدیث تھا، چنانچہ عقائد کی بنیاد پر ۱۹۷۴ء میں بریلوی حضرات کا میرے ساتھ سخت تصادم ہوگیا، بس اسی وقت میں نے بحیثیت اہلحدیث کام کرنے کا عزم مصمم کرلیا، اور عوام سے رابطہ قائم کرنے کے بعد جون ۱۹۷۵ء میں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

س:۔ اچھا آپ وہاں بسنے والے اہلحدیثوں کی تعداد بتاسکیں گے؟

ج:۔ صحیح طور پر سروے تو نہیں کیا گیا ہے مگر ایک تخمینہ کے مطابق کوئی ۵ ہزار کے قریب ہے۔

س:۔ وہاں پائی جانیوالی دوسری جمعیات کے حالات کیا ہیں؟

ج:۔ تعداد کے اعتبار سے تو دیوبندی و بریلوی حضرات بہت زیادہ ہیں اور جماعت اسلامی کے ادارے

بھی قریب قریب ہمارے ہی برابر ہیں مگر درس و تدریس ، نشرواشاعت اور وعظ و تبلیغ کے میدان میں ہماری جمعیت کا کوئی ثانی نہیں ، درحقیقت بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات تو باطل عقائد کی وجہ سے ہمارے مقابل میں کھڑے نہیں کیے جا سکتے اور دوسری جمعیتوں کا جہاں تک تعلق ہے تو جماعت اسلامی تو صرف اقامت دولت وحکومت کی داعی ہے ، اور تبلیغی جماعت صرف اقامت صلوات واخلاقیات کی داعی ہے اور اس کے ماسوا دوسری بنیادی چیزوں پر نظر نہیں رکھتی ، گویا جماعت تبلیغ صرف پرائمری کی چند مخصوص چیزوں پر نظر رکھتی ہے اور جماعت اسلامی صرف اس نتیجے پر نظر رکھتی ہے جو پورے دین کو عملی جامہ پہنانے کے بعد برآمد ہوتا ہے درمیانی مہمات پر کسی کی نظر نہیں ، مگر بفضل اللہ جمعیت اہلحدیث وہ واحد جماعت ہے جو ولادت سے میدان جہاد میں شہادت تک کسی گوشہ کو نظر انداز نہیں ہونے دیتی ۔

س :۔ برطانیہ میں جمعیت کے نشرواشاعت کے وسائل و ذرائع کیا ہیں ؟

ج :۔ ہم وہاں سے دو ماہنامے شائع کرتے ہیں ، ایک " صراط مستقیم " جو اردو میں ہے ، اور آپ کے یہاں بھی آتا ہے اور دوسرا " اسٹریٹ پاتھ " " Straight Path " جو انگریزی میں ہے ۔ اس کے علاوہ ہم مختلف موضوعات و مسائل پر اردو اور انگریزی میں رسائل اور کتابچے وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہتے ہیں نیز ہمارے یہاں بیس سے زائد ایسے علماء ہیں جو مختلف مقامات اور علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں ۔

س :۔ جمعیت کے زیر نگرانی کوئی ادارہ بھی قائم ہے ؟

ج :۔ جی ہاں ! ہماری جمعیت کے زیر نگرانی ۱۵ مدارس اور ۲۸ برانچ ادارے قائم ہیں ، مرکزی درسگاہ برمنگھم میں ہے جہاں چار سو کے قریب طلبہ ، حفظ قرآن وناظرہ ترجمہ وتفسیر ، حدیث ، اسلامی فقہ ، تاریخ وجغرافیہ اور اردو کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ، اور انگریزی تو وہاں کی مادری زبان ہے ، ان خدمات کو بخوبی انجام دینے کے لیے وہاں ۱۶ اساتذہ مامور ہیں ۔ (وفقہم اللہ تعالیٰ)

س : آپ کی جمعیت کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے ۔ ؟

ج :۔ جمعیت کی آمدنی برطانیہ کے اہل الحدیث عوام سے چندہ کی شکل میں ہوتی ہے اور شدید ضرورت کے وقت دردمند اہل خیر حضرات قرض بھی دیا کرتے ہیں ۔ نیز بعض اسلامی ممالک سے بھی بسا اوقات مالی تعاون

حاصل ہوتا رہتا ہے۔ حکومت سعودیہ کی طرف سے نومندوبین وہاں مبعوث ہیں۔

س:۔ آپ کی جمعیت کی حکومت برطانیہ بھی مدد کرتی ہے؟

ج:۔ بعض یکسونئی مسائل میں حکومت برطانیہ سے مدمل جایا کرتی ہے

س:۔ ہندوستان میں آپ اپنی تشریف آوری کا مقصد بیان فرمائیں گے۔؟

ج:۔ ہندوستان کے سفر سے میرا مقصد، یہاں کے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرنا ہے۔ تاکہ میں یہاں بسنے والے مسلمانوں کے دین کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد اور ان کے طریقہ کار سے واقف ہوسکوں، خصوصاً جمعیت اہلحدیث ہند کس نہج اور کس طریقہ پر کام کر رہی ہے، اس کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ دیہی علاقوں اور مدارس کو بھی دیکھنے کا ارادہ ہے۔

س:۔ آپ کا سفر کہاں سے شروع ہوا اور کہاں اور کب اختتام پذیر ہونے کی امید ہے۔

ج:۔ میں نے ہندوستان میں دہلی سے اپنا سفر شروع کیا اور دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ ہوتا ہوا یہاں بنارس پہنچا۔ میرا ارادہ شیخ الحدیث، عزت مآب جناب مولانا عبید اللہ رحمانی حفظہ اللہ سے ملاقات کے بعد بہار و بنگال کے مشہور مدارس کو دیکھتے ہوئے بنگلہ دیش تک جانے کا ہے۔ جہاں تک مجھے امید ہے میرا یہ سفر نومبر کے آخر تک تکمیل کو پہنچے گا۔ انشاء اللہ۔

س:۔ جامعہ سلفیہ کے بارے میں آپ کا تأثر؟

ج:۔ جامعہ سلفیہ مجھے اپنا گھر معلوم ہوا، یہاں کے اساتذہ نے میری جس قدر تعظیم و تکریم کی ہے وہ قابل ستائش ہے، میں برطانیہ میں سنتا تھا کہ بنارس میں ایک سلفی ادارہ قائم ہے، مگر میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مرکزی بت کدے میں اس طرح کی عظیم الشان عمارت کے ساتھ ایک مثالی درس گاہ قائم ہوگی۔ مجھے پوری توقع ہے کہ یہ جامعہ ضرور اپنی ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی پُر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

س:۔ آپ دوسری بار پھر کب ہندوستان تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟۔

ج:۔ میرا دوبارہ آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور اب تو غالباً عمر بھی ساتھ نہ دے سکے گی۔

س:۔ آخر میں ہمارے لیے کوئی نصیحت فرمائیں!

ہے ۔ چونکہ مولانا اسی شب طلبہ جامعہ کو نماز عشاء کے بعد خطاب فرما چکے تھے، اس لیے انھوں نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میں تو نصیحت کر چکا ہوں، مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

(مولانا کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ طلبہ اپنے اندر زہد و تقویٰ، عفت و پاکیزگی اور پڑھی ہوئی چیزوں پر عمل کا جذبہ پیدا کریں۔ اساتذہ کی خدمت دل و جان سے کریں۔ ترک معاصی کا خصوصی طور پر اہتمام کریں۔ اس سلسلہ میں موصوف نے امام شافعی کا مشہور شعر: شکوت الی وکیع سوء حفظی کا بار بار اعادہ فرمایا۔ اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ دنیا میں اس وقت اہم تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں، دنیا مادی ترقی کے عروج کو پہنچ چکی ہے۔ خلا میں انسان اڑ رہا ہے، مہتاب پر کمند ڈال چکا ہے، پھر بھی انسان کو قلبی سکون میسر نہیں۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو روح کو سامان تسکین فراہم کرتا ہے۔ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"، اہل دنیا کی نظر اسلام کی طرف لگی ہوئی ہے، دوسری طرف باطل افکار و نظریات اور عقائد و خیالات کی اشاعت تیزی کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ ایسے موقع پر آپ کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ آپ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ علمی لیاقت و صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور عملی میدان میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھیں۔ کیوں کہ مخاطبین سب سے پہلے آپ کے ظاہری عمل ہی سے متاثر ہوں گے۔ برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ممالک آپ کی تگ و تاز اور جہد و عمل کے محتاج اور منتظر ہیں۔)

اس لذیذ و سکون بخش گفتگو کے بعد ہم نے مولانا محترم کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا اور قلب و ذہن میں اس خوشگوار ملاقات و گفتگو کی یادوں کی خوشبو بسائے ہوئے اپنی قیام گاہ واپس آگئے۔ ●●●

بالتجھ بنوتر:

تو وہ قرآن کی تفسیر نہیں کرتا بلکہ قرآن میں جوڑ توڑ اور اس سے مذاق کرتا ہے۔

لہٰذا ہم اور آپ یہ سوال کرنے کی بجائے کہ مطلقہ عورت کا کیا ہوگا؟ ایسا سماج اور ایسی صورتحال پیدا کرنے کی کوشش کریں جو ایسی عورتوں، بے سہارا مسلمانوں اور یتیموں کا سہارا بن سکے، ساتھ ہی قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی ذمہ داری کو سمجھنے اور حقداروں کے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کریں نہ کہ قرآن ہی کو بدل دیں۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

تیسری قسط

علامہ محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی اور ان کی تصنیفات

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

(۲۲) سواء الطریق (اردو) صفحات ۲۷ طبع ۱۹۴۸ء - مطبع اسرار کریمی الہ آباد

یہ رسالہ مولانا کے اس خطبۂ صدارت پر مشتمل ہے جسے ۲ اپریل ۱۹۴۳ء کے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقدہ مئو آئمہ ضلع الہ آباد میں پڑھا گیا تھا، اس میں مولانا نے "تاریخ اہلحدیث" پر اتنی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے کہ اتنے ایجاز واختصار کے ساتھ اتنے اہم مباحث کا سمیٹنا ہر عالم باکمال کا کام نہیں۔ اس کتاب سے ناظرین کو تاریخ اہلحدیث کے سمجھنے میں بھرپور مدد ملے گی۔

(۲۳) ایضاح الطریق لصاحب التحقیق (اردو) صفحات ۱۵۹ طبع اول ۱۳۶۳ھ مطبع اسرار کریمی الہ آباد

یہ کتاب مولوی حبیب الرحمان اعظمی صاحب کے رسالہ "تحقیق اہلحدیث" کا مفصل جواب ہے۔ مولانا سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "سواء الطریق" کے چھپنے کے بعد علماء مقلدین کے کیمپ میں بڑی کھلبلی مچی چنانچہ مئو ناتھ بھنجن کے مولانا حبیب الرحمان صاحب نے "تحقیق اہلحدیث" لکھ کر اس کی تردید تغلیط کی کوشش کی، مگر مولانا بنارسی نے نہایت زوردار دلائل سے مولانا حبیب الرحمان کی اتنی زبردست تردید کی کہ ان کی زبان ہمیشہ کے لئے گنگ ہوگئی اور آج تک ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، کتاب انتہائی دلچسپ اور لاجواب ہے۔

(۲۴) حکم الحاکم فی کنیۃ ابی القاسم (اردو) صفحات ۱۶۔ طبع اول ۱۹۰۹ء مطبع سعید المطابع بنارس

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جس کا نام محمدؐ ہو اس کو اپنی کنیت ابو القاسم نہیں رکھنی چاہیے۔ مولانا نے اس کتاب میں ایسے آدمی کے لیے "ابو القاسم" کنیت رکھنے کا جواز صحیح حدیثوں سے ثابت کیا ہے۔ نیز آخیر میں مشاہیر علماء کرام کے فتوے بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

(۲۵) الزہر الباسم فی الرخصۃ فی الجمع بین محمد وابی القاسم (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ۱۳۳۱ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں حکیم ابو تراب محمد عبد الحق صاحب کے ان ایرادات باطلہ کا مسکت جواب ہے جو انھوں نے مولانا سیف بنارسیؒ کے "ابو القاسم" کنیت رکھنے پر کیا تھا۔ جواب احادیث صحیحہ و اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے مع حوالہ کتب درج ہے۔ حکیم صاحب کی بدزبانی کی بنا پر جواب کا انداز انتہائی سخت ہے، حکیم صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا بنارسی لکھتے ہیں کہ "لیکن میں سیالکوٹی اور امرتسری (یعنی مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ) نہیں ہوں کہ "جواب ۔ ۔ ۔ ۔ باشد خموشی" پر عمل کر کے آپ کو اچھلنے کودنے کا موقع دوں، اگر ان دونوں صاحبان کا مقدس اصول آیۂ مبارکہ "فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ"[1] ہے تو میرا سنہرا اصول "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا"[2] ہے، اگر وہ دونوں حضرات نرم پارٹی کے رکن اعظم ہیں تو میں گرم پارٹی کا ممبر اعلیٰ ہوں۔ ان شاء اللہ آپ کو بتلا دوں گا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، اور آپ جیسے کو ان کے گھر تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔"

ستعلم[3] لیلی ای دین تداینت　　وای غریم فی التقاضی غریمہا۔

(۲۶) رمی الجمرتین علی شاک کلمۃ الشہادتین (اردو) صفحات ۸ طبع اول ۱۳۲۶ھ مطبع سعید المطابع بنارس

---

[1] جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔ (شوریٰ)

[2] برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے

[3] لیلیٰ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیسے قرض کا معاملہ کیا ہے اور اس کا قرضخواہ تقاضا کے سلسلے میں کیسا قرضخواہ ہے

یہ کتاب مولوی عبدالستار بن امام الدین ساکن قادرپور ضلع دہلی کے ان مواخذات و تقریروں کے رد میں ہے جن میں وہ کہتے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے، کیوں کہ یہ کلمہ اجتماعی طور پر قرآن و حدیث میں یکجا اور اس طور پر وارد نہیں ہوا ہے۔

اس کتاب کے دو جز ہیں پہلے جز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اجتماعی طور پر یہ کلمہ حدیث کے اندر موجود ہے، اور دوسرے جز میں ان لوگوں کا جواب ہے جو اس کلمہ میں نحوی خدشات نکالتے ہیں۔

(۲۷) علاج درماندہ در کیفیت مباحثہ ٹانڈہ (اردو) صفحات ۱۶ طبع اول ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ مطبع سعید المطابع بنارس

اس رسالہ میں مولانا سیف بنارسی اور مولوی فاخر حنفی الہ آبادی کے مابین ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں بماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ جو تحریری سوال و جواب اور خط و کتابت ہوئی تھی اور جو اصل میں مناظرہ کا پیش خیمہ تھی، وہ بعینہٖ درج ہیں۔
اس رسالہ میں تیس سوالات مولوی فاخر حنفی صاحب کی طرف سے ہیں اور چھبیس مولانا سیف بنارسی کی جانب سے، لیکن دونوں کے اصل سوالات کے جوابات کسی کی طرف سے نہیں آئے بلکہ مقابلہ شعر و شاعری میں ہو کر رہ گیا۔ اور آخر میں جب مولانا فاخر بے بس ہو گئے تو خط میں صرف یہ لکھ کر بھیج دیا کہ "جواب جاہلاں باشد خموشی"، اس کے جواب میں مولانا سیف نے اسی رقعہ پر یہ تضمین لکھ دی ؎

یہی کہہ کر کرو تم عیب پوشی　　جواب جاہلاں باشد خموشی

(۲۸) تبصرہ (اردو) صفحات: ۴۰ طبع اول ۱۹۴۴ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر

ضلع الہ آباد قصبہ مئو آئمہ میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کو آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی جانب سے اجلاس عام ہوا، اس میں علمائے اہلحدیث نے توحید و سنت پر تقریریں کی تھیں اور مولانا سیف نے معالم اللہ کے نام سے تاریخی خطبۂ صدارت لکھا تھا۔ اس اجلاس کے بعد مئو آئمہ کے حنفی بھائیوں نے اس اہلحدیث کانفرنس کی مخالفت کرتے ہوئے "آل انڈیا احناف کانفرنس" کے نام سے اجلاس کیا، جس کے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی تھے، انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں اہلحدیث کی تردید میں اور مذہب حنفی کی تائید میں موضوع اور منکر احادیث اور لا یعنی استدلالات کا طومار باندھا۔ علاوہ ازیں جلسہ میں جو تقریریں ہوئیں ان میں دنیا بھر کے الزامات اہلحدیث

کے سر تھوپ دیے گئے ۔ جو مولوی اٹھتا، یہی راگ الاپتا کہ اہلحدیث وہابی ہیں، غیر مقلد ہیں، لامذہب ہیں، کافر ہیں، لیے ہیں دیے ہیں مع اسی خطبۂ صدارت اور اہلحدیثوں پر لگائے گئے الزامات کے جواب میں مولانا نے یہ کتاب لکھی ۔ مگر یہ مولوی محمد شفیع صاحب اعظمی مدرس مدرسہ چشمۂ صمدیہ مئو آئمہ کے نام سے شائع کی گئی ۔ یہ بات ناشر کتاب اور اہل مئو آئمہ نے مجھے بتائی ہے ۔

قاری صاحب نے اپنے مذکورہ خطبۂ صدارت میں امام ابوحنیفہؒ کو دنیا کا سب سے بڑا فقیہ ہونا ثابت کیا تھا اور بہت سی دلیلیں دی تھیں ۔ لیکن علامہ سیف بنارسیؒ نے سب کو ہبا منثورا کردیا ۔ تھوڑا سا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، علامہ سیف صاحب لکھتے ہیں کہ " امام صاحب کے تفقہ کے عنوان سے خطیب دیوبند نے اپنے خطبہ کے ص ۳۷ سے ان کے تفقہ کی چند مثالیں بیان کرنی شروع کی ہیں، ان کی حقیقت تو بعد میں کھولی جائے گی ۔ پہلے میں بھی چند مثالیں ان کے علم کتاب وسنت کی عرض کرتا ہوں ۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ سورہ فاطر کی آیت : انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کو اللہ کے رفع کے ساتھ اور علماء کو نصب کے ساتھ پڑھتے پھر اس کے عجیب معنی بیان کیے جاتے ۔ ـــــ قالوا معنی الآیۃ انہ لوجازت الخشیۃ علی اللہ من احد لما کان یخشی احدا منہ الا العلماء وقالوا الخشیۃ من لوازمھا التعظیم فالمراد من الخشیۃ ھھنا التعظیم ۔ انتھی ۔ (مناقب الشافعی للرازی ص ۱۳۶ وذیل الجواہر المضیۃ ص ۵۱۱ ج ۲)
یعنی اللہ تعالیٰ اگر کسی سے ڈرتا تو مولوی لوگوں سے ڈرتا اور (صاحب جواہر مضیۃ نے) کہا کہ لوازم خشیت سے مراد تعظیم ہے ۔ یعنی اللہ مولویوں کی تعظیم کرتا ہے ۔ سبحان اللہ !

حافظ سیوطی نے اکلیل میں تحت آیت سورہ توبہ ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار ۔ (اور نہیں چلتے ہیں ایسا چلنا کہ کافروں کو غصہ آئے) لکھا ہے استدل بھا ابوحنیفۃ علی جواز الزناء بنساء اھل الحرب فی دار الحرب ۔ (اکلیل برحاشیہ جامع البیان ص ۲۲۸، ۲۲۹)، یعنی آیت مذکورہ سے امام صاحب نے دلیل پکڑی ہے اس بات پر کہ دار الحرب میں حربی کافروں کی عورتوں سے زنا جائز ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی مراد تو وطی الارض ہے یعنی زمین پر چلنا ۔ آپ نے وطی الغی سمجھ کر زنا حلال کردیا ۔

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو ۔۔۔ مذہب وہ چاہیے کہ ... بھی حلال ہو
(تبصرہ ص ۳۲)

جماعت و جامعہ

مہمانوں کی آمد : پچھلے دنوں مہمانوں کی تشریف آوری سے جامعہ میں بڑی رونق اور چہل پہل رہی۔ ۱۷؍اکتوبر بروز جمعہ کو دارالافتاء (سعودی عرب) کے نمائندے شیخ عبدالرحمان علی الدریعج جو مکتب الدعوۃ لاہور (پاکستان) سے متعلق ہیں، شیخ عطاءالرحمان مدنی کی معیت میں تشریف لائے اور دوسرے دن راقم کو بھی ہمراہ لیکر ضلع اعظم گڈھ کے متعدد مدارس کا طوفانی دورہ کیا پھر ۱۹؍اکتوبر کو دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔

موصوف کے دو ہی دن بعد مولانا عبدالرؤف رحمانی مدظلہ تشریف لائے اور کئی روز قیام فرمایا۔ دوران قیام ایک روز بعد نماز عشاء آپ نے طلبہ کو جامع اور مفصل خطاب فرمایا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ اپنے دور طالبعلمی کے واقعات بیان فرمائے اور بتلایا کہ کس طرح اساتذہ کی تنبیہات اور سختیاں کمزور طالب علموں کو بھی ہیرے اور جواہرات میں تبدیل کر دیتی ہیں، موصوف کی تقریر بڑی دلپذیر اور عبرت آموز تھی۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد برطانیہ کی مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر جناب مولانا فضل کریم عاصم صاحب تشریف لائے۔ آپ کا مشن جماعت کے حالات کی خصوصاً اور مسلمانوں کے حالات کی عموماً خبر گیری کرنا تھا۔ آپ خاصے عمر رسیدہ اور تجربات زمانہ کے امین قلب و نظر کے مالک ہیں۔ جامعہ میں کئی روز آپ کا قیام رہا اور اس دوران ایک تفصیلی انٹرویو بھی لیا گیا جو اسی شمارے میں شامل ہے۔ ۳۱؍اکتوبر کو آپ پٹنہ تشریف لے گئے، جہاں سے کلکتہ بنگلہ دیش اور پھر جنوبی ہند ہوتے ہوئے آپ پاکستان جانے کا پروگرام رکھتے ہیں۔

۲؍نومبر کو حافظ محمد سلیمان صاحب میرٹھی مولانا اسلم صاحب کانپوری، قاری عبدالرشید صاحب خانجہانپوری اور مولانا شمس الحق صاحب سلفی (سابق مدرس جامعہ) تشریف لائے۔ اسی روز بعد نماز عشاء جامع مسجد اہلحدیث مدنپورہ (مسجد طیب شاہ) میں جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس کی طرف سے اجلاس عام کا اہتمام کیا گیا جسے اول الذکر دونوں علماء نے خطاب فرمایا۔ اور اخیر میں شیخ الجامعہ صاحب نے اختتامی کلمات ارشاد فرمائے۔

امتحان ششماہی : اس سال امتحان ششماہی کے لیے ۲۲؍ سے ۲۸؍نومبر تک کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا۔

اس کے بعد طلبہ کے مطالعہ اور مذاکرہ کی ہماہمی میں خاصا اضافہ ہوگیا۔ رات کی تاریکی میں جگہ جگہ روشن ٹیوب لائٹوں کے نیچے طلبہ کے ہجوم سے پورا جامعہ ایک علمی جشن کا نہایت سہانا سماں پیش کرتا رہا تا آنکہ مقررہ تاریخیں آگئیں اور طلبہ نے نہایت مستعدی سے امتحان دیا۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کی تبلیغی سرگرمیاں:

جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس اور اس کی سرگرمیوں کا تعارف و تذکرہ محدث کے صفحات پر کئی بار آچکا ہے اس جمعیت کی متعدد شاخیں ہیں۔ ایک شاخ بمقام بجرڈیہہ بنارس بھی ہے۔ بجرڈیہہ کی جامع مسجد میں ۲۰ر اکتوبر، بروز اتوار بعد نماز عصر مولانا محمد یونس صاحب مدنی صدر جمعیۃ نے سورۂ عنکبوت کی چند آیات سے درس قرآن کا افتتاح کیا اور اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی۔

جمعیت کے زیر اہتمام اجلاس عام: حسب دستور مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۸۵ء بروز سنیچر جامع مسجد اہلحدیث مدنپورہ میں ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے امیر مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے زیر صدارت ایک اجلاس عام منعقد ہوا۔ اجلاس کا آغاز حافظ عبدالعزیز صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ پہلے مولانا حافظ محمد سلیمان صاحب میرٹھی خطیب جامع مسجد اہلحدیث کلکتہ نے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ایک جامع تقریر کی۔ انھوں نے فرمایا کہ تحفظ شریعت کے لیے ضروری ہے کہ خود مسلمان اسلامی قوانین پر عمل کرکے اسلام کی صحیح عملی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اور حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ بعدہ مولانا عبدالسلام صاحب اسلم کانپوری نے حبِ نبوی کے موضوع پر ایک شستہ تقریر کرتے ہوئے تاریخی واقعات کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی والہانہ محبت کا تذکرہ کیا پھر دورِ حاضر کے مسلمانوں کا حال ذکر کرتے ہوئے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق دکھلایا اور بتلایا کہ یہی ہماری پستی و ذلت کا سبب ہے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اخیر میں مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعۃ السلفیۃ بنارس نے جمعیت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اور لوگوں کو تمسک بالکتاب والسنۃ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت اور سربلندی کا راز اسی میں پنہاں ہے اور وہ ہندوستان میں اپنے حقوق اسی طرح حاصل کرسکتے ہیں۔" اجلاس میں بلا تفریق مسلک کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

شعبۂ نشر و اشاعت۔ جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس

جوار رحمت میں :

مدنی محمد شفیع صاحب : محترم حافظ عبد العزیز عبید الله الرحمانی حفظه الله نے مکه مکرمه سے اطلاع دی هے که مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مقیم مکه مکرمه (سعودی عرب) کا ایک مختصر علالت کے بعد طائف کے فوجی اسپتال میں ۸ / صفر ۱۴۰۶ ھ کو انتقال هوگیا ، انا لله الخ .

موصوف وهاں پر علاج کے لئے داخل کئے گئے تھے ، امام حرم شیخ محمد بن سبیل حفظه الله نے مرحوم کو اپنی سفارش سے داخل کرایا تھا .

مرحوم جامعه سلفیه کے مخلصین اور حافظ فتحی مرحوم کے خاص مصاحبین میں تھے ، جماعتی اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصه لیتے اور حجاج کرام کی هر ممکنه خدمت انجام دیتے تھے ، مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے ، سب کے ساتھ کشاده روئی سے پیش آتے تھے - الله تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے . اداره محدث اور جامعه سلفیه مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے هیں -

حاجی عبد المجید صاحب : ۲۹/ اکتوبر ۱۹۸۵ ء کو صبح ساڑھے چھ بجے اچانک حرکت قلب بند هوجانے سے رحلت فرما گئے انا لله و انا الیه راجعون موصوف مدرسه رحمانیه مدراس کے بانی اور جمعیة اهل حدیث تملناڈو کا اهم ستون تھے - آپکا تقوی ، خدا ترسی ، خلوص اور جماعتی کاموں کیلئے مخلصانه مساعی قابل رشک هیں - آپکے اس اچانک انتقال سے ایک بہت بڑا خلا پیدا هو گیا - الله تعالی آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے - اور هم سب کو آپکا نعم البدل عطا فرمائے آمین -

مجلس تحقیق علمی دهلی : مرکزی جمعیة اهل حدیث هند کے تحت دهلی میں ایک مجلس تحقیق علمی کا قیام عمل میں آچکا هے - جو مسلک محدثین اور طریقه سلف کے مطابق زبانی اور تحریری فتوے صادر کرتی هے - ملاقات کا وقت شام ۳ سے ۵ بجے تک -

پته یه هے : اهلحدیث منزل ۴۱۱٦ — اردو بازار دهلی ٦ .

Reg. No. R N. 40352/81

December **MOHADDIS** 1985

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

AL-JAMIATUS SALAFIAH (AL-MARKAZIYAH) VARANASI (INDIA)

Published from Markazi Darul-Uloom

Printed by Abdul Waheed

At Salafiah Press, Reori Talab, Varanasi